ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ

(دسویں صدی ہجری کے بعد اردو ادب کی تخصیص کے ساتھ)

تحقیقی مقالہ

برائے

پی۔ایچ۔ڈی

مقالہ نگار

روبینہ ترین۔ ایم اے

نگران

جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق

ایم اے، پی ایچ ڈی (پنجاب)

ڈبلیو پی ای ایس (ریٹائرڈ)

اس مقالے کی منظوری ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے مراسلہ نمبر ۵۵۹/Acad/III/Gen/FR3 مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۹۲ء کے تحت عطا کی۔

پیش لفظ

بانئ پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح ؒ نے ایک بہت بڑی تاریخی اور تہذیبی صداقت کا بلیغ اشارہ کیا تھا ۔ جب انہوں نے فرمایا تھا کہ پاکستان تو اسی روز قائم ہوگیا تھا جس روز برصغیر میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ قبول اسلام دست تیغ پر نہیں ، کسی خدا رسیدہ بزرگ کے دست حق پرست پر ہوا تھا ۔ چنانچہ حقیقتاً قیام پاکستان کا جواز ان صوفیائے کرام نے فراہم کیا جو برصغیر کے طول و عرض میں اپنے معتقدات و معاملات کی شمع روشن کر کے اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کی تبلیغ محبت اور خدمت کے ساتھ کی ۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان ایسی نظریاتی ریاست کے معتقدات اور معاملات کی تہذیبی اور سماجی ڈھانچے کا بنیادی محرک صوفیائے کرام کی تعلیمات میں جو ایک طرف تو قرآن و حدیث اور سنت کے جوہر ملکوتی کی امین ہیں تو دوسری طرف اجتماعی سطح پر دکھ سکھ میں شرکت کی قوت اور زندگی کرنے کے باحوصلہ رویوں کے ضمن میں مد ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے پاکستان کی فکری ، تہذیبی ، ثقافتی اور ادبی تاریخ کا محور صوفیائے کرام کی شخصیات اور تعلیمات میں اور پاکستانی قوم کی فکری و نظری یکجائی اور اساس کیلئے بھی ضروری ہے کہ اس منبع سرچشمے اور ماخذ کے اثرات کو متعین کیا جائے جو صوفیائے کرام کا مرہون منت ہیں۔

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی خود ایک بہت بڑے صوفی بزرگ کے نام نامی سے منسوب ہے اور پھر ملتان ایک طرف تو سندھ اور پنجاب کا تہذیبی سنگم ہے تو دوسری طرف بے پناہ تاریخی فکری اور ادبی صلاحیتوں کا گہوارہ اور مرکز بھی رہا ہے ۔ اس لئے میں نے جب اس موضوع پر کام کرنے کا ارادہ کیا تو میرے پیش نظر محض سعادت کا حصول ہی نہیں تھا بلکہ خصوصی تہذیبی ، تاریخی اور ادبی خدمت کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔

ملتان اور اس کے گردونواح میں بے شمار صوفیائے کرام کے مقابر اور مزارات ہیں جو

بلا مبالغہ لاکھوں نہیں کروڑوں بندگانِ خدا کیلئے رشد و ہدایت اور فکر و نظر کے مراکز ہیں ۔ ان بندگانِ گرامی کی روحانی کمالات کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان بزرگوں نے شاگردوں کو دینی تعلیم اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کے مشن کیلئے فکری ، نظری اور عملی تربیت بھی دی ہے عملی تربیت کے سلسلے میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ان بزرگانِ کرام نے طلبانِ گرامی کو فنِ تعمیر ، کاشی گری ، نقاشی ، خطاطی ، کوزہ گری ، قالین بافی ، جلد سازی جیسے فنونِ لطیفہ بھی سکھائے اور شہسواری ، پہلوانی ، کشتی ، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی عملی تعلیم بھی دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات سے معاشرے کی باطنی تربیت اور ترفع کیلئے بہت بڑا کردار ادا کیا ۔ اس لئے ان تمام مسلّم ماخذات اور محرکات کی تحقیق کسی ایک علاقہ کیلئے نہیں بلکہ ملکی اور قومی سطح پر افادیت کی حامل ہے ۔ میرے پیش نظر یہی مقاصد تھے جن کی تحت میں نے اس منصوبے پر کام کرنے کا عزم کیا ۔ کام مشکل بھی تھا اور حوصلہ شکن بھی لیکن عزم و حوصلہ اور استقامت کی جذبے بھی مجھے انہیں صوفیائے کی زندگی کی ریاضت سے حاصل ہوئے اور میں نے سفر کا آغاز کر دیا ۔ میری خوش نصیبی کہ موجودہ وائس چانسلر جناب محمد نذیر رومانی کو یہ منصوبہ پسند آیا اور انہوں نے نہ صرف زبانی حوصلہ افزائی کی بلکہ میرے لئے اس پراجیکٹ کی منظوری کا ذمہ بھی لیا اور بہ نفس نفیس پراجیکٹ کی تیاری میں مدد بھی فرمائی پھر اس پراجیکٹ کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر پی ، ایچ ، ڈی کیلئے رجسٹر کرانے کا صائب مشورہ بھی انہوں نے خود دیا اور اس طرح میں نے اس موضوع کو پی ایچ ڈی کیلئے بھی منتخب کر لیا اور کام شروع کر دیا ۔ ان کا یہ احسان میں بھلا نہیں سکتی ۔

(۱)

تصوف کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو کتب اور مقالات میری نظر سے گذرے ہیں ان میں سے ما سوائے چند ایک کے باقی سب کے سب تحقیقی نقطہ نظر سے تشنہ اور ناکافی ہیں ۔ سوانح حیات موجود نہیں ہیں ۔ کشف و کرامات کے واقعات پر زیادہ زور دیا گیا ہے بحیثیت

از حق اور ماورائے شعور چیزوں کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ مصنفین میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس موضوع پر زیادہ تر چیزیں ان لوگوں کی تصنیف یا تالیف کردہ ہیں جو کم علم ہیں اور محض عقیدت کے طور پر یا سعادت حاصل کرنے کیلئے لکھنے پر آمادہ ہوئے ۔ بعض لوگوں نے محض ذاتی مفاد پرستی کی خاطر اور بعض نے اس سلسلوں کے سجادہ نشینوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ان بزرگوں کے مافوق الفطرت اور محیر العقول کارناموں پر مبالغہ آمیز طریقے سے لکھا گویا

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالے اور سند کے نہ آئے عام طور پر یہ محسوس بھی کی گئی ہے کہ اصل کتاب کے حوالے دیئے جائیں اور ثانوی حوالوں سے اجتناب کیا جائے لیکن ملتان میں لائبریریوں کی قلت ہے اور کتب نایاب ہیں اس لئے کہیں کہیں جہاں تاریخ غلط یا زیادہ نقص کا خطرہ نہ تھا ثانوی حوالے اختیار کرنے پڑے لیکن ان کتب کے باقاعدہ حوالے بھی درج کر دیئے گئے تاکہ ایمانداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

میری نہیں سرزمین ملتان کی خوش نصیبی ہے کہ یہیں جناب ڈاکٹر مہر عبد الحق ، جناب علامہ عتیق فکری ، جناب مرزا ابن حنیف ، جناب حبیب فائق اور جناب اسد نظامی جیسے حضرات ، اہل فکر اور نایاب کتابوں کے حامل بزرگوں کی رہنمائی ، شفقت اور الطاف نصیب ہے میرا یہ مقالہ نہ تو تکمیل کی منزل تک پہنچتا اور نہ ہی وقیع بنتا اگر مجھے ان بزرگوں سے قلمی اور نایاب کتب دستیاب نہ ہوتیں ۔ میں نے قلمی کتابوں کے حوالوں میں ان شخصیتوں کا ذکر کر دیا ہے جن سے مجھے یہ نسخے حاصل ہوئے ۔ ان بزرگوں کے ساتھ ساتھ مجھے اردو کے نامور استاد اور ملک کی معروف اور نامور ادبی شخصیت جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی بہت سی نایاب کتب مجھے مہیا کیں میں ان سب بزرگوں اور مخلص محترم بھائی ڈاکٹر طاہر تونسوی کی بے حد شکر گزار ہوں ۔

میں اپنی خوش قسمتی پر جتنا فخر کروں کم ہے کہ مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق جیسے عالم فاضل کا لطف اور نگران کی رہبری اور رہنمائی حاصل ہوئی ڈاکٹر صاحب کا دم ملتان اور اہل ملتان کیلئے ہی نہیں بلکہ پورے ملک کیلئے باعث برکت اور لائق صد افتخار ہے انہوں نے اس صدی کی پانچویں دہائی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے فضیلت کا درجہ پایا وہ نہایت وقیع اور بیش بہا کتابوں کے مصنف، مفسر قرآن، محقق، نقاد، دانشور اور شاعر ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان کی رہنمائی کے بغیر میرا یہ مقالہ اتنا اہم اور معیاری نہ بنتا وہ میرے محترم بزرگ اور باپ کی جگہ ہیں جنہوں نے مجھے حوصلہ بھی بخشا اور میری رہبری بھی فرمائی۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

جناب علامہ عتیق فکری نے مقالے کی تیاری سے لیکر اس کی تکمیل تک نہ صرف مفید اور اہم مشورے دئیے بلکہ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں میری ہر ممکن مدد کی۔ تاریخ فلسفہ، تصوف اور دیگر علوم کے سلسلے میں ان کی معلومات بہت وسیع ہیں۔ جناب مرزا ابن حنیف نے ملتان کی قدامت اور سیاحوں کے بیانات کے سلسلے میں بڑی مدد کی، جناب حبیب فائق نے اپنی نایاب کتب بڑی فیاضی سے میرے سامنے رکھ دیں۔ انہوں نے جناب اسد نظامی جیسے بزرگ سے متعارف کرایا جن کے پاس کم و بیش ڈیڑھ ہزار قلمی نسخے اور ہزاروں کی تعداد میں نایاب کتب موجود ہیں۔ اس قلندر منش اور درویش صفت انسان کی فیاضی کا کمال یہ ہے کہ وہ خود زحمت اٹھا کر ہمیں نایاب قلمی کتابیں پہنچاتے رہے اور انہوں نے ان نایاب نسخوں کو استفادے کیلئے ہمارے پاس رہنے دیا۔ ادھر ایسے خضر صفت لوگ موجود ہیں تو دوسری طرف مجھے سخت افسوس کے ساتھ اس بات کا انکشاف کرنا پڑتا ہے کہ وہ دولت مند اور امراء جو محض نام و نمود کی خاطر کتب خانے قائم کرتے ہیں ان کتابوں کو الماریوں میں مقفل کر کے ان کو محض سجاوٹ کیلئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ میں نے بہت سے سجادہ نشینوں، نام نہاد دانشوروں اور تنگ دل امراء کو نہ صرف خطوں کے ذریعے اپیل کی بلکہ اپنے بہت سے عزیزوں کی معرفت ان تک رسائی بھی حاصل کی لیکن سوائے زبانی جمع خرچ کے اور بہانے کے انہوں نے کوئی چیز

مہیا نہ کی یہاں تک کہ وہ متولی اور سجادہ نشین جو بزرگوں کی مسند فضیلت پر بیٹھے ان کی نیک نامی کی کمائی کھا رہے ہیں خود اپنے بزرگوں کی تعلیمات اور آثار کے ریکارڈ اور تاریخ کی ترتیب کیلئے کوئی مدد کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اس لئے آفرین ہے ان بزرگوں پر جن کے اسمائے گرامی اوپر درج کئے گئے ہیں کہ جو فقیری کے باوجود فیاض ہیں ، دریا دل ہیں اور وسیع الظرف ہیں ۔ جو اپنی ساری کمائی ان کتابوں کے حصول پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے نزدیک دوسرے لوگوں کو شعور عطا کر سکتی ہے۔ یہ وہ اپنی جھونپڑیوں اور بال بچوں کو دھندلکوں میں رکھتے ہیں ، لیکن دوسروں کے ذہن و دماغ کو اجالتے اور ان کے فکرو شعور کو نور عرفان سے منور کردیتے ہیں۔ انہیں درویشوں اور صوفی منش انسانوں کے ذریعے مجھے وہ ماخذات حاصل ہوئے ہیں جو بڑی بڑی لائبریریوں اور عجائب گھروں میں بھی موجود نہیں ہیں ۔ صوفیا کے ملفوظات ، ان کے کلام اور علم و ادب کے اور بیش بہا ماخذات (Sources) تک رسائی ان بزرگوں کی مشاورت اور شفقت کی بدولت ہے ۔ ان قلمی نسخوں کی تفصیل آگے چل کر الگ سے درج کردی گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو خضر کی عمر عطا کرے کہ ان کی بدولت زوال آمادہ معاشرہ کا بھرم قائم ہے ۔

اپنی یونیورسٹی کے اساتذہ اور انتظامیہ میں جناب ڈاکٹر محمد نذیر رومانی کا ذکر پہلے کر چکی ہوں کہ اس مقالے کے اصل محرک وہی ہیں ۔ کلیہ لسانیات و علوم اسلامیہ کے ڈین جناب پروفیسر ڈاکٹر خواجہ امتیاز علی کی مشاورت کی شکر گزار ہوں کہ جب بھی ملے نہایت شفقت سے مقالے کے بارے میں پوچھا ، ہمت بڑھائی اور جلد از جلد تکمیل کی ہدایت فرمائی۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد ملک ، جناب پروفیسر حسن صدیقی ، جناب پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خان درانی ، جناب پروفیسر شمس الدین ـــ سب اساتذہ کرام نے ہمیشہ بڑے خلوص سے حوصلہ دیا اور ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں اس مقالے کی تکمیل کے قابل ہوئی ۔

میں اگر ان چند شخصیتوں کا ذکر نہ کروں جن کی ذہنی اور فکری ماخذات سے میں نے خوشہ چینی کی ہے تو یہ نا انصافی ہوگی ۔ ان شخصیتوں میں جناب ڈاکٹر جمیل جالبی ،

جناب ڈاکٹر وحید قریشی ، جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری ، جناب پروفیسر خلیل صدیقی شامل ہیں ۔ ان بزرگوں میں بطور خاص جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور جناب پروفیسر خلیل صدیقی سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا ہے ۔ وہ جب بھی کسی سلسلے میں ملتان تشریف لائے میری حوصلہ افزائی فرمائی ، مفید مشورے دئیے اور شفقت سے پیش آئے ۔ جناب ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا تو میرے استاد رہے ہیں ان سے براہ راست تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا ہے ۔ ان کی علمیت وسعت مطالعہ اور نظم و ترتیب کے ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ ان کے شاگردوں کیلئے دلیل راہ ہے ۔ مجھ پر ان کا شکریہ بھی واجب ہے کہ انھوں نے ہمیشہ حوصلہ دیا ۔ اسی طرح جناب پروفیسر محمد امین نے جاپانی تصوف کے بارے میں نہ صرف مواد مہیا کیا بلکہ مقالے کے سلسلے میں بھی مفید مشورے دئیے ۔ میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں ۔

جمیل صاحب نے میرا مقالہ ٹائپ کرنے میں جتنی محنت کی شاید اور کوئی نہ کر سکتا ۔ حوالوں کی بھرمار اور مسودے میں بار بار کی تبدیلی اور ردو بدل کے باوجود انھوں نے خوبصورت انداز میں اسے ٹائپ کیا اور ماتھے پر شکن بھی نہیں آنے دی ۔ میں ان کی شکر گزار ہوں ۔ اکبر صاحب ، مشتاق صاحب اور احسان صاحب نے بھی ہر ممکن مدد کی ۔

اب رہا معاملہ گھر کا ۔ میرے ابو ، میری امی ، میرے بھائی ، میری بہنیں سب کو میری تعلیم عزیز رہی ۔ انھوں نے اپنی دعاؤں میں ہمیشہ میری بہتری چاہی ۔ ابو اور امی نے بطور خاص میری سستی پر نظر رکھی ، میرے ساتھ امیدیں وابستہ کی ہیں اور مجھے فخر بھی ہے اور خدا کا شکر بھی ادا کرتی ہوں کہ میں نے ان کی امیدوں کا بھرم رکھا ہے ۔

اور اب آخر میں چند ایسے مہربانوں کے ذکر پر کہ ارشادات ختم کرتی ہوں کہ جن کا شکریہ رسمی انداز میں ادا نہیں کیا جا سکتا ۔ ان میں جناب ڈاکٹر انوار احمد اور جناب عبدالرؤف شیخ شامل ہیں ۔ دونوں حضرات میرے استاد بھی رہے ہیں اور اس مقالے کی ترتیب میں انھوں نے ہر ممکن مدد کی ہے ۔ مواد کی فراہمی ، ترتیب و تدوین ، ماخذات کی جستجو ، اسلوب کی نوک پلک سنوارنے اور قدم قدم پر مفید مشوروں سے نوازنے میں انھوں نے بڑی فیاضی سے کام لیا ۔ رشیدہ ملک میری سہیلی بھی ہیں بہن بھی ۔ طاہرہ ۔ انھوں نے ہمیشہ میرے لئے دعا کی ۔

مقالے کی موجودہ صورت یہ ہے کہ اس کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) باب اوّل ——— تصوّف

(۲) باب دوم ——— ملتان

(۳) باب سوم ——— ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری سے پہلے)

(۴) باب چہارم ——— ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری کے بعد)

(۵) باب پنجم ——— ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ۔

پہلے باب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ تصوف کی تعریفات، توجیہات اور وجہ تسمیہ پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں نہایت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ مختلف کتابوں کے حوالے سے تصوف کی مبادیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کا دوسرا حصہ تصوف کے ارتقاء کو پیش کرتا ہے جس میں یونانی، یہودیت، عیسائی، چینی، ہندو اور جاپانی تہذیبوں میں تصوف کی روایت کا جائزہ اجمالی طور پر لیا گیا ہے اور پھر مسلمانوں میں تصوف کے ارتقاء پر قدرے تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مسلمانوں میں تصوف کی روایت کے مراحل و محرکات، ارتقاء اور مقبولیت کا جائزہ لیتے ہوئے ادوار قائم کئے گئے ہیں۔ ہر دور کی نمایاں خصوصیات، اہم صوفیائے کرام کی تصنیفات اور ان کے تہذیبی، ادبی اور سیاسی اثرات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ تصوف کا ابتدائی دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے اہم صوفیاء میں حضرت ابو ہاشم صوفی کوفی، حضرت اویس قرنی، حضرت [illegible]، حضرت حسن بصری، حضرت رابعہ بصری، حضرت حبیب عجمی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم ادہم اور حضرت سفیان ثوری جیسے بزرگ شامل ہیں۔ اسلامی تصوف کا دوسرا دور یونانی فلسفے اور عقلی علوم کی اشاعت کا دور ہے جس کے رد عمل کے طور پر صوفیاء نے عشق اور جذبے پر زور دیا۔ تیسرے دور میں فقہ کی ترتیب کا کام ہوا۔ اس دور کے صوفیاء نے مذہب

کی حقیقی روح کو سامنے لانے کی کوشش کی۔ یہ تین دور دسویں صدی عیسوی تک مکمل ہوتے ہیں۔ گیارھویں صدی تک پہنچتے پہنچتے تصوف کی اصطلاحات وضع ہونے لگیں۔ ادب و شعر میں بھی تصوف کی آمیزش ہونے لگی اور فلسفہ کی فکری و اصولی تدوین و ترتیب کا کام ہوا۔ اس دور میں صوفیا کے مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے گروہ وجود میں آگئے۔ بارھویں صدی عیسوی میں تصوف کا فلسفہ باقاعدہ طور پر مرتب کیا گیا اور صوفیانہ تعلیم کو مذہبی حکمت، وجدان اور نفسیات کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں فتنہ تاتار نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ چنانچہ اس دور زوال میں تصوف نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس دور میں رومی، سعدی، عراقی اور اوحدی جیسے بلند پایہ صوفی شاعر بھی شامل ہیں۔

اس باب کا تیسرا حصہ تصوف کے سلسلے اور اصطلاحات تصوف پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

دوسرے باب کا تعلق براہ راست ملتان کے ساتھ ہے۔ اس باب میں بھی تین حصے قائم کئے گئے ہیں۔ پہلے حصے میں ملتان کی قدامت، اہمیت اور سیاسی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ محمد بن قاسم کے حملے سے پہلے عرب ہند تعلقات ان کی نوعیت پھر محمد بن قاسم کے تحت مسلمانوں کا حملہ اور اس کے اثرات، محمود غزنوی کے حملے اور اثرات کا ذکر کرنے کے بعد صوفیائے کرام کی برصغیر میں آمد کا عنوان ہے۔

اس باب کے دوسرے حصے میں ملتان کی مذہبی، معاشرتی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ، یونانی، چینی، عربی اور یورپی سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ ان بیانات کی تحقیق و جستجو کیلئے اصل کتابوں تک رسائی حاصل کی گئی۔ خوش قسمتی سے عرب سیاحوں کے سفرناموں اور تاریخوں کے اردو ترجمے کئے جا چکے ہیں اس لئے اس سلسلے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی اور تراجم کے ذریعے ان کے بیانات کی تفہیم ہمارے لئے مشکل نہ رہی۔ مترجم حضرات نے اچھا کیا ہے کہ اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ اصل عبارتیں

بھی دے دی ہیں جن کی وجہ سے بہت سہولت رہی ۔

تیسرے حصے میں سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کے عمل کا تجزیہ مختلف ماہرین کی تحریروں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے ۔ لسانی تشکیل کا عمل صدیوں جاری رہا ہے ۔ ملتان میں یہ عمل غیر ملکی حملہ آوروں کی وجہ سے مسلسل اور مربوط انداز میں جاری رہا ۔ مسلمانوں کی آمد سے اس خطے کے لوگوں پر نہ صرف سیاسی ، سماجی اور تہذیبی سطح پر اثرات مرتب ہوئے بلکہ زبان کی تشکیل اور تبدیلی میں لسانی اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ بہت سے ماہرین نے ملتان کو اردو زبان کی تشکیل کا پہلا گہوارہ قرار دیا ہے ۔ اس حصے میں انہی حقائق کا ذکر ہے ۔

تیسرا باب ملتان کے ان صوفیا پر مشتمل ہے جن کا تعلق دسویں صدی ہجری تک سے ہے ۔ اس باب کے دو حصے ہیں ۔ پہلے حصے میں اس دور میں ملتان کی مذہبی ، تہذیبی ، معاشرتی ، صوفیانہ رجحانات کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ ملتان پر بنو سامہ کی حکومت رہی اور بعد میں کافی عرصہ قرامطیوں کا قبضہ رہا ۔ قرامطہ فرقہ اور اس کے عقائد کا ذکر اجمالاً کیا گیا ہے ۔ دوسرے حصے میں صوفیائے کرام کی ملتان میں ورود اور ان کی مذہبی ، تہذیبی ، معاشرتی ، لسانی اور ادبی خدمات کا فرداً فرداً ذکر کیا گیا ہے ۔ ان صوفیاء میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باہر سے ملتان تشریف لائے اور ساری عمر رشد و ہدایت میں گزار کر یہیں وفات پائی ۔ کچھ وہ ہیں جو تعلیم و ہدایت کا فریضہ انجام دے کر واپس چلے گئے اور کچھ ایسے صوفیاء ہیں جنہوں نے اسی سرزمین سے جنم لیا اور یہیں مدفون ہوئے ۔

اس باب میں دیوان چاولی مشائخ ، حضرت شاہ یوسف گردیز ، خواجہ معین الدین اجمیری ، قطب الدین بختیار کاکی ، بہاء الدین زکریا ملتانی ، بابا فرید گنج شکر ، مخدوم عبدالرشید حقانی ، شاہ شمس سبزواری ، صدرالدین عارف ، شیخ رکن الدین عالم ، شیخ حسام الدین ملتانی ، مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، جلال الدین سرخ بخاری ، صدرالدین راجو قتال ، شیخ حسام الدین متقی ملتانی ، امیر خسرو اور حسن سجزی کا احوال الگ الگ

بیان کیا گیا ہے۔ ان بزرگوں کے علاوہ ملتان کی کئی ایک صوفیاء کا ذکر (پیر دربر شاہ، شیخ حسین کاہو، حضرت شاہ دانا شہید، حضرت سلطان ایوب قتال، شیخ محمد اسماعیل اور حضرت شاہ علی محمد) مجموعی حیثیت میں کیا گیا ہے۔ ان صوفیاء کے احوال میں زیادہ تر ان کی لسانی و ادبی اور تہذیبی خدمات کو سامنے رکھا گیا ہے۔

چوتھا باب سرزمین ملتان کی ان صوفیاء پر مشتمل ہے جو دسویں صدی ہجری کے بعد کے زمانے کے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق ہمارے موضوع سے ہے۔ اس باب کے شروع میں پس منظر کے طور پر اس دور کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی، حضرت خواجہ خدا بخش، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام فرید کے احوال و آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان صوفیاء کی تہذیبی خدمات، فنون لطیفہ و مفیدہ میں ان کی دلچسپی، اثرات اور لسانی و ادبی کارناموں کا جائزہ تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ان صوفیاء کے ملفوظات کا مطالعہ بھی کیا گیا ہے اور قلمی نسخوں کی مدد سے ان کے ادبی کارناموں کی تفصیل بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ حضرت حافظ محمد جمال اللہ ملتانی، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام فرید کی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری پر اتنی تفصیل سے ابھی تک نہیں لکھا گیا۔ اور حضرت غلام حسین شہید کی اردو شاعری کی دریافت اور اس پر تبصرہ پہلی بار سامنے آ رہا ہے۔ اس لحاظ سے اس مقالے میں واقعی نئی تحقیق سامنے آئیگی۔

پانچواں اور آخری باب در اصل پورے مقالے کا نچوڑ ہے، جس میں صوفیائے کرام کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کو بھی تین حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ملتان کے فنون لطیفہ و مفیدہ پر صوفیاء کے اثرات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ان فنون میں فن تعمیر (ملتان کی مساجد اور خانقاہوں کے حوالے سے) فن کوزہ گری، قالین اور پارچہ بافی، فن خطاطی، کاشی کاری، مصوری اور ملبوس، فن موسیقی اور سماع کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان سب کا جائزہ

صوفیاء کے اثرات اور ملتان میں ان کی ترویج و ترقی کی [illegible] لیا گیا ہے۔ اس باب کا دوسرا حصہ ملتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیاء کے اثرات کے جائزے پر مشتمل ہے۔

ملتان میں خانقاہوں اور مدرسوں کا قیام اور ان کی بدولت عظیم تعلیمی و تدریسی نظام کا نفاذ دراصل صوفیائے کرام کا مرہون منت رہا ہے۔ اسی طرح ملتان میں تصوف کی ایک عظیم روایت زمانہ قدیم سے قائم دکھائی دیتی ہے۔ اس روایت میں بھی صوفیاء کا حصہ اور ان کی خدمات کسی لحاظ سے کم نہیں۔ اس باب کے تیسرے اور آخری حصے میں ملتان کی ادبی و ثقافتی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات کا خصوصی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے مسلمانوں کی آمد سے قبل متحدہ ہندوستان کی خصوصی حالت کا ذکر کرکے پھر مسلمانوں کی آمد کے اثرات، صوفیائے کرام کا ورود اور ان کی تعلیمات، زبانوں کے اختلاط میں صوفیاء کا حصہ، اردو زبان و ادب کی ترویج میں صوفیائے کرام کی خدمات کا جائزہ خصوصی مطالعہ پیش کرنے کے بعد ملتان کے صوفیاء کے تہذیب و زبان پر اثرات اور شعر و ادب کی ایک عظیم روایت کی تشکیل میں ان کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ملتانی مزاج پر صوفیانہ مسلک کے اثرات، موجودہ دور میں تصوف کی صورت حال اور اس کی اہمیت کی ضرورت عصر حاضر میں اور حرف آخر کے عنوان سے اس مقالے کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

میرا خیال ہے اپنے موضوع ، مواد اور اسلوب کے لحاظ سے یہ مقالہ ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اصل ماخذات کے حصول کے بعد اس پر روایتی انداز میں تبصرہ نہ کروں اور نہ دوسروں کی تحریروں پر اکتفا کروں بلکہ اپنے مطالعے اور رائے کو اہمیت دوں۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری سے پہلے صوفیا کے سلسلے میں بالعموم اور دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کے سلسلے میں بالخصوص آپ کو اوریجنل کام ملے گا۔ حضرت بہاء الحق زکریا حضرت بابا فرید ، حضرت موسیٰ پاک شہید ، حضرت سلیمان تونسوی ، حضرت خواجہ خدا بخش، حضرت حافظ جمال ، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ فرید کے احوال و افکار اور شعر و ادب میں ان کی خدمات کے بارے میں آپکو انفرادیت اور تازگی کا احساس ہوگا۔

میں دعوےٰ تو نہیں کرتی لیکن پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس مقالے کی بعض چیزیں پہلی بار سامنے آرہی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی دیوان کی دریافت اور ان کی فارسی شاعری کا جائزہ۔

(۲) حضرت غلام حسن شہید کی اردو شاعری کے نمونوں کی دریافت اور ان پر تبصرہ (ان کی فارسی شاعری پر تبصرہ بھی ایک نئی چیز ہے)

(۳) حضرت حافظ جمال اللہ کی شاعری پر تبصرہ۔

(۴) حضرت خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری کا اس قدر تفصیلی جائزہ شاید ہی پہلے کسی نے لیا ہو۔

(۵) فقیر محمد عارف اور شاہ بخش حامی ملتانی کو بطور شاعر پہلی بار اس مقالے میں متعارف کرایا گیا ہے۔

(۶) اس قدر قلمی نسخوں کی دستیابی اور ان کے حوالوں کا اندراج

(۷) اس موضوع پر وقیع مواد کی فراہمی اور ان کو یکجا ترتیب کا مشکل لیکن اہم کام۔

میری یہ ادنیٰ کاوش کہاں تک ماہرین اور اہل علم کی نگاہ میں بار پاتی ہے مجھے اس کا انتظار ہے۔ مقالہ نگار کسی شمار ہونے کے حوالے سے اپنی نارسائی کا جواز [illegible]

لیے اس شعر میں پیش کرتی ہوں کہ

شان پستہ مری کوشش کی ہے ، کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کیلئے

روبینہ ترین

شعبۂ اردو،
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی
ملتان ۔

۲۰ جولائی ۱۹۸۵ء

خاکہ

باب اوّل

صفحہ ۱ تا ۳۹

تصوف

(الف) تصوف کی اہمیت ، وجہ تسمیہ ، تصوف کی تعریفات وغیرہ ۔

(ب) تصوف کا تاریخی ارتقاء —— یونانی تصوف ، یہودیوں میں تصوف ، عیسائیت میں تصوف ، چینی تصوف ، جاپانی تصوف ، ہندی تصوف اور اسلامی تصوف (مختصر جائزہ) ، تصوف کے سلسلے ۔

(ج) اصطلاحات تصوف —— توکل ، فقر ، فنا ، صبر ، معرفت اور ضبط نفس وغیرہ ۔

باب دوم

صفحہ ۴۰ تا ۱۲۰

(ملتان)

(حصہ الف) ملتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ

ملتان کی قدامت ، اہمیت ، ملتان کے قدیم نام اور ان کا جائزہ ، اہل عرب اور اہل ہند کے روابط قبل از اسلام ، عرب و ہند تعلقات عہد رسالت میں ، ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز ، محمد بن قاسم کی آمد ، ابن قاسم کے ہاتھوں تسخیر ملتان ، ملتان محمد بن قاسم کے بعد ، محمود غزنوی کا حملہ ، صوفیاء اور بزرگوں کا ورود سرزمین پاک و ہند میں ۔

(حصہ ب) ملتان کی مذہبی ، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ —— سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں ۔

ملتان اہم تہذیبی مرکز ، یونانی اور چینی سیاح ، چچ نامہ کی روایت ، عرب سیاحوں کے بیانات ، یورپی سیاحوں کے حوالے ، موہن لال کاشمیری کا

یہاں ، ملتان کی مذہبی ، معاشرتی ، اقتصادی اور تہذیبی زندگی کا مجموعی جائزہ۔

(حصّہ ج) سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل

لسانی تشکیلات کا عمل ، زبان کی تشکیل کا عمل ما قبل از اسلام ، مسلمانوں کی آمد اور اثرات زبان پر ، زبان اردو کی تشکیل کا عمل۔

باب سوم

صفحہ : ۱۳۱ تا ۲۶۱

ملتان کے صوفیاء (دسویں صدی ہجری تک)

(الف) ملتان اور بنو سامہ ، ملتان اور قرامطہ ، صوفیاء کا ورود ملتان میں۔

(ب) دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال

حضرت دیوان چاؤلی مشائخ ، شاہ یوسف گردیز ، خواجہ معین الدین اجمیری ، قطب الدین بختیار کاکی اوشی ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ، فرید الدین مسعود گنج شکر ، مخدوم عبدالرشید حقانی ، شاہ شمس سبزواری ، صدرالدین عارف ، خواجہ حسن افغان ، سید جلال الدین سرخ بخاری ، شیخ رکن الدین ، شیخ حسام الدین ملتانی ، مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، صدرالدین راجو قتال ، شیخ حسام الدین متقی ملتانی ، چند صوفیاء کا مجموعی جائزہ ، حضرت امیر خسرو ، حسن دہلوی۔

باب چہارم

صفحہ ۲۶۲ تا ۲۹۱

ملتان کے صوفیاء ـــــ دسویں صدی ہجری کے بعد

(الف) پس منظر

(ب) صوفیاء کرام کا احوال ـــــ (۱) حضرت موسٰی پاک شہید (۲) حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی (۳) حضرت حافظ خدا بخش (۴) حضرت سلیمان تونسوی (۵) حضرت غلام حسن شہید (۶) حضرت خواجہ غلام فرید۔

(ج) چند صوفیاء کا مجموعی تذکرہ ——— موسیٰ پاک صدیقی ، سلطان احمد قتال ، سلطان عبدالحکیم اور شاہ علی مردان

باب پنجم

صفحہ ۴۶۲ تا

ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ (مجموعی جائزہ)

(الف) ملتان کے فنون لطیفہ و مفیدہ پر صوفیاء کے اثرات کا جائزہ

تعمیر ، فن تعمیر (مساجد ، خانقاہیں) ، کوزہ گری ، قالین و پارچہ بافی ، فن خطاطی ، طب کا فن ، عرس میلے وغیرہ ، فن موسیقی اور سماع ۔

(ب) ملتان کی تعلیمی ، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیاء کے اثرات

مدرسے اور خانقاہیں ——— ملتان میں فلسفے کی روایت ۔

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات (مجموعی جائزہ)

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی عمومی حالت ——— مسلمانوں کی آمد ——— صوفیاء کی تعلیمات ——— زبان کی تشکیل میں صوفیاء کا حصہ ——— اردو زبان و ادب کی ترویج میں صوفیائے کرام کی خدمات ——— ملتان کی صوفیانہ اور تہذیب اور زبان و ادب پر اثرات ——— صوفیانہ مسلک اور ملتانی مزاج ——— موجودہ دور میں تصوف کی صورت حال ——— دور حاضر اور تصوف کے احیاء کی ضرورت ——— حرف آخر ۔

باب اول

تصوف

(الف) تصوف کی اہمیت ، وجہ تسمیہ اور تعریفات وغیرہ

(ب) تصوف کا تاریخی ارتقاء

(ج) اصطلاحات تصوف

پہلا باب

تصوف

1) تصوف کی اہمیت

انسانی وجود کے ارتقاء، ارتفاع اور بقاء کا دارو مدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے یوں بھی ہر چیز کے دو رخ ہوتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، خارج کا تعلق انسان کی ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے جبکہ باطن کا تعلق انسان کے اندر کے ساتھ ہوتا ہے، یہ الگ بات کہ باہر کے نقش کا تعین اندر کے محرکات سے ہوتا ہے اور اندر کے نقش کا تعین خارجی ماحول کے تحت ہوتا ہے۔ ادیان اور مذاہب کی رو سے بھی ظاہر باطن کی اس تقسیم کو تسلیم کیا جاتا ہے چنانچہ اسلام میں ان دونوں پہلوؤں کو دو اصطلاحات کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے،ایک شریعت دوسری طریقت۔ ایک کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسری کا تعلق معاملات سے۔ ایک کا تعلق عمل سے ہے دوسری کا سمجھنے اور محسوس کرنے سے[1] بالفاظ دیگر شریعت،نماز،روزہ ارکان اسلام کی پابندی سے متعلق احکامات پر مشتمل ہے جبکہ طریقت کا تعلق باطن کی پاکیزگی اور سوچ اور احساس کے ذریعے داخلی نفس کی اصلاح کے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے میں ضم ہیں۔ تصوف کا تعلق اگرچہ دونوں کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف

1- سردار اقبال علی شاہ اپنی کتاب Islamic Sufism میں لکھتے ہیں
"Tasawwuf consists o' two duties - action(formalism) which consists in conforming to the lines o. the Shariat o. the cannons o Islam, and then thi king and Feeling(Tariqat)." "Islamic Sufism" The Book House, Urdu Bazar, Lahore, P-20

ہوتا ہے۔ یعنی اندر کی طرف اس کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے Mysticism (تصوّف) اصل کے اعتبار سے یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں۔[1] یعنی دنیائے محسوسات سے ہٹ کر باطنی حقیقت کی طرف رجوع کر لینا کہا جا سکتا ہے کہ تصوّف وہ عمل ہے جس کے بعد اپنی اصل سے واصل ہو جانے کے ذوق کا سفر ہے۔ یعنی پاکیزگی باطن کے عمل سے گزر کر حقیقت مطلق سے ہمکنار ہونے کا۔ یہ ایک طرح سے سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی کیونکہ اگر تصوف کو معرفتِ باطن اور حقیقت مطلق تک رسائی حاصل کرنے کا علم تسلیم کر لیا جائے تو ایک لحاظ سے یہ سائنس کہلائے گا اور اگر اسے منزل مقصود تک پہنچنے کا عملی طریق کار مان لیا جائے تو اس کو ایک فن بھی کہا جا سکتا ہے لہٰذا بقول سید محمد ذوقی شاہ

"تصوّف بیک وقت علم (Theory) بھی ہے اور عمل (Practice) بھی۔"[2]

خواجہ عباد اللہ اختر نے غلط نہیں کہا کہ تصوّف کی اصل قرآن حکیم اور آنحضرت "والذین معہ" کا اسوۂ حسنہ ہے۔[3]

~~ڈاکٹر تاراچند کا بھی یہی خیال ہے کہ تصوف ایک مسلمہ مذہب ہے اور تصوّف کی بنیاد قرآن حکیم میں صاف صاف ملتی ہے۔[4]~~ *Delete* کیا تصوّف مذہب کی روح ہے کیونکہ تصوّف کی رہنمائی میں انسان مقصود حقیقی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اسی کی نگہبانی میں دے دیتا ہے اسطرح تصوّف ایک عالمگیر نظریے کا رنگ اختیار کر لیتا ہے جس طرح مذہب کے عمل سے دنیا کسی دور میں بھی خالی نہیں رہی اس طرح تصوف سے بھی خالی نہیں رہی۔ انسان کی خارجی زندگی ہو جس کا تعلق عقل کے ساتھ ہے یا روحانی زندگی جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ تصوّف کی کارفرمائی ہر کہیں جاری و ساری ہے۔ اسلام بھی تصوّف کے جذبات سے کبھی خالی نہیں رہا۔ مارٹن لنگز نے غلط نہیں کہا کہ "تصوّف اسلام کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لیے دل۔"[5]

1- بحوالہ "تصوف کی حقیقت" از غلام احمد پرویز مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام، اول ایڈیشن 1981ء، ص 26
2- بحوالہ "حقیقت تصوف" السید محمد ذوقی شاہ، مطبوعہ الکتاب لاہور 1967ء، ص 15
3- بحوالہ "علم تصوف" از خواجہ عباد اللہ اختر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1951ء، ص 5
4- ~~Influence of Islam on Indian Culture. Book Trade ..., Lahore, 1st Publish Edition 1979, P-64.~~
5- "What is Sufism" 1-106, George Allen & Karwin Ltd. 1975.

تصوف کی کارفرمائی کسی ایک قوم یا ایک مذہب تک محدود نہیں رہی بلکہ تصوّف ایک عالمگیر نظریہ بن کر ہر زمانے میں ہر قوم اور ہر مذہب میں نمایاں رہا ہے۔ اس کو ایک عالمگیر نظریے کا درجہ اس لئے بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ خواہ یہ کسی قوم یا مذہب کے عنصر میں داخل ہو اس کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ ہے عشق و محبت کا عالمگیر جذبہ ۔۔۔ صوفی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو عشق کو جزو حیات بنا کر ہی سلوک کی راہیں طے کرتا ہے ظاہر ہے کہ عشق پر عامل انسان کبھی بے عمل نہیں رہ سکتا اور رذائل اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا چنانچہ تصوّف پر عامل انسان ہمیشہ با عمل بھی رہے اور پاکیزگی پر بھی کاربند رہے۔ پاکیزگی نفس اور صفائے باطن کے لئے سالک نے تمام ادنٰی خواہشات سے اپنے آپ کو مبّرا رکھنے کے لئے ریاضت بھی کی اور دکھ بھی اٹھائے۔ انسان دوستی تصوف کا بنیادی مسلک ٹھہرا تنگ نظری، تعصب، فرقہ بندی، نفرت و حقارت، امتیازات اور اختلافات کے تمام منفی جذبات تصوف کی راہ میں معدوم ہو گئے ۔

2) وجۂ تسمیہ

تصوف کی وجہ تسمیہ، تشریح و تعبیر اور فکری ماخذات کے بارے میں ابھی تک بحث و نظر کے دروازے بند نہیں ہوئے تاہم اس سلسلے میں جو تشریحات، تعریفات اور مباحث سامنے آئے ہیں ان کا ایک مختصر سا جائزہ لینا بے جا نہ ہو گا ۔ قرآن مجید نے اہل صفہ کو، جن کی طرف اس گروہ کا انتساب کیا جاتا ہے، غرباء کے لقب سے یاد کیا ہے۔

" الفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم "

ترجمہ ۔ ان غرباء مہاجرین کے لئے جو گھروں سے نکال دئیے گئے اور
اہل شام بھی ان کو فقراء ہی کے نام سے پکارتے تھے۔[1]

اگرچہ علامہ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے بلکہ ان کو اس کا پتہ نہایت قدیم زمانے میں ملتا ہے چنانچہ کتاب اللمع میں لکھتے ہیں

" لیکن یہ کہنا ۔ کہ یہ ایک نو پیدا نام ہے جس کی ایجاد اہل بغداد نے

1۔ بحوالہ اسوۂ صحابہ جلد 2 ص 257-258 مصنفہ عبدالسلام ندوی مطبوعہ لاہور مکتبہ فارس 1976ء

> کی ۔ مثال ہے ، کیونکہ حسن بصری کے زمانے میں یہ نام مشہور تھا اور حسن بصری نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا ۔ وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور اس کو کچھ دینا چاہا لیکن انھوں نے نہیں لیا ۔ ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کئے گئے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت ہے کہ " اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہو گیا تھا ۔ یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا ۔ اس حال میں کسی دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا ۔ پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا کہ اور اس کی طرف اہل صلاح منسوب کئے جاتے تھے ۔" 1

اس کے بعد ایک عالم ابو نصر عبداللہ بن علی السراج صوفیت کے لفظ اور صوفی کے بارے میں لکھتے ہوئے صحابہ کے لئے صوفی کا لفظ رائج نہ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ

> " اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم صوفیہ کا ذکر نہیں سنتے اور ان کے بعد بھی ہم کو اس لفظ کا پتہ نہیں چلتا ، ہم اس زمانے زاہد عابد ، سیاح ، اور فقراء کے لفظ سے تو بے شک آشنا ہیں ۔ لیکن کوئی صحابی صوفی کے لقب سے نہیں پکارا گیا ۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہو گئی اس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی معزز ہو نہیں دیا جا سکتا ۔ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ وہ زہاد ، عباد ، متوکلین ، فقراء ، اہل رضا ، اہل صبر ، اہل تواضع کے امام ہیں ۔ یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے حاصل کیا ہے تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جو بزرگ ترین صفت ہے تو یہ محال ہے کہ ان بزرگ ترین صفات کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جا سکے ۔" 2

---

1 ۔ بحوالہ اسوۂ صحابہ حصہ 257-258 مصنفہ عبدالسلام ندوی مطبوعہ لاہور مکتبہ فارس 1976 [illegible]

2 ۔ کتاب اللمع مطبوعہ [illegible] صفحہ 22 سے ماخوذ عبدالسلام ندوی نے حوالہ دیا ہے

صحابہ کرام کے زمانے سے لے کر تبع تابعین تک جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ہمیں علم و کلام، حدیث اور فقہ کی تدوین کے سلسلے میں جیسے ان علوم کی تدوین اور اصطلاحات کا تدریجی سلسلہ ملتا ہے اسی طرح زہد و اتقاء اور احسان وغیرہ کی صورت ہے جس کی جامع شخصیتوں پر صوفی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ امام قشیری تصوف کے لقب کے متعلق تاریخی طور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کا لقب پیدا ہوا۔ اس کے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا اس لئے اہل سنت والجماعت میں جو جو لوگ زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رائج تھا۔" 1

اکثر متقدمین نے مذکورہ بالا توجیہہ کو قبول کیا ہے اور اس کے لئے نقلی و عقلی دلائل بھی پیش کئے ہیں۔

عام طور پر لفظ صوفی کا مادہ اشتقاق صفا، صف، اہل صفہ، صوفیا، صوفہ، صوف اور سوفیا وغیرہ بتایا گیا ہے۔ میر ولی الدین کی کتاب " The Quranic Sufism " کے مطابق

"صوفیوں کو ان کی پاکیزگی قلب (صفا) اور صفائے اعمال کی وجہ سے صوفی کہا گیا۔" 2

پروفیسر براؤن " لٹریری ہسٹری آف پرشیا " میں لکھتے ہیں کہ

"اس خیال کی تائید کہ صوفی کی نسبت صوف سے ہے اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ ایران میں صوفی کو پشمینہ پوش کہا جاتا ہے۔" 3

ابو ریحان البیرونی اپنی کتاب الہند میں لکھتے ہیں کہ

"صوفی بھی فلاسفر ہے کیونکہ یونانی میں لفظ سوف (سین سے) بمعنی فلسفہ

1- " رسالہ قشیریہ " تصنیف امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری ۔ ترجمہ از ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ، اشاعت اوّل ، 1970ء ، ص 9

2- "The Quranic Sufism" By Dr.Mir Waliuddin,P-I, Progressive Book, Lahore ,Second Edition, 1978.

3- پروفیسر براؤن " لٹریری ہسٹری آف پرشیا " جلد اوّل ، ص 417

ہے یہی وجہ ہے کہ یونان میں فلسفی کو فیلاسوفیا کہتے ہیں۔ یعنی فلسفہ
کا دلدادہ چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی تھی جو ان کے مسلک کے
قریب قریب تھی۔ اسی بنا پر اس جماعت کا نام بھی صوفی پڑ گیا۔" 1

لیکن مشہور مستشرق نالڈیکی (Noldeke) نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یونانی الفاظ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو عام قاعدہ تھا اس کے اعتبار سے لفظ " صوفی " کسی طور پر بھی یونانی کلمے سے مشتق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ 2

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ لفظ " صوفی " " صوفہ " سے ماخوذ ہے اور " صوفہ " ایک قبیلہ تھا جو ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کی خدمت پر مامور تھا۔ 3

علامہ ابن تیمیہ اپنے رسالے " صوفیاء و فقراء " میں لکھتے ہیں کہ قول مستحسن و معروف یہ ہے کہ صوفی کی نسبت " صوف " سے ہے۔ 4

ڈاکٹر قاسم غنی اپنی کتاب " تاریخ تصوف در اسلام " میں لکھتے ہیں کہ

" تصوف کی اصل کے متعلق تمام اقوال و آراء میں سے با اعتبار لغت اور
عقل یہ قول درست معلوم ہوتا ہے کہ تصوّف عربی کا لفظ ہے اور صوف
سے ماخوذ ہے۔" 5

علامہ لطفی جمعہ کا خیال ہے کہ " صوفی کا لفظ " تھیوسوفیا " سے ماخوذ ہے یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مفہوم " حکمت الٰہی " ہے۔ صوفی کی غایت " حقیقت الٰہی " کی دریافت/ہے۔" (گویا) 6

غلام احمد پرویز کے خیال میں " صوفی " لفظ صوف سے مشتق ہے جس کے معنٰی ہیں اون کے کمبل یا کپڑے کے ہیں۔" 7

1- کتاب الہند از ابو ریحان البیرونی ، ص 16 پہلا صفحہ غائب ہے ([illegible] ملتان سے ملی)
2- Z.D.M.G., X VII Para, 45.
بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " از ڈاکٹر خلیق احمد نظامی ، دارالمؤلفین اسلام آباد ، ص 18
3- بحوالہ " فلسفہ کے بنیادی مسائل " قاضی قیصرالاسلام ، مشعل بک فاؤنڈیشن کراچی ، اشاعت اول 1976ء ، ص 409
4- ـــــــــ ایضاً ـــــــــ ص 409
5- " تاریخ تصوف در اسلام " ڈاکٹر قاسم غنی ، ص 96
6- بحوالہ " فلسفے کے بنیادی مسائل " قاضی قیصرالاسلام ص 48 ، مشعل بک فاؤنڈیشن کراچی ، اشاعت اول 1976ء
7- " تصوف کی حقیقت " غلام احمد پرویز ، ادارہ طلوع اسلام ، گلبرگ 2 ، لاہور 11 ، ص 71

لفظ صوفی پر جس قدر بھی بحث ملی ہے، اکثریت کا رجحان "صوف" کے لباس کی طرف پایا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کی دیگر تسمیہ صورتیں ہوں لیکن جہاں تک لفظ صوفی کے اشتقاق کا تعلق ہے وہ لفظ "صوف" ہی کی تائید میں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں تصوف کی وجۂ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بہت سے بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں لیکن اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لفظ "صوف" کو قبول کیا ہے اور صوفی صوف سے مشتق ہے کا عنوان قائم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> "اگر باعتبار اشتقاق دیکھا جائے تو یہی لفظ صوفی اور مناسب ہے کہ جب کوئی شخص (صوف) کا لباس پہنتا ہے تو عرب کہتے "تصوف" یعنی صوف پہنا جس طرح کوئی قمیص پہنتا تو کہتے "تقمّص" اس کے معنی یہی۔" 1

صوفیاء کے ہر نوعہ احوال و مقامات کی ارتقائی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے سہروردی لکھتے ہیں کہ

> "ان لوگوں کے احوال و مقامات میں ہمیشہ عروج و ترقی ہوتی رہتی ہے، اور علم کے دروازے ان پر ہمیشہ کشادہ رہتے ہیں، ان کا باطن مجمع علوم اور معدن حقیقت ہوتا ہے اسی لئے ان کا کسی حال کے ساتھ مقید ہونا دشوار ہے۔ ان کا وجدان ہمہ جہت اور گوناگوں ہے پس ان کو کسی باطنی صفت کے ساتھ موصوف کرنا دشوار تھا۔ لہذا ان کے لباس ظاہری سے منسوب کر کے صوفی کہنے لگے کہ اس لفظ سے ان کو منسوب کرنے میں ان کے اوصاف کی وضاحت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ پشمینہ (صوف) کا لباس پہننا ان کے اسلاف (صوفیہ متقدمین) کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے اس لئے ان کو صوفی کہا جانے لگا، کہ ان کا حال ایسا ہے جیسا کہ طریق بارگاہ خداوندی کا ہے، پس اس صورت میں اگر قرب الٰہی سے ان کو منسوب و متصف کیا جاتا اور ان کی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ایک دشوار امر تھا، اس لئے ان کے حال (یعنی قرب کی حالت) کو چھپانے اور ان کے باطنی مقام کو اغیار کی کثرت اور اس قرب الٰہی کے ذکر کو عوام الناس کی ریاض سے محفوظ رکھنے کے لئے محض لباس کی نسبت سے ان کا نام صوفی رکھ دیا۔" 2

1- "عوارف المعارف" اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی مدینہ پبلشنگ کمپنی خلاصہ، ص 201-200

2- - - - - - - - ایضاً - - - - ص 201-200

پروفیسر آر۔ اے نکلسن جن کا مطالعہ تصوف کے بارے میں خاصہ وقیع و وسیع ہے۔ لفظ تصوف، صوفی اور لفظ صوف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"دوسری صدی ہجری ختم ہونے والی تھی (719-816) کہ عراق میں ایک نئی اصطلاح "صوفی" نمایاں ہوئی اور اس کے بعد مسلمان صوفیہ عام طور پر اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ اس کا ماخذ "صوف" تھا یعنی بے رنگ اون کا ایک کھردرا کپڑا جو مسیحی راہب پہنا کرتے تھے۔ یہ ان بے شمار نشانیوں میں سے ایک ہے جو ایک ہی طرف اشارہ کرتی ہیں۔" (1)

3) تصوف کی تعریفات

جہاں تک تصوف کی تعریف کا تعلق ہے اس سلسلے میں بھی کافی بحث و تمحیص پائی جاتی ہے اس کی ابھی تک کوئی ایک قطعی تعریف نہیں ہو سکی۔2 مختلف لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کے رسالہ قشیریہ میں بے شمار تعریفات درج کی گئی ہیں۔ یہاں ان میں سے چند ایک اہم تعریفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ امام ابوالقاسم حضرت جنید کے حوالے سے فرماتے ہیں

"تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔" 3

دوسری جگہ حضرت جنید ہی نے فرمایا

"تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔" 4

ابو محمد جریری نے فرمایا کہ

"یہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔" 5

1۔ بحوالہ "میراث اسلام" از سر ٹامس آرنلڈ و الفریڈ ترجمہ عبدالمجید سالک، بار اول، ص 293

2۔ حضرت شیخ علی ہجویری کشف المحجوب میں ابن جلا رحمۃ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں "التصوف حقیقۃ لا رسم لہ (تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کی ظاہری صورت کوئی نہیں)۔ اس لئے کہ ظاہری تعریف معاملات میں مخلوق خدا کا حصہ ہے اور اس کی حقیقت خدا کا خاصہ ہے۔ جب تصوف مخلوق سے منہ پھیر لیتا ہے تو لامحالہ اس کی کوئی ظاہری تعریف نہ ہونی چاہئیے۔ (نقل ما بالمطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب، ص 64، مطبوعہ فیروز سنز، لاہور، بار 1975ء)

عمرو بن عثمان مکی نے تصوف کے بارے میں فرمایا کہ

"تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حال میں رہے جو اس کے لئے وقت کے مطابق بہتر ہو۔" 1

ابو علی روذباری فرماتے ہیں کہ محبوب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے کا نام تصوف ہے خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دے پھر فرمایا کہ بُعد کی کدورت کے بعد قرب (خداوندی) کی صفائی کا نام تصوف ہے۔2

حضرت داتا گنج بخش کی معروف تصنیف "کشف المحجوب" میں لکھا ہے کہ

"صفا ولایت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف "صفا" کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔" 3

آر۔ اے نکلسن نے ایڈورڈ کارپینٹر کے حوالے سے تصوف کے بارے میں لکھا ہے

"یہ اس حالت کا نام ہے جس میں تمام حسیں ایک ہی حس میں متحد ہو جاتی ہیں۔" 4

حضرت ابوبکر مزنی فرماتے ہیں التصوف حال مضمحل فیھا معالم یعنی تصوف ایک حال ہے جس میں انسانی آثار جاتے رہتے ہیں۔5

حضرت ابوسعید اعرابی فرماتے ہیں کہ التصوف کلہ ترک الفضول تصوف تمام فضولیات کے ترک کرنے اور باطل کا نام ہے۔6

امام ابوبکر ابو اسحاق کے خیال میں "حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔7"

حضرت بغداد بن حسین فرماتے ہیں کہ تصوف عہد پر وفا کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بات دل میں کہی اس کے لئے کہی تو وہی کہی 8

1۔ بحوالہ "رسالہ قشیریہ" از ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اشاعت اول 1970ء، ص 429 -2- ایضاً ، ص 430
3۔ بحوالہ کشف المحجوب از داتا گنج بخش، ص 22۔ ترجمہ اردو بیان المطلوب (مترجم مولوی فیروزالدین) مطبوعہ فیروز سنز، لاہور، انیسویں بار 1976ء
4۔ بحوالہ "میراث اسلام" مرتبہ سرٹامس آرنلڈ و الفریڈ، مترجمہ عبدالمجید سالک مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور بار اول / ص 291
5۔ الفقر فخری از محمد علی صاحب مدظلہ العالی، ناشر مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، بار اول، ص 128
6۔ ایضاً ، ص 129
7۔ بحوالہ "[illegible]" از امام ابوبکر بن ابو اسحاق ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، المعارف لاہور، بار اول 1391ھ، ص 138

حضرت ابو عبداللہ روذباری فرماتے ہیں التصوف ترک التکلف و استعمال التظرف و حذف التشرف یعنی تصوف تکلف کو چھوڑنے اور پاکیزگی کا برتاؤ کرنے اور بڑائی کو دور کرنے کا نام ہے۔1

حضرت ابوالحسن سیروانی فرماتے ہیں التصوف ترک العلق و افراط الھمۃ یعنی تصوف تعلق کے ترک اور ہمت کی زیادتی کا نام ہے۔2

حضرت مرتعش فرماتے ہیں کہ "التصوف حسن الخلق" تصوف نیک خلق ہے۔3

محمد بن احمد المقری فرماتے ہیں "التصوف استقامۃ الاحوال مع الحق"، تصوف اہل تصوف کے حالات کی حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ درستی اور راستی ہے۔4

علی بن بندار الصیرفی نیشاپوری فرماتے ہیں "التصوف اسقاط الرؤیۃ للحق ظاہراً و باطناً" یعنی تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے آپ کو ظاہر و باطن میں نہ دیکھے، صرف مشاہدہ حق ہو۔" 5

بشیر احمد ڈار نے اپنی کتاب "تاریخ تصوف" میں تصوف کی تعریف یوں کی ہے کہ

"تصوف عملی طور پر وہ طریقہ حیات ہے جس کا مقصد ذات خداوندی سے بلاواسطہ رابطہ پیدا کرنا ہے۔" 6

حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں

"تصوف کے معنی ہیں حقائق کا حاصل کرنا۔ مخلوق کے ہاتھ میں از قبیل لالچ و اقتدار جو کچھ ہے اس سے یکسر بیزار ہو جانا۔" 7

ابو محمد جریری فرماتے ہیں

"تصوف کے معنی یہ ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف طیبہ کے اندر میں داخل ہو جانا، اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور اوصاف ردیہ سے پاک صاف ہو جانا۔" 8

1-2- بحوالہ القرطاس از قلم ولی صاحب قبلہ سید مسعود مدظلہ العالی صفحہ 129، ناشر مرکزی مجلس سید مسعودیہ، لاہور بار ا

3، 4، 5- بحوالہ علم تصوف ص 21 خواجہ عباد اللہ اختر، رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1951ء

6- "تاریخ تصوف" بشیر احمد ڈار، ص 1، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، اکتوبر 1962ء

7-8- بحوالہ "تصوف اور اسلام" رئیس احمد جعفری، کراچی، ص 169

ہجویریؒ کے نزدیک تصوف کی تعریف یہ ہے

" تصوف عبارت ہے تین خصلتوں سے

(1) پہلی خصلت ہے، فقر اور افتقار سے چمٹے رہنا

(2) دوسری خصلت ہے بذل و ایثار کو اپنا شعار بنا لینا

(3) اور تیسری خصلت ہے ترک تعرض اور اختیار ۔" 1

پروفیسر یوسف سلیم کے بقول " تصوف دل کی گہرائی کا دوسرا نام ہے۔" 2

علامہ عبدالوہاب الشعرانی کے بقول " علم تصوف اس علم کا نام ہے جو ولیوں کے دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب کتاب و سنت پر عمل کرنے سے وہ منور ہو جاتے ہیں۔" 3

حضرت امام محمد باقرؒ بن حسین بن علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ " تصوف خوش خلقی کو کہتے ہیں جو زیادہ خوش خو ہوتا ہے وہ زیادہ صوفی ہوتا ہے۔" 4

عارف عبدالمتین لکھتے ہیں

" تصوف نوں شریعت تے طریقت دے وسیلے نال سچائی تک اپڑن دا اک عملی منصوبہ قرار دتا جا سکدا اے۔" 5

(تصوف کو شریعت اور طریقت کے وسیلے سے سچائی تک پہنچنے کا ایک عملی طریقہ قرار دیا جا سکتا ہے۔)

ان تعریفات کی روشنی میں اس حقیقت کا تسلیم مشکل نہیں کہ تصوف قلب کی پاکیزگی، معاملات خلق کو بامعنی کی تربیت، فقر و استغنا، اوصاف حمیدہ کے حصول، ملاحدہ اشغال، ترفع اور ترک طاق کا نام ہے، تصوف کی راہ سے انسان نے نیک خلق حاصل کیا، خلقت کا درس سیکھا، ضبط نفس کے مراحل سے گزرا اور آگہی کی منازل کو طے کیا، ظاہر ہے انسانی محبت اور جمالات و فضائل کی معراج اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

1- بحوالہ " تصوف اور اسلام " رئیس احمد جعفری، کراچی، ص 188

2- " تاریخ تصوف " عطاء اکیڈمی، مکتبہ الواضحہ لاہور طبع اول 1976ء ص 6

3- " طبقات الاولیاء " ترجمہ از سید عبدالغنی وارثی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، طبع اول 1965ء، ص 21

4- " سراج الاسرار " ص 213، جلد اول، صوفی فاؤنڈیشن، لاہور 1982ء

5- " پکھڑ پینڈے " از عارف عبدالمتین، ص 18، مطبوعہ جدید ناشرین، لاہور، بار اول 1979ء

تصوف کا تاریخی ارتقاء

(۱) یونانی تصوف یا آرفیت

اس سے پہلے کہ ہم اسلامی تصوف کے ارتقاء کا تذکرہ کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قبل از اسلام دنیا کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں تصوف کی روایت کا اجمالی جائزہ لیں تاکہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے صوفیانہ افکار کا فرق بھی واضح ہو سکے اور تصوف کے ارتقاء کی کڑیاں بھی باہم مربوط ہو سکیں۔ یونان کی سرزمین علم و دانش اور فلسفہ و فکر کے لحاظ سے قدیم بھی ہے اور اہم بھی یہی وہ سرزمین ہے جہاں سب سے پہلے صوفیانہ تصورات کا آغاز ہوا۔ آرفیس نامی ایک شخص تصوف کا بانی ہے[1] جس کی تعلیمات ساتویں اور چھٹی صدی قبل از مسیح میں تمام یونان میں پھیل چکی تھیں۔[2] آرفیس نے پہلی مرتبہ ایسی خانقاہیں قائم کیں جہاں تعلیم و تدریس بھی کی جاتی تھی اور یہی خانقاہیں عبادت گاہوں کا کام بھی دیتی تھیں۔ آرفیس کی فکر نے انسان اور خدا کے درمیان تعلق اور انسان اور خدا کے درمیان اتحاد کے متعلق فکری توضیحات پیش کیں۔ آرفیس کے پیروکاروں میں زہد و ریاضت اور بلندیٔ اخلاق کے معاملات پائے جاتے تھے لیکن بعد میں آنے والے لوگ بے عملی کی طرف مائل ہو گئے اور محض گداگری پر اتر آئے بلکہ لوگوں کو تعویذ گنڈے کے ذریعے لوٹنے بھی لگے افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریہ کے باب دوم میں [illegible] آرفیسی فقرا کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جنہوں نے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ آرفیس کے یہاں حیات بعد موت کا تصور موجود ہے اگرچہ راہبانہ طرز زیست کی ترویج کی وجہ سے آرفیسی نظریات عوام میں کوئی عمدہ اور تحریک کا باعث نہ بن سکے لیکن یونانی فلسفی اور حکیم ان افکار سے متاثر ہوئے ان متاثرین میں یونانی شاعر پنڈارہ ریاضی دان فیثاغورث اور حکماء سقراط اور افلاطون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ اگرچہ غلام احمد پرویز افلاطون کو تصوف کا بانی خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تصوف کا ابوالآبا درحقیقت افلاطون (Plato) کو سمجھنا چاہئے ۔ ۔ ۔ اس نے سب سے پہلے یہ تصور پیش کیا کہ اس عالم محسوس کے اوپر ایک عالم امثال ہے جو حقیقی وجود رکھتا ہے اور یہ عالم محض اس کا پرتو ہے۔ اس عالم میں جو کچھ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس حقیقی عالم کے متعلق علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتا باطنی طریق سے حاصل ہو سکتا ہے۔(بحوالہ "تصوف کی حقیقت" ص 26،27)

فیثاغورث نے تو آرفیس نظام فکر میں مناسب تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کی مبہم عریانیاں دور کی جا سکیں وہ اس نظام کو تو درست سمجھتا تھا لیکن اس کے اندر چند اصطلاحات کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ آرفیس کے نظام تصوف میں عریانیاتی رسوم بھی پائی جاتی تھیں جن سے سفلی جذبات کے مشتعل ہونے کا خدشہ تھا۔ فیثاغورث نے آرفیس نظام فکر میں معمولی سی تبدیلی پیدا کر کے اس خدشے کو دور کرنے کی کوشش کی اور ایک بہتر تصور پیش کیا۔ آرفیس کے نزدیک روح کا جسم میں مقید ہونا انسان کے لئے بدقسمتی کا باعث ہے جبکہ فیثاغورث نے روح کی اس قید کو انسان کی بھلائی تصوّر کیا۔ اس طرح اس نے آرفیس سلبیت کو ایجابی شکل دے دی۔ فیثاغورث کائنات میں دوئی کا قائل تھا اور روح کے بارے میں اس کے نظریات ہندوؤں کے نظریۂ تناسخ کے قریب تھے۔[2]

جب علم و دانش اور حکمت و فلسفہ کا مرکز یونان کی سرزمین سے منتقل ہو کر اسکندریہ میں قائم ہوا تو وہاں فیثاغورث کے نام کی مناسبت سے فیثاغورثی دبستان وجود میں آیا۔[3] اس دبستان کا مرکزی تصوّر "ثنویت" تھا جو صوفیانہ نظام میں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ فیثاغورثی دبستان کا خیال تھا کہ خالق کائنات اور کائنات کے درمیان اور جسم اور روح کے مابین دوئی موجود ہے۔[4] روح اصول خیر ہے جبکہ جسم اور مادّہ اصول شر۔ اسی لئے ریاضت اور مجاہدے پر زور دیا گیا تاکہ مادّی کثافتوں کو دور کر کے انسان روحانی قوت حاصل کرے اور خدا سے رابطہ قائم کر سکے۔ اس دبستان کا دوسرا رخ عرفانی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ تحریک دو صدی قبل از مسیح سے شروع ہو کر دوسری صدی عیسوی تک رہی۔ اس تحریک نے اس زمانے کے مختلف مذاہب اور عقائد سے بالعموم اور مصری مذاہب و افکار سے بالخصوص استفادہ کیا۔ عرفانی تحریک کا پیش رو ہرمیس تھا۔ اس تحریک کے عقائد میں ثنویت اور جنسیت کو خاص اہمیت حاصل رہی۔

عرفانی افکار و عقائد کی ترویج سے کچھ عرصہ بعد اسکندریہ[5] میں نو افلاطونی مفکر فلاطینوس

1۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے فیثاغورث کو چھٹی صدی ق۔م کا دوسرا عظیم حکیم قرار دیا ہے۔
("اقبال اور مسلک تصوف" اقبال اکادمی، طبع اوّل 1977ء، ص 82)

3،2۔ بحوالہ "تاریخ تصوف" از بشیر احمد ڈار، ص 27

4۔ ظاہر ہے یہ تصور مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

5۔ بشیر احمد ڈار نے اپنی کتاب تاریخ تصوف (صفحہ 34) میں اس کی ولادت اسکندریہ میں بتائی ہے جبکہ یوسف سلیم چشتی نے یونانی سوفسطائی مورخ یونس (Eunapius) کے حوالے میں لکھا ہے کہ وہ مصر [illegible] "تاریخ تصوف" ص 183

(204 تا 205ء) PLOTINUS میں پیدا ہوا جس نے اپنی تصنیف اینیڈز (Enneads) میں اس تحریک پر سخت تنقید کی ہے اگرچہ خود اس کے نظام فکر میں عرفانیت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ فلاطینوس کی یہ کتاب ان مباحث پر مشتمل ہے جو اس نے اپنے حلقہ درس میں دیئے تھے۔ فلاطینوس کے افکار میں دو عالموں کی تقسیم موجود ہے ایک عالم محسوسات اور دوسرا عالم معقولات۔ مؤخرالذکر عالم دراصل اس کے نزدیک عالم روحانی کا درجہ رکھتا ہے۔ روح کے عالم میں فلاطینوس کا تصور بھی عرفانی تصور ہے کہ جس کے مطابق ہے یعنی جس راستہ اور ترک عالم کا نظریہ اس کے خیال میں روح اور مادہ دو الگ الگ چیزیں ہیں جن کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ فلاطینوس بقول بشیر احمد ڈار [1]

> "حقیقی معنی میں ایک صوفی ہے اس نے مشرق اور مغرب کی تمام فکری کاوشوں اور مذہبی افکار سے استفادہ کیا اور ان کی بناء پر اپنا مستقل فکر پیش کیا عیسائیت اور مسلمانوں میں تصوف کی جو شکل رائج ہوئی اس کی تشکیل و تعمیر میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔" [2]

فلاطینوس کے نظریۂ تصوف کی آخری منزل روح کا خدا ہونا ہے۔

(2) یہودیت میں تصوف اسرائیلیات

عیسائیوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے یہاں بھی تصوف کی روایت زمانہ قدیم سے ملتی ہے۔ غلام احمد پرویز لکھتے ہیں ۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد بابل کی اسیری کے زمانے میں جب یہ قوم اپنے ضعف و انحطاط کی انتہا تک پہنچ چکی تھی (اور یہی زمانہ تصوف کے آغاز کا ہوتا ہے) ان میں بھی کچھ کچھ باطنیت کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن حقیقی تصوف ان میں اس کے بعد جا کر آیا جب ان کے مذہبی پیشواؤں نے اسکندریہ میں یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔" [3]

"ورثۂ اسرائیل" [4] کے مطابق عہد عتیق میں صوفیانہ رجحان موجود تھا لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے اس لئے کہ عہد عتیق کی تصنیفوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی طبقہ اور علیحدہ انسان کی داخلی

1- ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، فلاطینوس کا زمانہ 205 تا 270ء قرار دیتے ہیں۔ (بحوالہ ... ص 229)
2- "تاریخ تصوف" بشیر احمد ڈار، ص 41 — 3- ایضاً ص 26
4- ورثۂ اسرائیل (Legacy of Israel) مطبوعہ آکسفورڈ پریس 1948ء ص 47

واردات اور متصوفانہ کیفیات سے خالی نہیں رہا۔ عہدِ عتیق کے صحیفوں میں انبیاء اسرائیل کی ایسی داخلی واردات کا ذکر موجود ہے جن کی بنیاد پر یہودیوں کے یہاں تصوف کی روایت قائم ہوئی۔ حکیم فیلو کو یہودی تصوف کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسلمان صوفیاء اور حکماء بالخصوص حلاج، ابن عربی، غزالی اور رومی فیلو سے متاثر نظر آتے ہیں اسی طرح ہیراقلیطس (Heraclitus 538 تا 475 ق م) کے نظریات قبول کیے گئے۔ " قدیم یونانی عقلی فلسفیوں کی مادیت کے خلاف ایک صوفیانہ ردعمل تھا۔[1] " اس نے خارجیت کے مقابلے میں داخلیت پر زور دیا اور نفس کے اندر ڈوب کر حقیقت کو پانے کا درس دیا۔ یہودی صوفیاء نے اپنے اپنے حلقے اور سلسلے قائم کر رکھے تھے جہاں مخصوص لوگوں کو خفیہ طور پر تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن یہودی تصوف نے اخلاقی اقدار کی ترویج میں کوئی حصہ نہ لیا اس لیے کہ اس کا مرکز انسان کبھی نہ رہا۔ یہ تصوف زیادہ تر خدا کی ذات تک محدود رہا۔ انسان اور کائنات اس کے موضوع میں شامل نہ تھے۔ یہودی تصوف کی سب سے اہم کتاب " زہار" ہے[2]۔

(3) عیسائیت میں تصوف

عیسائیوں تک پہنچتے پہنچتے تصوف نے ایک منظم شکل اختیار کر لی اور اب یہ ایک باقاعدہ مسلک بن گیا۔ خانقاہیں قائم ہوئیں۔ زندگی بسر کرنے کے طریقے طے ہوئے۔ روحانیت کے حصول کے لیے ریاضت اور زہد کے مدارج متعین ہوئے۔ جابجا Saints نے اپنے مرکز قائم کیے اور اس طرح پورا مذہب تصوف کی آماجگاہ بن گیا[3]۔

عیسائیوں میں تصوف کی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے " بابل " میں صوفیانہ حلقے قائم ہوئے جہاں پیر و مرشد اپنے چند مریدوں کو ان علوم و اسرار کی تعلیم دیتا تھا۔"[4] ہرمیس (Hermes)[5] کے نوشتے تصوف اور فلسفے کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ان نوشتوں میں خدا کی وحدانیت کا تصور ملتا ہے۔ یہی نوشتے بقول بشیر احمد ڈار

1۔ انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاقیات، جلد نمبر 5، ص 134 (الف)

2۔ بحوالہ " تصوف کی حقیقت" ص 27 سن — — ایضاً۔ ص 28

3۔ تاریخ تصوف از بشیر احمد ڈار، ص 117

5۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہرمیس ہی ادریس کا دوسرا نام ہے۔

"اپنی بنیادی روح اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے تصوف کے پیش رو تھے اور انہی باطنی عقائد کے فکری تصورات اور عملی شکل سے عیسائی مذہب اور تصوف متاثر ہوا۔" 1

عیسائیت کا ابتدائی دور درحقیقت تصوف ہی کا دور تھا۔ یوحنا کی انجیل صوفیانہ تصورات پر مشتمل نظر آتی ہے۔ بعد میں عیسائی صوفیاء نے یوحنا کی انجیل کے تصورات کو اپنا لیا۔ عیسائی تصوف کی تاریخ میں سب سے پہلی اور اہم شخصیت کلیمنٹ Clement (150-216ء) کی ہے جن پر فلاطینوس اور کئی دوسرے فلسفیوں کا گہرا اثر تھا۔ عقلی علوم کو اہمیت دینے کے باوجود کلیمنٹ نے نجات کے لئے ایمان اور روحانیت پر بہت زور دیا۔ کلیمنٹ کے بعد دوسرا اہم عیسائی صوفی آگسٹائن ہے (354-430ء) اس کی اہم کتاب Confessions (اعترافات) اپنے عہد کی مذہبی زندگی کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔

(4) چینی تصوّف

چینی تصوف کا ابتدائی دور وہ ہے جب کچھ لوگ اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات سے مایوس ہو کر پہاڑوں میں جا بسے اور راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔ ان صوفیوں میں سے ایک نے (یانگ چو Yangchu) جس کا زمانہ 470 اور 289 ق م کے درمیان بتایا جاتا ہے ایک فکری نظام مرتب کرنے کی کوشش کی۔

چینی تصوف کا دوسرا دور وہ ہے جب حکیم لاؤزے (Laotse) پیدا ہوا (تاریخ پیدائش 604 ق م) لاؤزے کے نظام فکر کا بنیادی تصور طاؤ ہے جو خواص اخلاق اور اصول مابعد الطبیعات کا احاطہ کرتا ہے اس کا مثالی صوفی انسانیت کا علمبردار ہے جو ہر انسان سے ہمدردی کو شعار بناتا ہے۔ نیکی، محبت، رحم اور شفقت اس کے بنیادی اصول ہیں۔ لاؤزے کے صوفیانہ افکار کی ترویج اور ترقی میں اس کے شاگردوں چوانگ زے (Chuangtse) اور لی تزے (Liehtse) نے بہت حصہ لیا۔

بدھ مت کی ابتداء (پہلی صدی عیسوی) کے ساتھ ہی طاؤ مت پر اس کے اثرات شروع ہو گئے۔ بدھ کی تعلیمات میں تصوف کے رجحانات موجود تھے۔ بدھ کی تعلیمات کے مطابق انسانی جسم، تاثرات،

1- تاریخ تصوّف از بشیر احمد ڈار، ص 130

ادراکات، جذبات اور شعوری اعمال کا مجموعہ ہے۔ تاؤ مت اور بدھ مت دونوں نے ایسی خانقاہیں قائم کیں جن میں درویش اور مرید تجرّد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عورتوں کے لئے الگ خانقاہیں تھیں۔

بدھ کے مطابق ہم خارج اور باطن میں خواہشات کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں ان خواہشات سے آزاد ہونے کی واحد صورت ایسا ضبط نفس ہے جو عدم محض پر منتج ہو۔ اسی سے نجات ممکن ہے۔ کاملیت کا درجہ خواہشات کی بیخ کنی کے انسداد، ترک طلب، زندگی کے شدائد اور مسائل کی برداشت، مزاحمت، خشم، ترک علائق، شعور اور تصور کے انضباط، لالچ، بغض، بدزبانی اور بد کاری سے اجتناب، کسب حلال، درستی اعمال، تزکیہ باطن اور مراقبے سے حاصل ہوتا ہے [1]۔

--- بدھ مت کے اثرات بہت دوررس ثابت ہوئے اور بہت سے مذاہب اور اقوام نے اس کے اثرات قبول کئے۔

(5) جاپانی تصوف

چھٹی صدی قبل از مسیح میں بدھ مت کا آغاز ہندوستان سے ہوا اور جنوب مشرقی ایشیاء، سیلون، سری لنکا، تھائی لینڈ، برما، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، وسطی ایشیاء، تبت، چین، کوریا اور جاپان تک پھیل گیا۔ جاپانی تصوف کی روایت اسی بدھ مت ہی سے وابستہ رہی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جاپانی تصوف بدھ مت اور چینی فلسفے کے امتزاج سے وجود میں آیا [2]۔ اگرچہ جاپان کا قدیم ترین مذہب شنتو تھا لیکن اس مذہب کے پاس کوئی الہیاتی فلسفہ نہیں تھا۔ البتہ شنتو کے پیروکاروں نے خانقاہیں ضرور تعمیر کیں۔ جاپان میں صحیح معنوں میں مذہبی فلسفے اور فکر کی ابتداء بدھ مت کے تعارف کے بعد ہوئی۔ بدھ مت میں تصوف کی روایت موجود [illegible] تھی۔ سخت ریاضت اور عبادت کے ذریعے تزکیۂ نفس، خواہشات کو کچلنے کی طلب، اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق سے ہمدردی اور الفت، بدھ کا ہشت پہلو حل جس کی مدد سے دکھوں سے مکتی (نجات) ملتی ہے۔ یعنی سچے عقائد، سچی گفتار، سچا کردار، سچی خواہشات، سچی کوشش، سچی ہوشمندی اور سچا استغراق --- یہ وہ عناصر تھے جو

1- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "The Majjhima Nikaya"
"The First fifty discourses from the collection of medium length discourses of Gautama the Budha — By Bhikku Silchera, P-3-5.

2-Buddhism in Japan By E.Dale Saunders, Page 82 to 88 Charles E. Tuttle Company,Tokyo, First Edition 1972.

بدھ مذہب کے حوالے سے جاپانی تصوف میں داخل ہوئے۔ جاپانی تصوف میں دھیان گیان، استغراق اور تفکر کی بڑی اہمیت رہی۔ جاپانی صوفی زین اور ہشتو کہلاتے تھے۔ پروفیسر محمد امین کے بیان کے مطابق

"جاپان کے صوفیاء فکر میں دھیان اور تفکر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اسے زین کا اثر بھی کہا جا سکتا ہے لیکن زین سے پہلے بھی جاپان میں یہ ایک قسم کی چائے کی رسم تھی جسے ایک مذہبی طریقے کی حیثیت حاصل تھی۔ اب بھی یہ رسم مذہبی تقدس کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ اس رسم میں بھی دھیان پر زور دیا جاتا ہے۔ جاپانی طبعاً فطرت سے محبت کرتا ہے اور فطرت کے مشاہدے سے جو اسے روحانی تسکین ملتی ہے وہ اسے اپنی فکر کا محور بناتا ہے یہی تفکر کی حالت میں لمحۂ عرفان ہے مگر اس کے لئے پہلے نفی ذات اور لا ذہنی ضروری ہے۔" 1

بدھ فلسفے کے مطابق عرفان کے لئے خود کا فنا ہونا ضروری نہیں البتہ اس میں حواس ختم ہو سکتے ہیں۔ جاپانی تصوف میں بھی حواس کے ختم ہونے یا لا ذہنی کے تصور کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ جاپانی تصوف میں لاذہنی کے بغیر عرفان کا حصول ممکن نہیں۔ اس میں صوفی کی مختلف ذہنی کیفیات کا ذکر بھی تفصیل سے ملتا ہے اور صوفیوں کے مختلف فرقے بھی پائے جاتے ہیں جن میں ہر فرقے کا الگ خانقاہی سلسلہ بھی ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد امین کے بیان کے مطابق

"جاپانی تصوف میں صوفی ریاضت اور خانقاہی زندگی اختیار کرتا ہے اور جس خانقاہ یا سلسلے سے وہ وابستہ ہوتا ہے اس کے رسم و رواج اور آداب کی پابندی کرتا ہے یہ پابندی بڑی سختی سے کی جاتی ہے اس کی خاص خصوصیت صوفی کا لمحۂ فکر ہے جسے جاپانی بدھ مت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔" 2

(۵) ہندی تصوف

ہندی تصوف کی ابتداء ویدوں سے ہوئی جن میں تخلیق کائنات، عالم بالا، عالم سفلی اور وحدت الوجود کے بارے میں نظریات موجود ہیں۔ جن اقوال سے مراقبے کی اہمیت پر بھی روشنی

1۔ بعنوان "اسلامی تصوف میں نور کا تصور" (تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی۔ فیلوشپ) از پروفیسر محمد امین، ص 235 ۔ یہ مقالہ زکریا یونیورسٹی ملتان میں پیش کیا گیا ہے۔

2۔ ـــ ـــ ـــ ایضاً ـــ ـــ ـــ ، ص 236

پُرش ہے۔ ویدوں کے آخری حصے اپنشدوں پر مشتمل ہیں جن کا پیش کردہ تصوف "برہم سوتر" کہلاتا ہے

اپنشدوں کو تصوف کی قدیم ترین تحریریں قرار دیا جاتا ہے۔ پروفیسر رائس (Royce) کے مطابق

"صوفیانہ عقائد کی پوری داستان ان کتابوں میں قلم بند کر دی گئی ہے۔" 1

بعض اپنشدوں کا زمانہ تصنیف آٹھویں صدی ق م ہے۔ اپنشدوں کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ عرفانِ حقیقت ہے اور حقیقت سے مراد "خدا" ہے۔ عرفانِ حقیقت کا واحد ذریعہ عشق ہے۔ اپنشدوں میں توحید کا تصوّر نمایاں طور پر ملتا ہے۔ یہ بھی کہ کائنات اس ذات واحد کا مظہر ہے۔ اپنشدوں کی شرح کرنے والوں میں سب سے زیادہ اہمیت اور مقبولیت شری شنکر اچاریہ کو حاصل ہوئی۔ شنکر اچاریہ کے علاوہ ویدانت کا ایک بڑا مبلّغ پاتنجلی ہے۔ وہ بھی وحدت وجود کا قائل تھا۔ 2

شنکر اچاریہ کے صوفیانہ نظام فکر کو "ویدانت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ "ویدانت" کے اثرات بہت دوررس اور دیرپا ثابت ہوئے۔ ہندو تصوف میں دوسرا اہم نام ویاس کا ہے جس کی کتاب "بھگوت گیتا" فلسفے اور تصوف کے مرکب پر مشتمل ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف پانچویں صدی قبل از مسیح سے لے کر دوسری صدی عیسوی تک بتایا گیا ہے۔ 3 ہندوؤں کے صوفیانہ افکار کے سلسلے میں اپنشد، برہم سوتر اور "بھگوت گیتا" نہایت اہم اور مستند مآخذ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

(ج) اسلامی تصوّف

جہاں تک اسلامی تصوف کا تعلق ہے کچھ لوگ اس کی تعلیمات کو قرآنِ حکیم سے منسلک کرتے ہیں اور ثبوت کے طور پر کئی ایک آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور بعض لوگ تصوف کو رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور اس میں شک بھی نہیں کہ اکثر صحابہ کرام اور تابعین کی حیات میں ذکر، عبادت گزاری، فقر و استغنا، توکل، ایثار اور پاکیزگی کے تمام ایسے فضائل موجود تھے جنہیں اسلامی تصوف کی بنیاد تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اصطلاحی معنوں میں اس پر صوفی

1۔ بحوالہ "کائنات اور ہم" جلد اوّل، ماب جیمسن، ص 104
2۔ بحوالہ "تصوف کی حقیقت" ص 36
3۔ بحوالہ "تاریخ تصوف" از یوسف سلیم چشتی، ص 55

کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل اسلام میں تصوف کے آثار خلافت راشدہ کے بعد نمایاں ہونا شروع ہوئے کہا جاتا ہے کہ معاویہ اور یزید کے عہد میں دمشق اور بغداد میں دارالخلافہ کی تبدیلی سے اسلامی افکار پر عجمی اثرات کا دخل شروع ہوا۔ بنو امیہ کے دور آخر میں خصوصاً اسلام کے تہذیبی و ثقافتی علمی اور سیاسی افکار پر عجمی اثرات کا رنگ پوری طرح غالب آنے لگا اور عباسیہ دور میں تو اس رنگ کے سامنے عربی کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا ۔1۔ اور انہیں اثرات کی وجہ سے مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہوا۔ محمد حسن لکھتے ہیں

> " تصوف کی ابتداء بعض سیاسی ، سماجی اور فکری تقاضوں کا نتیجہ تھی پہلی صدی ہجری تک تصوف کا " اصطلاحی مسلک " واضح اور متعین نہیں ہوا تھا۔ لیکن معاویہ اور یزید کے دور سے بعض رجحانات نمایاں ہونے لگتے ہیں اور خلافت عباسیہ کے دور میں یہ رجحانات زیادہ مربوط اور علمی شکل اختیار کرنے لگتے ہیں۔ " 2۔

اسلام میں تصوف کے ابتداء کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خلافت کے بجائے ملوکیت قائم ہوئی تو حکمرانوں کی شان و شوکت ظلم و ستم اور عیش پرستی کے ردعمل کے طور پر تصوف کا میلان بڑھا۔ ایسے میں صوفیاء کا وہ طبقہ وجود میں آیا جس نے خونی اور خارجی حالات کی سنگینی کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کی اور رہبانیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ بقول محمد کاظم کے الفاظ میں

> " اسلام میں تصوف کا ارتقاء حالت خوف سے چل کر حالت عشق اور پھر حالت فنا و اتصال کا سفر ہے۔ " 3۔

پہلا شخص جسے صوفی کا لقب دیا گیا ابوہاشم عثمان بن شارک کوفی[4] (متوفی 776ء/160ھ)[5] میں اور بعض

1۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب
"Literary History of Persia" by Browne, V 1-I, P- 203-208

2۔ بحوالہ رسالہ قلم قبیلہ، طبع اول، اگست 1981ء، ص 113

3۔ بحوالہ پیش لفظ مجموعہ بغداد، از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر - ترجمہ محمد کاظم، بار اول 1987ء، مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور، ص 8

4۔ مولانا عبدالرحمان جامی لکھتے ہیں ..... البتہ ان سے پہلے بھی بہت سے بزرگ زہد و ورع و معاملات اور طریق توکل و محبت میں یکتا تھے لیکن سب سے پہلے اس طبقے میں ان حضرات نے جس کو صوفی کا لقب دیا وہ ابوہاشم صوفی تھے ان سے پہلے کسی بزرگ کو صوفی کے نام سے ان حضرات نے نہیں پکارا (بحوالہ " نفحات صوفیہ " ص 113، ادارہ تبلیغ اسلام)

(حاشیہ جاری ہے.....)

لوگ جابر بن حیان کوفی کو پہلا صوفی قرار دیتے ہیں۔[1] پس اسلام میں تحریک تصوف کا پہلا مرکز کوفہ اور بصرہ ہے جہاں تصوف کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ یہیں سے یہ تحریک دوسرے اسلامی ممالک میں پھیلنا شروع ہوئی۔ اے۔جے۔آر بسری کے مطابق خراسان اس تحریک کا اہم مرکز قرار پایا۔[2] اس کے بعد بلخ میں، جو اسلام سے پہلے بدھ مت کا اہم مرکز رہا ابراہیم بن ادھم نے یہاں تصوف کی روایت کو آگے بڑھایا بعد کے زمانے میں ایران کی سرزمین تصوف کا اہم مرکز بن گئی اس دور اولین کے صوفیا میں حضرت اویس قرنی حضرت محمد واسع، حضرت حسن بصری، رابعہ بصری، داؤد طائی، حضرت حبیب عجمی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم ادھم وغیرہ شامل ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ .... خواجہ غلام فرید نے لفظ صوفی کی ابتداء اور پہلے صوفی کے متعلق جس خیال کا اظہار کیا وہ اس طرح ہے

" .... پہلے صوفی حضرت شیث علیہ السلام ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد نبوت وراثت کے طور پر حضرت شیث علیہ السلام کو ملی اس لئے ان کو حق تعالیٰ نے صوفی کے نام سے یاد فرمایا۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام صوفی ہیں ان کے بعد افضل و اکمل صوفی حضور حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ آں حضرت پر ایمان لے آئے اور آپ ایمان پر ثابت ہوئے وہ اصحاب کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کو اصحاب رسول کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تابعین ہیں اور جن لوگوں کو تابعین کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ تبع تابعین کے بعد طبقہ صوفیاء کرام ہے چنانچہ پہلے صوفی حضرت ابوالہاشم ہیں۔ "

(بحوالہ " مقابیس المجالس " جمع و ترتیب مولانا رکن الدین۔ مترجم و محقق کپتان واحد بخش سیال ص 888، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور 1979ء)

... البتہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے حضرت حارث المحاسبی (165ھ۔ 243ھ) کو پہلا صاحب تصنیف صوفی قرار دیا ہے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے جن میں سے چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں یعنی (1) کتاب الرعایہ فی التصوف (2) من اداب الی اللہ (3) بارۂ از کتاب الصبر والرضا (4) کتاب التوہم ـــ ان کتابوں میں " کتاب الرعایہ لحقوق اللہ و القیام بہا " تصوف پر اہم کتاب تصور ہوتی ہے جو سوال و جواب کے انداز میں لکھی گئی ہے ـــ

(بحوالہ " تاریخ تصوف " از پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص 143)

4۔ لیکن یوسف سلیم چشتی نے ان کی وفات 162ھ/778ء بتائی ہے۔

1۔ بحوالہ " اقبال اور مسلک تصوف ص 36

2. [illegible]

حضرت اویس قرنی کا شمار تابعین اور پہلے دور میں ہوتا ہے۔ شیخ فرید الدین عطار کے مطابق "آپ جلیل القدر تابعین اور چالیس پیشواؤں میں سے ہوئے ہیں"[1]۔ اگرچہ آپ کو حضور کا دیدار کرنے کا موقعہ نہ ملا لیکن ان کے دل میں حضور کی محبت اس قدر شدت سے جاگزیں تھی کہ جب غزوۂ احد میں حضور کے دندان مبارک شہید ہوئے اور حضرت اویس قرنی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے سارے دانت توڑ لئے۔ ان کے ابتدائی ایام تو یمن میں گزرے پھر کوفے چلے گئے اور جنگ صفین میں شہادت پائی۔ حضرت اویس قرنی کی زندگی میں تصوف کے عملی پہلو نمایاں تھے۔ ان کے پاس لباس تک نہ ہوتا تھا چنانچہ بڑے غربا کی زنبیل میں بیٹھے رہتے تھے اور کوڑے سے روٹی کے ٹکڑے چن کر لاتے ان کو دھوتے تھے اور کچھ ان میں سے خود کھاتے اور کچھ خیرات کرتے تھے[2]۔ خدا اور رسول کی محبت میں سرشاری کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ساری زندگی عارفانہ انداز میں گزری۔

ابتدائی صوفیاء میں سے حضرت حسن بصری کا نام گرامی خاص طور پر سے مشہور ہے۔ حضرت حسن بصری (متوفی 728ء) مدینہ میں پیدا ہوئے لیکن ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ بصرہ میں گزرا اس نسبت سے بصری کہلائے۔ انہیں حضرت علیؓ کے قدموں میں بیٹھ کر فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ مارٹن لنگز کے مطابق

" He sat at the feet of Ali "[3]

محمد افضل قریشی اسدی لکھتے ہیں

" نسبت حسن بصری در ارادت بہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میرسد "[4]

حضرت محمد واسع شریعت اور طریقت دونوں پر قائم تھے۔ حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخش) کے بقول " آپ اہل مجاہدہ کو دعوت دینے والے، مشاہدہ میں ہمیشہ قائم اور تبع تابعین میں شمار ہوتے

---

1 - " تذکرۃ الاولیاء " ص ۔ از فرید الدین عطار ترجمہ مولانا ... محمد ... ناشر ... مطبوعہ کتب خانہ ... لاہور ص 9

2 - بحوالہ " طبقات الاولیاء " ص 6 (ترجمہ کتاب الطبقات الکبریٰ از علامہ عبد الوہاب الشعرانی) از سید عبد الغنی وارثی مرحوم، نفیس اکیڈمی، سٹریچن روڈ کراچی - 3

3. "What is Sufism"--P-104.

4 - بحوالہ کتاب " خلاصۃ الانساب " (غیر مطبوعہ قلمی نسخہ فوٹوسٹیٹ کاپی میری تحویل میں ہے) سنہ تالیف 1166ھ ص 59 — لیکن ڈاکٹر طہٰ حسین عبد القادر، منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "... یہ کہنا صحیح نہیں کہ حسن بصری کی ملاقات حضرت علی سے ہوئی ہو ان کی وفات سے قبل ملے ہیں کہ اس لئے کہ جب حضرت علی نے وفات پائی ہے تو حسن بصری اس وقت کم سن تھے کہ اس بنا پر استادی شاگردی کا یہ سارا سلسلہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔" (بحوالہ "مجمد بغداد" اردو ترجمہ از محمد کاظم ص 61)

تھیں۔ آپ کے زمانے میں کوئی بزرگ آپ کے برابر نہ تھا[1]۔ آپ کا حضرت خواجہ حسن بصری کے پاس کافی آنا جانا تھا۔ آپ ضبط نفس کے لئے بہت ریاضت کرتے تھے اور روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتے تھے آپ کو معرفت حاصل ہوئی تو فرمایا کرتے تھے میں جس چیز کو دیکھتا ہوں اس میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہوں[2]۔

حضرت حبیب عجمی حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید تھے انھوں نے علم بھی خواجہ بصری سے حاصل کیا۔ آپ ساری رات عبادت کرتے۔ آپ کو عجمی اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے تھے[3]۔ اگرچہ خواجہ حسن بصری کی صحبت میں آنے سے پہلے بے حد مالدار تھے یہاں تک کہ اہل بصرہ کو سود پر قرض دیا کرتے[4]۔ لیکن ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کے بعد آپ نے سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے پاس کچھ نہ چھوڑا۔ دریائے فرات کے کنارے ایک حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض کا شمار صوفیاء کے پہلے طبقے میں ہوتا ہے۔ فریدالدین عطار کے مطابق "حضرت فضیل عیاض از کبار مشائخ بود و عیار طریقت و ستودہ اقران بود و مرجع قوم و در ریاضات و کرامات شانی رفیع داشت و در ورع و معرفت بی ہمتا بود"[5]۔ آپ سمرقند میں پیدا ہوئے[6]۔ ابتداء میں آپ قزاقوں کے سردار تھے[7]۔ لیکن جب حضرت فضیل کے دل میں خدا کی محبت پیدا ہوئی اس کے بعد اس کام سے توبہ کر لی اور بصرہ جا کر حضرت خواجہ عبدالواحد سے بیعت ہوئے۔ سفینۃ الاولیاء کے مطابق حضرت فضیل بن عیاض امام ابوحنیفہ کے شاگرد، ابراہیم بن ادھم، سفیان ثوری اور داؤد طائی کے ہم عصر اور عبدالواحد بن زید کے مرید اور پیروکار تھے[8]۔ آپ خلفاء کی صحبت پسند نہیں کرتے تھے اور

1- بحوالہ کشف المحجوب ترجمہ اردو بعنوان بیان المطلوب مطبوعہ فیروز سنز، 19ویں بار 1976ء صفحہ 148
2- بحوالہ مرآۃ الاسرار جلد اوّل، از حضرت شیخ عبدالرحمان چشتی ص 233 — [illegible] لاہور، 1982ء
3- بحوالہ "مرآۃ الاسرار" جلد اوّل، ص 246
4- بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" ص 29 از فریدالدین عطار ترجمہ مولانا قاری محمد عادل خان، مطبوعہ کتب خانہ خورشیدیہ لاہور //
5- بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء (فارسی)" ص 49، از فریدالدین عطار، مطبوعہ نولکشور اپریل 1891ء (حبیب [illegible] کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)
6- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ بخارا کے رہنے والے تھے (بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 123) جبکہ "اقبال کے محبوب صوفیا" از اعجاز الحق قدوسی مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، طبع اوّل جنوری 1976ء صفحہ 8 میں لکھا ہے کہ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے ---
7- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیا" اقبال اکادمی پاکستان، ص 9
8- سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص 120

اگر کبھی اطاق سے ملنا پڑتا تو آپ نہایت جرأت اور دلیری سے ان کی غلطیاں ان کے منہ پر کہہ دیتے آپ کی وفات ماہ محرم (187ھ/802ء) میں مکہ معظمہ میں اس طرح واقع ہوئی کہ کسی نے "سورۃ القارعہ" پڑھی آپ نے ایک نعرہ لگایا اور جاں بحق ہو گئے [1]۔

حضرت ابراہیم بن ادھم متوفیٰ کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں آپ کو خرقۂ خلافت حضرت فضیل بن عیاض سے ملا [2]۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن شکار کے لئے گئے ہوئے تھے کہ غیبی آواز آئی

"ابراہیم تجھے اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔"

یہ آواز سن کر ان کے ذہن میں تبدیلی آئی غفلت دور ہوئی طریقت میں مضبوط قدم رکھا [3]۔ آپ کی وفات ملک شام میں 161ھ میں ہوئی [4]۔ لیکن "حیات صوفیہ" کے مطابق ان کی وفات 166ھ میں ہوئی [5]۔

حضرت رابعہ بصری رابعہ عدویہ کہلاتی ہیں وہ بے حد عبادت گزار، نیک اور درویش صفت خاتون تھیں، وہ ایک عرصہ تک غلام بھی رہیں، دن کو ہمیشہ روزہ رکھتیں اور اپنے آقا کی خدمت کرتیں اور رات کو خدا کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں [6]۔ ہر وقت غم زدہ رہتیں اور روتی رہتیں۔ دوزخ کا ذکر سنتے ہی بیہوش ہو جاتی تھیں [7]۔ لوگ انہیں کچھ دیتے تو لینے سے انکار کر دیتیں اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے دنیا کی کچھ حاجت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بہت کمزور تھیں۔ طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ اسی برس کی عمر میں پہنچ کر پرانی مشک جیسی ہو گئی تھیں اور چلنے میں گر پڑتی تھیں [8]۔ رابعہ عدویہ حضرت خواجہ حسن بصری کی شاگرد تھیں جب تک وہ حسن بصری کی مجلس میں نہ جاتیں آپ وعظ نہ فرماتے الفاظ یہ ہیں "اگر رابعہ در مجلس حسن بصری حاضر نبودے سخن نگفتے" [9] لیکن سالک لنجار کے مطابق "جب

1۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص 257
2۔ ـــ ـــ ایضاً ـــ ص 280
3۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 130
4۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اوّل، ص 281
5۔ حیات صوفیہ (نفحات الانس) ص 130
6۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص 236
7۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 138
8۔ ـــ ایضاً ـــ ص 138
9۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء (فارسی) ص 39 از فریدالدین عطار۔ مطبوعہ نولکشور اپریل 1891ء (مصنف خاں کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

حسن بصری فوت ہوئے تو رابعہ بصری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔" [1]

حضرت داؤد طائی کا شمار طبقہ اوّل کے صوفیاء میں ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور حضرت فضیل بن عیاض اور ابراہیم ادھم کے ہمعصر تھے۔ کشف المحجوب اور نفحات الانس کے مطابق آپ ابوسلیم حبیب بن سلیم الراعی کے مرید تھے اور انہیں سے اکتساب کیا تھا۔[2] آپ زہد و ورع میں کمال شان تھے، درویشی کا یہ عالم تھا کہ ان کے مرض الموت میں جو لوگ ان کے گھر گئے انھوں نے اس میں ان چیزوں کے سوا کچھ بھی نہ پایا، چھوٹا سا مٹکا جس میں سوکھی روٹیاں تھیں۔ ایک بدھنا اور ایک بڑی سی کچی اینٹ جس سے وہ تکیہ کا کام لیتے تھے اور وہ یہ اپنے یاروں سے کہا کرتے تھے کہ دیکھو خبردار تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں اس سے زیادہ اسباب نہ رکھے جس قدر کہ دور جانے والے سوار رکھتے ہیں۔[3] آپ نے آخر ربیع الاوّل 165ھ میں وفات پائی۔[4]

ان لوگوں نے اپنے طرز فکر کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ انفرادی سطح پر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے کیونکہ وہ اپنے ماحول سے دل برداشتہ تھے اس لئے دنیا کے جھگڑوں کو چھوڑ کر عبادت میں سکون ڈھونڈنے لگے۔ اس دور کے صوفیا کی تصنیفات بہت ہی کمیاب ہیں البتہ عبداللہ بن مبارک (متوفی 181ھ/797ء) نے "کتاب الزہد" کے نام سے رسالہ تصنیف کیا جس میں وہ احادیث جمع کیں جن میں زہد کی تلقین کی گئی تھی اسی طرح حضرت سفیان ثوری (متوفی 161ھ/777ء) کے ساتھ یہ کتابیں منسوب کی جاتی ہیں (1) الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلافات (2) الجامع الصغیر (3) کتاب الفرائض (4) کتاب التفسیر۔[5] آپ 97ھ میں پیدا ہوئے، لوگوں نے آپ کا نام حدیث کے "امیرالمومنین"[6] رکھا تھا۔ 155ھ میں کوفہ سے بصرہ آئے پھر باقی زندگی یہیں بسر کی آپ بہت بڑے عالم اور زاہد تھے۔

صوفیاء کا دوسرا گروہ اس وقت سامنے آیا جب یونانی فلسفے اور عقلی علوم کی بدولت اسلامی معاشرہ میں بھی عقل افروزی کی شمع روشن ہوئی۔ فتح مصر کے بعد یونانی علوم سے مسلمانوں کا تعارف ہوا بخاصہ

1- "What is Sufism" P-106.
2- بحوالہ "جنید بغداد" از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، مترجم محمد کاظم، ص 61
3- "طبقات الاولیاء" ص 158 4- "مرآۃ الاسرار" جلد اوّل، ص 271
5- کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی کتابیں جلوا دی تھیں لیکن "کتاب التفسیر" کا ایک قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (بحوالہ "مشائخ چشت" ص 74-75)
6- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 105

اور خلافت عباسیہ کے عہد میں مختلف علوم و فنون کے تراجم عربی میں کئے گئے فلسفے کی طرف خاص طور پر دھیان دیا گیا۔ ہارون رشید کے زمانے میں بیت الحکمت قائم کیا گیا جس کے لئے مختلف ممالک سے عقلی علوم کی کتابیں حاصل کی گئیں۔ مامون رشید کے زمانے میں مناظروں کا اہتمام کیا گیا۔ فلسفیوں کا زور پیدا ہوا لوگوں کے اعتقادات میں تشکیک کا پہلو شامل ہوا۔ عقلیت کی وجہ سے ذات و صفات، دوزخ و جنت، خلق قرآن، معجزات، معراج وغیرہ کے بارے میں مباحث کھڑی ہوئیں۔ حتیٰ کہ قرآنی آیات کی عقلی توجیہات کی جانے لگیں ایسے دور میں صوفیاء کرام کا وہ گروہ پیدا ہوا جس نے عقل سے بیزاری کا اظہار کیا اور عقل کے مقابلے میں عشق اور جذبے پر زور دیا۔ ان صوفیاء نے عقل اور فلسفے کے پیدا کردہ ذہنی انتشار اور تشکیک کو قلبی کیفیات اور جذب دروں کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کی عشق الٰہی کو فضیلت حاصل ہوئی۔ اس دور کے صوفیاء میں حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخراز، حضرت بایزید بسطامی، حضرت جنید بغدادی، منصور حلاج ابوعبداللہ حارث بن المحاسبی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت معروف کرخی، القشیری اور حضرت سری سقطی قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابو محفوظ معروف کرخی (متوفی 201ھ – 200ھ) کرخیہ کے سلسلے کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔[1] آپ زہد و اتقاء اور پرہیزگاری میں بے مثال تھے۔ انہوں نے استغراق پر زور دیا۔[2] حضرت داؤد طائی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ امام علی موسیٰ رضا کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔[3] ان کا مزار بغداد میں واقع ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے اور ان کا واسطہ دے کر باران رحمت کی دعا کی جاتی ہے۔[4] آپ نے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں 200ھ میں وفات پائی۔[5]

حضرت بایزید بسطامی 161ھ/777ء میں پیدا ہوئے۔ مذہباً آتش پرست تھے۔[6] لیکن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شیخ فریدالدین عطار ان کا شمار اکابر مشائخ میں کرتے ہیں حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ "خواجہ بایزید ہمارے درمیان اس طرح ہیں جیسے ملائکہ کے درمیان حضرت جبرائیل" پھر فرمایا "تمام سالکین راہ خدا کے مقامات کی جو انتہا ہے وہ خواجہ بایزید کی ابتداء ہے۔"[7] فریدالدین عطار بایزید

1۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول، ص 65
2۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص 86 ۔3۔ بحوالہ "حیات سرمدیہ" ص 123
4۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 150 ۔5۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اول ص 263
6۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 10 ۔7۔ ۔۔۔ ایضاً ۔۔۔ ص 300

بسطامی کے متعلق لکھتے ہیں "آتشِ محبت میں فنا تھے اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے"۔[1] آپ خلیفہ متوکل کے عہد میں 234ھ میں فوت ہوئے۔[2]

ابوبکر بن جحدر شبلی کے آباؤ اجداد خراسان کے رہنے والے تھے مگر وہ بغداد میں پیدا ہوئے اور سن بلوغ تک وہیں مقیم رہے۔[3] وہ ابتداء میں خلیفہ کے مہتمم امور خانگی تھے لیکن بعد ازاں نساج کے مکان پر ایک اجتماع کے دوران میں آپ نے تصوف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ سرکاری ملازمت سے دستبردار ہو کر حضرت جنید کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔[4] امام مالک کے پیروکار اور حضرت جنید بغدادی کے شاگرد تھے انہوں نے بہت سی حدیثیں بھی جمع کیں۔ عبادت اور ریاضت بہت کرتے تھے۔ ستاسی (87) سال کی عمر پائی، 334ھ میں فوت ہوئے اور بغداد میں مقبرۂ خیزران میں دفن ہوئے۔[5]

ابو عبداللہ حارث بن اسد المحاسبی 165ھ کے لگ بھگ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ عرب تھے لیکن بعد میں بغداد آئے اور یہیں قیام کیا۔[6] "طبقات الاولیاء" کے مطابق یہ بزرگان صوفیہ میں سے علوم ظاہری و علوم معاملات کے عالم تھے۔ ان کی تصنیفات مشہور ہیں۔[7] پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مطابق ان کی تصانیف میں سے صرف سترہ کتابوں کے قلمی نسخے دنیا میں موجود ہیں۔ ان میں سے چار قلمی نسخے اب تک زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں (1) کتاب الرعایہ فی التصوف (2) من اناب الی اللہ (3) بارۂ از کتاب الصبر والرضا (4) کتاب التوہم[8] سری سقطی اور جنید بغدادی کے دوست تھے۔ 243ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

حضرت سری سقطی کی پیدائش 155ھ میں ہوئی اور انہوں نے سات آٹھ عباسی خلفاء کا زمانہ پایا۔[9] سقطیہ کا سلسلہ آپ سے منسوب ہے۔[10] آپ حضرت جنید کے ماموں اور شیخ تھے۔ آپ نے حضرت

1۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" (اردو ترجمہ) ص 125، مطبوعہ لاہور
2۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد اوّل ص 300 — 3۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء"، ص 310
4۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص 110 — 5۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 209
6۔ بحوالہ "جنید بغداد" (مترجم محمد کاظم) ص 91 — 7۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 155
8۔ بحوالہ "تاریخ تصوف" ص 147 — 9۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص 48
10۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" ص 66

معروف کرخی کی صحبت میں وقت گزارا۔ آپ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے بغداد میں علم توحید پر گفتگو کی۔ علامہ خلیق احمد نظامی کے مطابق انہوں نے توحید کا وہ نظریہ پیش کیا جس نے بعد کو وحدت الوجود کی شکل اختیار کر لی[1]۔ فریدالدین عطار نے انہیں "امام اہل تصوف" "کوہ حلم و ثبات" اور "خزانۂ مروّت و شفقت" کہہ کر پکارا ہے[2]۔ انہوں نے اٹھانوے برس کی عمر پائی۔ حضرت جنید کا قول ہے کہ "میں نے سقطی سے زیادہ عبادت گزار اور کوئی نہیں دیکھا۔ اپنی تمام اٹھانوے برس کی عمر میں سوائے مرض الموت کے ایام کے، وہ کبھی یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ سونا اور آرام کرنا کیا چیز ہوتی ہے۔"[3] "حیات صوفیہ" کے مطابق آپ کی وفات 253ھ میں[4]، قشیری کے بقول 257ھ میں[5] اور ابن عساکر کے[6] خیال میں 251ھ میں ہوئی۔

شیخ ابوبکر محمد ابن مسلم عبدالرحمان القطری (متوفی 260ھ)[7] بغداد کے رہنے والے تھے۔ آپ اپنے تقویٰ اور درویشانہ زندگی کی بدولت مشہور تھے۔ آپ خلوت پسند، کم گو اور کافی نادار تھے۔ سفیان ثوری کا مجموعۂ احادیث ایک دینار ہی قلیل معاوضہ پر نقل کر کے اپنی گزر بسر کا سامان کرتے تھے۔

حضرت ابوالفیض ذوالنون مصری کا اصل نام ثوبان بن ابراہیم[8] تھا۔ ان کے والد نوبہ کے رہنے والے تھے لیکن ذوالنون مصری نے جیزہ میں وفات پائی۔ کشف المحجوب کے مطابق "آپ تحقیق و کرامت کی کشتی شرف ولایت کے خزانہ ہیں اور بزرگ ترین تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔"[9] آپ امام مالک انس کے شاگرد اور اسرافیل کے مرید تھے جو اہل مغرب کے بدو تھے آپ کا مسلک ملامتیہ تھا۔ آپ بڑے صاحب ریاضت اور کرامت تھے[10]۔ انہوں نے اپنی صحبت میں حال و مقام پر بحث کی[11]۔ آپ کی وفات 245ھ میں ہوئی۔

حضرت ابوسعید ابن عیسیٰ الخراز (متوفی 286ھ)[12] تیسری صدی ہجری کے اہم صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا وطن بغداد تھا۔ ذوالنون مصری اور سری سقطی جیسے بزرگ صوفیا کی صحبت

1۔ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" ص 66
2۔ بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء (فارسی)" ص 176
3۔ "تاریخ بغداد" (خطیب) جلد نمبر 9 ص 192
4۔ حیات صوفیہ از مولانا عبدالرحمان جامی ص 146
5۔ رسالہ قشیری، ص 10
6۔ تہذیب، جلد نمبر 6، ص 79
7۔ "تاریخ بغداد" (خطیب) جلد نمبر 3 ص 236
8۔ طبقات الاولیاء از سید عبدالغنی وارثی، ص 146 (طبع اکیڈمی کراچی طبع اول نومبر 1966ء)
9۔ "کشف المحجوب" (اردو ترجمہ) ص 162
10۔ مراۃ الاسرار جلد اول، ص 263
11۔ "تاریخ مشائخ چشت" خلیق احمد نظامی، ص 86

طبقات الاولیاء میں درج ہے کہ سب سے پہلے جس نے فنا و بقا کے علم میں زبان کھولی وہ ابوسعید خراز تھے۔[1] "تذکرۃ الاولیاء" کے مطابق "تمام او را لسان التصوف گفته اند و این لقب از جهت آن یافت که در این علم کس را زبان حقیقت چون او نبود۔"[2] ان کی کتاب "کتاب الصدق" بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی حارث المحاسبی کی "کتاب الرعایۃ لحقوق اللہ" کے بعد تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے جو مطبوعہ صورت میں دستیاب ہو سکتی ہے۔[3] شیخ فریدالدین عطار کے بقول انھوں نے تصوف کے علوم پر چار سو کتابیں تصنیف کیں۔[4]

حضرت جنید بغدادی، حضرت سقطی کے بھانجے تھے۔ انھی کے روحانی تصرفات سے متاثر ہوکر پھر حضرت شیخ معروف کرخی کی صحبت میں رہ کر تصوف کے اسرار و رموز سیکھے اور بعد میں حارث المحاسبی کی صحبت میں دس سال گزارے اور ان سے خوب خوب استفادہ کیا۔ ان کی تصانیف میں کتاب امثال القرآن، کتاب رسائل، شرح شطحیات ابی یزید البسطامی اور تصحیح الارادہ شامل ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے الفاظ میں

> "حضرت جنید بغدادی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کو اسلامی لباس پہنایا اور شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کر دیا ۔۔۔۔ انھیں بجا طور پر سید الطائفہ کا لقب دیا گیا۔"[5]

یہاں تک کہ ان کے شیخ حضرت سری سقطی نے انھیں اپنے اوپر فضیلت دی ہے۔[6] حضرت جنید بغدادی کی تاریخ پیدائش حتمی طور پر معلوم نہیں البتہ زیادہ قرین قیاس سن 215ھ ہے۔[7] آپ کی وفات 298ھ میں ہوئی۔

1- "طبقات الاولیاء" ص 188　　2- "تذکرۃ الاولیاء" (فارسی) ص 248

3- "تاریخ تصوف" ص 191　　4- "تذکرۃ الاولیاء" از فریدالدین عطار، ص 248

5- "تاریخ تصوف" ص 209

6- مارٹن لنگز لکھتے ہیں

"Even, his own Shaykh, Sariss Saqati, himself among the greatest Masters of Sufism, is reported to have said that the rank of his disciple (who was also his nephew) was above his own."
(' What is Sufism', P-107)

7- بحوالہ "جنید بغداد" ص 32

حضرت جنید بغدادی کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت ابوالمغیث الحسین ابن منصور الحلاج کو حاصل ہوئی جن کی شخصیت بڑی متنازعہ فیہ رہی ہے لیکن ان کی شخصیت کی دلکشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر زبان کے ادب و شعر میں ان کا ذکر موجود ہے۔ حسین حلاج سید سلیمان ندوی کے مطابق 244ھ (858-59ء) میں بیضا (فارس) کے طور میں پیدا ہوئے۔[1] سید سلیمان ندوی کی تصنیف "حسین بن منصور حلاج کی تاریخی شخصیت" کے مطابق حسین بن منصور حلاج نسلاً ایرانی تھا، اس کا دادا پارسی تھا، سب سے پہلے اس کا باپ اسلام لایا۔ فارس کے شہر بیضا میں پیدا ہوا، واسط میں جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ خصوصاً یہاں بغداد میں بھی اس کی آمد و رفت ثابت ہے۔[2] منصور حلاج کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ "اناالحق" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ علماء نے ان کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا۔ قتل سے پہلے انہیں جیل میں رکھا گیا۔ آخرکار خلیفہ کے حکم سے انہیں 309ھ میں قتل کر دیا گیا۔ ان کی تصنیف "کتاب الطواسین" خاصی مشہور ہے اسے مسیو لوئی ماسینوں نے 1913ء میں پیرس سے شائع کیا۔

اسلامی تصوف کا تیسرا عہد وہ ہے جب مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے ممالک کو ان کے زیر نگیں کر دیا۔ دوسری اقوام کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کو حل کرنے کے لئے اجتہاد و فکر کی ضرورت تھی چنانچہ اسی دور میں فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام شروع ہوا۔ امام ابوحنیفہ (796ء - 699ء) امام مالک (715ء تا 795ء) امام شافعی (788ء تا 820ء) اور امام احمد بن حنبل (780ء تا 855ء) جیسے فقہا نے اسلامی فقہ ترتیب دے کر اس عہد کے ذہنی تقاضوں کو پورا کیا لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ اجتہاد کا راستہ بند کر دیا گیا۔ لوگوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ خلیق احمد نظامی صاحب کے بقول

> "فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا ہر شرعی حکم سے بچنے کے لئے حیلے اور ہر قید شرعی سے نکل بھاگنے کے لئے بہانے تراشے جانے لگے۔ فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب "باب الحیل" کا اضافہ کیا گیا ..... اس حیلہ بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن جو مذہب کا اصلی مقصد تھا بالکل بھلا دیا گیا اور مذہبی زندگی

1- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 36

2- حسین بن منصور حلاج (شخصیت و افکار) ترتیب و تہذیب خورشید ندیم ص 79 مسلک پبلی کیشنز (اشاعت اول 1981ء) لاہور

نے بالکل مردہ ہو کر رہ گئی۔"[1]

تیسری صدی ہجری سورۂ آل عمران (۱۴۶) سورۂ البقرہ (۱۵۶) اور سورۂ الحجرات

ان حالات میں صوفیاء کا وہ طبقہ سامنے آیا جس نے مذہب کی حقیقی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اخلاق کو سنوارنے اور باطن کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دی ان صوفیاء میں شیخ ابوسعید ابن العربی (المتوفی 952ء) شیخ ابو محمد الخلدی (متوفی 959ء) شیخ ابونصر السراج (متوفی 378ھ/988ء) شیخ ابوطالب مکی (متوفی 386ھ/996ء) شیخ ابوبکر (متوفی 1000ء) اور ابو عبدالرحمان السلمی (متوفی 412ھ/1021ء) خاص طور پر اہم ہیں۔

حضرت ابو سعید ابن العربی پیدا تو بصرہ میں ہوئے لیکن بعد میں مکہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور یہیں 94 سال کی عمر میں 341ھ میں انتقال کیا۔[2] آپ ممتاز صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ محدث اور فقیہہ بھی تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے پیروکار اور عقیدت مند تھے۔ کتاب "جنید بغداد" میں لکھا ہے کہ وہ حضرت جنید پر سے تھے اور ان کی روحانی قیادت کا اعتراف بہت احسان مندی کے جذبات کے ساتھ کرتے تھے۔[3] آپ کی تصنیف "طبقات النساک" قدیم صوفیا کے سوانحی حالات اور افکار پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب نایاب ہے لیکن اس کے اقتباسات دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں۔

شیخ ابو محمد الخلدی کا پورا نام ابو محمد جعفر ابن محمد ابن القاسم الخواص البغدادی الخلدی تھا۔ 252ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ حضرت جنید کی صحبت میں رہے اور انہیں کے مریدوں میں شمار ہوتے تھے۔[4] انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز بطور ایک محدث کے کیا لیکن بعد میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ انہوں نے احادیث کی چھان بین اور احتساب کرنے کا ہنر سیکھا تھا۔[5] مخدوم علی ہجویری کے بقول "آپ علم تصوف کے فنون میں بہت بڑے فاضل اور مشائخ کے کلام کے حافظ اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے والے تھے۔[6]" ان کی تصنیف "حکایت الاولیاء" نایاب ہے لیکن اس کے اقتباسات دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں تاہم "تاریخ بغداد" کے مطابق

"دنیا میں عجائبات تین ہیں شبلی کے اشارات، المرتعش کے نکات اور جعفر

1- بحوالہ مشائخ چشت از ڈاکٹر خلیق احمد نظامی، ص 88-89، دارالمؤلفین، اسلام آباد

2- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 233 — 3- بحوالہ "جنید بغداد" ص 21

4- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 235 — 5- بحوالہ "جنید بغداد" ص 21

6- بحوالہ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص 245

الخلدی کی حکایات ۔ "[1]۔

الخلدی نے 348ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ[1] ابوالنصر سراج کا وطن طوس تھا۔ لقب " طاؤس الفقراء " تھا۔[2] پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مطابق پہلی مرتبہ ان کا ذکر " فریدالدین عطار کی تصنیف تذکرۃ الاولیاء میں کیا گیا "۔[3] پھر مولانا جامی نے " نفحات الانس " میں ان کا ذکر شامل کیا۔[4] عبدالماجد دریا بادی نے مولانا جامی کی " نفحات الانس " کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو النصر سراج نے تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔[5] لیکن آج بجز " کتاب اللمع " کے اور کوئی بظاہر موجود نہیں بلکہ ان کے نام تک بھی معلوم نہیں البتہ ان کی یہ تصنیف بے حد مقبول ہوئی۔ اسے پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن نے 1914ء میں مرتب کر کے شائع کیا۔[6] یہ کتاب تصوف کے مسائل اور تصورات پر مشتمل ہے اور تصوف کے علم پر مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

ابوطالب مکی مکہ میں پیدا ہوئے بعد میں بصرہ گئے لیکن پھر بغداد منتقل ہوئے اور وہیں 386ھ میں وفات پائی۔[7] آپ قرآن اور حدیث کے جید عالم تھے۔ ان کی تصنیف " قوت القلوب " میں عبادات کے باطنی پہلو پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف حقیقتاً قرآن و حدیث کی پیداوار ہے۔[8]

شیخ ابوبکر ابن ابی اسحاق محمد ابن ابراہیم ابن یعقوب البخاری الکلاباذی بخارا کے ایک محلے کلاباذ میں پیدا ہوئے۔ ان کے سن وفات کے بارے میں اختلافات پایا جاتا ہے۔ یوسف سلیم چشتی نے 385ھ لکھا ہے۔[9] ڈاکٹر پیر محمد حسن نے انڈیا آفس " Delhi Arabic " کے مخطوطہ 846ء کے حوالے سے 380ھ اور 384ھ اور 385ھ درج کیا ہے۔[10] دارالشکوہ نے بھی 385ھ(995ء) لکھا ہے۔[11]

1- " تاریخ بغداد " (خطیب) جلد 9، ص 19
2- " تصوف اسلام " از عبدالماجد دریابادی ، ص 9، المعارف لاہور، بار اول 1393ھ
3- تلخیصہ جواہر " تذکرۃ الاولیاء " (فارسی) مطبوعہ ... 1891ء صفحہ 391 تا 392
4- " تاریخ تصوف " ص 323   5- " تصوف اسلام " ص 10
6- " بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " ص 92   7- " حیات صوفیہ " ص 236
8- ایضاً ص 92   9- " تاریخ تصوف " ص 377

شیخ ابوبکر کی تصانیف میں کتاب التعرف کے علاوہ "بحرالفوائد فی معانی الاخبار" بھی شامل ہے جو 222 منتخب احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔ دراصل شیخ ابوبکر کی تمام تر شہرت کا دارومدار ان کی تصنیف "التعرف لمذہب اہل تصوف" پر ہے۔ یہ کتاب تصوف کی حمایت میں لکھی گئی ہے اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر اے جے آربری نے " The Doctrine of the Sufism " کے نام سے کیا اردو میں اسے ڈاکٹر محمد حسن نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب علم تصوف پر معروف اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح ابو عبدالرحمان السلمی کی تصنیف "طبقات الصوفیہ" مشائخ کے حالات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے بعد میں شیخ عبداللہ انصاری اور مولانا جامی نے اسی کتاب سے رہنمائی حاصل کی۔

یہ دور دسویں صدی عیسوی تک کا زمانہ ہے جس میں تصوف کی روایت کو استحکام بھی حاصل ہوا اور اس کو ایک تحریک کی صورت بھی ملی۔ تصوف کی اصطلاحات وضع ہونے کے علاوہ کچھ کتابیں بھی منصۂ شہود پر آئیں جن میں مختلف مشائخ کے سوانحی حالات اور ان کی تعلیمات کا ذکر بھی تھا اور تصوف کے موضوعات پر بھی مباحث شامل تھیں۔ اس دور میں صوفیاء کے مختلف مسالک اور فرقے وجود میں آئے۔ منصور حلاج کے حوالے سے ادب و شعر میں تصوف کی آمیزش شروع ہو گئی اگرچہ یہ سب کچھ ابھی پوری وضاحت کے ساتھ سامنے نہیں آیا تھا تاہم اس دور تک کچھ ابتدائی پیش رفت ضرور ہوئی اور صوفیانہ مسالک مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا ایک حصہ بن گیا اس سے آگے آنے والے دور میں تصوف کو خاص نشو و نما حاصل ہوئی۔ یہ دور گیارھویں صدی عیسوی کا ہے۔

گیارھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفیاء میں شیخ ابو نعیم اصفہانی (المتوفی 430ھ) شیخ ابوالقاسم قشیری (متوفی 465ھ/1072ء) شیخ علی ہجویری (متوفی 472ھ/1079ء) شیخ عبداللہ انصاری (متوفی 1088ء) اور شیخ ابو سعید ابی الخیر (متوفی 357ھ/967ء) شامل ہیں ان بزرگوں نے صوفیانہ خیالات کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ تصوف کو عوامی تحریک بنانے کی کوشش کی تاکہ لوگ پاکیزہ زندگی کی طرف مائل ہوں اس دور کی شاعری میں بھی باقاعدہ طور پر تصوف کی چاشنی شامل ہوئی۔ صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح و توضیح بھی اسی دور میں کی گئی اور فلسفے کی فکری اور اصولی تعبیر و

ترتیب کا کام بھی اسی عہد میں شروع ہوا۔ اسی زمانے میں اس خیال کی ترویج بھی کی گئی کہ تصوف اور شریعت و سنت کوئی الگ نہیں ہے اس طرح وہ علماء جو تصوف کی طرف رجحان نہیں رکھتے تھے از خود اس کی طرف مائل ہو گئے۔

شیخ ابوسعید ابی الخیر 357ھ/967ء میں خراسان کے نواح میں پیدا ہوئے۔

"مرو میں ابو عبداللہ حضری سے تحصیل فقہ کی اور شیخ ابوالفضل حسن سرخسی، ابو العباس احمد قصاب اور ابوالحسن خرقانی سے اکتساب فیض کیا اور حضرت ابو عبدالرحمان سلمیٰ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔۔۔" [1]

صاحب نفحات کے مطابق آپ سلطان وقت، جمال اہل طریقت اور شرف القلوب تھے۔ تمام مشائخ عصر آپ کے مسخر اور گرویدہ تھے[2] وہ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے اپنے کلام بالخصوص رباعیات[3] کے ذریعے صوفیانہ خیالات کی ترویج کی۔ لہٰذا ادب میں تصوف کی چاشنی پیدا کرنے والے پہلے صوفی شیخ ابو سعید ابی الخیر ہیں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں

"سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر نے ادا کئے۔" [4]

ان کے اشعار میں عشق حقیقی کی لذت بھر جاتی ہے۔ انہوں نے 440ھ(1049ء) کو 83 سال کی عمر میں وفات پائی۔

شیخ ابوالقاسم قشیری 376ھ میں نیشاپور کے ایک موضع استوا میں پیدا ہوئے[5] پہلے شیخ ابوبکر محمد بن ابی بکر الطوسی (متوفی 405ھ) سے علم فقہ اور پھر امام ابوبکر ابن فورک (متوفی 406ھ) سے

1۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص 43 — 2۔ بحوالہ "مرآۃ الاسرار" جلد اوّل، ص 461

3۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا خیال ہے کہ "موجودہ زمانے میں رباعیات کا جو مجموعہ ان کے نام سے بازار میں فروخت ہو رہا ہے وہ .... بالکل جعلی ہے۔"
(بحوالہ "تاریخ تصوف" ص 512)

4۔ "شعرالعجم" جلد پنجم، طبع دوم، ص 12

5۔ "تاریخ تصوف" ۔ از پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص 457
لیکن عبدالماجد دریا بادی ان کا مولد خراسان اور مدفن نیشاپور بتاتے ہیں۔
(بحوالہ "تصوف اسلام" ص 61، المعارف لاہور، بار اوّل 1393ھ)

علم الاصول سیکھا اور دینی علوم میں درک حاصل کیا۔ بعد میں ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی (المتوفی 418ھ) کے مدرسے سے تحصیل کی۔ آپ کے شیخ طریقت ابو علی الحسن بن علی الدقاق تھے۔ 437ھ میں نیشا پور میں حدیث کا درس شروع کیا۔[1]

عبدالماجد دریابادی نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حوالے سے جو تصانیف درج کی ہیں ان کی تعداد دس ہے۔ ان میں رسالہ القشیریہ، نحو القلوب، لطائف الاشارات، کتاب الجواہر، کتاب المناجات، کتاب آداب الصوفیہ، کتاب عیون الاجوبہ، کتاب المنتہی، ایک عظیم الشان تفسیر القرآن اور کتاب احکام السماع شامل ہیں[2] لیکن آپ کی سب سے اہم تصنیف جس پر ان کی تمام تر شہرت کا دارو مدار ہے۔ "رسالہ قشیریہ" ہے جو تصوف کے ذیل میں ایک نہایت مستند اور اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے یہ رسالہ 437ھ میں لکھا گیا۔ اس تصنیف میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ تصوف شریعت سے الگ نہیں ہے اس وجہ سے تصوف کی مقبولیت اور ترقی میں اضافہ ہوا۔ شیخ ابوالقاسم قشیری ہی کی بدولت تصوف کی بہت سی اصطلاحات وضع ہوئیں انہوں نے قرآن حکیم کی شرح "لطائف الاشارات" کے نام سے کی۔ ان کی تاریخ وفات 16 ربیع الثانی 465ھ ہے۔[3]

شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کا وطن غزنی (افغانستان) تھا جہاں 400ھ (1009ء) میں سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔[4] آپ کا نسب نامہ نو واسطوں سے جناب علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔[5] ہجویر اور جلاب میں آپ کا قیام رہا۔ پھر ہندوستان آ کر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لاہور میں آپ کا وصال 431ھ میں ہوا۔[6] حضرت ہجویری نے جو کتابیں تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں (1) کشف المحجوب (2) کشف الاسرار (3) منہاج الدین

1- بحوالہ تاریخ تصوف از یوسف سلیم چشتی، ص 456
2- بحوالہ تصوف اسلام، ص 62
3- نفحات الانس (حیات صوفیہ) میں تاریخ وفات 495ھ درج ہے (ملاحظہ فرمائیں "حیات صوفیہ ص447") لیکن "تاریخ تصوف" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی (ص 457) اور "تصوف اسلام" از عبدالماجد دریا بادی (ص 61) میں 465ھ دی گئی ہے اور یہی تاریخ درست ہے۔
4- "داتا گنج بخش" از بشیر احمد سعدی، مطبوعہ النیاب، لاہور، بار اول 1969ء، ص 41
5- بحوالہ "بیان المطلوب" (اردو ترجمہ کشف المحجوب) از مولوی فیروز الدین، مطبوعہ فیروز سنز، 19ویں بار، 1976ء، ص 5
6- بحوالہ "داتا گنج بخش" از بشیر احمد سعدی، ص 87

(4) دیوان علی ہجویری (5) الرعایہ لحقوق اللہ (6) کتاب الفنا و البقا (7) اسرار الخرق والمؤنات (8) بحر القلوب (9) کتاب البیان لاہل العیان ۔۔۔۔ لیکن اس وقت سوائے "کشف المحجوب" کے کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ شیخ محمد اکرام کے بقول

> "فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے اس کی تاریخی اہمیت
> بھی بہت زیادہ ہے۔" [1]

ناصر حامد کے بقول

> "سید علی ہجویری کی اہمیت پنجاب میں تصنیفی صوفیانہ روایت کی داغ
> بیل ڈالنے والے کی حیثیت سے ہے۔" [2]

حضرت ہجویری کے سال وفات کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ عام طور پر 465ھ[3] بتایا جاتا ہے لیکن آغا عبدالحق حبیب[4] اور خالد مسعود[5] نے بہ تحقیق ان کا سال وصال 481ھ (1088-89ء) ثابت کیا ہے۔

شیخ عبداللہ انصاری 396ھ میں پیدا ہوئے ان کا لقب شیخ الاسلام ہے[6]۔ شیخ عبداللہ انصاری اپنے زمانے کے مشہور محدث اور صوفی تھے۔ ان کی تصنیف شدہ کتب میں منازل السائرین، طبقات الصوفیہ، کتاب جامع الکلام اور مناجات مشہور ہیں۔ منازل السائرین عربی زبان میں مسائل تصوف پر اہم کتاب ہے، جس کی بے شمار شرحیں لکھی جا چکی ہیں[7]۔ کتاب "طبقات الصوفیہ" عبدالرحمان سلمی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ کتاب جامع الکلام میں دینی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ "مناجات" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ پرتاثیر مناجات پر مشتمل ہے۔ آپ نے 481ھ/1088ء میں وفات پائی۔

1- بحوالہ "آب کوثر" مطبوعہ ادارہ ثقافت لاہور، ساتویں بار 1975ء ص 78
2- بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع اول 1979ء ص 41
3- بحوالہ "عروج اسلام" ص 39، "اقبال کے محبوب صوفیا" ص 66، "آب کوثر" ص 77
4- ملاحظہ فرمائیں اورینٹل کالج میگزین، جلد 36
5- تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "داتا گنج بخش اور ان کا عہد" از خالد مسعود مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور، طبع اول 1975ء ص 30 --- ص 34
6- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 100
7- بحوالہ "حیات صوفیہ" (تلخیص نفحات الانس) ص 457

شیخ ابو نعیم اصفہانی 336ھ میں پیدا ہوئے اور 430ھ میں اصفہان میں وفات پائی۔[1] علم حدیث کے ماہر تھے ان کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" دس جلدوں پر مشتمل ہے جس میں ہزاروں صوفیاء کے حالات و واقعات قلم بند کئے گئے ہیں، بعد کے زمانے میں حضرت امام ابن جوزی نے اس کا خلاصہ پانچ جلدوں میں مرتب کیا۔[2]

بارھویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے سیاسی حالات زبوں حالی کا شکار رہے۔ اخلاقی زوال عمومی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ خلافت بغداد بھی بحران کا شکار تھی۔ مسلمان سلاطین کے کردار قابل اصلاح تھے ایسے زوال آمادہ دور میں صوفیاء میدان عمل میں اتر آئے اور انھوں نے اصلاح احوال کی کوشش کی اسی وجہ سے بارھویں صدی عیسوی سے تصوف کا وہ دور شروع ہوا جب تصوف کا فلسفہ باقاعدہ طور پر ترتیب دیا گیا اور اسے ایک مستقل مکتب فکر کی حیثیت حاصل ہوئی، تصوف کی مروّجہ اصطلاحات کے علاوہ بھی نئی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ صوفیاء متقدمین کو مذہبی حکمت، وجدان اور جذبات کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ اس دور کے اہم صوفیاء میں امام غزالی، شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی، شیخ نجیب الدین عبدالقادر سہروردی، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ شہاب الدین سہروردی قابل ذکر ہیں۔ ان صوفیا کے علاوہ اس صدی میں کچھ ایسے صوفی شعراء بھی پیدا ہوئے جنھوں نے شاعری میں تصوف کے مسائل کو موضوع بنایا۔ ان صوفی شعراء میں حکیم سنائی، خواجہ فریدالدین عطار، نظامی گنجوی زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت ابو حامد محمد بن محمد بن احمد غزالی 450ھ (1058-1059ء) طوس میں پیدا ہوئے۔[3] امام غزالی (المتوفی 1111ء)[4] نے پوری زندگی صوفیانہ رنگ میں گزاری ان کی عظمت کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ

> "حضرات صوفیا اور فلسفہ اسلام کے سرگروہ عموماً یعنی شیخ الاشراق ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ ان بزرگوں کی تصنیفات در حقیقت و دراصل امام غزالی کے خیالات کا آئینہ ہیں۔"[5]

1۔ بحوالہ "طبقات الاولیاء" ص 137 ۔2۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص 97
3۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 75
4۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص 102 ---- لیکن تاراچند نے اپنی کتاب "Influence of Islam on Indian Culture" صفحہ 59 میں سال وفات 1112ء درج کیا ہے۔
5۔ بحوالہ "الغزالی" مطبوعہ [illegible] ص 260

مارٹن لنگز کے مطابق یہ امام غزالی تھے جنھوں نے سب سے بڑھ کر تصوف کی صحیح پہچان کے لئے راستہ ہموار کیا۔[1] امام غزالی نے تصوف کا کماحقہ مطالعہ کیا اور اپنے تجربات اور خیالات کا مجموعہ " احیاء العلوم الدین " میں پیش کیا اس کتاب میں انھوں نے سلاطین کو ہدف تنقید بنایا اور پھر ان کو ان کے مذہبی اور دینی فرائض سے آگاہ کرنے کی خاطر " نصیحت الملوک " کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ امام صاحب چونکہ خود فلسفے میں درک رکھتے تھے اس لئے اپنی تصنیفات میں انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا وہ مدلّل بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ حضرت امام غزالی نے 505ھ/1111-12ء میں طوس ہی میں وفات پائی۔

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی ولادت باختلاف روایت 470ھ یا 471ھ میں ہوئی۔ مولد موضع طبرستان میں قصبہ جیلان ہے۔[2] آپ نے عملی حیثیت سے تصوف کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ مارٹن لنگز کے بقول یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت علی کی وفات کے بعد کسی بھی شخص نے اتنے دیرپا روحانی اثرات نہیں چھوڑے ہیں کہ جتنے حضرت عبدالقادر جیلانی نے۔[3] آپ کو سلطان الصوفیاء کے نام سے پکارا جاتا تھا۔[4] آپ نے وعظ و نصیحت اور لسانی تعلیم کے ذریعے لوگوں میں تصوف کو مقبول بنایا۔ ان کے وعظوں پر مشتمل دو کتابیں الفتح الربانی اور فتوح الغیب[5] ملتی ہیں یہ دونوں کتابیں مصر میں شائع ہوئیں[6] ان کے علاوہ ان کی دو اور معروف کتابیں غنیۃ الطالبین اور الفیوضات الربانیہ ہیں۔ اوّل الذکر کتاب میں اسلام کے کم و بیش تہتر (73) فرقوں کا ذکر کیا ہے اور انہیں کے حوالے سے بارھویں صدی کے اسلامی ماحول کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ آپ ؒ کی وفات 561ھ (1166ء) میں ہوئی۔

اس صدی کے ایک اور مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر السہروردی (المتوفی 563ھ) امام غزالی اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے فیض یافتہ تھے۔ ان کا نسب حضرت ابوبکر صدیق

---

1. "What is Sufism" P-111.

2۔ " بحوالہ " تصوف اسلام " از عبدالماجد دریا بادی، ص 78

3. "What is Sufism" P-111.
4. Ibid, P-112.

5۔ یہ کتاب فارسی زبان میں مطبع نولکشور نے 1305ھ میں شائع کی۔ اس کے ساتھ فارسی شرح ہے جو عبدالحق محدث دہلوی نے لکھی ہے اور یہ کتاب جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی۔

6۔ بحوالہ " مشائخ چشت " ص 109

تک پہنچتا ہے۔[1] آپ نے عملی طور پر تصوف کی ترویج کی اور لوگوں کے اخلاق و کردار کو سنوارنے میں بڑا حصہ لیا۔ مشائخ چشت کے مطابق " دجلہ کے مشرقی کنارے پر آپ کی خانقاہ تھی اس سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوا دیا تھا۔ ایک طرف علوم ظاہری کا مطالعہ تھا دوسری طرف تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس کا کام جاری تھا۔"[2]

حیات صوفیہ (تلخیص نفحات الانس) میں لکھا ہے کہ آپ کی تصنیفات اور تالیفات بے شمار تھیں لیکن صرف ایک کتاب کا نام درج ہے اور وہ ہے "آداب المریدین"۔[3]

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس اور بانی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سمجھے جاتے ہیں۔[4] آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ڈاکٹر ظہورالحسن شارب نے مراۃ الاسرار کے قلمی نسخے رام پور لائبریری (بیش قیمت) کے حوالے سے 530ھ درج کی ہے۔[5] آپ نے مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ جن میں بغداد، حرمین شریفین، شام، کرمان، بخارا، بدخشاں، دمشق، اصفہان وغیرہ شامل ہیں۔ 586ھ (1190ء) میں اجمیر پہنچے۔ اس وقت راجہ پرتھوی راج اجمیر کا حکمران تھا۔[6] حضرت معین الدین کی بدولت ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ وسیع پیمانے پر پھیلا۔[7] آپ دو شنبہ 6 رجب 632ھ (1234-35ء) کو اجمیر میں فوت ہوئے۔[8]

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی 533ھ (1144ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد سے تھے اور تصوف میں آپ کی نسبت اپنے چچا ابوالنجیب سہروردی سے تھی۔[9] آپ کی بہت سی تصنیفات میں سب سے اہم "عوارف المعارف" ہے۔[10] جو تصوف کی نہایت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ سہروردیہ سلسلے کے علاوہ دوسرے سلسلوں سے وابستہ لوگوں نے بھی اس کتاب کے اثرات قبول کئے۔ اس

1- بحوالہ "طبقات الاولیاء" ترجمہ الطبقات الکبریٰ ص 273-274 -2- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 110

3- ملاحظہ فرمائیے "حیات صوفیہ" ص 363 -4- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیا" ص 116

5- بحوالہ "معین الہند" مطبوعہ تاج پبلشرز دہلی، پہلی بار 1981ء، ص 17

6- ---- ایضاً ----، ص 57

7- بحوالہ "What is Sufism" by Martin Lings, P-112.

8- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 132 --- مارٹن لنگز نے سن وفات 1236ء درج کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "What is Sufism" P-112.)

9- بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 628

کتاب میں قرآن و سنت کے حوالے سے تصوف کے تصورات اور خیالات بیان کئے ہیں۔ آپ کی وفات بروز چہار شنبہ یکم ماہ محرم 632ھ خلیفہ مستنصر کے عہد میں ہوئی۔[1]

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی (1165ء - 1240ء وفات) بارھویں صدی کی عظیم شخصیت ہیں، مارٹن لنگز نے انہیں امام غزالی، عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی اور جلال الدین رومی جیسے عظیم صوفیا کی صف میں شمار کیا۔[2] ان کی تصنیفات پانچ[3] سو کے قریب ہیں، لیکن ان سب میں سے "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کو لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ ابن عربی کے تصورات میں سب سے زیادہ اہمیت وحدت الوجود کے نظریے کو حاصل ہوئی ابن عربی نے اس مسئلے پر جتنی تفصیل سے لکھا ہے۔ اتنا شاید ہی کسی نے آج تک لکھا ہو کاتب مراۃ الاسرار کے [illegible] حوالے سے لکھا ہے کہ "شیخ اکبر وحدت الوجود کے قائلین کے سردار ہیں۔"[4] وحدت الوجود کی تفہیم کے سلسلے میں آج بھی "فصوص الحکم" سب سے بڑا ماخذ ہے، اس نظریے نے نہ صرف لوگوں کے اخلاق اور زندگی کے بارے میں ان کے رویّوں کو متاثر کیا بلکہ ادب و شعر کے موضوعات میں بھی مستقل جگہ پائی۔ "فصوص الحکم" کے بارے میں سکندر ظاہر لکھتے ہیں

> "حقیقت یہ ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم کے بعد جو فلسفی، دانشور، شاعر اور ادیب اس دنیا میں سامنے آیا خواہ وہ کسی رنگ، ملت، ملک اور قوم سے تعلق رکھتا تھا وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریہ اور فلسفہ وحدت الوجود سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔"[5]

بارھویں صدی کے ان صوفیا کے علاوہ حکیم سنائی، علامہ فریدالدین عطار اور نظامی گنجوی جیسے صوفی شعرا بھی قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنے کلام کے ذریعے تصوف کے معاملات و مسائل کو شعری رنگ و آہنگ میں پیش کیا۔ مجدالدین بن آدم حکیم سنائی غزنوی (متوفی 545ھ/51-1150ء) بارھویں صدی عیسوی کے وسط میں پیدا ہوئے۔[6] شروع میں دربار سے وابستہ رہے۔ حکمرانوں، امرا اور وزرا کے

1۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 65 ۔2۔ ملاحظہ فرمائیے "What is Sufism" P-112.
3۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 683 ۔4۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 66
5۔ بحوالہ "امروز" ہفت روزہ ادبی ایڈیشن، 21 جنوری 1983ء، ص 7
6۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 91

قصیدے لکھتے رہے لیکن ایک مجذوب کی بات کا ایسا اثر لیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشیں ہو گئے[1]۔ ان کے نام سے چند مثنویاں منسوب ہیں، جن میں سے عشق نامہ، عقل نامہ، عزالیوز اور فریب نامہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ "حدیقہ" اور "سیرالعباد" دو مبسوط تصنیفات بھی شامل ہیں، ان دونوں کتابوں میں تصوف کی عبادات اور مقامات سلوک کی بڑی تشریح و تفسیر ملتی ہے۔ محمد بن ابوبکر ابراہیم خواجہ فریدالدین عطار عطارات نیشاپور میں 513ھ کو پیدا ہوئے[2]۔ ان کی شاعری صوفیانہ شاعری کی ذیل میں آتی ہے انھوں نے جملہ اصناف سخن میں تصوف کے مضامین باندھے، وحدت الوجود کا نظریہ بالخصوص ان کے کلام کا موضوع رہا ہے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد بے شمار ہیں، بعض روایتوں کے مطابق ان کی تعداد قرآنی سورتوں کے ہم عدد یعنی 114 ہے[3]۔ ان میں اسرار نامہ، الٰہی نامہ، پند نامہ، وصیّت نامہ، خسرو گل، شرح القلب، دیوان مصیبت نامہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کی شہرت کا دارو مدار تذکرۃ الاولیاء اور منطق الطیر پر ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "تذکرۃ الاولیاء" صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے اور اس سلسلے میں بڑا اہم ماخذ ہے "منطق الطیر" مثنوی ہے، اخلاق و معرفت کا معظم خزانہ ہے۔ علامہ شبلی نے ان کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتائی ہے[4]۔ آپ نے تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت پائی، سال وفات 627ھ ہے۔ آپ کی عمر ایک سو چودہ سال بتائی جاتی ہے[5]۔ شیخ نظامی گنجوی کی ساری زندگی گوشہ نشینی، قناعت اور توکّل میں گزری۔ انھوں نے دربار داری سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ان کی مثنوی "پنج گنج" بہت مشہور ہے۔ اس میں انھوں نے اشعار کی صورت میں حقائق و معارف کے دریا بہائے ہیں۔ مولانا جامی کے مطابق یہ مثنوی سلاطین کی استدعا پر لکھی تھی تاکہ اس نظم کی وجہ سے ان کا نام بھی زندہ رہے[6]۔ اس کے علاوہ "اسکندر نامہ" تصنیف کیا۔ یہ ان کی آخری کتاب ہے۔

تیرھویں صدی کا زمانہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور اخلاقی زوال کی داستان کو دہراتا ہے۔ تاتاری حملے نے اس صدی میں عالم اسلام کو جو نقصان پہنچایا تاریخ کے صفحے اس کے گواہ ہیں بغداد جو اسلامی تہذیب و تمدن کا عظیم الشان مرکز تھا۔ ہلاکو کے ہاتھوں سے دوچار ہوا۔ تاتاریوں نے ذرا آگے کو

1- بحوالہ "مشائخ چشت" ص 123
2- بحوالہ "تذکرۃ الاولیاء" (اردو) ص 2
3- بحوالہ "تصوف اسلام" ص 125
4- بحوالہ "شعرالعجم" حصہ پنجم، ص 123
5- بحوالہ "مرآۃ الاسرار" ص 113
6- بحوالہ "حیات صوفیہ" (ترجمہ نفحات الانس) ص 749

دی تھی۔ انسانی ذہن کی آزادی/ عام زندگی کا انتشار کھو دیا۔ خود غرضی اور ہوا و ہوس کا دور دورہ ہوا انتشار خیالی نے مسلمانوں کی طاقتیں، تمدنی اور عمرانی زندگی کو تتّر بتّر کر کے رکھ دیا۔ ظاہر ہے ابتری اور پریشان خیالی کے اس دور میں تصوف کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملتا ہے۔ صوفیاء نے اس دور میں جو خدمات انجام دیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی منتشر خیالی کو ایک نہج پر لانے کی کوشش کی۔ ان کے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کیا۔ انہیں خود غرضی اور انفرادی مفاد پرستی کی راہ سے ہٹا کر اجتماعی زندگی کی برکتوں سے روشناس کرانے کی سعی کی۔ انحطاط پذیر اخلاقی اقدار کو صحت مند سرگرمیوں کی طرف راغب کیا۔

اس صدی میں تصوف نے جو صورت اختیار کی اسے تحریک کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تصوف کا پورا نظام اس صدی میں وضع ہوا۔ اس کے افکار مرتب ہوئے۔ روحانی سلسلے منظم ہوئے اور یوں تصوف کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صدی تصوّف کے عروج کی صدی ہے اور جو کچھ اس صدی میں سامنے آیا آئندہ کے لئے لائحہ عمل قرار پایا۔ اس صدی کے بعد کوئی قابل قدر اضافہ نہ ہو سکا۔

اس عہد کے صوفیاء میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں، جو دراصل تو شاعر تھے لیکن ان حالات سے متاثر ہو کر انہوں نے صوفیانہ زندگی اختیار کر لی اور اپنی صوفیانہ شاعری کی بدولت شہرت پائی۔ ان صوفی شعراء میں مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی اور اوحدی قابل ذکر ہیں۔ علامہ اقبال کے مرشد کامل حضرت مولانا جلال الدین رومی ایران کے ایک ایسے صوفی شاعر ہیں، جن کی شہرت و عظمت بحیثیت دانائے ادب و تصوّف مسلّم ہے۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی کے مطابق "آں شاہباز بلند پرواز" در عشق و جوانمردی ستارہ موصوف باوصاف حمیدہ، قطب ابدال، مولانا جلال الدین محمد بلخی، رومی قدس سرہ بن مولانا بہاؤالدین ولد کا سلسلہ نسب امیرالمومنین ابوبکر صدیق تک جا ملتا ہے۔"[1] آپ 604ھ (1207-8ء) میں شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم محمد بن حسین بہاؤ الدین سے حاصل کی۔ جو اپنے وقت کے جیّد عالم تھے۔ پھر اکتساب علم کی خاطر مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ قونیہ پہنچے تو حضرت شمس تبریزی نے آپ کی زندگی کا انداز بدل کر رکھ دیا۔ وہ اہل

1- بحوالہ "مرآۃ الاسرار" جلد دوم، ص 143

خود سے اہل دل بن گئے۔ آپ کی تاریخ وفات 5 جمادی الآخر 872ھ بتائی جاتی ہے۔[1] مولانا روم کی تصنیفات میں فیہ مافیہ (ملفوظات کا مجموعہ) دیوان شمس تبریز (مجموعہ غزلیات) اور مثنوی مولانا روم قابل ذکر ہیں۔ مولانا روم کی زیادہ تر شہرت اسی مثنوی کی مرہون منت ہے۔ یہ مثنوی جس کو پہلوی زبان کا قرآن کہا جاتا ہے، تصوف کے عارفانہ مضامین پر ایک عظیم منظوم ادب پارہ ہے۔ اسرارالحق قدوسی کے الفاظ میں

"مثنوی مولانائے روم گنجینۂ معارف ہے۔"[2]

حضرت شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی ہمدان کے ایک قصبے کمجان میں پیدا ہوئے۔ مراۃ الاسرار کے مطابق

"گنجینۂ شوق و اشتیاق، در علم عشق یگانہ آفاق مست توحید بے شراب و ساقی، غریق وصال شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی قدس سرہ کا شمار بے باکان روزگار میں ہوتا ہے۔"[3]

علوم کی تکمیل ہمدان کے مدرسے سے کی اور پھر اسی مدرسے میں تدریس بھی کی، حافظ قرآن تھے اور قرآن اس انداز میں پڑھتے تھے کہ ہمدان والے ان کی آواز پر عاشق اور فریفتہ تھے۔[4] قلندروں اور درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں آئے۔ ملتان میں پہنچے تو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے ملاقات ہوئی اور ان سے وہ لگاؤ پیدا ہوا کہ ہمیں کے ہو کر رہ گئے، حضرت بہاء الدین زکریا نے اپنی صاحبزادی کی شادی ان سے کر دی اور وہ پچیس برس تک انھیں کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ نے اپنی وفات کے وقت عراقی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرما دیا لیکن زکریا ملتانی کے مریدوں سے ان کی نہ نبھ سکی اس لئے قونیہ چلے گئے۔[5] پھر وہاں سے دمشق چلے گئے۔ عراقی نے دمشق ہی میں 688ھ (1289ء) میں وفات پائی ان کا مزار بھی وہیں واقع ہے۔ عراقی بلند پایہ شاعر تھے، ان کے کلام میں تصوف اور عرفان کے مضامین ملتے ہیں۔ مثنوی اور غزل پر طبع آزمائی کی۔ نثر میں ان کی مشہور کتاب "لمعات" ہے جو اپنے وقت کی معرکۃ الآرا کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مولانا جامی نے "اشعۃ اللمعات" اور مولانا صائن الدین علی

1۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" (تلخیص و ترجمہ نفحات الانس) ص 516
2۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" ص 175 — 3۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 173
4۔ بحوالہ "حیات صوفیہ" ص 741
5۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص 207 تا 216

ترکہ اصفہانی نے "ضوء اللمعات" کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں 1۔ شیخ سعدی کے بارے میں مراۃ الاسرار میں لکھا ہے

"عارف محرم اسرار، عاشق بے اختیار، فارغ از مستقبل و ماضی، زبدۂ عالم شیخ شرف الدین شیرازی قدس سرہ، نہایت اعلیٰ الحال باکمال بزرگ تھے۔ تمام ظاہری و باطنی علوم اور آداب صحبت سے بہرہ ور تھے۔" 2

کے اہم ہمعصر تھے شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے اور

شیخ سعدی/شیخ ابو عبداللہ خفیف کی خانقاہ کے مجاور رہے۔ آپ نے بہت سیاحت کی اور پیادہ کئی حج کئے۔ سومنات کے بت خانہ میں بھی گئے اور وہاں کے بڑے بت کو توڑ دیا 3۔ آپ نے ماہ شوال کی شب (جمعہ) 691ھ میں وفات پائی۔ شیخ سعدی کی تصانیف میں گلستان و بوستان خاص طور پر مشہور ہیں اور ادب کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ گلستان و بوستان اخلاق، اصلاح معاشرہ، رشد و ہدایت اور عارفانہ مضامین کے لحاظ سے دنیا کی اہم کتابوں میں شامل ہوتی ہیں۔ اسی دور کے ایک اور صوفی شاعر اوحدی نے بھی صوفیانہ مسلک کی شاعری کی اور عارفانہ مضامین کو ادب کے حوالے سے لوگوں میں مقبول بنایا۔

مختصر یہ کہ تیرھویں صدی عیسوی تک مسلک تصوف ایک مربوط تحریک کی صورت میں دنیائے اسلام کی اخلاقی، روحانی اور باطنی اقدار کو متاثر کرتا رہا۔ صوفیاء کے حلقۂ ارادت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا یہاں تک کہ ان کی وفات کے بعد ان کی خانقاہیں اور مقبرے مرجع خلائق بن گئے۔

جیسا کہ اوپر کی تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ تصوف کا آغاز بعض سیاسی، سماجی اور فکری عوامل کے ردعمل کے طور پر ہوا تھا۔ خلافت کے بعد جب ملوکیت کا دور آیا اور حکمران راہ راست سے ہٹنے لگے، رعایا پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوا، شان و شوکت کے حصول، ہوس اقتدار، آمرانہ نظام اور جمہوریت کشی کے رویے عام ہوئے۔ رضائے الٰہی، خلوص و محبت، خدمت، ایثار اور قربانی جیسی مثبت اقدار ہوا و ہوس، مکر و جفا اور مردم آزاری جیسے منفی رویوں میں تبدیل ہونے لگیں تو اسی صورت حال میں صوفیا کا وہ طبقہ وجود میں آیا جس نے حالات کی سنگینی کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کی اور مادیت کی شدید خواہشات کے مقابلے میں روحانیت اور اخلاص و اخلاق کی اقدار کی تبلیغ کرنے لگے۔ صوفیا کا طبقۂ اوّل عبادت

1- بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیہ" ص 213 2- بحوالہ "مراۃ الاسرار" جلد دوم، ص 171
3- بحوالہ "حیات صوفیہ" (نفحات الانس) ص 740

ریاضت، جذبات کے تزکیے اور روحانی بلندی کی طرف مائل ہوا۔ ان صوفیاء نے کسی مربوط تحریک کو جنم نہیں دیا بلکہ انفرادی سطح پر صوفیانہ مسلک کی تحریک و ترویج کے لئے کوشاں رہے۔ البتہ ان کے اثرات اسلامی ممالک میں خود بخود پھیلنا شروع ہوئے۔

شروع میں تصوف کا پہلا مرکز کوفہ اور بصرہ تھے جہاں سے دوسرے اسلامی ممالک میں تصوف کی ترویج شروع ہوئی۔ پہلے دور کے صوفیا میں حضرت ابو ہاشم عثمان، ابراھیم بن ادھم حضرت اویس قرنی، حضرت محمد واسع، حسن بصری، رابعہ بصری، داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری اہم ہیں۔

ان صوفیاء نے شریعت و طریقت دونوں کی پابندی کی۔ عبادت اور ریاضت حد سے زیادہ کی۔ ضبط نفس، سادگی اور درویشی ان کا مسلک رہا، ترک علائق کر کے روحانیت کی منزلیں طے کیں۔ حکمرانوں کے سامنے کبھی دست احتیاج نہیں پھیلایا بلکہ جب کبھی موقع ملا ان کو ان کی بے راہ روی اور غلطیوں پر سرزنش کرنے سے نہ چوکے۔ اس دور کے صوفیاء کی تصنیفات بہت ہی کمیاب ہیں۔ چند کتابوں کا ذکر ملتا ہے جن کی تفصیل سابقہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

بنو امیّہ کے بعد جب عباسیوں کے دور کا آغاز ہوا تو یونانی علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کے تراجم شروع ہوئے اور عقلی علوم کا سیلاب آ گیا، مامون الرشید کے زمانے میں خاص طور پر فلسفہ و حکمت کی کتب عربی میں منتقل ہوئیں، ان عقلی و منطقی علوم کی بدولت عقائد و نظریات کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ عقیدتوں کی دنیا میں تشکیک کے بیج در آئے۔ قرآنی آیات کی تاویلات مختلف انداز میں کی جانے لگیں۔ متنازعہ فیہ مسائل پر بحث و مناظرے کا آغاز ہوا، ایسے دور میں صوفیا کا وہ طبقہ وجود میں آیا جو عقل کے مقابلے میں اعتقاد، ایمان و ایقان اور عشق الٰہی کے عرفانی جذبوں کو بروئے کار لایا۔ زھد و اتقاء، پرہیزگاری، استغراق، فنا و بقا، مجاہدہ اور مشاہدۂ حق کی باتیں عام ہوئیں۔ قلبی واردات اور جذب دروں کے ذریعے ذہنی خلفشار اور تشکیک کے بیج کو کم کرنے کی سعی کی جانے لگی۔

اس دور کے صوفیا میں حضرت معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی، ابوبکر بن جحدر شبلی، حضرت منصور حلاج، ابو عبداللّٰہ حارث بن اسد المحاسبی، حضرت ذوالنون مصری، القطری اور حضرت سری سقطی اہم ہیں۔ ان صوفیاء میں سے بعض کی تصنیفات بھی مشہور ہوئیں۔ جن میں المحاسبی کی کتاب الرعایۃ لحقوق

اللہ"، الخراز کی تصنیف "کتاب الصدق" حضرت جنید بغدادی کی تصنیفات "امثال القرآن" اور کتاب رسائل منصور حلاج کی کتاب "الطواسین" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس زمانے کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ فقہ کی تدوین کا کام مکمل کرنا ضروری ہو گیا۔ علم فقہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات نے بہت سے ممالک کو اسلام کا مطیع بنا دیا۔ دوسری اقوام کے ساتھ میل جول اور روابط سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے کہ غیر عربی اقوام کا ماحول، تہذیبی اقدار اور ذہنی رویّے مختلف تھے اس لئے عربی اور عجمی تہذیب کو ایک مذہب کی لڑی میں پرونے کے لئے اجتہاد فکر کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے فقہ کی ترتیب و تدوین کا کام مکمل کیا اور اس طرح اس دور کے دینی تقاضوں کو پورا کیا لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اجتہاد فکر کا راستہ روک دیا گیا۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ نئے زمانے کے ساتھ ساتھ نئے مسائل اور تقاضے بھی سامنے آتے ہیں، اس لئے اجتہاد فکر کی ضرورت ہر دور اور ہر زمانے میں پیش آتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے لوگوں نے ذاتی مفادات کی خاطر یا تو اجتہاد کے دروازے بند کر دئیے اور یا بقول علامہ خلیق احمد نظامی

> "۔۔۔۔ ایک زبردست گمراہی اس زمانے میں یہ پیدا ہوئی کہ فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہر شرعی حکم سے بچنے کے لئے اور ہر قید شرعی سے جان چھڑانے کے لئے بہانے تراشے جانے لگے ۔۔۔۔۔ فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب "باب الحیل" کا اضافہ کیا گیا۔" [1]

ان خرابیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی روح کے برعکس ذاتی مفادات کو فوقیت دی گئی۔ باطن کی پاکیزگی باقی نہ رہی۔ لوگ اخلاقی پستی کا شکار ہو گئے چنانچہ صوفیا کا وہ طبقہ جو ان حالات میں سامنے آیا انہیں خرابیوں کو دور کرنے پر کمربستہ ہوا۔ انہوں نے فکر و عمل کے درمیان بُعد اور منافقت کے خلاف جہاد کیا۔ خارجی مسائل کی تفہیم کے بعد لوگوں کی اخلاقی اصلاح پر توجہ دی۔ اس عہد کے (دسویں صدی عیسوی) صوفیا میں شیخ ابوسعید ابن الاعرابی، شیخ ابو محمد الخلدی، شیخ ابونصر السراج، شیخ ابوطالب مکی، شیخ ابوبکر اور ابو عبدالرحمان سلمی قابل ذکر ہیں۔ ان صوفیا کی تصنیف کردہ کتب میں مختلف مشائخ

1۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص 88

اور صوفیا کے سوانحی حالات اور ان کی تعلیمات منضبط ہوئیں۔ ان میں تصوف کے سلسلے کی نظری مباحث بھی شامل ہیں۔ ان تصنیفات میں الخلدی کی حکایت الاولیاء، ابو النصر سراج کی " کتاب اللمع" ابوطالب مکّی کی " قوت القلوب" ابوبکر کی " التعرف" اور عبدالرحمان السلمیؒ کی " طبقات الصوفیہ " خاص طور پر قابل ذکر ہیں مختصراً اس صدی میں تصوف کی روایت کو استحکام ملا، صوفیانہ اصطلاحات وضع ہوئیں اور اب صوفیانہ مسلک نے ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر لی۔

گیارھویں صدی عیسوی میں تصوّف کی اس تحریک نے عوامی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اب مسلک تصوّف ایک مربوط سلسلۂ فکر بن گیا۔ عام زندگی کے علاوہ شعر و ادب میں بھی تصوف کی چاشنی شامل ہوئی۔ اس صدی کے صوفیاء میں شیخ ابونعیم اصفہانی، شیخ ابوالقاسم قشیری، شیخ علی ہجویری اور شیخ عبداللّٰہ انصاری جیسے بزرگوں کے علاوہ شیخ ابوسعید ابی الخیر جیسے صوفی شاعر بھی شامل ہیں۔ انھیں بزرگوں کی کوشش سے تصوف ایک عوامی تحریک بنی۔ تصوّف کی جو اصطلاحات اس دور سے پہلے وضع ہو چکی تھیں ان کی تشریح و توضیح کا کام اس عہد میں ہوا۔ اس صدی میں فلسفے کی فکری اور نظری تدوین و ترتیب کا کام بھی ہوا۔ اور تصوف و شریعت کا تعلق قائم رکھا گیا۔ اس دور کی کتابوں میں قشیری کا " رسالہ قشیریہ " علی ہجویری کی تصنیف " کشف المحجوب " عبداللّٰہ انصاری کی منازل السائرین اور طبقات الصوفیہؒ اصفہانی کی حلیۃ الاولیاء اہم ہیں۔ ان کتب نے تصوف کی مقبولیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب تصوف کی نہایت اہم اور تاریخی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔

جناب علامہ خلیق احمد نظامی نے اس صدی میں تصوّف کی صورت حال پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

(1) " تصوف کے خیالات تیزی کے ساتھ عوام میں پھیل رہے تھے، تقریباً ہر مذہب کے مشاہیر صوفیہ اور علماء نے تصوّف کی حمایت میں قلم اٹھا لیا۔ (شیخ ابونعیم اصبہانی، شافعی مذہب تھے، شیخ علی ہجویری حنفی تھے، شیخ عبداللّٰہ انصاری حنبلی تھے)

(2) شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللّٰہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری اپنی کشف المحجوب کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک

پیدا کرکے تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان
بہم پہنچا دیا۔" [1]

تصوف کی تاریخ میں بارھویں صدی عیسوی کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ اس عہد میں اسلامی تصوف کو باقاعدہ طور پر فلسفے کی شکل ملی اور یہ ایک مستقل فن بن گیا۔ بارھویں صدی کا زمانہ عالم اسلام کے سیاسی زوال کا زمانہ ہے۔ بغداد کی خلافت بحران کا شکار ہو چکی تھی۔ مسلمان حکمرانوں کے کردار اور اعمال اصلاح کا تقاضا کرتے تھے۔ اس دور میں صوفیاء نے اصلاح احوال کی سعی کی۔ [illegible] مروجہ اصطلاحات میں نئی اصطلاحات کا اضافہ کیا۔ صوفیانہ تعلیمات کو مذہبی حکمت، ویدانت اور فلسفیات کے ساتھ ہم آہنگ اور مربوط کیا گیا۔ اس دور کے نمایاں صوفیاء میں امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، عبدالقادر سہروردی، محی الدین ابن العربی، شیخ شہاب الدین سہروردی قابل ذکر ہیں۔ اس صدی میں حکیم سنائی، فریدالدین عطار اور نظامی گنجوی جیسے صوفی شعراء بھی پیدا ہوئے، جنھوں نے شاعری میں تصوف کے مضامین باندھے۔

بارھویں صدی کے صوفیاء میں امام غزالی کو بطور خاص ممتاز مقام حاصل ہے۔ انھوں نے تصوف کو فلسفیانہ رنگ دیا۔ ان کی کتاب "احیاء العلوم الدین" ان کے استدلالی اسلوب بیان کا شاہکار ہے۔ عبدالقادر جیلانی نے نہ صرف علمی طور پر بلکہ عملی سطح پر بھی تصوف کو مقبول بنایا۔ ان کی تصانیف میں "فتح الغیب" غنیۃ الطالبین اور الفیوضات اہم ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" تصوف کی مباحث اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ابن العربی کی تصنیفات کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے لیکن ان میں سے "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کو بے پناہ اور لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ وحدت الوجود کے مسئلے پر جس بسط و شرح کے ساتھ ابن العربی نے لکھا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

حکیم سنائی کی چھ مثنویوں کے علاوہ تصوف پر دو کتابیں سیرالعباد اور حدیقہ بھی خاصی مشہور ہوئیں۔ فریدالدین عطار کی "تذکرۃ الاولیاء" اور "منطق الطیر" بہت مشہور ہوئیں اور شیخ نظامی گنجوی

1۔ بحوالہ "مشائخ چشت" ص 101-102

کی مثنوی "مصیبت نامہ" اور "اسکندرنامہ" اہم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں لکھی گئی تصنیفات تصوف کی دنیا میں ایک مستقل مقام کی حامل ہیں اور ان کتابوں نے تصوف کو ایک باقاعدہ فلسفیانہ علم کی حیثیت عطا کر دی۔

ساتویں صدی ہجری کا زمانہ تاتاریوں کی یلغار اور بغداد کی تباہی کا دور ہے۔ مغلوں کے حملوں اور قتل و غارت نے مسلمانوں کی صدیوں کی علمی، عرفانی اور اخلاقی و روحانی اقدار کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ سیاسی، اخلاقی اور سماجی زوال نے مسلمانوں میں انتشار کی ایک مضطرب حالت پیدا کر دی تھی کہ تصوف کو ازخود پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا۔ صوفیاء نے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ انہیں منتشر خیالی سے نکال کر اجتماعیت کی برکتوں سے سرشار کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی طور پر بھی ابھارنے کی سعی کی۔

اس صدی کے صوفیاء میں زیادہ تر وہ شاعر شامل ہیں، جنہوں نے صوفیانہ شاعری کی اور خود بھی متصوفانہ زندگی گزاری۔ ان صوفی شعراء میں مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی اور اوحدی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس صدی میں تصوّف کا پورا نظام اپنی تمام تر تفصیلات اور اشغالات کے ساتھ وضع ہوا۔ روحانی سلسلے قائم ہوئے اور اس صدی تک جو کچھ صوفیانہ نظام تشکیل ہوا وہی آئندہ کے لئے بھی معتبر ٹھہرا۔ اس صدی کے بعد نظری طور پر تصوف میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہ ہو سکا۔

یوں تو تصوّف کے بہت سے سلسلے رہے ہیں لیکن ان میں زیادہ اہم اور فعال سلسلے یہ ہیں۔

سلسلہ چشتیہ ـــ اس سلسلے کے بانی خواجہ ابو اسحاق شامی ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے زمانہ کے ہیں۔ صوفیاء کا یہ سلسلہ سب سے قدیم ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں خواجہ معین الدین چشتی کے ذریعے پہنچا۔ معین الدین اجمیری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر ان خلفاء کے ذریعے یہ سلسلہ آگے تک چلتا رہا ان میں قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین مسعود گنج شکر و شیخ راجو قتال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے بعد میں دو گروہ بن گئے جن میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ شامل ہیں۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فریدالدین گنج

شکر کے خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے۔ جن کے خلفاء برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی خدمات سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ ان خلفاء میں امیر خسرو اور حسن دہلوی جیسے نامور صوفی شعراء کے ساتھ ساتھ شیخ حسام الدین ملتانی ، حضرت حافظ جمال، خواجہ سلیمان تونسوی جیسے صوفی بزرگ بھی شامل ہیں۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی خواجہ فریدالدین گنج شکر کے ایک اور خلیفہ شیخ علاءالدین علی احمد صابر کلیری سے منسوب ہے ان لوگوں نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ساتھ ساتھ کام کیا اور آج کل بھی فعال ہے اس سلسلے کی نمایاں خدمات سر انجام دینے والوں میں شیخ عبدالحق ردولوی اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں۔

سلسلہ قادریہ :۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے منسوب سلسلہ قادریہ نے عراق، شام اور برصغیر پاک و ہند میں گراں قدر خدمات انجام دیں (پنجاب میں یہ سلسلہ شاہ معروف خوشابی اور شیخ میر محمد معروف بہ میاں میر لاہوری نے پھیلایا) اس سلسلے نے خصوصاً سندھ میں بہت کام کیا وہاں کا راشدی سلسلہ اور نوشاہی سلسلہ اس کی شاخیں ہیں۔ ملتان میں اس سلسلے کے نامور صوفی بزرگ عبدالرشید حقانی کے علاوہ شاہ علی محمد اور سلطان ایوب قتال ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ :۔ یہ سلسلہ ترکستان میں خواجہ محمد اتالیسوی سے شروع ہوا اور سلسلہ خواجگان کے نام سے مشہور ہوا پھر خواجہ بہاءالدین نقشبند نے اسے عروج تک پہنچایا تو ان کی نسبت سے یہ سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ خواجہ محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی اللہ سمرقندی کابلی نے پہنچایا۔ شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی کی نسبت سے اس کی ایک شاخ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کہلوائی۔

سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد شیخ ضیاءالدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی نے رکھی اور اس کی اشاعت و ترویج کے سلسلے میں شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام قابل ذکر ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں قاضی حمیدالدین ناگوری نے اور ملتان سے شیخ بہاء الدین زکریا نے اسے خوب پھیلایا۔ بہاء الدین زکریا کے خلفاء اور پھر آگے ان کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اس سلسلے سے وابستہ تھے ان میں سے جلال

کے نام یہ ہیں۔ شیخ جلال الدین سرخ بخاری، شیخ حسام الدین متقی ملتانی، خواجہ حسن افغانی، صدرالدین عارف، شاہ رکن الدین عالم، شاہ دانا شہید، شیخ حسین کاہر وغیرہ ملتان میں اس سلسلے سے وابستہ لوگ کئی سو سال تک چھائے رہے۔ سندھ و پنجاب میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔

اس سلسلے کے بانی شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کے خلیفہ شیخ نجم الدین کبریٰ کی نسبت سے اس سے ایک اور سلسلہ کبرویہ بھی خراسان و کشمیر میں بہت مشہور ہوا۔

ان کے علاوہ بھی صوفیاء کے کئی سلسلے ہیں جن میں سے کچھ تو برصغیر پاک و ہند پہنچے اور کئی اس سے باہر دوسرے ممالک تک ہی [illegible] رہے۔ ان میں سلسلہ فردوسیہ (بانی شیخ بدرالدین سمرقندی) سلسلہ شطاریہ (بانی شیخ عبداللہ شطاری)، سلسلہ شاذلیہ (بانی شیخ ابوالحسن شاذلی)، سلسلہ مولویہ بانی مولانا جلال الدین محمد رومی) سلسلہ حیدریہ (بانی شیخ قطب الدین حیدر) شامل ہیں۔

(ج) اصطلاحاتِ تصوف

تصوف کی دنیا پاکیزگی اور طہارت کی دنیا ہے جس کے ڈھنگ نرالے ہیں، اس دنیا میں انسانی رویّے ارفعیت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ نفرت، کدورت، منافقت اور خود غرضی کو اس دنیا میں دخل نہیں ہوتا۔ صوفیانہ مسلک کو اگر صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو یہ راہِ راست پر چلنے کا ایک رویّہ ہے۔ اس دنیا میں کیف و مستی، جذب و شوق، انہماک اور محبت کا چلن عام ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اعمال کو راستی اور گفتار کو سچائی اور صداقت کا درس ملتا ہے۔ اس لئے تصوف کی راہ پر چلنے والی میں بڑے بڑے درویش راستباز، مخلص، فیض مند، صابر، قناعت پسند، متوکل، سادہ دل عارف انسان دکھائی دیتے ہیں۔ تصوف کی دنیا میں الفاظ کی معنویت بھی بدل جاتی ہے۔ لفظ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ ان کا رنگ اور آلودگی دور ہو جاتی ہے۔ فقر گداگری نہیں رہتی۔ توکل کاہلی اور سستی کا نام نہیں ہوتا۔ قناعت بے عملی نہیں رہتی۔ فنا یا گوشہ نشینی ترکِ دنیا نہیں۔ معرفت و آگہی محض مادّیت سے کنارہ کشی نہیں۔ صبر و تحمل ——— بے غیرتی یا عزتِ نفس کے منافی برداشت کا نام نہیں ——— عشق سے مراد بوالہوسی نہیں، بلکہ یہ سب لفظ، یہ سب جذبے ایک مثبت مفہوم پا لیتے ہیں، اس میں نئے معانی کی دنیا آباد ہے۔

جاتی ہے۔

ہم یہاں تصوف کی چند اصطلاحات کا مفہوم درج کرتے ہیں کیونکہ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے مفاہیم نے اعمال کا درجہ پایا اور صوفیانہ مسلک کو مقبول عام میں حصہ لیا۔ اگر یہ ساری [illegible] آج بھی ہمارے [illegible] معاشرے میں راہ پا جائیں تو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی حالت بدل جائے۔

تـــوکّل

تصوف میں توکل نام ہے مقصد کے حصول کی کوشش و اہتمام کا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ یہ کوئی سلبی کیفیت نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کو توکل کا نام دے دیا جائے بلکہ یہ ایک مثبت جذبہ ہے جس میں خدا پر یقین کا عمل شامل ہے، قرآن مجید میں آتا ہے

وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا [1]

ترجمہ ۔ جس نے خدا پر توکل کیا اس کا کام آسانی سے ہو جائے گا ۔[1]

اسی طرح دوسری جگہ آیا ہے

وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [2]

ترجمہ ۔ پس توکل کرو اللہ پر اگر تم ایمان والے ہو۔[2]

اس میں شک نہیں کہ سعی کرنا انسانی قدرت کے احاطے میں شامل ہے لیکن اس سعی کا نتیجہ پانا اس کے اختیار سے ہٹ کر اللہ کے اختیار میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب اگر انسان اپنی مساعی کے بعد نتائج کے لئے اللہ پر بھروسہ کرے تو اس کا اضطراب ایک سکون میں تبدیل ہو جائے گا اور اگر نتیجہ برعکس بھی نکلے تو اس پر راضی برضا ہو جائے، سید خورشید احمد گیلانی کے مطابق

" تمام ذرائع و وسائل کو استعمال میں لا کر، امور معاشرت میں پوری دلچسپی لے کر، کامل تندہی اور مکمل حق رسی سے کام کر کے نتائج کو اللہ کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے۔" [3]

~~[illegible]~~

1۔ سورۃ نساء، آیت نمبر 81 | 80   2۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر 23

3۔ بحوالہ "رنگ تصوف" سید خورشید احمد گیلانی، ص 168

4۔ الفاظ یہ ہیں "Utter dependence upon God (Tawakkal)" "Influence of Islam on Indian Culture" book Tracts, 1979, P-65

ابو عبداللہ قرشی فرماتے ہیں

"توکل یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا اوروں کے پاس پناہ لینا چھوڑ دے۔" 1

اصطلاحات تصوف میں توکل کی دو اقسام بتائی گئی ہیں

"ایک یہ کہ اسباب ظاہری کی طرف بالکل متوجہ نہ ہونا بلکہ اسباب ظاہری کو بالکل منقطع کر دینا اور ہر امر میں صرف ذات کی طرف متوجہ رہنا یہ توکّل خواص اولیاء کرام کا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کو استعمال تو کیا جائے لیکن بھروسہ ذات حق تعالیٰ ہی پر ہو۔" 2

جب انسان اپنے مسائل کے حل میں خدا پر توکّل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ مرضی کے مطابق نکلتا ہے تو وہ حالتِ شکر میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اگر نتیجہ مرضی کے برعکس ہو تو حالت صبر اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ ان دونوں حالتوں کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ متوکل انسان ہر حال میں عجز اور انکسار کا حامل ہوتا ہے۔ یہ عجز خدا کے لیے ہوتا ہے اور وہ خود سپردگی کی حالت میں نتیجہ خدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔

شیخ ابو علی دقاق کے مطابق

"پہلا مرتبہ توکل، دوسرا تسلیم اور تیسرا تفویض۔ اللہ کے وعدہ پر اطمینان کہ وہ ضرور حاجت پوری فرمائے گا، یہ توکل ہے۔ یہ عقیدہ کہ اللہ کو میری حالت کا بخوبی علم ہے، اسے تسلیم کہا گیا۔ خدا کے ہر حکم پر رضامندی، خواہ موافق ہو یا مخالف یہ درجہ تفویض ہے۔" 3

حضرت امام غزالی نے توکل کے تین درجات بتائے ہیں۔

1- متوکل حال اس شخص کی مانند ہو جس نے مقدمے میں کسی زیرک ذہین، فصیح، بے باک اور مخلص وکیل کو مقرر کر لیا ہو اور اس پر کامل اعتماد کرتا ہو۔

2- متوکل کی حالت اس بچے کی سی ہے جو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کو جانتا ہی نہیں۔

3- متوکل اس مردے کی طرح ہو جو غسّال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ 4

ظاہر ہے یہ تینوں درجے سعی اور نتیجے کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے

1- بحوالہ تصوف ۔ امام ابوبکر اسحاق کلاباذی، ص 135

2- بحوالہ "اصطلاحات صوفیہ" خواجہ شاہ محمد عبدالصمد، ص 32 مطبوعہ نقش بکس، ڈی بخش سٹریٹ، لاہور

3- بحوالہ "رسالہ قشیریہ" ابوالقاسم قشیری ترجمہ پیر محمد حسن ص267 مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

4- بحوالہ "کیمیائے سعادت" امام غزالی، ترجمہ محمد سعید احمد نقشبندی ص 1075، مطبوعہ ... لاہور

توکّل کی تین اقسام ہیں ۔

1- یہ کہ انسان جس کام میں بھی مشغول ہو اس کا حاصل من جانب اللہ جانے اور اس کام پر بھروسہ کرے۔

2- دل کو تمام ظاہری اور باطنی تعلقات سے مطلقاً منقطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مشغول کیا جائے حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ مل کر تمام جمال کی لذتوں سے محظوظ ہو۔"

3- انسان اپنی ہستی موہوم کو اس طرح محو کر دے کہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ہر جگہ اور ہر حالت میں صرف وہی رہے۔ توکل کی یہ قسم حقیقت سے تعلق رکھتی ہے۔[1]

تصوف میں توکل کا مفہوم قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ صوفیا نے توکل کو جس معنی میں لیا اس کے مطابق تو یہ کل اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب کی طرف مراجعت کرنے کی حالت کا نام ٹھہرا اللہ پر بھروسہ کئے بغیر دعا و آخرت کی کامیابی مشکوک ہوتی ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری کے مطابق

"توکل یقین کا پھل، ایمان کا ستون اور اخلاص کی منزل ہے۔" [2]

سید اصطفیٰ علی علوی نے کہا

" توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اسلام میں وہ بھروسہ جو اللہ تعالیٰ پر کیا جائے توکل ہے۔" [3]

حضرت شیخ سلطان باھو نے ان خطرات کو ترک کرنے کو توکّل قرار دیا جو خالق کی راہ میں ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا

" اگر تو سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف لوٹا، اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا، تو اس وقت اللہ تیرے اور اپنے خلق کے درمیان حجابات اٹھا لے گا۔ تیرے سب حال خدمت میں زیادتی ہوجائے گا اور اپنی عنایت سے اس طرح ہر مشکل آسان کر دے گا جیسے ایک مہربان اور دوست طبیب مریض کے لئے علاج کرتا ہے۔" [4]

حقیقت یہ ہے کہ توکل اسلام پر ایمان رکھنے والوں کی تعلیمات کا ایک ضروری عنصر رہا ہے۔ ابتدا

1- مرآۃ العاشقین مرتبہ سید محمد سعید (مترجم صاحبزادہ غلام نظام الدین ایم اے عربی) واسلامک بک فاؤنڈیشن ص 123-126، سال اشاعت 1977ء

علیہ السلام کی اپنی زندگی میں توکل کی خصوصیت بدرجۂ اتم دکھائی دیتی ہے اور تمام انبیاء نے اپنی امتوں کو بھی توکل کی تعلیم دی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام سب نے نہ صرف اپنی زندگی میں توکل کی صفات پیدا کیں بلکہ زبان و گفتار سے اپنی قوموں کو بھی یہی تلقین کی۔ حضور اکرم کی زندگی میں توکّل کو جو اہمیت حاصل رہی ہے وہ کسی بھی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ آپ نے ہر ہر مقام پر اللّٰہ پر توکل کیا اور مسلمانوں کو بھی توکل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ تصوف پر کاربند صوفیاء نے بھی توکل کو اپنی سیرت کا جزو لاینفک بنایا۔ انہوں نے ہمیشہ خدا پر بھروسہ کیا۔ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا اور کسی احتیاج کی خاطر شاہی ایوانوں تک نہیں گئے۔ آج کے مسلمانوں میں توکّل کی شدید کمی ہے۔ ہماری حرص و ہوس، احتیاج، بے اعتقادی اتنی بڑھ چکی ہے کہ ہم دوسروں کے حق کو مار کر بھی اپنے پیٹ کی خاطر جمع جتھا کرتے ہیں اگر ہم صوفیاء کی تعلیمات میں سے توکّل کی خوبی اپنے اندر پیدا کر لیں تو بہت سے عوارض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

فقر

تصوف کے مسلک میں نہ تو فقر، تنگ دستی، غربت مفلسی یا گداگری ہے اور نہ نفس کو تکلیف میں ڈالنا یا ترک دنیا کرنا ہے، بلکہ فقر سے مراد درویشی، قلندری، مادّی منفعت سے بے نیازی، مظلوم کی حمایت اور ظالم کے سامنے ڈٹ جانا ہے۔ فقر اللّٰہ کی رضا کے سامنے نفع یا نقصان سے غنی ہو جانا ہے۔ فقر جدوجہد کا نام ہے جو اللّٰہ کی رضا کے لئے کی جاتی ہے اور اس میں کسی صلے یا انعام کی توقع نہیں کی جاتی۔ حضور نے فرمایا:

"الفقر فخری"

"مجھے اپنی فقیری پہ ناز ہے۔"

فقیری کی یہ شان صوفی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہ بھی حضور کی تقلید میں یہی ورد کرتا ہے اور دنیا کی آسائش و آرام کو اپنے لئے وقف نہیں کرتا دوسروں کا حق سمجھتا ہے۔ اس کا وجود دوسروں کی خیر کا باعث بن جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کا قول ہے کہ

"فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور نہ کسی چیز سے اس کا نقصان ہو نہ تو اسباب دنیاوی کے موجود ہونے سے وہ غنی ہوتا ہے اور نہ ہونے سے اس کا محتاج رہتا ہے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کے فقر کے نزدیک برابر ہے۔" 1

امام ابوبکر اسحاق کلاباذی حضرت نوری کے حوالے سے فرماتے ہیں

"فقیر کی صفت یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب کچھ مل جائے تو خرچ کر دے اور ایثار کرے۔" 2

حضرت شبلی سے کسی نے فقر کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا

"فقر یہ ہے کہ حق کے سوا اور کسی چیز کی پروا نہ کی جائے۔" 3

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی نے فقر کی تین اقسام بتائی ہیں

"(1) فقر اضطرار (2) فقر اختیار (3) فقر تحقیق" 4

جبکہ سید خورشید گیلانی نے فقر کی پہلی دو صورتوں کا حوالہ اپنی کتاب "روح تصوف" میں دیا ہے۔ دونوں کے نزدیک فقر اختیاری سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور منشاء سے آسائش و آرام کے لوازمات کو ترک کر کے درویشانہ زندگی اپنائے۔ اس فقر کی بدولت انسان کو بلند درجات حاصل ہوتے ہیں اور قرب الٰہی میسر ہوتا ہے۔ جبکہ فقر اضطراری میں خدا کا عذاب ہے۔ خواجہ عبداللہ انصاری ہروی نے فقر کی تیسری قسم یعنی فقر تحقیق کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ اس کی نعمتیں بے حد و حساب ہیں اور عبودیت بندے کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی وہ اللہ کی بے حساب نعمتوں کا شکر اس طور سے ادا کر سکتا ہے جو اس کی ذات کے شایان شان ہو۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات میں فقر کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ درویشی اور قلندری کی زندگی اپنانا بھی وطیرہ رہا ہے اسی طرح تمام اکابر صوفیا کی زندگی میں ہمیں فقر کی شان دکھائی دیتی ہے۔ فقر

1- بحوالہ "بیان المطلوب" (ترجمہ اردو کشف المحجوب) ص 41 -2- بحوالہ "تعرف" ص 146

3- بحوالہ "عوارف المعارف" عربی سے محمد شہاب الدین سہروردی (مترجم حافظ سید ارشد احمد ارشد) مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت دوم، 1977ء

4- صد میدان، ص 26

میں انسان صبر اور شکر کا بندہ بن جاتا ہے کچھ مل جائے تو خدا کا شکر ادا کیا نہ ملا تو صبر کر لیا۔ مل کر چھن گیا تو شکوہ نہ کیا۔ فقیر کا دل دنیاوی احتیاجات سے بے نیاز ہوتا ہے۔۔۔۔ شیخ ابوبکر کتانی کے الفاظ میں

"جب انسان حقیقی طور پر اللہ ہی کا محتاج ہو جائے تو پھر وہ
حقیقی طور پر "غنی باللہ" ہو جاتا ہے۔" 1

فقیر جب دنیا کے لذائذ سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو وہ اپنی نہیں دوسروں کی فلاح کا خیال رکھتا ہے امام ابوبکر اسحاق کلاباذی لکھتے ہیں

"میں نے فارس کو کہتے سنا : میں نے ایک بار ایک فقیر سے کہا اور مجھے
اس میں بھوک اور تنگی کے آثار دکھائی دیئے تو لوگوں سے سوال کیوں
نہیں کرتا تاکہ وہ تجھے کھانا دے دیں اس نے جواب دیا، مجھے اس
بات کا ڈر ہے کہ اگر میں ان سے سوال کروں اور وہ نہ دیں تو فلاح نہ
پائیں گے کیونکہ مجھے نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات پہنچی
ہے کہ اگر سائل سچا ہے تو نہ دینے والا فلاح نہ پائے گا۔" 2

ایک فقیر منش انسان دنیا جہان کی آسائشوں کو تج کر اس دنیا میں بھی سکھ پاتا ہے اور اس کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ شیخ ابوبکر وراق فرماتے ہیں

"دنیا اور آخرت دونوں جہان میں فقیر کے لئے خوشخبری ہے، لوگوں نے
وجہ پوچھی تو فرمایا، اس لئے کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں
لیتا آخرت میں خدا حساب نہیں مانگے گا۔" 3

فقر میں چونکہ مادّیت کا کم سے کم دخل ہوتا ہے اس لئے صوفی مسلک کے مطابق اس کے اور اللہ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے۔ فقر کی اس صفت نے صوفیاء کو روحانیت کی معراج تک پہنچایا۔ اقبال نے اپنے کلام میں مسلمانوں کے لئے فقر پر بہت زور دیا ہے، اس لئے اگر آج ہم صوفیوں کی اس صفت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس دنیا میں بھی سربلند ہو جائیں اور دوسری دنیا

1- بحوالہ "تصوف" ص 146 — 2- بحوالہ "تصوف" ص 148
3- بحوالہ رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم قشیری ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص 428

میں بھی سرخرو ہیں۔ فقر صفت انبیاء ہے، فقر صفت مومنا ہے اور فقر اللہ کو پسند ہے کہ انسان ہر حال ایک عاجز بندہ ہے۔

فنا

فنا سے مراد اپنے وجود مستعار کو ختم کر کے وجود مطلق میں گم ہو جانا ہے قطرے کا اپنی ذات سے دریا کے وجود میں مراجعت کرنا ہے۔

ع دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر (غالب)

اپنے جزوی وجود کو وجود خداوندی میں شامل کر کے اپنے وجود سے بے نیاز ہو جانا فنا ہے۔ صوفی جب اپنی ذات کو محض اضافی جان کر وجود باری تعالیٰ کو مقدم خیال کرتا ہے تو وہ فنا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے فنا کے تین درجے متعین کئے ہیں۔

"1۔ پہلی قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنی صفات، اخلاق اور مزاج کی قید سے آزاد ہو جاؤ۔

2۔ دوسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تم اپنے حظِ نفس سے بالکل دستبردار ہو جاؤ۔

3۔ تیسری قسم کی فنا یہ ہے کہ تجلیات ربانی کا تم پر اتنا غلبہ ہو جائے کہ تمہاری اس وجود موہوم کی حقیقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔" 1۔

فنا کی پہلی قسم وہ ہے جہاں انسان کو اپنے نفس امارہ اور اخلاق رذیلہ پر قابو پانا ہوتا ہے۔ لذائذ اور دنیاوی خواہشات کو ترک کرنا ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو مقصد کی راہ میں رکاوٹ بنے ترک کرنی ضروری ہے۔ فنا کی دوسری حالت یعنی وجود کی خواہشوں سے دستبردار ہونا دراصل پہلی حالت کی توسیع ہے یعنی دنیا کی دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو کر خود کو خدا کی ذات میں اس طرح گم کر دینا کہ کوئی دوسرا بیچ میں نہ رہے۔ فنا کی یہ حالت ذہنی اور داخلی ہوتی ہے۔ فنا کی تیسری اور آخری حالت یہ ہے کہ انسان اپنے ادراک و شعور کو بھی فراموش کر دے اور ذات الٰہی کو خود پر اس طرح طاری کر لے کہ اپنے آپ کو بھول جائے یہ انہماک اور محویت کی منزل ہے۔ یہاں سے فنا اللہ کی منزل شروع ہوتی ہے جہاں صوفی ابدی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ درجہ فنا سے بقا کی طرف مراجعت کا ہوتا ہے۔ اصطلاحات

1۔ بحوالہ جنید بغداد، ص 184-185

صوفیہ کے مطابق

"سالک کا اپنی ہستی اور وجود امکانی کو فنا کر کے وجود حقیقی ذات حق سبحانہ کے ساتھ بقا حاصل کرنا۔ بقا باللہ ہو جاتا ہے یعنی چشم بصیرت سے اپنے وجود امکانی کو عدم محض جاننا فنا ہے اور صرف ذات حق سبحانہ (جو وجود حقیقی ہے) کو موجود جاننا بقا ہے۔" [1]

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا

"فنا کے مختلف مراتب ہیں چنانچہ رسول خدا کی فنا دوسری تمام فناؤں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اسی طرح اولیائے کرام کے مراتب فنا بھی آپس میں متفاوت ہیں۔" [2]

ایک اور جگہ فرمایا

"عبادت کا مقصد فنا اور فناء الفنا اور بقا باللہ ہے۔" [3]

حضرت شیخ سلطان باہو کے مطابق

"راہ سلوک کی ابتداء فنائے نفس ہے اور انتہا فنا فی اللہ۔" [4]

خواجہ شاہ محمد عبدالصمد نے فنا کے تین درجے بتائے ہیں۔

1- سالک کا مرشد کی صحبت میں منہمک ہونا اور اپنی ہستی و خودی کو مرشد کی ہستی میں فنا کر دینا یہ پہلا درجہ ہے۔

2- سالک کا وجود باوجود نبی کریم علیہ السلام میں محو ہونا اس کا نام فنا فی الشیخ ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے۔

3- سالک کا جملہ مراتب صفات و مدارج عروج و نزول طے کر کے ذات حق سبحانہ میں محو ہو جانا۔ اس کا نام فنا فی الوصول ہے۔ یہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔" [5]

1- "اصطلاحات صوفیہ" مرتبہ خواجہ شاہ محمد عبدالصمد، ص 107
2- "مرآۃ العاشقین" اردو ترجمہ غلام نظام الدین، ص 165
3- ـ ـ ـ ایضاً ـ ـ ـ ص 165
4- "سوانح حیات ــ حضرت شیخ سلطان باہو" مرتب حافظ محمد اختر، ص 93
5- "اصطلاحات صوفیہ" ص 107

شیخ شہاب الدین سہروردی کے نزدیک فنا کا مفہوم یہ ہے کہ

"ہر چیز کا حظ اور لطف جاتا رہے اور خدا کی ذات میں فنا ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا جائے۔" [1]

آگے چل کر انھوں نے فنا کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ظاہر فنا یعنی حق تعالٰی کی تجلیات اس طرح سامنے آئیں کہ انسان کا اپنا ارادہ اور اختیار ختم ہو جائے اور وہ حق کے سوا کسی دوسرے کے فعل کو نہ دیکھ سکے۔ دوسری قسم باطنی فنا کی ہے یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب صوفی ذات الٰہی کی عظمت کا مشاہدہ اس طرح کرے کہ اس کا دل وسوسوں سے پاک ہو جائے تو وہ باطنی فنا کے درجے تک پہنچتا ہے۔

لیکن ان تمام مباحث کے باوجود فنا کا مفہوم متعین کرنا آسان نہیں، اس لئے کہ بعض صوفیا کے نزدیک [2] فنا کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے وجود کو خدا کے وجود میں منتقل کر دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی رضا کو خدا کی رضا میں شامل کر دے۔ انسان اپنی انسانی صفات سے گزر کر خدائی صفات میں داخل ہو جائے، تو اسے فنا کہیں گے، لیکن یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہئیے کہ خدا کی صفات خود خدا نہیں بلکہ خدا کو اس کی صفات کا ہم معنی قرار دینا جائز نہیں ہے۔[3] صوفی عبادت و ریاضت کی تمام منازل طے کرنے کے بعد اپنی انفرادیت بالکل کھو دیتا ہے، فنا ہو جاتا ہے لیکن یہاں بھی وہ خدا سے الگ ایک وجود رکھتا ہے خالق اور مخلوق کے درمیان پردہ پھر بھی حائل رہتا ہے۔

نظریۂ فنا، نظریۂ توحید اور نظریۂ وحدت الوجود کے مسائل کو بھی سامنے لاتا ہے، لیکن ہم اس بحث کی نزاکت سے ہٹ کر صرف حضرت جنید بغدادی کے اس خیال کا اعادہ کرتے ہیں۔

"کہ انسان اپنے ارادے سے جو کہ اس دعویٰ انفرادیت کا ایک خاصہ سمجھی جاتی ہے، دستبردار ہو جائے، کاملاً اپنے آپ کو خدا تعالٰی کے سپرد کر دے اور خدا تعالٰی کے اندر اپنے ابدی وجود کی طرف واپس لوٹ جائے۔ اس طرح وہ خدا کے ساتھ اس حد تک متحد ہو گا جس حد تک متحد ہونے کی خود خالق نے اپنی مخلوق کو اجازت دی ہے۔" [4]

1۔ "عوارف المعارف" ترجمہ حافظ سید رشید احمد ارشد، ص 519
2۔ اس ضمن میں حضرت جنید بغدادی کا نام لیا جا سکتا ہے۔
3۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "جنید بغداد" از ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر، ص 168 تا 194
4۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص 194

صبر

صبر سے مراد کسی چیز سے اپنے آپ کو روکنا ہے یعنی ارادے کی ایسی پختگی جس سے انسان خود کو نفسانی خواہشات اور زندگی کی مشکلات سے [illegible] رکھتے ہوئے اپنے ضمیر کے بتائے ہوئے صحیح راستے پر چلتا ہے اور اگر اس راستے میں کوئی دکھ یا پریشانی سامنے آتی ہے تو وہ ہمت نہیں ہارتا بلکہ بڑی مستقل مزاجی سے بغیر کوئی شکوہ کئے حق کے راستے پر ڈٹا رہتا ہے کوئی دنیاوی لالچ اس کے ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم میں بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مصائب سے بچنے کے لئے جو طریقہ بتایا ہے وہ "صبر" ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۔1

اور خوش خبری سنا ثابت رہنے والوں کو، کہ جب اُن کو پہنچے کچھ مصیبت

قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ط ۔2

کہیں ہم اللہ کا مال ہیں، اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ط

اور ٹھہرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔3

وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے ۔

صبر انسانی زندگی کے لئے اعلیٰ وصف کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی صبر و استقامت کا نمونہ تھی۔ صحابہ کرام نے بھی صبر و تحمل کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ

"افضل عیش (بہترین زندگی) ہم نے صبر میں پائی۔" ۔4

صوفیاء کرام نے نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ اپنی تعلیمات میں بھی صبر کو اہمیت دی ہے،

1- بحوالہ "[illegible]" ص 194 -2- بحوالہ سورۃ البقرہ ، آیت نمبر 153-156

3- بحوالہ سورۃ البقرہ، آیت نمبر 177 -4- بحوالہ "قرآن اور تصوف" ص 43

سید خورشید احمد گیلانی کے مطابق

" صوفیاء کرام کی زندگی میں جو توکل، استقلال، ایثار، جفاکشی، سادگی ..... کی کیفیات پائی جاتی ہیں، یہ صبر کی مختلف صورتیں ہیں، کیونکہ تمام امور بخوشی اللہ کے سپرد کر دینا کمال درجے کا صبر ہی تو ہے۔ " 1

غرضیکہ ہر صوفی نے اپنی تعلیمات میں صبر و تحمل کا ذکر کیا ہے اور اس پر زور دیا ہے، صوفیاء کے نزدیک صبر و تحمل کیا ہے؟ اس کا جائزہ لیتے ہوئے الحاج محمد اسحاقؒ علی علوی لکھتے ہیں

" ناکامی کے وقت کامیابی کے لئے جدوجہد کرنا، مصیبت کے وقت مصیبت کو برداشت کر لینا، اپنی جدوجہد میں مخالفین کی پرواہ نہ کرنا ان کی غلطیوں کو معاف کرنا صبر ہے۔ " 2

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کے مطابق

" صبر کے تین ارکان ہیں

1- مصیبت پر صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اصبروا

2- معصیت سے صبر کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وصابروا

3- اطاعت پر صبر کرنا جس کے بارے میں فرمایا ورابطوا " 3

ان کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ انصاری نے بتایا کہ تکلیف پر صبر محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اس میں دل کی یکسوئی، علم کی باریک بینی اور نور فراست شامل ہے اور جب دل میں گناہ کا خوف ہو تو ایسے میں جو صبر ہوتا ہے، اس میں دل کی گہرائی، پاکیزگی اور حیا کی قبولیت شامل ہے۔اطاعت پر صبر امید کے ساتھ کرتے ہیں، اس میں آفت کا ٹل جانا، رزق کا غیر متوقع طور پر پہنچنا اور نیکیوں کی طرف میلان شامل ہے۔۔۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

" صبر و رضا، موافقت اور تقدیر خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی عادت اختیار کرنا اگر تمہیں یہ چیزیں نصیب نہ ہو سکیں تو پھر

1- بحوالہ " روح تصوف " ص 192 -2- بحوالہ " لطائف " ص 60، ایجوکیشنل پریس، کراچی

3- بحوالہ " صد (100) میدان " ص 29

بارگاہ خداوندی میں عاجزی و زاری، گناہوں کے اعتراف، اور نفس کی برائی کی جزا کے لئے اپنے آپ کو عار کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کی حمد اور توحید کا اقرار، شرک سے اجتناب، صبر و رضا اور طلب موافقت کو ضروری جانا۔ یہاں تک کہ موت تقدیر پر عمل ہو جائے، مصیبت ٹل جائے اور نعمت و فرحت، مسرت اور خوشی کا دور دورہ ہو جائے۔" 1

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے صبر کو سخاوت پر فوقیت دیتے ہوئے کہا

"صبر کا مرتبہ سخاوت سے اچھا ہے، بھوک کا مرتبہ پیٹ بھر کر کھانے سے بلند ہے، جس مرتبے تک صابر پہنچتے ہیں۔ اہل سخاوت کو وہاں کی خبر بھی نہیں اور جس مقام پر فاقہ کش پہنچتے ہیں، امراء کو وہاں کی بو بھی نہیں پہنچتی۔" 2

امام ابو اسحاق کتاباذی سہل کے حوالے سے فرماتے ہیں

"اللہ کی طرف سے کشائش کا منتظر رہنا صبر کہلاتا ہے، پھر فرمایا، یہی افضل ترین اور بلند ترین خدمت گزاری ہے۔" 3

مختصر یہ کہ صبر جملہ اخلاقی اوصاف میں سے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی صفت ہے۔ انسانی زندگی میں صبر نہ ہو تو زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے۔ عزم و استقلال، پامردی و استقامت کے سارے جذبات ماند پڑ جائیں، یہ ایسی درخشاں صفت ہے جس کے طفیل بقول میر ولی الدین

"مصائب کی برداشت سہل ہو جاتی ہے غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں، فکر کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" 4

حریت

حریت تصوف میں ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان دنیاوی بندھنوں سے آزاد ذاتی خواہش سے پاک اور نفس کی کمزوریوں کو دور کر کے اللہ تعالیٰ سے لو لگا لے اور اپنے اعمال میں مخلص ہو کر ذات خداوندی کی عظمت اور اس کے حسن و جمالکا مشاہدہ کرے۔ ہر وقت اپنے دل کو خدا کے حضور

1- بحوالہ "فتوح الغیب" ص 123-124
2- بحوالہ "مرآۃ العاشقین" (اردو ترجمہ) ص 129
3- بحوالہ "تعرف" ص 143
4- بحوالہ "قرآن اور تصوف" ص 40

میں ٹھکانے رکھے جب کوئی صوفی مسلسل اپنے باطن کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم کرتے ہوئے ان اسرار کا علم حاصل کر لیتا ہے جن کی وجہ سے دنیا میں اس کے احکام جاری ہوتے ہیں تو وہ معرفت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

معرفت کا مقصد تو حق کی پہچان حاصل کرنا ہے لیکن اس کو حاصل کرنے والے مختلف ذہن اور مختلف ذرائع ہوتے ہیں اور خدا تک ان کی پہنچ اپنے اپنے ذہن اور طریق کار کے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عام شخص کی معرفت ایک ولی کی معرفت سے مختلف ہوگی۔ ولی کا درجہ عام "عارف" شخص سے مختلف ہوگا کیونکہ اس کے تجربات اس کا علم اور اس کا ذہن عام شخص سے مختلف ہوتا ہے پھر انسان کا ذہن محدود ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی وسعت غیر محدود ہے، سہل فرماتے ہیں

"پاک ہے وہ خدا جس کی معرفت حاصل/کرنے میں بندوں نے یہی پایا کہ وہ اس کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔" [1]

اس لئے انسان اپنے وجود کو مکمل طور پر اس ذات میں مدغم نہیں کر سکتا۔ شیخ سلطان باہو کے مطابق

"معرفت میں تین باتیں ہیں، اول مصیبت کے وقت صبر، دوم عطا کے وقت شکر، سوم قضا پر راضی رہنا۔ جو شخص معرفت کا دعویٰ کرے اور باتیں اس میں نہ پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ سچا نہیں۔" [2]

معرفت دو طرح کی ہوتی ہے، معرفت حق اور معرفت حقیقت۔ معرفت حق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن صفات کا اظہار کیا ہے ان کی بدولت حق تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنا اور معرفت حقیقت سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ اقرار کر لے کہ حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

حضرت جنید نے معرفت الٰہی کی دو قسمیں بتائی ہیں "معرفت اولیٰ" اور "معرفت آخریٰ" جن میں سے پہلی قسم مدلل معرفت کی ہے اور دوسری وجدانی معرفت کی۔ [3]

حضرت داتا گنج بخش نے بھی اپنی کتاب کشف المحجوب میں معرفت الٰہی پر کافی بحث کی ہے۔ انہوں نے معرفت کے متعلق لوگوں کے خیالات پر بحث کرتے ہوئے معتزلہ کی اس بات کو رد کیا ہے کہ اللہ

1۔ بحوالہ "تصوف" ص 99
2۔ بحوالہ "سوانح حیات حضرت شیخ سلطان باہو" مرتبہ حافظ محمد سعید احمد ص 94
3۔ بحوالہ "جنید بغداد" ص 220

تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سوائے عقل مند لوگوں کے کسی کو معرفت الٰہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان کے خیال میں

"معرفت الٰہی کی علت (غایت) مشیت الٰہی کے سوا اور کوئی چیز نہیں، اس کی عنایت کے بغیر عقل نابینا ہے۔ اس لئے کہ عقل اپنی نسبت خود جاہل ہے اور کسی عقلمند نے آج تک اس کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے اور جب وہ اپنی نسبت جاہل ہے تو وہ اپنے غیر کو کس طرح پہچانے گی اور اللہ بزرگ و برتر کی عنایت و رہنمائی کے بغیر مجرد دلیل سے استدلال کرنا اور اس میں غور کرنا بھی خطا ہے کیونکہ سب اہل ہوا اور ملحدین کے گروہ استدلال ہی کیا کرتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے عارف نہیں۔" 1

اسی بات کو ابوبکر شبلی اس طرح فرماتے ہیں

"جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا میں کون ہوں؟ عقل خاموش رہی اس پر اللہ نے اسے وحدانیت کا سرمہ لگا دیا۔ تب جا کر عقل نے آنکھیں کھولیں اور کہا، تو وہ خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں عقل میں اس قدر طاقت نہ تھی کہ اللہ کی مدد کے بغیر اسے پہچان سکے۔" 2

علامہ اقبال نے بھی عقل کی دو قسمیں کی ہیں ایک عقل برہانی جو استدلال کے سہارے آگے بڑھتی ہے لیکن اس کی تقدیر میں حضوری نہیں ہوتی، دوسری عقل نورانی یا عقل یزدانی ہے جو عشق کے مترادف بن جاتی ہے اور اس میں برق تجلّی شامل ہوتی ہے۔

ـــہ ہے برق تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کے نزدیک

"معرفت سے مراد پہچان ہے اس کے تین باب ہیں اور تینوں درجے تین قسموں کے ساتھ

1۔ بیان المطلوب (ترجمہ اردو کشف المحجوب) مترجم مولوی فیروزالدین، ص 399
2۔ بحوالہ "شعریت" ص 96

باب اوّل = وجود باری تعالیٰ، اس کی یکتائی اور اس کے بے مثل ہونے کا عرفان۔

دوم = اس کی قدرت، دانائی اور مہربانی کی شناخت

سوم = اس کے احسان، دوست داری اور قرب کی پہچان۔" [1]

یوں ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کے الفاظ میں

"معرفت الٰہی اپنے بلند ترین مدارج میں نیکوکاری، ہر لمحہ خوف خداوندی اور مخلوقات کے اندر جلوۂ خداوندی کے مشاہدے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس حالت میں انسان اخلاق کا ایک نہایت ارفع معیار قائم کرتا ہے اور جس چیز سے بھی خدا نے منع کیا ہے اس سے کاملاً مجتنب ہو جاتا ہے۔" [2]

لفظ نفس

لغوی اعتبار سے نفس کے معنی کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت ہے یہ وہ صلاحیت ہے جس کی بدولت انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کا شعور اور احساس ہو سکے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ عقل، علم، قلب، عظمت وسعت، کشادگی، ہمت، غیرت، ارادہ اور عقوبت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے معنی شیٔ ہیں یعنی وہ عمدہ شے جس کی طرف انسان لپک کر جائے۔ سورۃ المائدہ میں آیا ہے۔

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک

ترجمہ = (اے میرے رب) جو کچھ میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے دل میں ہے میں اسے نہیں جانتا [3]

عام حالات میں نفس سے مراد کبھی روح اور کبھی جسم بھی لیا گیا ہے لیکن صوفیہ کرام کے یہاں اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے۔ وہ نفس کو برائی اور شر کا سرچشمہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں تمام برائیوں کی جڑ نفس ہے۔ قرآن حکیم میں بھی آیا ہے کہ

1- بحوالہ "صد (100) صدائیں" ص 157 — 2- بحوالہ "جنید بغداد" ص 217

3- بحوالہ "قرآن مجید" آیت نمبر 112/5

ان النفس لامّارة بالسوء

ترجمہ : یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔ [1]

حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا

النفس صفة لا تسکن الّا بالباطل

(نفس ایک ایسی صفت ہے جو صرف باطل سے ہی تسکین پاتی ہے نفس تو کبھی حق کے راستہ پر نہیں چلتا۔) [2]

غلام احمد پرویز نے "لغات القرآن" میں قرآن کے حوالے سے نفس کی قسمیں بتائی ہیں

(1) نفس امارہ : "کسی مستقل قدر کو پس پشت ڈال کر پست مفاد کی طرف جاتا ہے تو اسے عام طور پر نفس امارہ کہا جاتا ہے۔" [3]

(2) نفس لوامہ : "بعض اوقات نفس انسانی کی یہ کیفیت بھی ہوتی ہے کہ جب اس سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد اس میں احساس ندامت بیدار ہو جاتا ہے۔ اسے نفس لوامہ کہتے ہیں۔" [4]

(3) نفس مطمئنہ : "ذات کی کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔ ذات، پست جاذبیتوں پر غالب آ جاتی ہے۔ اسے قرآن کریم نے نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے۔" [5]

خواجہ شاہ عبدالصمد نے ان تین اقسام کے علاوہ ایک چوتھی قسم "نفس ملہمہ" یا "نفس قدسیہ" بھی بتائی ہے جو ان کے بیان کے مطابق صرف انبیاء علیہم الصلوٰت اور اہل اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ [6]

اب ضبط نفس سے مراد اپنے وجود کی خواہشات پر قابو پانا، اپنے اندر سے اخلاق رذیلہ مثلاً حرص و طمع، غرور و تکبر اور کینہ و کدورت کو نکالنا ہے۔ صوفیاء ہمیشہ نفس کے خلاف جہاد کرتے رہے حضور نے فرمایا ----- "مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کے لیے اپنے نفس سے جہاد کیا۔" [7]

1- بحوالہ قرآن مجید، آیت نمبر 53/12
2- بحوالہ "بیان المطلوب (اردو ترجمہ کشف المحجوب)" ص 305
3- بحوالہ "لغات القرآن" از غلام احمد پرویز، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ص 1648
4- ---- ایضاً ---- ص 1648
5- ---- ایضاً ---- ص 1649
6- "اصطلاحات صوفیہ" ص 155
7- بیان المطلوب (اردو ترجمہ کشف المحجوب) ص 306

حضرت شیخ سلطان باھو ضبط نفس کی تلقین یوں کرتے ہیں

"نفس پرست تو سارے ہوا کرتے ہیں لیکن خدا پرست بہت کم ہوتے ہیں۔ شہوت، غصہ، طمع، حرص ہوا اور زینت کو روند ڈال تاکہ تو بکار خاص مرد بن جائے۔" 1

حضرت داتا گنج بخش کے نزدیک نفس پر ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں

"ریاضت و مجاہدہ سے ان بری اوصاف کو اپنے سے دفع کیا جاتا ہے، کیونکہ اوصاف ظاہری میں سے ہیں اور بری اخلاق اوصاف باطنیہ میں سے اور ریاضت افعال ظاہرہ میں سے ہے اور تمام اوصاف باطن میں سے۔ پس جو قوی اوصاف باطن میں پیدا ہوتی ہیں وہ ظاہر کے اچھے اوصاف سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اور جو یہ افعال ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں وہ باطن کے پسندیدہ اوصاف سے دور ہو جاتے ہیں۔" 2

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے مریدوں کو درس دیتے ہوئے ضبط نفس کی یوں تلقین کی ہے

"عمل بھلائی اسی میں ہے کہ تمام حالات میں نفس سے دشمنی رکھی جائے اگر تو پرہیزگار ہے تو نفس کا الٹا طرح مخالف ہو جا کہ لوگوں کے حرام اور مشتبہ مال، احسان، مہربانی، اعتماد ان سے خوف، امید اور مزید متاع دنیا رکھنا میں سے جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے پوری طرح بیزار ہو جا۔" 3

علامہ اقبال نے تشکیل انسانیت کے لیے جو تین درجے مقرر کئے ان میں سے دوسرا ضبط نفس ہے، اسرار خودی میں فرماتے ہیں

نفس تو مثل شتر خود پرور است
خود پرست و خود سوار و خود سر است
مرد شو آور زمام او بکف
تا شوی گوہر اگر باشی خزف

1- "سوانح حیات —— حضرت شیخ سلطان باھو" ص 96
2- بحوالہ "بیان المطلوب" (اردو ترجمہ کشف المحجوب) ص 299
3- بحوالہ "فتوح الغیب" ص 33

ضبط نفس صوفیانہ مسلک میں اہم ہی نہیں ناگزیر عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ضبط نفس کے بغیر کوئی صوفی صحیح معنوں میں صوفی نہیں بن سکتا۔ آج جو ہم انسانی درجے سے نیچے گر چکے ہیں تو اس کی ایک وجہ نفس کی غلامی بھی ہے۔ اپنے نفس پر قابو پائے بغیر کوئی بھی انسان انسانیت کے اوجِ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ ضبط نفس سے یہ مراد نہیں کہ جائز خواہشات یا امنگوں کا بھی گلا گھونٹ دیا جائے بلکہ جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے اخلاق رذیلہ اور وجود کی بری اور ناجائز خواہشات کو قابو میں رکھنا ہے۔

غرض یہ اور اس قسم کی اصطلاحات تصوف کی دنیا میں گہرے معانی اور مطالب کی حامل ہیں۔ ان لفظوں کے پیچھے صوفیا کی ریاضت، کردار کی پختگی اور اعمال کی نیکی، اپنے تجربات جھانکتے ہیں۔ صوفیا کے توکّل، صبر، فقر، ضبط نفس اور مجاہدے کی سینکڑوں ہزاروں مثالیں تصوف پر لکھی گئی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان مثالوں میں مافوق الفطرت رنگ بھی جھلکتا ہے۔ انتہا پسندی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان مثالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان جب نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے تو پھر اپنے نفس پر کس طرح قابو پا لیتا ہے۔ دکھ، مصائب، شدائد اور مشکلات اس کے ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتیں۔ وہ پامردی، عزم و استقلال اور جرأت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ ان مسافتوں کو طے کرنے کے بعد وہ ایسے مرتبے پر فائز ہوتا ہے جہاں اس کی آنکھ اللہ کی آنکھ اور اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔ یہ مرتبہ اور مقام ہر بوالہوس کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ

یہ مرتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

خاکی انسان نے جو فرشتوں جیسی ملکوتی صفات حاصل کیں تو دراصل اپنے نیک اعمال، عبادت اور ریاضت کی بدولت۔ ہم تصوف، تصوف کے تاریخی ارتقاء اور تصوف کے بنیادی مسائل کی گفتگو اب ختم کرتے ہیں اور اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی یہ کہ تصوف کی دنیا میں ملتان کا حصہ کیا ہے؟ آئندہ صفحے میں ہم ملتان کی قدامت، اس کی سیاسی سماجی اہمیت اس کے تہذیبی ورثہ اور اس کے بارے میں سیاحوں کے بیانات کا ذکر کریں گے تاکہ ملتان کی تہذیبی اور ادبی زندگی میں صوفیائے کرام کا جو کردار رہا ہے اس کا تفصیلی جائزہ لے سکیں۔------

کتابیات (پہلا باب)

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر و سن اشاعت
1	ابن تیمیہ	الفرقان (مترجم مولانا غلام ربانی مرحوم)	المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ لاہور، جولائی 1978ء
2	ابن حنیف	سات دریاؤں کی سرزمین (قدیم پراسرار خطے اور ملتان)	کاروان ادب ملتان، بار اوّل اکتوبر 1980ء
3	ابن حنیف مرزا (مرتب)	نوادرات و مخطوطات (جشن ملتان کے سلسلے میں ہونے والی نمائش کا بروشر)	الائیڈ پریس لاہور
4	ابن عربی، محی الدین، شیخ	فصوص الحکم (مترجم مولانا عبدالقدیر صدیقی)	الکتاب، گنج بخش روڈ، لاہور 1979ء
5	ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	اقبال اور مسلک تصوف	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اوّل 1977ء
6	ابوظفر ندوی، سیّد (مولانا)	تاریخ سندھ	مطبع معارف اعظم گڑھ، 1947ء/1366ھ
7	احمد سرہندی، امام ربانی، شیخ	مکتوبات مجدد الف ثانی (تلخیص کنندہ مولانا شاہ ہدایت علی نقشبندی)	مکتبہ مجددیہ گنج بخش روڈ لاہور، بار دوم 1396ھ/1976ء
8	اختر رضوی (مترجم)	فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ (تصحیح، تعلیق اور شارح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)	سندھی ادبی بورڈ، پہلا ایڈیشن اپریل 1963ء
9	اسد علی، سیّد، ڈاکٹر	ہندی ادب کے بھکتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات (مترجم ڈاکٹر ماجدہ اسد)	ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، پہلا ایڈیشن 1979ء
10	اشرف علی تھانوی، مولانا	خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم	نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار لاہور، بار اوّل، اگست 1978ء
11	اعجاز الحق قدوسی	اقبال کے محبوب صوفیاء	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اوّل، جنوری 1976ء
12	افلاطون	جمہوریہ افلاطون (مترجم محمد رفیق چوہان)	مشعل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، بار اوّل، 1980ء

13	البیرونی، ابوریحان	کتاب الہند	پہلا صفحہ غائب ہے، گورنمنٹ کالج بوسن روڈ کی لائبریری میں حاصل ہوئی
14	الخطیب	تاریخ بغداد	القاهرہ، 1931ء
15	اللہ یار خان، مولانا	دلائل السلوک المعروف بہ البیان فی مسائل السلوک و الاحسان	چشتار آرٹ پریس چمبرلین روڈ لاہور بار دوم
16	امام ابوبکر بن ابواسحاق	تعرّف (صوفیاء کے عقائد و اعمال پر قدیم ترین کتاب) (مترجم پیر محمد حسن، ڈاکٹر)	المعارف، گنج بخش روڈ، لاہور بار اوّل، رمضان المبارک 1391ھ
17		شرح تعرف	مطبع منشی نولکشور، لکھنؤ، اشاعت 1912ء (1330ھ)
18		انوار اصفیا (مرتبہ ادارۂ تصنیف و تالیف)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، اشاعت سوم، 1978ء
19	بشیر احمد ڈار	تاریخ تصوف (قبل از اسلام) (یونانی، مجوسی، عیسائی اور چینی تصوف کا تنقیدی اور تاریخی جائزہ)	ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور اشاعت اوّل، اکتوبر 1962ء
20	بشیر احمد سعدی مسعود	داتا گنج بخش	الصباح، چوک انارکلی، لاہور، بار اوّل 1969ء
21	پرویز غلام احمد	تصوف کی حقیقت	ادارۂ طلوع اسلام، گلبرگ 2، لاہور اشاعت اوّل، ستمبر 1981ء
22	ایضاً	لغات القرآن (جلد اوّل الف تا ج تک) (قرآنی مطالب کا انسائیکلو پیڈیا)	ادارۂ طلوع اسلام، گلبرگ، لاہور اشاعت اوّل، مارچ 1960ء
23	ایضاً	لغات القرآن (جلد دوم ح تا ش تک) (قرآنی مطالب کا انسائیکلو پیڈیا)	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لاہور، طبع اوّل، اکتوبر 1960ء
24	ایضاً	لغات القرآن (جلد سوم ص تا ک تک) (قرآنی مطالب کا انسائیکلو پیڈیا)	ادارۂ طلوع اسلام، گلبرگ، لاہور، بار اوّل، جنوری 1961ء
25	ایضاً	لغات القرآن (ل تا ی تک) (قرآنی مطالب کا انسائیکلو پیڈیا)	ادارہ طلوع اسلام، گلبرگ، لاہور، بار اوّل، اپریل 1961ء
26	ٹامس آرنلڈ واکر، سر	میراث اسلام مترجم عبدالمجید سالک	مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، بار اوّل 1960ء
27	عبدالحق صدیقی	تصوف کی حقیقت	اہلسنت اکیڈمی، کراچی، بار اوّل 1976ء
28		حسین بن منصور حلاج (شخصیت و افکار) ترتیب و تہذیب خورشید فہیم	سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور اشاعت اوّل 1981ء

29	جیلانی، محی الدین عبدالقادر (شیخ)	فتوح الغیب (فارسی)	مطبوعہ نولکشور 1305ھ
30	حسن علائی، خواجہ (مرتبہ)	فوائد الفواد (مترجم پرویز محمد سری)	اوقاف علما اکیڈمی پنجاب، لاہور طبع دوم 1400ھ/1980ء
31	حضرت خواجہ شاہ محمد عبدالصمد (مرتب)	اصطلاحات صوفیہ	مکہ بکس، 5 بخش سٹریٹ، موچی دروازہ، لاہور
32	خالد محمود	داتا گنج بخش اور ان کا عہد (حیات و تعلیمات)	مقبول اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور طبع اوّل، 1975ء
33	خاور حسکانی	روح فرید (خواجہ فرید کے فن اور شاعری پر مقالات)	بزم ثقافت ملتان بار اوّل
34	خواجہ عبداللہ انصاری ہروی، شیخ الاسلام	صد (100) میدان	اسلامک بک فاؤنڈیشن، اشاعت 1397ھ/1977ء
35	خورشید احمد گیلانی سید	روح تصوّف	عالمین پبلی کیشنز پریس، لاہور، بار اوّل، 1981ء
36	دارا شکوہ	سکینۃ الاولیاء (احوال و فضائل حضرت میاں میر و مریدان باسعادت) (مترجم پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی)	پیکجز لمیٹڈ، لاہور
37			
37	رئیس احمد جعفری	تصوف اسلام	علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، طبع دوم 1964ء
38	سلیمان ندوی، سید (مولانا)	عرب و ہند کے تعلقات	ہندوستانی اکیڈمی، پریس، الہ آباد اشاعت 1930ء
39	سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف امیر خورد	سیر الاولیاء (مترجم اعجاز الحق قدوسی)	مرکزی اردو بورڈ لاہور طبع اوّل 1980ء
40	شارب، ظہیر الحسن، ڈاکٹر	معین الہند (خواجہ معین الدین چشتی کے حالات، تعلیمات اور کرامات کا بیان)	مطبوعہ تاج پبلشرز، دہلی بار سوم جولائی 1981ء
41	ایضاً	دلّی کی بائیس خواجہ	مطبوعہ تاج پبلشرز، دہلی بار سوم، مارچ 1982ء
42	شبلی نعمانی، علامہ	الغزالی	مطبوعہ عالمی پریس لاہور
43	ایضاً	شعر العجم (جلد پنجم)	تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور، طبع دوم
44	شرف الدین احمد یحییٰ[1]	مکتوبات صدی (جلد اوّل و جلد دوم کامل) (ترجمہ) حضرت سید شاہ نجم الدین احمد فردوسی اور حضرت سید شاہ الیاس پاس بہاری فردوسی)	ابو سائم سعید کمپنی، کراچی

45	شریف احمد شرافت نوشاہی سید	شریف التواریخ (جلد اوّل، موسوم بہ تاریخ الاقطاب)	ادارۂ معارف نوشاہیہ ساہن پال شریف (ضلع گجرات) طبع اوّل 1979ء/1399ھ
46	شمس الدین سیالوی (خواجہ)	مرآت العاشقین (مرتبہ سید محمد سعید) (مترجم صاحبزادہ قلام نظام الدین)	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت 1977ء/1397ھ
47	شیخ عزالدین ابی الحسن علی بن یوسف	تذکرہ حضرت غوث الاعظم (بہجۃ الاسرار الله و معدن الانوار)	والی ٹی اوس دکان، لاہور اشاعت 1980ء
48	عباد اللہ اختر	علم تصوف	ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اوّل 1951ء
49	عبد الحق، مولوی، ڈاکٹر	اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام	انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعت چہارم، 1977ء
50	عبد الرحمان چشتی، شیخ	مراۃ الاسرار (جلد اوّل، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تا حضرت خواجہ عثمان ہارونی) زمانہ تالیف 1045ھ تا 1065ھ (ترجمہ و تعلیق کپتان واحد بخش سیال) قدیم و غیرمطبوعہ تذکرۂ صوفیہ کا اوّلیں اردو ترجمہ	صوفی فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت 1402ھ/1982ء
51	ایضاً	مراۃ الاسرار (جلد دوم، خواجہ معین الدین چشتی تا حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری) زمانہ تالیف 1045ھ تا 1065ھ (ترجمہ و تعلیق کپتان واحد بخش سیال) قدیم و غیرمطبوعہ تذکرۂ صوفیہ کا اوّلیں اردو ترجمہ	ــ ــ ــ ــ ایضاً ــ ــ ــ
52	عبد الرحمان جامی، مولانا	نفحات الانس مع سلسلۃ الذہب	شیخ الہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب، کشمیری بازار، لاہور، اشاعت 1345ھ/1927ء
53	ایضاً	نفحات الانس (اردو) (مترجم حضرت شمس بریلوی)	مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی، اشاعت اوّل مئی 1982ء
54	ایضاً	حیات صوفیہ (تلخیص و ترجمہ "نفحات الانس") (مترجم محمد ادریس انصاری)	ادارۂ تبلیغ اسلام صادق آباد، پاکستان
55	عبد السلام ندوی	اسوۂ صحابہ	مکتبہ فارس، ورلڈ بلاک، ڈاکٹر ضیاء الدین روڈ، کراچی، اشاعت اوّل مئی 1972ء
56	عبد القادر جیلانی، شیخ	فتوح الغیب (مترجم سید محمد فاروق القادری)	المعارف، گنج بخش روڈ، لاہور، بار اوّل رمضان المبارک 1394ھ

57	عبدالماجد دریابادی	تصوف اسلام (تصوف کی دس (۱۰) اہم کتابوں کا اجمالی پرلطف مطالعہ)	المعارف گنج بخش روڈ لاہور، بار اوّل 1393ھ
58	عبدالغنی عارف	پرکھ پڑچول (پنجابی)	مطبوعہ جدید ناشرین، لاہور بار اوّل 1979ء
59	عبدالوہاب الشعرانی علامہ	طبقات الاولیاء اردو ترجمہ الطبقات الکبریٰ (مترجم سید عبدالغنی وارثی مرحوم) اولیائے کرام و صوفیائے کرام کا مستند اور کامل تذکرہ	نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اوّل، فروری 1965ء
60	عشرت حسن انور	اقبال کی مابعد الطبیعات (مترجم ڈاکٹر شمس الدین صدیقی)	اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اوّل 1977ء
61	عطار، فریدالدین، شیخ	تذکرۃ الاولیاء (مترجم مولانا قاری محمد عادل خان)	کتب خانہ، شوکتیہ، 40 اردو بازار لاہور
62	ایضاً	تذکرۃ الاولیاء (فارسی)	مطبوعہ نولکشور ایڈیشن 1891ء
63	علی حسن عبدالقادر، ڈاکٹر	جنید بغداد (مترجم محمد کاظم)	مکتبہ جدید، لاہور، بار اوّل 1967ء
64	عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی	عوارف المعارف (مترجم حافظ سید رشید احمد ارشد)	شیخ غلام علی اینڈ سنز، ناشران لاہور 1977ء
65	غزالی (امام)	کیمیائے سعادت (مترجم محمد سعید یزدانی)	مطبوعہ ناشران قرآن، لاہور
66	غلام فرید، خواجہ	مقابیس المجالس (جمع و ترتیب رکن الدین) (تعلیق و ترجمہ کپتان واحد بخش سیال)	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1979ء
67	قاسم غنی، ڈاکٹر	تاریخ تصوف در اسلام	
68	قاضی جاوید	پنجاب کے صوفی دانشور	شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور طبع اوّل 1979ء
69	قشیری، امام ابوالقاسم	رسالہ قشیریہ ترجمہ، مقدمہ، تعلیقات ڈاکٹر پیر محمد حسن	ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد اشاعت اوّل 1390ھ/1970ء
70	قشیری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری	الرسالۃ القشیریۃ (ترجمۃ الدکتور پیر محمد حسن)	نشرھا المعہد المرکزی للبحوث الاسلامیۃ (پاکستان) 1384ھ/1964ء کراتشی
71	قلم قبیلہ (مرتب ثاقبہ رحیم الدین) (منتخب ادیبوں کی تحریروں کا مجموعہ)		قلم قبیلہ (ادیبوں کی تنظیم) کوئٹہ، طبع اوّل اگست 1981ء

72	قلندر علی صاحب	الفقر فخری	مرکزی مجلس سہروردیہ، لاہور، بار اوّل
73	قیصر الاسلام، قاضی	فلسفے کے بنیادی مسائل	نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، اشاعت اوّل 1976ء
74	کرم الٰہی بھٹر	تاریخِ ملتان (پانچ ہزار سال قبل مسیح سے دورِ حاضر تک)	امتزاج پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل 1978ء
75	محمد اسحاق علی علوی، الحاج	لمعاتی	ایجوکیشنل پریس، کراچی، فروری 1963ء
76	محمد اکرام، شیخ	آبِ کوثر (اسلامی ہند و پاکستان کی مذہبی اور علمی تاریخ عہدِ مغلیہ سے پہلے)	ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ساتویں بار 1975ء
77	ایضاً	موجِ کوثر (مسلمانوں کی مذہبی اور علمی تاریخ کا دورِ جدید انیسویں صدی کے آغاز سے زمانۂ حال تک)	ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، دسویں بار 1975ء
78	ایضاً	رودِ کوثر (اسلامی ہند اور پاکستان کی مذہبی اور علمی تاریخ عہدِ مغلیہ)	ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ساتویں بار 1979ء
79	محمد ذوقی شاہ، السید	[illegible]	مطبوعہ "الکتاب" لاہور، اشاعت اوّل 1967ء
80	محمد حمید اختر (مرتب)	سوانح حیات حضرت شیخ سلطان باہو	مکتبہ سلطانیہ، گکھڑ ضلع گوجرانوالہ ایڈیشن دسواں، ستمبر 1980ء
81	محمد حسین للہی	حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی	اسلامک بک فاؤنڈیشن، سن اشاعت 1979ء
82	مخدوم علی ہجویری (داتا)	بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب (مترجم مولوی فیروز الدین)	فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، انیسویں بار 1976ء
83	مسعود علی ندوی (مولانا)	ہندوستان عربوں کی نظر میں (جلد اوّل) (ہندوستان کے متعلق قدیم عربی مصنفین خصوصاً جغرافیہ نویس اور سیاحوں کے بیانات کا اردو ترجمہ)	دارالمصنفین، اعظم گڑھ 1960ء
84	محمد غوثی شطاری ماندوی	گلزارِ ابرار (اردو ترجمہ اذکار ابرار) (جہانگیری عہد کے ایک غیر مطبوعہ تذکرے کا بابات ترجمہ مترجم فضل احمد جیوری)	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت 1395ھ

85	محمد یوسف کوکن عمری	امام ابن تیمیہ (ابن تیمیہ کے حالات اور مجددانہ کارناموں کا تذکرہ)	ذوالنورین اکادمی، بھیرہ، سرگودھا پہلی بار 1402ھ/1982ء
86	مہر عبدالحق، ڈاکٹر	ملتان (سرائیکی زبان میں)	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور بار اوّل، اگست 1980ء
87	نظامی، خلیق احمد، علامہ	تاریخ مشائخ چشت (تذکرہ بزرگان دین)	دارالمؤلفین، اسلام آباد
88	ولی الدین میر، ڈاکٹر	قرآن اور تصوف	پروگریسو بکس، اردو بازار لاہور، اشاعت اوّل، جون 1979ء
89	یوسف سلیم چشتی، پروفیسر	تاریخ تصوف (ہندی، یونانی، اسلامی)	علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، اشاعت اوّل 1396ھ/1976ء

غیر مطبوعہ/قلمی نسخے

1	شیخ شرف الدین قریشی	منبع البرکات (فارسی) تذکرہ حقانیہ (حالات حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی)	قلمی نسخہ کی فوٹو کاپی
2	محمد افضل قریشی اسدی	خلاصۃ الاحباب (فارسی)	قلمی نسخہ کی فوٹو سٹیٹ کاپی سن تالیف 1156ھ
3	منور حسین حیدر گورگانی	عقائد و مذاہب	قلمی نسخہ (فوٹو سٹیٹ گورگانی سٹیٹ بہاولنگر)
4	محمد امین، پروفیسر	اسلامی تصوف میں خودی کا تصور	غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی۔ (یہ مقالہ زکریا یونیورسٹی ملتان میں پیش کیا گیا ہے۔)

S.No.	AUTHOR	T I T L E	P U B L I S H E R
1-	Alexander Burnes, Sir	Travels into Bokhara together with a narrative of a Voyage on the Indus. (Vol.I,II,III)	Oxford University Press, 1 75.
2-	Browne E.G.	A Literary History of Persia	Cambridge,1928.
3-	Charles Masson	Narrative of various Journeys in Balochistan, Afghanistan and the Punjab(Vol-I,II,III)	Oxford University Press, Karachi,1974.
4-	Edward Jabra Jurji	Illumination in Islamic Mysticism.	Bina Qalar Academy, Lahore.
5-	Hugel, Baron Charles	Travels in Kashmir and the Punjab (Memoirs,Voyages and Travels)	Qausain, Lahore,1976.
6-	Husain Bin Mansur (Al-Hallaj)	The Tawasin (Translated by Aisha Abd Arahman.	Al-Ta[illegible] Book Foundation, Lahore,1 78.
7-	Iqbal Ali Shah, Sirdar	Islamic Sufism	The Book House, Urdu Bazar, Lahore.
8-	Maclagan, E.D.	Gazetteer of the Multan District 1901-02 Revised Edition)	Research Society of Pakistan First Impression, May, 1977 (Lahore)
9-	Martin Lings	What is Sufism?	London George Allen & Unwin Ltd; Ruskin House Museum Street First Published in 1975
10-	Mir Valiuddin, Dr.	The Quranic Sufism	Progressive Books, Urdu Bazar, Lahore Second Revised Edition Pakistan, 1 7[illegible]
11-	Mohan Lal	Travels in the Punjab, Afghanistan, Turkistan to Balk Bokhara and Herat and a visit to Great Britain and Germany.	Al-Biruni, Lahore, 1 7[illegible].

, Nicholson R.A.	The Mystics of Islam.	London, 1914.
13. Sachau, Edward C(Dr.)	Alberuni's India (Vol-I,II)	Sh.Mubarak Ali, Lahore, 1962.
14. Saunders A.Dale	Buddhism in Japan	Charles E-Tuttle Company,,Tokyo First Edition 1972.
15. Shushtery A.M.A.	Outlines of Islamic Culture(Historical and Cultural Aspects).	A Sharaf [illegible], Lahore, First Edition 1975.
16. Tara Chand, Dr.	Influence of Islam on Indian Culture	Book Traders, Lahore Ist Publish Edition 1979
17. William Foster	Early Travels in India (1583-1619)	Al-Biruni, Lahore, 1978.

باب دوم

ملتان

(الف) ملتان کی قدامت و اہمیت اور سیاسی تاریخ

(ب) ملتان کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ ــــ سیاحوں کی بیانات کی روشنی میں -

(ج) سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل

دوسرا باب

(الف) ملتان کی قدامت، اہمیت اور سیاسی تاریخ

ملتان کی قدامت،اہمیت

راوی، چناب، جہلم کی سنگم لہروں میں گھرا ہوا ملتان کا زرخیز علاقہ اپنی قدامت اور تاریخی حیثیت کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اپنی سرسبزی و شادابی، زراعت اور فراوانی دولت کی وجہ سے ہر حملہ آور کے لیے کشش کا باعث بنا رہا۔ ہر سیاح اور جغرافیہ نویس خواہ، چاہے وہ عرب و عجم سے تعلق رکھتا تھا یا یورپ کی سرزمین سے، اپنی تصنیف یا تالیف میں اس علاقے کا ذکر ضرور کیا ہے ان کے بیانات سے ملتان کی قدامت اور اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ملتان کی قدامت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ "رگ وید" جیسی قدیم مذہبی کتاب کا کچھ حصہ ملتان کے آس پاس کے علاقے میں تصنیف ہوا۔ "رگ وید" ملتان کی وسیع وادیوں میں تیرہ سو سال قبل از مسیح سے لے کر قبل مسیح آٹھ سو سال تک میں مکمل ہوئی اور یہی زمانہ تھا جب آریا مشرقی سندھ کے علاقے سے ہوتے ہوئے اپنے آخری دور میں سرسوتی یعنی گھگھرا کے علاقہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یعنی رگ وید، کا کچھ حصہ تصنیف ہوا علامہ عتیق فکری کی تحقیق کے مطابق

> "اس کا تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصہ پنجاب، یعنی ملتان اور
> ساہیوال یعنی ہڑپہ کے علاقے میں تصنیف ہوا ہے۔ اس میں جھنگ، شورکوٹ
> بھی شامل ہے کیونکہ ایک ہزار قبل مسیح شورکوٹ کے قبیلہ بھارت سے آریا
> کی ایک زمانہ تک جنگ رہی تھی اور شورکوٹ کی سیبی حکومت کے بچے
> کھچے آثار سکندر کے وقت تک موجود تھے جو ختم ہو کر چندر گپت کی
> حکومت میں شامل ہو گئے۔" 1

1۔ بحوالہ نقش ملتان، جلد اول، مصنف علامہ عتیق فکری، صفحہ 23، مطبوعہ فکری اکیڈمی بشراکت مجلس تاریخ و ثقافت ملتان

رگ وید نہ تو ایک شخص کی لکھی ہوئی ہے اور نہ ایک ہی وقت میں لکھی گئی ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی تہذیبی اور تاریخی سرمائے کو محفوظ رکھنے والی رگ وید، کئی رشیوں نے مختلف اوقات میں لکھی۔ یہ بھجن، اشلوک یہ بتاتی ہے جو آریاؤں کے ہندوؤں کے ذہنی و فکری ارتقاء کا نتیجہ تھا۔ سنسکرت کالج کلکتہ کے پرنسپل اور ہندی فلسفے کے سکالر ایس۔ آر۔ داس گپتا کے مطابق

> "رگ وید کے بھجن نہ تو شخص واحد کی محنت کا ثمرہ ہیں نہ وہ کسی ایک خاص زمانے سے متعلق ہیں۔ غالباً مختلف زمانوں میں مختلف رشیوں نے ان کو لکھا ہے۔ اور یہ بھی اغلب ہے کہ بعض تو آریوں کے ہندوستان آنے سے قبل ہی مرتب ہو چکے تھے۔ یہ روایتاً پہنچے ہیں اور وید کی نسلی کے شعراء کے جدید اضافے ہونے لگے اور جب مجموعہ بہت بڑھ گیا تو غالباً اس کو موجودہ صورت کی ہئیت میں ترتیب دیا گیا، یا اور کسی قدیم صورت میں ترتیب دیا گیا ہو گا، جو موجودہ ہئیت اور ترتیب کا ماخذ ہیں۔ اس لئے ہندوستان میں آنے سے قبل یا بعد میں یہ وید مختلف زمانوں میں آریا قوم کی تہذیب کا آئینہ رہے ہیں۔ یہ تنہا یادگار اس طویل غائب شدہ زمانے کی ہے جس کی جمالیاتی قدر بہت اہم ہے اور جس میں اعلیٰ شاعری کی زبردست جھلک ہے۔" 1

آریا جب کھیتی باڑی کے لئے زمین کی تلاش میں ملتان کے وسیع علاقے میں پہنچے تو انھوں نے دریاؤں کے آس پاس آبادیاں قائم کر لیں ۔ رگ وید میں دیوتاؤں کے لئے بھجنوں کے علاوہ ان ندیوں کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے کنارے وہ آباد تھے چنانچہ ان کی شاعری میں خاص طور پر سندھ ندی کا ذکر ملتا ہے جس کی روانی سے وہ اپنی شاعری کی روانی اور فصاحت کو تشبیہہ دیتے تھے چنانچہ سندھ ندی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

> "چمکنے والی، درخشاں، عالی شان، نہ تھمنے والی ہے، سب ندیوں سے زیادہ اس میں پانی ہے، خوبصورت ابلق گھوڑی کی طرح حسین ہے اس کا پانی کھاٹ سے ادھر چڑھ جاتا ہے۔" 2

1۔ بحوالہ "تاریخ ہندی فلسفہ" جلد اول از ایس آر داس گپتا، ص 20-21 مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار حیدر آباد دکن، 1945ء

2۔ "ویدک ہند" از میدم زیڈ اے راگوزین، ص 203 اردو ترجمہ مولوی محمد احمد انصاری، مطبوعہ دارالترجمہ

آریاؤں نے مشرقی سندھ اور ملتان کی وسیع سر زمین کا رگ وید میں ذکر کیا ہے البتہ بعد میں انھوں نے گنگا جمنا کی طرف رہائش اختیار کر لی تھی لیکن اپنی تحریروں میں جو رسم الخط اور انداز اپنایا اس میں مشرقی سندھ اور ملتان کی سر زمین کا اثر ہے بقول علامہ عتیق فکری

> "ہمیں رگ وید میں* تو ہڑپہ نہ موہنجو دڑو نہ بہار نہ صحرا کا ذکر ملتا ہے۔ بلکہ بشمول جو زمانہ قدیم میں ملتان کی سلطنت کے تحت تھا اس کی ندی سرسوتی جو ایک زمانہ ہوا ختم ہو چکی ہے کا نام ملتا ہے یا پھر مشرقی سندھ اور ملتان کے علاقے کا ذکر ملتا ہے۔" [1]

معروف ماہر آثار قدیمہ مرزا ابن حنیف اپنی تصنیف "سات دریاؤں کی سر زمین" میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ رگ وید کی پہلی کتاب کے 132ویں گیت میں جن دو شہروں "ہلی استعان" اور مہاہلی استعاء کا ذکر ہے وہ دراصل ملتان ہی کا قدیم نام ہے، وہ لکھتے ہیں

> "اس گیت سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ ان دونوں شہروں ہلی استعان کو اور مہاہلی استعا کو آریا پہلے ہی مسمار کر چکے تھے۔ سوال یہ ہے کہ یہ آخر کون سے شہر ہو سکتے ہیں؟ ملتان کا ایک نام "مول استھان" (مل استھان) بھی رہا ہے چنانچہ کیا کسی طرح یہ ممکن ہے کہ رگ وید کا ہلی استعان کا (ہلا ستعان کا) یا مہاہلی استعان، تین سوا تین ہزار برس پیشتر ملتان ہی ہو اور ملتان ہی کا نام اس وقت ہلی استعان ہو؟ میرے نزدیک ایسا ممکن تو ہے کہ "مول استھان" کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج تغیر و تبدل کے سبب "ہلی استعان" بن گیا ہو۔ ایک صورت اور بھی سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ رگ وید کے دور میں ملتان کا نام مول استھان (مل استھان) ہو۔ آریائی شاعر نے اپنی نظم میں مول استھان یا اس سے بالکل ملتا جلتا ہی کوئی ایسا نام باندھا ہو جو حرف میم (م) سے شروع ہوتا ہو مگر جب صدیوں بعد اس گیت کو ضبط تحریر میں لایا گیا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تلفظ بھی تبدیل ہو جانے سے لوگوں کی زبانوں پر اس کا نام ہلی استعان کا چلن ہو گیا ہو اور لکھا گیا ہو۔ بہرکیف میرے خیال میں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ

1۔ بحوالہ "نقش ملتان" جلد اوّل، ص 106

"پل استھان کا " مول استھان اور ملتان" بنا ہو یا مول استھان
کو آریاؤں نے پل استھان کا نام دیا ہو اور یہی لکھا بھی ہو۔ اگر
میری یہ قیاس آرائی درست ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ سکندر کے
حملے سے بھی ہزار بارہ سو سال قبل ملتان کا نام پل استھان، مہاپل
استھان، مول استھان یا پھر ان سے ملتا جلتا ہی کوئی نام ہو گا۔" 1

رگ وید کے متعلقہ حصے کا انگریزی ترجمہ رالف ٹی۔ ایچ گریفتھ نے اپنی کتاب "The Hymns of the Rigveda" میں یوں کیا ہے۔

"اے سکھیو! اس طاقت ور دلیر جادوگروں کو مار بھگا۔ انہیں تنگ
گڑھے میں، گہری اور تنگ گڑھے میں پھینک دے۔" 2

گریفتھ نے کوئی ایک صدی قبل (1889ء) رگ وید کا دو جلدوں میں مکمل ترجمہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ویدی زبان کے بارے میں معلومات بہت کم تھیں اور ترجمہ کی جملہ اور ضروری سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں ـــ چنانچہ گریفتھ نے "پل استھان کا" اور مہاپل استھا" ـــ کا اپنی معلومات کی حد تک لفظی ترجمہ کر دیا تھا اس نے "پل استھان" ـــ کا ترجمہ "تنگ گڑھا" اور "مہاپل استھا" ـــ کا ترجمہ "گہرا اور تنگ گڑھا" کیا۔ حالانکہ خود رگ وید کے مذکورہ گیت کی رو سے بھی یہ دونوں شہر تھے اور اسی گیت کی رو سے تباہ ہو چکے تھے (رگ وید میں متعدد تباہ شدہ شہروں اور بڑی بڑی تباہ شدہ آبادیوں کے قلعوں کا ذکر ملتا ہے) ـــ چنانچہ بعد میں بریجٹ اور ریمنڈ آلچن نے اپنی کتاب "The Rise and fall of civilisation in India & Pak" میں انہی سطروں کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے

"اے سکھیو (اندر) تباہ شدہ شہر پل استھان اور تباہ شدہ شہر
مہاپل استھا میں جادوگروں کے قلعوں کو تباہ کر دے۔" 3

اس نام کے بارے میں یہ قیاس درست ہو یا نہ ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ تہذیب انسانی کے حامل قدیم ترین شہروں میں ایک ملتان ہے۔ آر سی ٹمپل کے مطابق "یہیں پنجم زمین و آسمان کی مدت

1- "سات دریاؤں کی سرزمین" میں "پراسرار خطے اور ملتان" از ابن حنیف بیکن بکس کاروان ادب ملتان،
2- بار اوّل ، اکتوبر 1980ء ص 235 تا 236
3- "The Rise and fall of civilisation in India and Pakistan" Page 308
By BRIDGET AND RAYMOND ALCHIN.
"The Hymns of the Rigveda, Translated by RALPH T.H. GRIFFITH.

6,285,000 برس تھی اس وقت سے ملتان آباد ہے اور جاری دوسں سے گزر چکا ہے۔ پہلے دور میں اس کا نام راجس پور تھا۔" ـــ1ـــ

ملتان کی قدامت کا اندازہ لگاتے ہوئے مرزا ابن حنیف مزید لکھتے ہیں کہ

" ملتان کی قدامت اور اہمیت کے سلسلے میں ایک بات اور ذہن میں رہنی چاہئیے اور وہ یہ ہے کہ نہ صرف سکندر اعظم بلکہ عروج یافتہ ہڑپائی دور (2500 ق م تا 2000 ق م) میں بھی ملتان میں قلعہ اور فصیل موجود تھی۔ ہڑپائی دور میں بالفرض نہ سہی تو کم از کم سکندر کے زمانے میں تو ملتان میں عظیم الشان اور مضبوط و مستحکم قلعہ بہرحال موجود تھا۔ چنانچہ سوا دو ہزار سال قبل ملتان میں قلعہ کی موجودگی سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسے اتنا بڑا مرکزی اور اہم شہر بننے میں کتنا عرصہ صرف ہوا ہو گا کہ جہاں قلعہ بھی بن سکے۔ ظاہر ہے کہ شہر کا یہ تدریجی ارتقاء چند برسوں میں تو ہونے سے رہا ہزاروں سال ہی لگے ہیں گے۔" ـــ2ـــ

کرم الہٰی بدر کے بیان کے مطابق

"جب آریا لوگ یہاں آئے تو انھوں نے دریائے سندھ کی مناسبت سے اس تمام علاقے کو سندھ کہنا شروع کر دیا جو دریائے سندھ سے سیراب ہوتا تھا۔ ٹورا لائی سے بیاز تک اور سوات سے راجپوتانہ تک آریوں کی اصطلاح میں سندھ ہی سندھ ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر ملتان کو مرکز مان کر پرکار بصورہ عرب تک کھولی جائے تو سمندر علاقہ اس کے اندر ہو گا اس کی طبعی اور لسانی وحدت ہو گی اور یہی آریوں کا سندھ تھا۔" ـــ3ـــ

پھر آگے چل کر کرم الہٰی بدر اپنی بات کے ثبوت میں فوشیر (Foucher) کا حوالے دے کر لکھتے ہیں کہ

" فوشیر صاحب بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ ہم ملتان ﷺ کی قدامت سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ چھ ہزار سال قبل مسیح میں کشیپ پورا کے نام سے موجود تھا

1- حکایات پنجاب (حصہ سوم) مولفہ آر سی ٹمپل، ترجمہ میاں عبدالرشید، ص 362، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1962ء

2- بحوالہ " سات دریاؤں کی سرزمین میں پراسرار خطۂ ارض ملتان " ص 221

3- " تاریخ ملتان (پانچ ہزار قبل مسیح سے دور حاضر تک) مصنف کرم الہٰی بدر، بار اول 1978ء، اعتراف پبلی

اور تیسری صدی ق م میں جب آریوں کے قافلے وادی سندھ میں آئے تو
ملتان بنا اور آریوں دوسری راستی کے لحاظ سے وادی سندھ کے ممتاز
شہروں ہڑپہ اور موئنجو دڑو کو ملانے والا مرکزی شہر تھا" [1]

(2) ملتان کے قدیم نام اور ان کا جائزہ

دور قدیم میں ایک نہایت اہم اور مرکزی شہر ہونے کی حیثیت سے ملتان ہمیشہ حملہ آوروں کی زد میں رہتا تھا اس لئے یہ شہر بار بار اجڑتا اور بستا رہا اور اس کے حکمران بھی بدلتے رہے اور اسی بناء پر مختلف زمانوں میں اس کے نام بھی بدلتے رہے۔ ملتان کے مختلف ناموں اور وجہ تسمیہ کا جائزہ لیں تو سابقہ صفحات میں آنے والے ناموں کے علاوہ بہت سے اور نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ملتان کے قدیم ناموں میں قدیم ترین نام "کسپ پورہ" یا کشپ پورہ ہے۔ یونانی مؤرخین ہیرو ڈوٹس HERODOTUS (484 تا 445 ق م) اور ہکاٹائیوس HECATAEUS (500 ق م) نے قدیم زمانے میں ملتان کے نام کو کسپ پور یا کسپی ٹورس اور بطلیموس CLAUDIUS PTOLEMAIOS (دوسری صدی عیسوی) نے کسپیرا کہہ کر پکارا ہے۔ قدیم سنسکرت لٹریچر میں اس کا نام "کسپ پورہ" آیا ہے یہ بھاگ پورہ، سمبا پور اور ہنس پور کے ساتھ آیا ہے[2]۔ ہندو دیومالائی کہانیوں کے مطابق ملتان "مہارشی کسپ"[3] نے آباد کیا جس کی وجہ سے اس کا نام کسپ پورہ یا کشپ پورہ پڑ گیا[4]۔

1- "تاریخ ملتان" (پانچ ہزار قبل مسیح سے دور حاضر تک) مصنف کرم الٰہی بدر، ص 56، مطبوعہ امتزاج پبلی کیشنز، لاہور بار اول 1978ء

2- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (الف) تاریخ ملتان از کرم الٰہی بدر، ص 20 تا 51
(ب) سات دریاؤں کی سرزمین، ص 237

3- کسپ ہندو دور کے سات عظیم ترین رشیوں میں سے ایک تھا۔ بحوالہ سات دریاؤں کی سرزمین ص 237

4- سید نور علی ضامن لکھتے ہیں "چھٹی صدی قبل از مسیح کے دارا اول کے فرستادہ مشہور جہاز راں سکائی لیکس کی دریائے سندھ کی تفتیشی سیاحت کا علاقہ پکٹیکا شہر کسپی پٹوس Caspy Patrus سے آغاز کرنے کا ذکر ہے۔ بعد ازاں پہلی صدی کے الیسپنی نے اس کو KASPATYRA کاسپیرا بنا دیا ہے۔ ہیرو ڈوٹس نے یونانی میں لفظ ڈھالا تھا۔ الیسپنی نے اصل ملتانی لفظ کہہ ڈالا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ وہ شہر ملتان تھا۔ غالباً اس کا قول درست ہے۔" (ملاحظہ فرمائیں تذکرہ شیخ سکندر خانہ ابیض ملتانی) مطبوعہ تحقیق و تذکرہ احمد پور شرقیہ، 1966ء، ص 26

ملتان کا ایک نام "پرہلاد پورہ" بھی ہے جس کی وجہ تسمیہ ہندوؤں کی قدیم ترین مقدس پران کتابوں میں درج کی گئی ہے۔[1] یہ نام بھگت پرہلاد کے نام پر پڑا تھا۔ بھگت پرہلاد کا مندر اب تک قلعے کے شرق کی طرف حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار کے پاس موجود ہے۔

بھاگوت پران کی رو سے ملتان راجہ کرشن کے بیٹے شامب کے نام سے "شامب پور" بھی کہلایا کیونکہ شامب نے ملتان کو آباد کیا تھا۔ شامب کو کسی رشی کی بددعا کی وجہ سے کوڑھ کی بیماری ہو گئی تھی عرصہ تک علاج کرواتا رہا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ ایک عرصہ تک متروں کے درختوں کے سائے میں لیٹا رہا اس طرح اسے صحت حاصل ہوئی اس خوشی میں اس نے ملتان شہر کو جو عرصہ سے غیر آباد چلا آ رہا تھا آباد کیا۔ یوں ملتان اس کے نام پر "شامب پور" یا "شام پور" کہلایا۔[2]

ملتان کے ناموں میں ایک "سنب پورہ" بھی آتا ہے جس کے متعلق مقدس پران میں یہ کہا جاتا ہے کہ ایک جنگ میں رانی سنب وتی نے کرشن جی کے ساتھ وفاداری دکھائی۔ کرشن جی کے رتھ کا دھرا ٹوٹ گیا تو رانی نے اس کی جگہ اپنا بازو دے دیا۔ چنانچہ کرشن جی نے کامیابی کے بعد ملتان شہر رانی کے بیٹے سنب کو بخش دیا جس نے ملتان کو جدید طرز سے آراستہ کیا اسی وجہ سے ملتان کا نام سنب پورہ پڑ گیا۔[3]

ملتان کا ایک نام "مترو" بھی تھا۔ مترو کے معنی "سورج دیوتا کا شہر"[4] ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملتان کا نام "مترو" سورج دیوتا مترہ کی وجہ سے رواج پا گیا تھا۔ ملتان کا نام ادستھان[5]، بھی مترو، کی طرح راجہ سنب کے زمانے میں مشہور ہوا۔ ادستھان کے معنی "ادیتہ کا شہر"

1- ملاحظہ فرمائیے بھاگوت پران (ساتواں اسکند) کوہ نور پریس لاہور، 1867-68ء، ص 110 تا 112
(علامہ عتیق فکری کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)

2- بھاگوات پران، ص 243

3- بحوالہ بھاگوات پران (الفہ سکنوں اب ادھیائی) ص 348، مطبوعہ کوہ نور پریس لاہور 1867-66ء
(سنسکرت سے برج بھاشا میں ترجمہ از منشی ہرداری لال باہتمام پنڈت بہادر سنگھ)

4- مرزا ابن حنیف کے مطابق ابتدائی ہندی دور میں شمسی دیوتاؤں کی تعداد چھ تھی جس میں سے ایک کا نام "مترا" تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "سات دریاؤں کی سرزمین" ص 238

5- مرزا ابن حنیف کے مطابق "ادیتا" کے معنی سورج دیوتا کے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "سات دریاؤں کی سرزمین" ص 235-239 (ملتان کے تین مختلف نام یعنی سنب پورہ، مترو اور ادستھان بھی ایک ہی راجہ سنب کے دور میں مشہور ہوئے یہ نام مختلف واقعات کی بنا پر مشہور ہوئے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔)

کے ہوتے ہیں۔ سورج کنڈ یعنی "سورج کا تالاب" ملتان میں آج بھی موجود ہے۔ ملتان کے مختلف ناموں کا جائزہ لیتے ہوئے مرزا ابن حنیف قیاس ظاہر کرتے ہیں کہ

"کسی زمانے میں اس کا ایک نام ملوھہ بھی یا اس سے ملتا جلتا کوئی نام بھی رہا ہو گا اور عین ممکن ہے کہ اس کے نام پر اس عظیم شہر کے زیر اثر علاقے یعنی وسطی پنجاب کو ملوھہ کہا جاتا ہو جیسا کہ ایک وقت میں بابل شہر کے نام پر اس کے زیر اثر عراق کے ایک مخصوص وسیع حصے کو ملک بابل بھی کہا گیا۔" [1]

ان ناموں کے علاوہ مختلف ادوار میں ملتان کے یہ نام بھی رہے ہیں۔ ہنس پورہ، بھاگ پورہ، مولستان پولا، میسان[2]، مالستھان پورہ، مولتان، ملتان[3] اور پھر آخر میں ملتان۔ دراصل ان ناموں کے سلسلے میں مختلف حوالوں میں جو دیو مالائی کہانیاں اور مافوق الفطرت واقعات درج ہیں ان کو تاریخی واقعیت کی حیثیت تو نہیں دی جا سکتی تاہم اس سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ "ملتان" وادی سندھ کا قدیم ترین شہر ہے اور اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب انسانی تہذیب و معاشرت اور اعتقادات میں دیوی دیوتاؤں اور دیو مالا کا بڑا دخل تھا۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی "ناقابل تردید مسلمہ" بن کر سامنے آتی ہے کہ ملتان ایک بڑی وسیع اور مربوط آزاد اور خودمختار علاقے کا مرکز تھا۔ اور ملتان کے لفظ سے ایک خاص شہر کے علاوہ ایک بہت بڑی اقلیم ولایت، ملک راجدھانی، سلطنت حکومت بلکہ خاص جغرافیائی وحدت مراد لی جاتی تھی۔

ملتان کا قدیم قلعہ (اب قاسم باغ) بھی ملتان کی قدامت کا ایک ثبوت ہے اگرچہ مرور زمانہ کے تحت اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں جس کی وجہ یہ ہر حملہ آور کا نشانہ بنتا رہا ہے اس کی حیثیت ہر حاکم کے لئے صدر مقام کی تھی اس لئے یہ بار بار تباہ ہوا اور پھر نئی تبدیلیوں کے ساتھ آباد ہوتا رہا۔

1- "سات دریاؤں کی سرزمین" ص 225

2- مفتی عبدالرحمان خان کے مطابق ملتان کا سب سے پہلا نام میسان تھا، ملاحظہ فرمائیے "آئینہ ملتان" ص 26، مکتبہ اشرف المعارف، ملتان، اشاعت اوّل

3- محترم جناب حبیب فائق کی لائبریری سے ایسا کارڈ دستیاب ہوا ہے جس پر مولتان (MOOLTAN) کی مہر لگی ہے۔ یہ کارڈ 23 مارچ 1886ء کا ہے اور اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مہر بھی لگی ہے۔ (اس کی فوٹوسٹیٹ اس مقالے کے آخر میں منسلک ہے۔)

اس قلعہ کی کھدائی سے برآمد ہونے والی مٹی کی ٹھیکریوں پر جو حروف کندہ تھے ان کا رسم الخط موہن جو دڑو اور ہڑپہ کی تہذیبوں کا ہم عصر ہے۔ علامہ عتیق فکری کی تحقیق کے مطابق

> "قلعہ قدیم سے نکلا ہوا رسم الخط موہن جو دڑو اور ہڑپہ کی تہذیب کا ہم عصر ہے اور یوں ملتان اور اس کے گرد و نواح کی تہذیب قبل مسیح 2500ء کے لگ بھگ متعین ہو جاتی ہے پھر جو ظروف اور اشیاء برآمد ہوئی تھیں ان سے بھی قدامت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام ابھی ابتدائی صورت کا حامل ہے لیکن جب اس ابتدائی کام کی کڑیاں رگ وید میں تلاش کرنے سے مل جائیں تو پھر یقین ہو جاتا ہے کہ اگر قبل مسیح 1500 سو سال ملتان کا وسیع علاقہ آریا اور دراوڑی بھیل اور کولاریوں[1] کی رزم گاہ تھا اور موہن جو دڑو بھی اس رزم گاہ کی ایک مکمل اور متحد کڑی ہے تو پھر ملتان کے قلعہ اور اس کی قدامت کے مزید ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔" [2]

(3) عربوں اور اہل ہند کے روابط قبل از اسلام

سندھ اور ملتان کے بارے میں تمام تاریخوں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہاں کے لوگ ہمیشہ سے راست باز، صاف دل، صلح پسند، محنتی، ذہین اور پختہ عقائد رکھنے والے سیدھے سادے خدا پرست لوگ تھے۔ مذہب کا عمل دخل ان کے ہر شعبۂ زیست میں رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی باقاعدہ روشنی تو ابن قاسم کے حملے کے بعد پھیلی اور ان ہی علاقوں کے طفیل ہندوستان کے دوسرے حصوں تک پہنچی لیکن اس نور کی کرنیں اس تاریخی حملے سے پہلے بھی اس خطۂ ارض کو منور کر رہی تھیں اور اس کی زیادہ تر وجہ عرب اور ہند کے تعلقات تھے۔ جو زمانہ قدیم سے چلے آتے تھے۔ یہ تعلقات قبل از اسلام بھی موجود تھے اور عہد اسلام کے بعد بھی نہ صرف قائم رہے بلکہ اور زیادہ استوار ہو گئے۔ کرم الٰہی بدر کے بیان کے مطابق

> "اسلام کی آمد سے صدیوں پیشتر عرب تجارتی سامان لے کر ہندوستان آتے تھے اور یہاں سے دور دراز ممالک تک جاتے تھے۔ تاریخی طور پر یہ

1۔ کولار نام کی قوم اب بھی نواح ملتان میں آباد ہے۔
2۔ "نقش ملتان" جلد اول، ص 34، 35

کے روابط سرزمین ہندوستان سے بہت قدیم ہیں۔" [1]

ہنٹر کے (Hunter) کے بیان کے مطابق

"ہندوستان اور مغربی ممالک یعنی عرب، فلسطین اور مصر کے درمیان تجارتی روابط کی تاریخ بہت ہی پرانی ہے۔ سلیمان بادشاہ نے اپنا سونا (Ophir) جو موجودہ Bey pur ہے سے حاصل کیا۔ اسی طرح چاندی، ہاتھی دانت، بندر اور مور بھی حاصل کئے۔" [2]

زمانہ قدیم سے عرب و ہند کے درمیان تجارتی تعلقات کی بناء پر ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جو تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں

"ان میں ہندوستان سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، ناریل، جوزبواء، قرنفل (لونگ)، قاقلہ، کبابہ، نارجیل، مخملی ناتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے، سراندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت، موتی، بلور، سنباذج، ملی اور سنجان (سنداں) سے فلفل (مرچ) کلہ سے رانگ، جنوب سے بقم اور دادی یعنی نارجیل اور سندھ سے قسط، بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔" [3]

ان چیزوں کے علاوہ جو چیزیں ہندوستان سے عرب جاتی تھیں ان کی تفصیل اطہر مبارکپوری اس طرح دیتے ہیں

"ہندی تلواریں، سندھ سے مخملی کپڑے، سندھی جوتے، بانہ (مقل الیہ) جس کی نسبت سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے، صندل سے عود ہندی، موتی (بھڑوچ) سے مخملی جوتے اور ان کے پاس کھمبایت اور سندان سے قنا کھمبایت یعنی کھمبایت کے جوتے اور نارجیل، تھانہ سے عمدہ کپڑے، اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب جایا کرتی تھیں۔" [4]

1- "تاریخ ملتان" ص 71

2- History of British India by Hunter Vol-I Pa e 25.

3- "عرب و ہند عہد رسالت میں" ص 27، 29

4- ایضاً ص 27، 29

(4) عرب و ہند تعلقات عہد رسالت میں

عرب میں ہندوستان کا مال یمن سے ہی عرب میں جاتا تھا لیکن ابلہ، صحار، عدن اور حجاز میں خاص طور پر بھی تجارتی منڈیاں قائم تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں غیر ملکیوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان میں رومی، ایرانی، حبشی اور ہندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عرب و ہند کے تجارتی تعلقات عہد رسالت میں بھی اسی طرح قائم رہے جیسے پہلے تھے۔

تجارتی تعلقات کی بدولت ہندوستان سے درآمد شدہ اشیاء کا استعمال حجاز میں عام تھا۔ یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہندوستان کی کئی چیزوں کو استعمال کیا اور اپنی پسند کا اظہار بھی فرمایا۔ علامہ اطہر مبارک پوری کا بیان ہے کہ

> "عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی اشیاء کا استعمال عام تھا، ان کے نام اور خواص سے لوگ واقف تھے، کافور، زنجبیل (ادرک)، عود ہندی، عود، مشک، قرنفل (لونگ)، فلفل (مرچ)، ہندی چینی، ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کئے جاتے تھے۔ اور قرآن و حدیث میں بھی ان کے نام موجود ہیں۔" [1]

حضور نے ہندوستان کی جن چیزوں کو پسند فرمایا اور انہیں استعمال کیا، ان کا مختصر جائزہ اس طرح ہے:

مشک --- حضور کی پسندیدہ چیزوں میں خوشبو بھی شامل ہے۔ آپ جب کہیں سے گزرتے اپنی خوشبو سے پہچانے جاتے تھے۔ خوشبوؤں میں مشک آپ کی پسندیدہ خوشبو تھی۔

عود اور کافور --- حضور کو عود اور کافور کی ملی جلی خوشبو پسند تھی اور انگیٹھی میں عود کے ساتھ کافور بھی سلگاتے تھے۔

لونگ، مشک اور عود کا ہار --- قدیم زمانے میں عرب میں لونگ کے دانوں اور عود کے ٹکڑوں سے ہار بنایا جاتا تھا۔ جسے سخاب کہتے تھے۔ یہ ہار خوشبو کے ساتھ ساتھ زینت کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔

1- "عرب و ہند عہد رسالت میں" ص 153 - 154

زنجبیل (ادرک) ـــــ جسے جنت کی لذتوں میں سے ایک کہا جاتا ہے ۔ یہ بھی ہندوستان سے عرب جاتا تھا۔ کست ہندی کی لکڑی سے علاج عہد رسالت میں نہ صرف عام تھا بلکہ حضورؐ نے بھی اسے دوا کے طور پر استعمال کرنے کی بار بار تاکید کی ہے۔ حضورؐ نے اس سے سات بیماریوں میں شفا کی خبر دی ہے۔ [1]

ساگوان کی لکڑی کا استعمال عرب میں عام تھا، حضورؐ جس تخت پر آرام فرماتے تھے اس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے اس کے علاوہ ہندی تیر، ہندی تلوار، سندھی کپڑے، کرتہ لنگی کا استعمال، ہندی طرز کی سر تراشی وغیرہ کے متعلق بھی عہد رسالت میں تذکرہ ملتا ہے۔ کرتہ لنگی کا استعمال تو ملتان اور سندھ میں آج بھی عام ہے خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا رواج ملتان اور سندھ کے لوگوں کی وجہ سے عرب میں ہوا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ تجارتی لین دین کے سلسلے میں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا اس لئے ہندوستان کے لوگوں سے عرب والے پوری طرح واقف تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ ان کے حلیے، شکل وشباہت اور رنگ سے اچھی طرح مانوس تھے چنانچہ حضورؐ نے وفات سے چند ماہ قبل ہندوستان کے آدمیوں کا ایک موقع پر ذکر فرمایا تھا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا

"من ھٰؤلاء القوم ؟ کانھم رجال الھند" [2]

ترجمہ : یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں۔

حضورؐ کی احادیث میں نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان کی اشیاء اور اہل ہند کا ذکر مختلف انداز میں ملتا ہے۔ عرب و ہند کے قدیم تعلقات ابتداء میں صرف تجارتی اور معاشی تھے مگر بعد میں فکری، تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

1- مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "عرب و ہند عہد رسالت میں" ص 173 – 174

2- سیرۃ النبی کامل از ابن ہشام جلد نمبر2 ترجمہ عبدالجلیل صدیقی، ص 592 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اشاعت اوّل، 1962ء

عربوں نے اپنے ملک میں بسنے والے ہندوستانیوں کو "زُط"[1] (یہی لفظ عامی تلفظ کے تحت جُت سے بنا۔ جس کے معنی شتر بان کے ہیں۔ (گ آواز ج سے بدل جاتی ہے) اساورہ سیابجہ، احامرہ میڈ[2] بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا۔ کسی دوسرے ملک کے آدمی کو اتنے زیادہ عام و لقب سے یاد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تعداد وہاں بہت زیادہ ہے اور ان کا وہاں کی معاشی، معاشرتی زندگی میں گہرا دخل ہے۔ چونکہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک ذہنی یک جہتی تھی اس لئے ہندوستانی باشندے بڑی آسانی سے عربوں کے ساتھ گھل مل گئے۔ اہل ہند اور عربوں میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی اور کواکب پرستی دونوں میں عام تھی۔ عربوں اور ہندوؤں کے بت خانے بھی مشترکہ تھے جن کی پوجا کے لئے ہندوستانی عرب جاتے اور عرب کے لوگ ہندوستان آتے تھے۔ ہندوستان کے جن بتوں کی یاترا کے لئے ہندوستان آتے تھے ان میں ملتان کا بت بھی شامل تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملے سے بھی پہلے عربوں کے قدم ملتان کی سر زمین پر پڑ چکے تھے۔ عربوں کی آمد کا ایک مقصد کسی نہ کسی اعتبار سے مذہبی بھی ہوتا تھا یعنی وہ بت کی یاترا کے لئے آتے تھے اور محمد بن قاسم کے ساتھ آنے کا مقصد بھی کسی حد تک یہی تھا کہ اسلام کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد سرزمین ہند میں اسلام کی اشاعت کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔۔۔ نہ صرف مذہبی اشاعت کا بلکہ اسلامی علوم کو بھی فروغ حاصل ہوا، شروع ہوا۔ اس حملے کے بعد عرب مسلمانوں نے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کی اور ان کے مذہبی، سیاسی، تمدنی، تہذیبی، لسانی اور علمی اثرات خود بخود یہاں پر بسنے والی اقوام میں پھیلنے لگے۔

1- ہندوستان کی مختلف قومیں ملک عرب میں مختلف ناموں اور پیشوں کی وجہ سے مشہور تھیں یہ لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے ان میں سے زط (جاٹ) اور میڈ قوم کے علاقے ملتان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اصطخری کے مطابق بلاد السندھو المنصورۃ و اراضی الزط، و مازالا عالی الملتان (ترجمہ ــ سندھ کا ملک منصورہ اور زط کی بستیوں اور اطراف و جوانب سمیت ملتان تک پھیلا ہوا ہے۔)
بحوالہ "عرب و ہند تعلقات عہد رسالت میں" ص 63

2- میڈ قوم کا کام جہازوں اور کشتیوں کو لوٹنا تھا۔ اس قوم کی بستیاں بقول اطہر مبارک پوری "دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سندری لٹیرے پھیلے ہوئے آباد تھے۔"
(بحوالہ "عرب و ہند عہد رسالت میں" ص 58)

(5) ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے کا آغاز

تجارتی لین دین اور روابط کا سلسلہ تو اسلام سے پہلے بھی قائم تھا جس کی تفصیل سابقہ صفحات میں آ چکی ہے۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ حضرت عمر کے دور میں ہوا۔ 15 ہجری (636ء) میں حضرت عمر نے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا۔ عثمان نے ایک بحری بیڑا تیار کر کے ہندوستان پر حملے کے لئے روانہ کیا یہ جہاز اتفاق سے بندرگاہ تھانہ (جو گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر ہے۔) پہنچا عرب یہاں سے بہت سا مال غنیمت لے کر عمان پہنچے۔[1] حضرت عمر کو جب اس حملے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اسے ناپسند فرماتے ہوئے عثمان ثقفی کو لکھا کہ

> "اے ثقفی! تو نے کیا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے، خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آتی تو تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لیتا۔"[2]

لیکن عثمان ثقفی نے اپنے بھائی مغیرہ ابن ابی العاص کو پھر ایک بیڑے کا افسر بنا کر بھیجا اس دفعہ انھوں نے سندھ کے مشہور ساحل دیبل پر حملہ کیا اور مال غنیمت کے ساتھ واپس بحرین گئے۔[3] یہ سندھ پر عربوں کا پہلا حملہ تھا۔ ہندوستان پر عربوں کے اصل حملے خشکی کی جانب سے ہوئے جہاں وہ ایران کو فتح کرتے ہوئے مکران، کرمان اور سیستان تک پہنچے اس طرح سندھ تک ان کی سرحدیں اسلامی دور مفتوحہ علاقوں کے ساتھ مل گئیں۔

1-(I) اعجازالحق قدوسی کے مطابق یہ مسلمانوں کا ہندوستان پر پہلا بحری حملہ تھا (بحوالہ تاریخ سندھ حصہ اول ص 60) مرکزی اردو بورڈ، لاہور، بار اول جون 1971ء

(II) ایلیٹ کی "تاریخ ہندوستان" میں لکھا ہے

"The first Muslim fleet appeared in Indian waters in 636 A.D. during the Caliphate of Umar when Usman Sakfi the Governor of Bahrain and Uman, sent an army across the sea to Tana" (The History of India Vol.I By Elliot, H.M.Sir, Page 115-116, Islamic Book Service, 1976, Lahore.)

2- اس کی اصل عبارت فتوح البلدان، ص 420 میں یوں درج ہے۔ "فكتب اليه عمر يا اخا ثقيف حملت دودا على عود، و انى أحلف بالله أن لو أصيبوا لأخذت من قومك مثلهم۔"

3- چچ نامہ ص 72-73 اور تحفۃ الکرام، ص 31 میں درج ہے کہ مغیرہ دیبل میں شہید ہوئے لیکن فتوح البلدان ص 442 اور تعلیقات چچ نامہ سندھی، ص 415 کے مطابق مغیرہ فاتح کی حیثیت سے واپس آئے تھے۔

محرم 24ھ میں حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے۔ 25ھ میں انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کریز کو سیستان روانہ کیا جہاں سے وہ کابل پر حملہ آور ہوا جو اس عہد میں سیستان کا حصہ تھا۔ سیستان تو حضرت عمر کے عہد میں فتح ہو چکا تھا کابل اب فتح ہوا لیکن عربوں کے جاتے ہی کابل پھر خودمختار ہو گیا۔ 29ھ میں عبداللہ بن عمیر لیثی سیستان کے حاکم مقرر ہوئے تو انھوں نے کابل میں سرکشی پر قابو پایا۔ دوسری طرف عبداللہ بن معمر مکران کے حاکم مقرر ہوئے جو فتوحات کرتے ہوئے ہندوستان کی سرحد تک پہنچے۔ تیسری طرف عبدالرحمان بن عبس کرمان کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے کرمان میں باغیوں پر قابو پا کر امن و امان قائم کیا۔ ان علاقوں میں باغیوں کی مسلسل شورش کی وجہ سے ابن عامر خود سیستان پہنچے اور سیستان میں ربیع بن زیاد حارثی کو اور کرمان میں مجاشع بن مسعود کو حاکم مقرر کیا۔ ان لوگوں نے آ کر یہاں باغیوں پر قابو پا کر امن و امان کی صورت بحال کی۔ اگرچہ سرکشی کی بار بار بغاوت کی وجہ سے حاکموں کے دل پر میل آ گیا تھی مگر مذہبی احکام کی وجہ سے قتل و غارت سے اجتناب کیا گیا۔ صرف ان کے سرغنوں اور فسادیوں کو جلا وطن کیا گیا۔[1]

43ھ[2] میں حضرت امیر معاویہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کو سواحل ہند کے سرکش لوگوں کو سزا دینے کے لیے چار ہزار کا لشکر دے کر بطرف عراق بھیجا انھوں نے قیقان کے سرکشوں کو شکست دی اور مال غنیمت لے کر امیر معاویہ کے دربار پہنچے۔ 44ھ میں مہلب بن ابی صفرہ اپنی فوج لے کر ہند کی طرف بڑھے۔[3] مہلب کابل اور پشاور کی گھاٹیوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے زمانۂ قدیم کی طرح یہ علاقے اس وقت بھی وادیٔ سندھ میں شامل تھے۔ یہ سب کچھ تباہ کرتے ہوئے واپسی میں ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقوں کو پامال کر ڈالا۔ شہر قندابیل کے پاس دشمن سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی۔ مال غنیمت

1۔ "اس زمانے میں بلوچستان کے نام کا کوئی صوبہ نہ تھا بلکہ مکران اور سیستان ہی سندھ سے ملے ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، اور خود صحابہ رسولؐ کے مقدس ہاتھوں سے فتح ہوا۔"
(بحوالہ "تاریخ سندھ" از ابو ظفر ندوی، ص 31-32)

2۔ ابوظفر ندوی نے تاریخ سندھ ص 34 پر تاریخ یعقوبی، جلد اول، ص 678 لیڈن کے حوالے سے 43ھ بتایا ہے جبکہ اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ کے ص 67 اور طاہر محمد شکری کی "فتح ملتان" ص 251 کے مطابق 44ھ ہے۔

3۔ ان کی یہ یلغار تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ عربوں میں وہ پہلے شخص ہیں جو ہند کے اس دروازے سے داخل ہوئے جس سے آج تک قدیم قومیں آتی رہی ہیں یہ درہ خیبر تھا۔
(بحوالہ تاریخ سندھ، از ابوظفر ندوی، ص 35، مطبع معارف اعظم گڑھ، 1947ء)

لے کر ملک ملتان آئے تو ترکوں سے لڑائی ہوئی اور ترکوں کو شکست دی۔ پھر سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی جیسے عالم فاضل شخص نے مکران اور سندھ میں امن قائم کر کے خوب انتظام سنبھالا۔

40ھ میں چچ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی چندر سندھ کا حکمران بنا وہ بدھ مذہب کا پیروکار تھا۔ 48ھ میں اس کی وفات کے بعد ملک میں طوائف الملوکی شروع ہو گئی اور اروڑ (الور) کے تخت پر چچ کا چھوٹا بیٹا راجہ داہر بیٹھا۔ راجہ داہر کے دربار میں کچھ عرب محمد بن حارث علافی کے ماتحت اسلامی ملکوں سے بغاوت کر کے بھاگ آئے تھے اور الور میں امن کی زندگی بسر کر رہے تھے[1]۔ محمد بن حارث علافی نے راجہ داہر کو بہت سی جنگوں میں مفید مشورے دئیے۔ جس کی بدولت راجہ کبھی داخلی مشکلات میں گرفتار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ 92ھ/710ء میں 43 برس حکومت کرنے کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھوں اس کا اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ راجہ داہر نے محمد بن حارث علافی اور اس کے خاندان کو بڑے اچھے طریقے سے رکھا خصوصاً محمد بن حارث علافی کو راجہ کے دربار میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق

> "وہ راجہ کا معتمد خاص تھا۔ حتیٰ کہ سکّوں پر ایک طرف راجہ داہر کا نام کندہ ہوتا تھا اور دوسری طرف محمد بن حارث علافی کا۔ تاہم جب محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہوا تو محمد بن حارث نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف صف آرا ہونے سے انکار کر دیا[2]۔"[3]

1- محمد بن حارث علافی کے خاندان کے سندھ میں رہنے کی وجہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی جب عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سعید بن اسلم کلابی کو مکران کا حاکم مقرر کیا۔ سعید نے وہاں کے ایک شخص سفہوی بن لام الحمامی سے اپنی مدد کے لیے کہا اور اس کے انکار کرنے پر ناراض ہو کر اسے قتل کر ڈالا۔ یہ شخص محمد بن حارث علافی کا رشتہ دار تھا۔ علافی نے موقع ملتے ہی سعید کو قتل کر ڈالا۔ حجاج نے سعید کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے علافی خاندان کے ایک سردار سلیمان کو قتل کر کے اس کا سر سعید کے خاندان کو بھجوایا اور مجاعہ بن سعر تمیمی کو بڑے لشکر کے ساتھ علافیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی محمد بن حارث اور اس کے ساتھی بھاگ کر سندھ چلے گئے جہاں راجہ داہر نے انھیں پناہ دی اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (1) "چچ نامہ" از علی بن حامد بن ابوبکر کوفی مترجمہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، پہلا ایڈیشن، اپریل 1963ء، صفحہ 112 تا 117 (2) تحفۃ الکرام، ص 22 تا 26)

2- تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے، "چچ نامہ" ص 222 تا 223

3- بحوالہ ۔ خطہ پاک ۔ اوچ، ص 192 مطبوعہ اردو اکیڈمی، بہاولپور، طبع اول 1967ء

(6) محمد بن قاسم کی آمد

اس تفصیل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عربوں اور ہندوستانیوں کے درمیان بہت عرصے سے لڑائیاں ہو رہی تھیں عربوں کا کوئی نہ کوئی لشکر مختلف ادوار میں ہندوستان کے کسی نہ کسی علاقے پر حملہ آور ہوتا رہا جس میں سندھ کا علاقہ خاص طور پر شامل ہے۔ سندھ کا ملک نسبتاً عراق سے نزدیک تھا اور ایرانی سرحد بھی سندھ سے ملتی تھی۔ اسلامی فتوحات کی حدود ایران کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔ دوسری طرف سندھ کا راجہ داہر چاہتا تھا کہ ایرانی علاقہ مسلمانوں کی دست برد سے محفوظ رہے اس سلسلے میں وہ ایرانی شہزادوں کو بھی اپنے علاقے میں پناہ دیتا تھا خصوصاً سندھی قزاقوں کو مسلمانوں نے ابھی تک سندھ کی فتح کی جانب باقاعدہ توجہ نہیں دی تھی لیکن ایک فوری وجہ ایسی بنی کہ جس کی بناء پر سندھ کی فتح ناگزیر ہوئی اور یہی فاتح سندھ محمد بن قاسم کے قدم سرزمین ملتان تک بھی پہنچے۔ سراندیپ کے راجہ نے جزیرہ یاقوت سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت میں دوستی کی غرض سے آٹھ جہاز تحائف کے بھیجے جن میں انواع و اقسام کے موتی و جواہرات، حبشی غلام، کنیزیں اور دوسری نادر چیزیں شامل تھیں۔ ان جہازوں میں کچھ مسلمان عورتیں بھی تھیں جو کعبہ شریف کی زیارت کے لیے جا رہی تھیں جہاز جب ملک فارس کے نزدیک پہنچا تو مخالف طوفانی ہواؤں کی وجہ سے جہازوں کا رخ دیبل کے ساحل کی طرف ہو گیا جہاں انھیں قزاقوں کے ایک گروہ نے، جن کا تعلق میڈ قوم سے تھا، لوٹ لیا۔ انھوں نے مردوں عورتوں کو گرفتار کر کے جواہرات پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر ایک عورت نے چلّا کر کہا اُغثنی یا حجاج[1] "— یہ عورت بنو یربوع خاندان کی تھی[2]۔ کچھ مسافر تھے، جو کسی طرح بچ بچا کر حجاج تک پہنچے سارا حال سنایا اور اس عورت کی فریاد کے بارے میں بھی بتایا جسے سن کے حجاج نے بے اختیار لبیک لبیک کہا اور اس نے فوراً ایک خط راجہ داہر کو لکھا کہ ہمارے ملک کے لوگ جو تمہارے علاقے میں قید کر لئے گئے ہیں، اُن کو با عزت طریقے سے واپس کرو اور جو مال و اسباب لوٹا ہے اس حساب کا

1- بحوالہ تحفۃ الکرام، ص 27 از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مترجم اختر رضوی، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی، اشاعت اول 1959ء

2- چچ نامہ میں اس عورت کو قبیلہ جزیر کی بتایا ہے جبکہ فتوح البلدان میں بلاذری نے ص 435 پر اسے یربوع خاندان کی بتایا ہے اور اعجاز الحق قدوسی نے بھی تاریخ سندھ، ص 82 پر بلاذری کی تائید کی ہے۔

تاوان ادا کرو۔ راجہ داہر نے اس کے جواب میں بڑی لاپرواہی سے لکھ بھیجا کہ یہ کام سمندری قزاقوں کا ہے جن پر ہمارا بس نہیں چلتا۔ حجاج نے یہ جواب دیکھ کر ولید بن عبدالملک کو تمام حالات لکھ کر سندھ پر حملے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حجاج نے چند دن کے بعد دوسری عرض داشت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ امیرالمومنین نے کثیر اخراجات کی وجہ سے حملے کی اجازت نہیں دی، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جتنا خرچ ہوگا اس سے دگنی رقم خزانے میں جمع کرا دوں گا جس پر ولید نے یہ سن کر اجازت دے دی کہ اس میں کوئی نقصان نہیں۔[1] اجازت حاصل ہوتے ہی حجاج نے محمد بن قاسم کو اس مہم پر بھیجا۔ راجہ داہر 10 رمضان 93ھ/711ء میں لڑتا ہوا مارا گیا اور سندھ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

(7) ابن قاسم کے ہاتھوں فتح ملتان

95ھ میں محمد بن قاسم سندھ کے مملکت علاقوں کو فتح کرتا ہوا سکّہ تک پہنچا جو ملتان کے قریب تھا۔ سترہ دن تک سکّہ والے مسلمانوں سے لڑتے رہے۔ آخر کار عاجز ہو کر حاکم سکّہ رات کی تاریکی میں ملتان کی طرف چلا گیا اور مسلمانوں نے سکّہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم دریائے راوی (موجودہ راوی، چناب، جہلم) پار اترا جو ملتان اور سکّہ کے درمیان تھا۔ فوج عین ملتان کے سامنے کھلے پر اتری تھوڑی دیر بعد ملتان کی فوج والیٔ سکّہ کے زیر کمان حملہ آور ہوئی۔ والیٔ سکّہ، سکّہ میں اپنی شکست کا بدلہ یہاں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے بڑا زبردست حملہ کیا۔ شام تک جنگ ہوتی رہی۔ اس دوران مسلمانوں کا ایک بہادر افسر زائدہ بن عمیرہ الطائی شہید ہو گیا۔ اس کی شہادت سے مسلمانوں میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ ہر مسلمان سرفروشی کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ ان کے حملے کی شدت سے گھبرا کر ملتان لشکر قلعہ بند ہو گیا اور فصیل سے تیر، پتھر وغیرہ برسانے لگا۔ عربوں نے[2] دیکھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ بیس روز تک محاصرہ جاری رہا تو عربی فوج پریشان ہو گئی کیونکہ یہ اپنے مراکز اروڑ، سندھ اور برہمن آباد سے دور تھی۔ سامان رسد ختم ہو گیا تھا اور آس پاس کے علاقے خالصتاً صحرائی علاقہ ریگستانی تھا اس لیے پانی کی کمی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ باربرداری والے گدھے ذبح کر کے

1۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (1) چچ نامہ، ص 118 تا 121 (2) تاریخ سندھ از اعجازالحق قدوسی ص 80 تا 85 (3) نقش ملتان، ص 253 تا 235

کھانے لگے۔ آخر ایک شخص نے ایسے نالے[1] کا پتہ بتایا جہاں سے پانی ایک جھیل میں جمع ہوتا تھا اور اس جھیل [illegible] ۔ سے ملتان والے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لوگ اس کو طاح یعنی تالاب کہتے تھے۔ مسلمانوں نے اس کے پانی کا رخ بدل دیا۔ ملتانی پیاسے مرنے لگے۔ مجبوراً قلعے سے باہر نکل کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت راجہ داہر کے بھائی چندر کا لڑکا کور سنگھ ملتان کا حاکم تھا جب اس کو فتح کی کوئی امید نظر نہ آئی تو وہ رات کی تاریکی میں راجہ کشمیر سے مدد لینے کشمیر چلا گیا۔ ملتانی فوج اس کی غیر حاضری میں بھی لڑتی رہی۔ محاصرہ طویل ہوتا گیا تو عربوں میں بے چینی پھیلنے لگی۔ وہ قلعے کے چاروں طرف گھوم پھر کر اس کا ایک ایک کونہ دیکھنے لگے کہ کہیں سے کوئی رخنہ نظر آئے تو قلعے میں گھس کر بھرپور حملہ کریں تاکہ خود کو تھکن سے نجات دلا سکیں۔ اتفاق سے ایک دن ایک شخص قلعہ سے نکلا عربوں نے اسے گرفتار کر لیا اس نے پناہ مانگی تو اسے اس شرط پر پناہ دی گئی کہ قلعے کے اندر کا حال بتائے اور قلعے کے کمزور حصے کی نشاندہی کرے۔ اس شخص نے بتایا کہ شمالی جانب دریا کے کنارے کی طرف ایک جگہ کمزور ہے۔ محمد بن قاسم نے منجنیقوں کا رخ اس طرف کر کے تین دن مسلسل اس قدر پتھر پھینکے کہ دیوار ٹوٹ گئی اور اندر جانے کا راستہ بن گیا۔

ملتانی فوج نے جب دیکھا کہ دیوار ٹوٹنے والی ہے تو انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر ایک دم حملہ کر دیا۔ عربی فوج اس کے لیے پہلے ہی سے تیار تھی انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ملتانی مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور بدحواسی کے عالم میں قلعے کی طرف واپس اس طرح بھاگے کہ قلعے کا دروازہ بند کرنا بھی بھول گئے۔ اس طرح عربی فوج فاتحانہ شان سے قلعے میں داخل ہو گئی۔ اس بار شہری محفوظ رہے اور مسلح فوجی سپاہی جنہوں نے مقابلہ کیا تھا ان میں سے تقریباً چھ ہزار مارے گئے[2] جو مال غنیمت ہاتھ آیا وہ تمام سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا۔

1۔ بلاذری اسے تالاب کہتا ہے، اس کا بیان ہے کہ "یہ ایک تالاب تھا جس میں نہر بسمد کا پانی جمع ہوتا تھا۔ ملتان والوں کی زبان میں اس کے لیے جو لفظ تھا عربی میں اس کو "بلاح" کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کو بند کر دیا۔" (فتوح البلدان (جزو دوم) ص 191 دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن 1940ء)

2۔ بلاذری نے فتوح البلدان جزو دوم (ترجمہ از سید ابوالخیر مودودی ص 192) میں کہا ہے کہ یہ چھ ہزار پجاری تھے جن کی جان بخشی کی گئی اور ان کو غلام بنا لیا گیا۔ جبکہ چچ نامہ، ص 342 اور تاریخ سندھ از ابو ظفر ندوی کے ص 114 کے بیان کے مطابق یہ چھ ہزار پجاری نہیں بلکہ فوجی سپاہی تھے۔

حجاج بن یوسف سے فتح سندھ کی اجازت لیتے وقت محمد بن قاسم نے وعدہ کیا تھا کہ جس قدر رقم جنگ میں خرچ ہو گی میں خزانہ میں اس سے دگنی رقم جمع کراؤں گا۔ اب تک تمام فتوحات میں مال غنیمت میں سے وہ ایک معقول رقم خزانے میں جمع کراتا رہا تھا اور بقایا رقم بڑی فیاضی سے سپاہ میں تقسیم کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ خود اس کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ فتح ملتان کے بعد محمد بن قاسم اسی فکر میں تھا کہ اپنا وعدہ کس طرح پورا کرے کہ ایک دن ایک برہمن کی نشان دہی پر ایک حوض سے دو سو من سونا اور سونے کی اینٹوں سے بھرے چالیس مٹکے ملے۔ اس خزانے کی مالیت تقریباً بارہ کروڑ تھی[1]۔

محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو اس خزانے کا پانچواں حصہ بھیج کر انتظامی امور کی طرف توجہ کی۔ جزیہ اور خراج کی تشخیص کی۔ لوگوں کو اطمینان دلایا کہ وہ امن سے رہیں۔ محمد بن قاسم نے ملتان کے خاص اور منتخب لوگوں سے پختہ عہد لے کر جامع مسجد اور مینار تعمیر کرائے۔ امیر داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کر کے اردگرد کے قلعوں میں بھی اپنے خاص آدمی مقرر کیے جن میں خریم بن عبدالملک تمیمی کو برہمپور کے قلعے پر، جو دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے، متعین کیا۔ عکرمہ بن ریحان شامی کو ملتان کے نواح کا حاکم بنایا۔ احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو اشبہار اور کرور کا قلعہ سپرد کیا اور کچھ عرصہ خود ملتان میں اپنی فوج کے ساتھ آرام کی غرض سے ٹھہرا اور پھر پچاس ہزار کے قریب فوج، اسلحہ اور سامان جنگ کی تیاری کی تاکہ اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کر سکے[2]۔

(8) ملتان محمد بن قاسم کے بعد

یوں ملتان محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہونے پر پہلی صدی ہجری میں عربوں کے قبضے میں آ گیا اور غزنوی دور تک اس پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ ملتان 111ھ تک صوبہ سندھ ہی کا حصہ رہا لیکن 111ھ میں یہ سندھ سے الگ ہو گیا۔ لسانی اعتبار سے یہ سن اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کے بعد یہاں ملتانی زبان سندھی زبان سے علیحدہ ہو کر آزادانہ طور پر ارتقاء پانے لگی[3]۔

1۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حوض دو گز کے برابر لمبا، دو گز کے برابر چوڑا اور گہرا تھا۔ دو گز کے لیے عربی کا لفظ ہے "ملتان" گویا ملتان والحوض ملتان کا باعث ہوا۔

2۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (1) تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی، ص 112 تا 117
(2) چچ نامہ، ص 346 تا 347
(3) تاریخ سندھ از اعجازالحق قدوسی، ص 217 تا 218

ملتان پر پہلے 132ھ تک بنی امیہ کا قبضہ رہا پھر ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی ملتان بنو عباس کی حکومت کے تحت آ گیا۔ اس کے بعد صورتحال کچھ اس طرح رہی کہ اگر مرکز میں خلیفہ طاقتور ہے تو اردگرد کے سارے علاقے اس کے ماتحت ورنہ ہر کوئی اپنی اپنی الگ الگ حکومت بنانے کے چکروں میں پڑ جاتا۔ ملتان بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار رہا کبھی یہ مرکزی حکومت کے تحت ہوتا اور کبھی یہاں کے حاکم خود مختار حکومت قائم کر لیتے۔

ملتان پر بنو سامہ نے بھی حکومت کی تھی جو خالص عربی النسل تھے جن کا سلسلہ قریش کے لوی بن غالب سے جا ملتا ہے۔ جو قریش کے اجداد میں سے تھا۔ [illegible] لوی کی اولاد میں سے ایک کا نام سامہ تھا اسی کی اولاد بنو سامہ کہلائی۔ یہی لوگ "بنو منبہ" کے نام سے بھی مشہور ہوئے۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں تقریباً 290ھ میں ان کی حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ 280ھ میں ابن رستہ ملتان آیا تھا اور ملتان میں سامی حکومت کا تذکرہ سب سے پہلے اسی نے الاعلاق النفیسہ میں کیا اس کے مطابق

"ملتان میں ایک قوم ہے جو اپنے آپ کو سامہ بن لوی کی اولاد سے بتاتی ہے ان کو وہاں بنو منبہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ ہندوستان میں ملتان پر حکمران ہیں، یہ امیر العباسی کے لیے دعا کرتے ہیں۔" 1

مشہور سیاح مسعودی (جو 300ھ میں ملتان آیا) لکھتا ہے

"ان الملک فی ولد سامہ بن لوی بن غالب، و هو ذو جیوش و مجمع وهو ثغر من ثغور المسلمین الکبار" 2

ترجمہ = اس ملک میں سامہ بن لوی بن غالب کی حکومت ہے اور یہ ملک مسلمانوں کی وسیع سرحدوں والے ممالک میں نہایت اہم ہے جس کی فوج کثیر اور ناقابل شکست ہے۔

بنو سامہ کی حکومت کافی عرصہ قائم رہی۔ 373ھ میں ملتان کا حاکم جلم بن شیبان تھا جو اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملتان پر کب بنو سامہ کی حکومت ختم ہوئی اور

1- بحوالہ الاعلاق النفیسہ، 135 مطبع لیڈن سنہ اشاعت 1892ء ـــ اصل عبارت اسطرح ہے "وبالمولتان قوم یدعون انهم من ولد سامة بن لوی یقال لهم بنو منبه و هم الملوک علی البلد فیها وهو یدعون لا امیر المومنین ۔ "

2- بحوالہ مروج الذہب و معادن الجوہر از مسعودی، الجز اول، ص 189 - مطبوعہ بیروت الطبعۃ الاولیٰ بیروت 1380ھ/1960ء (جناب طاہر عتیق شکری کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

کہ اسماعیلی یہاں کے حکمران بنے۔ اسماعیلی شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے جبکہ بنو سامہ سنی العقیدہ تھے۔ جلم بن شیبان کو اسماعیلی امام العزیز باللہ (قاہرہ مصر، متوفی 386ھ) نے 372ھ میں فوجی دستہ کے ساتھ سندھ بھیجا تھا۔ تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس راستے سے سندھ گیا اور نہ ہی ملتان پر اس کا کوئی حملہ ثابت ہوتا ہے۔ ابو ظفر ندوی کے مطابق

" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلم بن شیبان نے ملتان پر کوئی حملہ باہر سے نہیں کیا، بلکہ اندرون شہر بغاوت کرا کے خود مددگار بنا، اور پھر سردار ہو گیا۔" [1]

جلم بن شیبان نے ملتان پر قبضہ کر کے سب سے پہلے فاطمی خلیفہ کا سکہ اور ان کے نام کا خطبہ جاری کروایا۔ اس نے اس قدیم مندر کو بھی توڑ دیا جو فتح ملتان سے لے کر اب تک صحیح حالت میں تھا اور یہاں کے حکمرانوں کے لیے سیاسی و مالی فوائد کا باعث تھا۔ اس مندر کی جگہ ایک جامع مسجد بنوائی اور محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر بند کروا ڈالا۔ جلم بن شیبان نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے کافی جدوجہد کی اور مقامی ہندو راجاؤں سے معاہدے کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط بنایا۔

جلم بن شیبان کے بعد شیخ حمید ملتان کا حاکم بنا وہ بھی اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اس کے زمانے میں یعنی 381ھ میں غزنہ کے ترک حاکم امیر ناصرالدین سبکتگین نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد 381ھ یا 382ھ میں ملتان کو فتح کرنے کے لیے اس طرف پیش قدمی کی۔ شیخ حمید جانتا تھا کہ وہ اکیلا ترکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور کہیں سے بھی امداد کی توقع نہیں تھی اس لیے اس نے صلح کرنے میں عافیت سمجھی، مصنف فرشتہ کے مطابق

" جب الپتگین فوت ہوا اور سبکتگین اس کا قائم مقام ہوا شیخ حمید نے پرخاش میں صلاح اور فلاح نہ دیکھی اور پیغام دیا کہ ہمارے اور تمہارے اسلام کی شرکت کے سبب سے نہایت یک جہتی ہے سزاوار مراسم خداوندی یہ ہے کہ اس گروہ کو اپنی وابستگی سے معذور فرما کر جدا کر محصورہ کو مامور کریں کہ ممالک ہند کے

1۔ بحوالہ "تاریخ سندھ" ص 256

تاراج کے وقت اس جماعت خیر خواہ کے اموال میں تعرض اور مزاحمت نہ
پہنچاویں۔ سبکتگین نے بادشاہ وقت اس کے خلوص کو قبول کیا اور جےپال
کی فتح کے بعد حمید لودی تمام پیش آیا اور ملتان کی جاگیر اس کے نام
مقرر کی۔" 1

(5) محمود غزنوی کا حملہ

387ھ میں امیر سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود غزنوی کے تخت پر بیٹھا۔ ملتان کی سرحد سے متصل ایک مضبوط قلعہ بھاٹیہ کے(موجودہ بھیرہ) مقام پر تھا جو لاہور کے تابع تھا، اس کا حاکم بجے رائے اپنے آپ کو خود مختار سمجھ کر لاہور کے حاکم کی پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ ایک مرتبہ غزنہ کے حکام سے سرحدی معاملے پر بدتمیزی سے پیش آیا تو سلطان محمود غزنوی اس کو سبق سکھانے کے لیے 395ھ میں ملتان کے راستے بھاٹیہ پہنچا/بجے رائے مقابلہ نہ کر سکا تو اس نے مایوس ہو کر خودکشی کر لی اس دوران ملتان کے حاکم شیخ ابوالفتح داؤد بن نصر نے اس کی کوئی مدد نہ کی اس لیے محمود غزنوی اس سے ناراض ہو گیا۔ اس وقت ملتان کا حاکم شیخ حمید کا پوتا شیخ ابوالفتح داؤد بن نصر تھا جس نے اپنی بادشاہ کاری کی وجہ سے ترکوں کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں چنانچہ محمود غزنوی 396ھ میں تازہ دم فوج لے کر دریائے ملتان کی بجائے دریائے سندھ کے دشوار علاقے سے ملتان کی طرف اس لیے روانہ ہوا کہ حاکم ملتان کو حملے کی اطلاع نہ مل سکے۔ راستے میں لاہور کے راجہ آنند پال نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود غزنوی بھٹنڈا کے راستے سے ملتان پہنچا۔ داؤد نے دیکھا کہ آنند پال جیسا طاقتور حکمران محمود غزنوی کا مقابلہ نہیں کر سکا تو قلعہ بند ہو گیا۔ محمود غزنوی نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ چند سات روز کے محاصرے کے بعد شہر کے چند معزز لوگوں نے دونوں کے درمیان صلح کرا دی اور معاہدہ دو لاکھ درہم سالانہ خراج پر طے ہوا۔ اس کے علاوہ ابوالحسن علوی کے خیال میں

"غالباً اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ ملتان کا ایک حصہ جو دریائے
سندھ سے متصل تھا وہ سلطان کو دے دیا جائے۔" 2

1۔ ترجمہ تاریخ فرشتہ(اردو) جلد اوّل، ص 25، نولکشور پریس لکھنؤ (ناگی ہال لاہور)
2۔ تفصیل کے لیے دیکھئے "تاریخ سندھ" ص 221

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آنند پال نے دینی جنگ کے نام پر ہندوستان کے تقریباً تمام راجاؤں سے مدد حاصل کی اور بڑا لشکر تیار کر کے محمود غزنوی کے مقابلے کے لیے پشاور بھیجا۔ ملتان کے امیر شیخ ابوالفتح داؤد بن نصر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ 399ھ میں محمود بھی اپنی فوج لے کر آ گیا چالیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے رہیں لیکن جب محمود نے دیکھا کہ ہندوستانی فوج کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے تو اس نے دونوں طرف خندقیں کھدوا کر مقابلہ شروع کیا اور زبردست معرکے کے بعد ہندوستانی فوج کو شکست دی۔ محمود غزنوی کو ملتان کے حاکم کے مخالفانہ رویے پر بہت غصہ آیا۔ اسے مزہ چکھانے کے لیے 401ھ میں غوریوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد وہ غزنی سے ملتان کی طرف آیا۔ ملتان والی کو تیاری کا موقع نہ مل سکا اس لیے وہ قلعہ بند ہو گئے مگر محمود غزنوی نے زبردست حملہ کر کے ملتان کو فتح کیا۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریاں اور قتل و غارت ہوا۔ شیخ داؤد بن نصر بن حمید بھی گرفتار ہوا جسے غزنہ لے جایا گیا اور وہیں قلعہ غورک میں قید کے دوران اس کا انتقال ہوا[1]۔ اب صوبہ ملتان پر مکمل طور پر محمود غزنوی نے قبضہ کر لیا۔ جلم بن شیبان نے اپنے دور میں ملتان میں محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کروا کر ایک نئی مسجد تعمیر کی تھی۔ محمود غزنوی نے اس مسجد کو بند کروا کر محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔

(10) صوبہ اور سندھ کا عہد سرزمین پاک و ہند میں

اس ساری تفصیل سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ سرزمین ملتان کی قدامت، اہمیت، مرکزیت اور سیاسی و تاریخی عظمت مسلّمہ ہے۔ یہ سرزمین موہن جو داڑو، ہڑپہ اور بابل و نینوا کی تہذیب کی ہم عصر رہی ہے۔ دوسری تہذیبیں مٹ گئیں لیکن ملتان تب سے اب تک قائم رہا۔ مختلف ادوار میں اس کے مختلف نام رہے۔ مختلف قومیں مختلف اوقات میں یہاں حملہ آور ہوتی رہیں۔ دوسری قوموں کے ساتھ اور بالخصوص عرب کے ساتھ اس کے روابط اور تعلقات ہمیشہ قائم رہے۔ قبل از اسلام یہ روابط تجارتی بھی تھے اور مذہبی بھی۔ محمد بن قاسم کے حملے کے بعد ملتان میں باقاعدہ طور پر اسلام کی روشنی پھیلی۔ اس حملے کے بعد یہاں اسلامی اقدار کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ تہذیب و ثقافت اور علم و ادب کے

1- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ترجمہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد اول، ص 40-41 مطبوعہ نولکشور 1940ء

چراغ روشن ہوئے۔ محمود غزنوی کی فتح ملتان تک عرب مسلمانوں کی حکومت یہاں کسی نہ کسی صورت میں قائم رہی۔ محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ ہی بے شمار صوفیاء، بزرگ مبلغان، مذہبی شخصیتیں اور علم و فضل کے حامل لوگ ہندوستان میں آنا شروع ہوئے۔ ان میں "کشف المحجوب" کے مصنف مشہور صوفی بزرگ علی بن عثمان علی ہجویری غزنی سے روانہ ہو کر مسلمان ممالک کا سفر کرتے ہوئے آخر لاہور پہنچے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ شیخ اسماعیل بخاری اور شیخ فریدالدین عطار بھی برصغیر میں آئے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی کے شاگرد رشید شیخ جلال الدین تبریزی بنگال پہنچے۔ عبدالکریم الجیلی مصنف انسان کامل نے بھی برصغیر کا سفر اختیار کیا۔ اسی طرح سید محمد گیسو دراز ، پیر صدرالدین ، سید یوسف الدین برصغیر میں سکونت پذیر ہوئے۔

سرزمین ملتان تو سب زمینوں سے بڑھ کر بزرگوں اور صوفیوں کے لیے ایک عظیم مرکز بنی رہی۔ اسی لیے اسے مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے ملتان کئی برس تک قیام فرمایا۔ مقامی زبان میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے بعد بغرض اشاعت اسلام اجمیر جا کر مستقل قیام فرمایا۔ سید جلال الدین بخاری اچ شریف میں اور بابا فریدالدین گنج شکر پاک پتن میں قیام پذیر ہوئے۔ قطب الدین بختیار کاکی ملتان تشریف لائے۔ قیام فرمایا اور قلعے کے بعد دہلی کوچ کر گئے۔ جلال الدین سرخ پوش بخاری نے اچ میں اور غوث بہاء الحق زکریا نے ملتان میں سکونت اختیار کی۔

اس شہر بے مثال میں حضرت امیر خسرو اور صوفی شاعر عراقی کی آمد بھی ہوئی ان کے شعر و نغمہ سے اس کی فضائیں گونجیں۔ حضرت خواجہ فرید کی روح پرور شاعری نے اس سرزمین میں معرفت کے بیج بوئے۔ انسانیت کو مساوات، اخوت، امن، عشق اور آشتی کا پیغام دیا۔ البیرونی جیسے محقق اور مورخ نے ملتان میں قیام کر کے نہ صرف کتاب الہند جیسی اہم کتاب تصنیف کی بلکہ ہندی علوم کی بہت سی کتابیں کے ترجمے بھی عربی زبان میں کئے۔ ان تمام بزرگان دین ، علماء، محققین اور صوفیاء کی بدولت اسلامی فلسفے کے علاوہ تصوف بھی یہیں برصغیر پاک و ہند میں پھیل گیا۔

اس اجمال کی تفصیل تو ہم اگلے باب میں بیان کریں گے فی الحال اس باب کے دوسرے حصے میں ہم ملتان کے بارے میں سیاحوں کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں۔۔۔ جن سے ملتان کی مذہبی ، معاشرتی ، اقتصادی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا عکس ہمارے سامنے آئے گا۔

(ب)

ملتان کی مذہبی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ ــ سیاحوں کے بیانات کی روشنی میں

(۱) ملتان اہم تہذیبی مرکز

سرزمین ملتان اپنی تہذیبی اور تمدنی اقدار کے اعتبار سے دنیا کا اہم مرکز رہا ہے۔ یہ شہر نہ صرف تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا بلکہ علم و ادب، ثقافت، جملہ فنون لطیفہ و عقیدہ اور روحانی اقدار کے لحاظ سے بھی دنیا کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس شہر کو مدینۃ الاولیاء کہا گیا ہے اس لئے کہ اس سرزمین کو تقدس اور طہارت سے ہم کنار کرنے والے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام ہیں جنہوں نے اس سرزمین میں تخم معرفت بوئے اور لوگوں کی زندگیوں کو اپنے فیضان نظر سے انقلاب آشنا کیا۔ یہ انقلاب روحانیت اور اعلیٰ انسانی و اخلاقی اقدار کا علمبردار تھا۔

ارض ملتان انسانی زندگی کی ایک عظیم بستی کی صورت میں کب معرض وجود میں آئی؟ انسانی تخیل اور شعور اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بابل، ہڑپہ اور موہنجوداڑو کا ہم عصر یہ شہر اپنی تہذیبی اور ثقافتی ورثے اور تقدس و عرفان کے لحاظ سے دنیا کا ایک قدیم ترین شہر ہے۔ تاریخ کی گواہی اور مورخین و محققین کے بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہر چھ ہزار سال قبل از مسیح بھی آباد تھا۔[1] ملتان کے کاخ و کوہ، قلعہ کہنہ اور قدیم طرز تعمیر کی عمارتوں کے جیسے مندروں اور قبروں کی تہذیب دیتی ہوئی موجود ہے جس کی ابتدا کا پتہ لگانا تو ممکن نہیں تاہم اس کی عظمت پارینہ کے کچھ قصے تو تاریخوں میں بند ہیں اور کچھ قدیم دستاویزات میں لیکن اس کا ایک بڑا ماخذ وہ سفرنامے بھی ہیں جو چوتھی صدی ق م سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک کے

1- معروف محقق اور ماہر آثار قدیمہ ابن حنیف لکھتے ہیں ـــــ "ملتان کے موجودہ مقام پر پہلی بستی کم از کم ساڑھے پانچ ہزار سال قبل کے لگ بھگ ـــــ بسائی گئی تھی۔"
(بحوالہ "سات دریاؤں کی سرزمین" ـ مطبوعہ کاروان ادب، بار اول 1980ء، ص 219)
اسی طرح ملتان کے مشہور محقق اور مورخ علامہ عتیق فکری کا بیان ہے کہ "ملتان کے علاقے کی قدامت 4000 قبل مسیح تک چلی جاتی ہے۔" ("نقش ملتان" مطبوعہ فکری اکیڈمی، بار اول 1982ء، ص 41)

تک ان سیاحوں نے قلم بند کئے جو مختلف اوقات و ادوار میں ملتان میں آ کر قیام پذیر رہے یا اس سرزمین سے گزرتے رہے۔ ان سیاحوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات پر مبنی حالات قلم بند کئے ہیں۔ مختلف سیاحوں کے بیانات سے ملتان کی تہذیبی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور ہم ان تفصیلات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو تاریخ میں بھی موجود نہیں ہیں ان سیاحوں نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا اس کو کبھی اجمال سے اور کبھی تفصیل کے ساتھ اپنے سفرناموں میں درج کیا۔ یہ سیاح دنیا کے مختلف ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں یونانی، چینی، عربی، فرانسیسی اور برطانوی سیاح قابل ذکر ہیں۔ ہم زمانی لحاظ سے ان سیاحوں کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(2) یونانی اور چینی سیاح

تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے سکندر اعظم مقدونی اپنی فوج کے ساتھ سرزمین ملتان پر حملہ آور ہوا۔ یہاں کے مقامی قبائل کے ساتھ معرکہ پیکار رہا۔ جس میں اس نے وہ مہلک تیر کھایا جس سے بعد میں اس کی موت واقع ہوئی۔[1] ڈاکٹر رفیق مغل کے بیان کے مطابق سکندر اعظم کی فوج کے ساتھ ایک مورخ ایرین[2] (Arrian) بھی تھا جس نے اپنی کتاب Anabasis میں یونانی حملے کی پوری تفصیل درج کی ہے اس نے ملتان میں بسنے والی قوم کو " ملوئی " یا ملی " کے نام سے پکارا ہے اور اس قوم کی بہادری اور جرأت مندی کی بے حد تعریف کی ہے۔[3]

1- سکندر کے زخمی ہونے کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔
(الف) " تاریخ یونان " از پروفیسر بیوری ترجمہ مولوی سید هاشمی فرید آبادی مطبوعہ دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ حیدر آباد دکن، بار اول 1919ء، ص 694 تا 698
(ب) تاریخ یونان قدیم از پروفیسر اولیف ہوسم ترجمہ پروفیسر محمد هارون خان شروانی، مطبوعہ دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ حیدر آباد دکن، بار اول 1931ء، ص 494 تا 495

2- ڈاکٹر رفیق مغل کا یہ بیان درست نہیں ہے کہ ایرین سکندر کی فوج کے ساتھ آیا تھا کیونکہ ایرین سکندر کا ہم عصر نہیں تھا۔ اس کا زمانہ 95 تا 175ء تھا، ملاحظہ فرمائیے
"The Oxford companion to classical literature by Sir Paul Harvey. Oxford University Press London(First Published October,1937,Page51)
جبکہ سکندر یونانی کا زمانہ 323 تا 356 قبل از مسیح ہے البتہ ایرین نے سکندر کے حملے کے بارے میں سات کتابیں پر مشتمل Anabasis لکھی۔ اور آٹھویں کتاب میں پاکستان، ہندوستان کے لوگوں کے رسم و رواج اور خلیج فارس میں نیرکوس Nearchus کے بحری سفر کی تفصیلات درج کی ہیں۔ نیرکوس سکندر اعظم کا امیرالبحر تھا۔)

3- بحوالہ مضمون از ڈاکٹر محمد رفیق مغل " ملتان غیر ملکی سیاحوں اور مورخین کی نظر میں " مطبوعہ امروز ملتان، مورخہ 28 جون 1976ء

چینی سیاح ھیون سانگ (HIUENTSANG) جو بدھ مت کا پیروکار تھا، اکتوبر 641[1] میں ملتان پہنچا تھا۔ اس نے ملتان شہر کا نام "مو لو سان پو لو"[2] بیان کیا ہے۔ اس نے اس شہر کی تمدنی، علمی اور ادبی، اقتصادی، مذھبی اور روحانی زندگی کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے۔ میں یہ تفصیل ڈاکٹر محمد رفیق مغل کے الفاظ میں درج کرتی ھوں

"اس علاقے کا دارالخلافہ (ملتان) تیس "لی" (تقریباً پانچ میل) کے علاقے پر محیط ہے۔ یہ شہر بڑا گنجان آباد ہے یہاں کے لوگ بہت امیر ہیں اور یہ علاقہ چکا (CHIKA) سلطنت کے ماتحت ہے۔ یہاں کی مٹی بہت زرخیز ہے آب و ہوا خوشگوار ہے۔ لوگ بہت سادہ اور ایمان دار ہیں۔ علم و ادب، باہمی عزت اور نیک اقدار سے محبت رکھتے ہیں۔ بیشتر لوگ روحوں کے لئے قربانی دیتے ہیں اور بہت کم گوتم بدھ کے اصولوں پر قائم ہیں۔ یہاں پر بدھ مت کی دس خانقاہیں ہیں یہ زیادہ تر شکستہ حالت میں ہیں کچھ مذھبی پیشوا ہیں جو مطالعہ تو کرتے ہیں مگر اس میں کمال حاصل کرنے کی خواہش نہیں رکھتے یہاں پر ھندوؤں کے آٹھ مندر ہیں جن میں مختلف ذات کے لوگوں کے ماننے والے رہتے ہیں۔ ایک مندر جو کہ "سورج دیوتا" کا ہے بہت عالیشان ہے اور کافی آرائش سے مزیّن ہے۔ سورج دیوتا کا بت خالص سونے کا بنا ہوا ہے اور اسے نادر جواہرات سے سجایا گیا ہے۔ عورتیں اس مندر میں سورج دیوتا کی تعریف میں مشعلیں روشن کر کے گاتی بجاتی ہیں اور پھول اور عطر دیوتا کی نذر کیا کرتی ہیں۔ یہ رسم بہت قدیم ہے۔ بادشاہ اور امراء کے اعلی خاندان قیمتی جواہرات اور پتھروں پر مشتمل تحائف دیوتا کو پیش کرنے سے کبھی نہیں چوکتے قریب ہی ایک حصہ پر کھانے پینے کا انتظام ہے جہاں غرباءؔ کیلئے کھانا اور دوائی تقسیم کیا جاتا ہے اور بیماروں کیلئے دوائیں دی جاتی ہیں بہت سے علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ دعا مانگنے آتے ہیں۔ مندر کے

1- Extracts from the Distt; & States Gazetteers of the Punjab (Pakistan) Vol.II. Page 137. Research Society of Pakistan University of Punjab, Lahore. First impression 1977.

2- (الف) "سات دریاؤں کی سرزمین" از ابن حنیف کاروان ادب ملتان، بار اوّل، اکتوبر 80ء صفحہ 237
(ب) پنجاب گزیٹیئر، ص 137

چاروں طرف تالاب ہے جس میں خوبصورت پھول اُگے ہوئے ہیں۔" [1]

(3) چچ نامہ کی روایت

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا باقاعدہ ورود محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ہوا۔ محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہوا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ملتان پہنچا۔ ملتان میں مسلمانوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اہل ملتان قلعہ بند ہو کر لڑے۔ دو ماہ تک فصیلوں سے منجنیقوں اور غدرک (ایک آلہ حرب) کے ذریعے پتھر اور تیر برسائے[2]۔ آخر ملتان فتح ہوا۔ چچ نامہ میں اس حملے کی جو تفصیلات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ "ملتان میں دولت کی ریل پیل تھی۔ فتح مکمل ہوئی تو شہر کے رئیس اور سوداگروں نے جمع ہو کر ساٹھ ہزار درم وزن کی چاندی تقسیم کی۔ ہر سوار کو خاص طور پر چار سو درم وزن کی چاندی ملی"[3]۔ اس کے علاوہ ایک بت سے بے شمار خزانہ ہاتھ لگا۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ ایک برہمن محمد بن قاسم کے پاس آیا اور کہا

> "ایسے عادل امیر! یہ وہی بت ہے کہ جو ملتان کے راجا جسین نے بنوایا تھا اور جو مال دفن کر کے فوت ہو گیا تھا۔" [4]

محمد بن قاسم وزیروں اور خاصوں کے ساتھ اس بت خانے میں آیا۔ یہاں اس نے سونے کا ایک بت دیکھا جس کی آنکھوں میں سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے[5]۔ محمد بن قاسم کے حکم سے جب اس بت کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے دو سو تیس من سونا اور سونے کی کتنے سے بھرے ہوئے چالیس مٹکے برآمد ہوئے کل تیرہ ہزار دو سو من سونا دفینے سے نکلا۔ وہ سونا اور بہت سے بت خزانے میں لائے گئے۔ اس کے علاوہ جو موتی اور جواہرات جو کہ ملتان کی لوٹ میں ہاتھ آئے تھے وہ اور بہت سے دوسرے خزانے اور دفینے بھی لشکر میں لائے گئے[6]

1- خطبہ از ڈاکٹر محمد رفیق مغل بعنوان "ملتان غیر ملکی سیاحوں اور مورخین کی نظر میں" مطبوعہ امروز ملتان ضمیمہ ، 28 جون 1978ء

2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) اسی باب کا حصہ الف ص 87 تا 89

(2) چچ نامہ از علی بن احمد بن ابوبکر کوفی مترجمہ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد پہلا ایڈیشن، اپریل 1983ء ص 340 تا 347

3- چچ نامہ، ص 342 — 4- بحوالہ چچ نامہ، ص 342، 343

5- بحوالہ چچ نامہ، ص 344 — 6- بحوالہ چچ نامہ، ص 345

(و) عرب سیاحوں کے بیانات

مال و دولت کی بہتات کی وجہ سے ملتان کو فرج بیت الذہب (سونے کی سرحد) کہا جاتا تھا۔ عرب سیاح ابن خرداذبہ (المتوفی 300ھ/912ء) اپنی مشہور کتاب "المسالک و الممالک" میں لکھتے ہیں۔

"سجستان کے شہر زرنج سے ملتان دو مہینہ کی راہ ہے، اور ملتان کو فرج بیت الذہب (سنہری سرحد) کہتے ہیں کیونکہ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف نے یہاں ایک گھر کے اندر 40 بہار سونا پایا تھا اور بہار 3331 من کا ہوتا ہے اسی بناء پر ملتان کو فرج بیت الذہب کہتے ہیں۔" [1]

تیسری صدی ہجری کا ایک عرب سیاح اور تاجر ابو زید حسن سیرافی (الکتاب الثانی من سلسلۃ التواریخ میں) ملتان کے مشہور بت کے بارے میں لکھتے ہیں

"منصورہ کے قریب ملتان میں جو مشہور بت ہے، اس کی زیارت (یاترا) کے لیے لوگ کئی کئی مہینہ کا سفر طے کر کے آتے ہیں، اور اپنے ساتھ مشہور عود ہندی قامرونی لاتے ہیں۔ قامرون ایک شہر ہے جہاں عمدہ قسم کا عود پیدا ہوتا ہے لوگ اسے بت پرستوں کے لئے لاتے ہیں اور مہنتوں کے حوالے کر دیتے ہیں بعض اقسام کے ایک من عود کی قیمت دو سو دینار ہوتی ہے اس کی بعض قسمیں اتنی نرم ہوتی ہیں کہ اگر ان پر انگلیوں سے مہر لگائی جائے تو اس کی چھاپ آ جاتی ہے۔ تاجران خادموں سے عود کو خریدتے ہیں۔" [2]

(ز) عرب مؤرخ اور جغرافیہ داں احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری (المتوفی 279ھ مطابق 892ء) کی معروف کتاب "فتوح البلدان" ہے جو اسلامی فتوحات کے سلسلے کی تاریخ ہے اور اس میں سندھ پر مسلمانوں کے حملے کی تفصیل موجود ہے۔ البلاذری کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان میں بت پرستی کا بڑا رواج تھا اور یہاں ایسے بت موجود تھے جن کی زیارت کے لئے دور دراز کے علاقوں سے لوگ آتے تھے۔

1- "المسالک والممالک" از ابن خرداذبہ ترجمہ از مولانا محمود علی خان بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" جلد اول با اہتمام دارالمصنفین اعظم گڑھ، ص 15

2- "ہندوستان عربوں کی نظر میں" (ترجمہ) ص 44-47

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے مسلمانوں کو بے شمار دولت ملی۔ البلاذری لکھتے ہیں کہ

> " یہاں سونے کی کثیر مقدار ہاتھ آئی ، یہ خانہ میں دس گز سے آٹھ گز کا ایک حجرہ تھا۔ جس میں یہ کے چڑھاوے جمع کئے جاتے ۔ حجرہ چاروں طرف سے بند تھا ، چھت میں ایک بڑا سا روزن تھا جس سے چڑھاوے اس میں ڈالے جاتے تھے، اسی حجرہ کی وجہ سے ملتان کو " فرج بیت الذہب " کہنے لگے ۔ فرج کے معنی سوچنے کے بھی ہیں ۔
>
> ملتان کا بت ایک ایسا بت تھا جس کیلئے اموال ھدیہ کئے جاتے اور اس پر نذریں چڑھائی جاتیں۔ سندھ والے اس کی بڑی عقیدت کرتے۔ زیارت کو آتے اور ڈاڑھیاں اور سر منڈا کے اس کا طواف کرتے لوگوں کا گمان ہے کہ یہ بت ایوب علیہ السلام کا مجسمہ ہے۔" [1]

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

> " کہتے ہیں حجاج نے مہم کے مصارف اور غنائم کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ 6 کروڑ خرچ ہوئے اور 12 کروڑ حاصل ہوئے۔ کہا ہم نے اپنے غصہ کا بدلہ پا لیا جو کچھ خرچ کیا۔ اس پر 6 کروڑ درہم مزید ہاتھ آئے اور داھر کا سر ملا۔" [2]

ابو عبداللہ ابن فقیہ ہمدانی بھی تیسری صدی کے آخر کا اعلیٰ پرداز اور جغرافیہ دان تھا اس کی تصنیف کا نام " کتاب البلدان " ہے اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ اس علاقے میں آیا تھا تو بحر ھند ملتان کو عبور کرتا ہوا گزرا تھا وہ لکھتا ہے کہ

> " یہ سمندر قلزم سے وادی قری ہوتا ہوا مہرہ عمان، دیبل اور ملتان کو عبور کرتا ہوا جس میں جمعہ پہاڑ تک چلا آیا ہے۔" [3]

اس نے ملتان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا

1۔ بحوالہ فتوح البلدان مصنف البلاذری ترجمہ سید ابوالخیر مودودی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع اول ستمبر 1962ء ، ص 623

2۔ فتوح البلدان (ترجمہ) ص 623

3۔ بحوالہ " کتاب " البلدان " ترجمہ از مسعود علی ندوی (ھندوستان عربوں کی نظر میں) ص 151

ابن فقیہ کا ہم عصر ابو احمد بن عمر بن رستہ اگرچہ خود ہندوستان میں نہیں آیا تھا مگر اس نے اپنی معروف تصنیف " الاعلاق النفیسہ " (سنہ تصنیف 290ھ) میں ملتان کے بارے میں بہت سی دلچسپ معلومات درج کی ہیں۔ مثلاً اس کے بیان کے مطابق ملتان میں بسنے والی قوم سامہ بن لوئی کی ایک شاخ بنو امیہ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ یہی قوم ہندوستان کے اس حصے پر حکمران تھی اور خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتی تھی۔ ابن رستہ نے ملتان کے بت کا بھی ذکر کیا ہے جس کی لمبائی 20 گز سے زائد تھی وہ آدمی کی شکل و صورت تھا۔ اور اس کے چار چہرے تھے اس لئے جس طرف بھی آدمی رخ کرتے وہ اس کے سامنے رہتا اس کی پشت نہیں تھی یہ بت دو ہزار سال پہلے کی تعمیر تھا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ بت آسمان سے اترا تھا اور انہیں اس کی بندگی کا حکم دیا گیا تھا۔ لوگ سالہا سال کی مسافت طے کر کے اس کی زیارت کے لئے آتے تھے یہاں آ کر اپنا سر منڈاتے تھے اور بائیں جانب سے سات بار طواف کرتے تھے اس کے سامنے روتے تھے، گڑگڑاتے اور زمین پر لوٹتے ۔ کچھ لوگ تو اپنی آنکھیں نکال کر اس کی آستین میں رکھ دیتے۔ بعض لوگ اپنی جان اس بت کی نذر کر دیتے طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک لمبی لکڑی کے سرے کو انتہائی تیز اور نوکیلا بنا کر اسے زمین میں گاڑ دیتے پھر اس کے اوپر چڑھ جاتے تھے اور لکڑی کا تیز اور نوکیلا سرا اپنے پیٹ میں اس طرح چبھو دیتے تھے کہ وہ پشت کے راستے باہر نکل آتا تھا[1]۔

علی بن حسین ابوالحسن المسعودی (المتوفی 346ھ/957ء) ایک بلند مرتبہ جغرافیہ دان، مورخ اور سیاح گزرا ہے ۔ اس کی دو کتابیں " مروج الذہب و معادن الجوہر " اور التنبیہ والاشراف بہت مشہور ہیں۔ مروج الذہب و معادن الجوہر میں ہندوستان کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مسعودی کی یہ تصنیف 332ھ/943ء کے بعد لکھی گئی تھی۔ اس میں ملتان کے بارے میں بھی کچھ معلومات درج ہیں۔ اس نے بھی ملتان کو " سونے کی سرحد " کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے مطابق ملتان کا حکمران قبیلہ قریش کی ایک شاخ اسامہ بن لوی بن غالب کے خاندان سے متعلق تھا، اس نے لکھا ہے کہ دریائے سندھ ملتان کے بعد منصورہ سے گزرتا ہوا دیبل کے قریب سمندر میں گرتا تھا۔ اس دریا میں گھڑیال رہتے تھے اور

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " ہندوستان عربوں کی نظر میں " ص 180 تا 187

مسعودی کے مطابق جس باغ میں گھڑیال ہیں وہ بڑا شہری ہوتا ہے مسعودی نے ملتان کو مسلمانوں کی ایک اہم سرحد قرار دیا ہے جس کے چاروں طرف ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں آباد ہیں پھر اس نے اس مشہور بت خانہ کا ذکر بھی کیا ہے جس کی یاترا کے لئے ہندوستان بھر سے لوگ خوشبوئیات لے کر آتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی ہندو راجہ ملتان پر حملہ آور ہوتا اور مسلمان اس کا مقابلہ نہ کر پاتے تو وہ اس بت خانے کو توڑ دینے کی دھمکی دیتے۔ اس دھمکی پر ہندوؤں کی فوجیں واپس چلی جاتیں۔ اس نے ملتان کی بنی ہوئی ہاتھی دانت کی چوڑیاں، کھلونوں اور تانبے کے برتنوں کی بہت تعریف کی ہے۔1

مسعودی کا 300ھ کے بعد ملتان جانا ہوا تھا۔ 331ھ میں یعنی مسعودی کے تقریباً تیس سال بعد ابن مہلہل سندھ آیا۔ ملتان کے بارے میں اس کا بیان ہے کہ

"ملتان ایک بڑا شہر ہے جس میں فصیل بھی ہے جہاں لوگ(ہندو) اسی طرح حج کرنے جاتے ہیں جیسا کہ ہم مکہ میں جہاں اسلامی سلطنت ہے اور غیر مسلم ان کے ماتحت ہیں۔ جہاں ایک بڑا بت ہے اور اس کے نزدیک مسلمانوں کی جامع مسجد ہے۔ عام طور پر لوگ شریعت کے تابع ہیں اور دینی امور پر عمل کرتے ہیں۔" 2

ابراہیم بن محمد ابو اسحاق اصطخری 340ھ/951ء میں ہندوستان آیا تھا۔ اس کی دو کتابیں کتاب الاقالیم اور مسالک الممالک مشہور ہیں۔ مسالک الممالک میں سندھ اور ہندوستان کا ذکر موجود ہے۔ سندھ کے ضمن میں ملتان کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اصطخری نے بھی ملتان کو "فرج بیت الذہب" کہہ کر پکارا ہے اور ملتان کے بت خانے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اس نے بت کے بارے میں کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جو دوسروں نے نہیں لکھیں مثلاً یہ کہ یہ مورتی انسانی شکل کی ہے اور اینٹ اور گچ کی بنی ہوئی ایک کرسی پر پالتھی مارے بیٹھی ہے۔ اس کا سارا جسم سنجاب کے چمڑے کی طرح ایک سرخ چمڑے سے منڈھا ہوا ہے اور صرف اس کی آنکھیں نظر آتی ہیں دونوں آنکھیں جواہرات کی ہیں۔ سر پر سونے کا ایک تاج ہے۔ آگے چل کر اصطخری لکھتا ہے کہ

"ملتان محفوظ اور مستحکم شہر پناہ سے گھرا ہوا ہے۔ یہ ایک سر سبز و

1- مروج الذہب ومعادن الجوہر (عربی) ص 189-190 (الجز اوّل) مطبوعہ بیروت الطبع الاولیٰ، بیروت 1385ھ 1885ء (علامہ عتیق فکری کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)
2- بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا سید ابو ظفر ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، 1947ء، ص 212

> شاداب علاقہ ہے ملتان کے باہر ڈیڑھ میل پر بہت سی عمارتیں ہیں جن کو جندراور کہا جاتا ہے۔ یہ امیر کی چھاؤنی ہے۔ اس کے مطابق اہل ملتان [illegible] لنگی اور کرتہ استعمال کرتے تھے۔ منصورہ ملتان اور اس کے مضافات کے باشندوں کی زبان سندھی اور عربی تھی۔" [1]

ایک اور عرب سیاح محمد بن احمد شمس الدین ابو عبداللہ بشاری مقدسی کی کتاب "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" میں ہندوستان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب 375ھ/985ء میں لکھی گئی تھی۔ بشاری مقدسی کے مطابق ملتان میں پھل بہت سستے تھے روٹی کی درہم 30 من اور مصری کی درہم 3 من ملتی تھی۔ مکان ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوتے تھے اور کئی کئی منزلہ تھے۔ شراب اور زنا کا رواج بالکل نہ تھا اور جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرتا تھا وہ سخت سزا کا مستوجب ٹھہرتا یہاں تک کہ قتل بھی کیا جاتا۔ اہل ملتان خرید و فروخت اور لین دین میں جھوٹ سے کام نہ لیتے تھے اور نہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ مسافروں سے محبت سے پیش آتے وہ دریا کا عمدہ پانی پیتے تھے۔ بشاری مقدسی نے ملتان کو آسودہ شہر قرار دیا۔ یہ تجارت کا مرکز تھا اور یہاں صنعتی کی فراوانی تھی۔ بادشاہ عادل اور [illegible] صفت مزاج تھے۔ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے بازار میں نہ آ سکتی تھیں اور نہ کوئی عورتوں سے بات چیت کر سکتا تھا۔

بشاری مقدسی کے مطابق ملتان کا پانی عمدہ اور زندگی راحت سے پر تھی لوگ خوشحال بامروت مالی طرح صحت مند اور توانا تھے۔ لوگوں کا رنگ گندمی اور سیاہ تھا۔ زبان عموماً فارسی تھی البتہ ملتان کی زمین سنگلاخ، مکانات تنگ اور ہوا گرم خشک تھی۔ بشاری مقدسی نے ملتان کے بت خانے کا ذکر بھی تفصیل/کیا ہے لیکن یہ تفصیلات کم و بیش وہی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔[2]

ایک اور مسلمان سیاح اور مؤرخ ابن حوقل دو بار ملتان آیا۔ دوسری بار 979ء میں وہ یہاں مقیم رہا۔ اس نے بھی اپنا سفر نامہ لکھا ہے۔ جو مطابق سید ابو ظفر ندوی کے بیان کے مطابق 367ھ میں تیار ہوا[3]۔ ملتان کی تاریخ اور حالات کے بارے میں ابن حوقل کے اکثر بیانات اصطخری کے مندرجات

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ص 368 تا 378

2- "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" ترجمہ بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ص 388 تا 400

3- تاریخ سندھ از مولانا ابو ظفر ندوی ، ص 223

پر مشتمل ہیں۔ حوقل کے بیان کے مطابق شہر کا نام ملتان کے مشہور بت کے نام پر رکھا گیا تھا جبکہ البیرونی کے نزدیک ملتان کا نام "مول استھان" تھا جو بعد میں ملتان بن گیا۔ ملتان کی کرنسی کے بارے میں ابن حوقل کا بیان ہے کہ یہاں پہلے/طاطری سکے/ساشرا کے رواج کا تھا جو مختلف وزن کا ہوتا تھا کبھی $1\frac{2}{3}$ درہم، کبھی $1\frac{1}{6}$ درہم عراق کے برابر اور کبھی 5 درہم عراق کے برابر۔ جب اسماعیلیوں کا ملتان پر قبضہ ہوا تو ایک اور سکہ رائج ہوا جس کو "فاطمیہ" کہتے تھے یہ مصر کے فاطمی آئمہ کے نام سے قاہرہ میں بنایا جاتا تھا جو عراق کے پانچ درہم کے برابر ہوتا[1] ملتان کی مصنوعات کے بارے میں ابن حوقل کہتا ہے ـــ ملتان سے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کنگھیاں، چھریاں، چاقو، صندوقچے اور ہتھیاروں کے دستے تیار ہو کر بڑی تعداد میں غیر ممالک کو جاتے تھے۔ ہاتھی دانت کی چوڑیاں بھی بنتی تھیں جنہیں ہندو عورتیں استعمال کرتی تھیں۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے ابن حوقل کے مطابق چوتھی صدی کے وسط تک ملتان اور منصورہ کے لوگ یہاں کی مقامی زبان یعنی سندھی (سندھی) اور عربی میں گفتگو کرتے تھے[2]

ابو ریحان البیرونی[3]، عالمی شہرت یافتہ سیاح، مؤرخ اور جغرافیہ دان تصور ہوتا ہے وہ 1011ء میں ملتان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیف "کتاب الہند"[4] بے حد معروف ہے۔ البیرونی نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ ملتان کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ البیرونی لکھتا ہے

> "مشہور بتوں میں ایک آفتاب کے نام کا بت ملتان کا تھا اور اس نسبت سے اسکا نام آدت رکھا گیا تھا۔ یہ بت لکڑی کا بنا ہوا اور بکری کی طرح سرخ رنگ کی کھال میں منڈھا ہوا تھا اس کی دونوں آنکھوں میں دو یاقوت سرخ جڑے ہوئے تھے۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ سب سے پچھلے کرتا جگ میں بنایا گیا تھا۔ فرض کرو کہ وہ اس جگ کے آخر میں بنا تو اس وقت سے ہم لوگوں کے زمانہ تک 216432 یعنی دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس

1۔ سفرنامہ ابن حوقل، ص 226، طبع لندن   2۔ سفرنامہ ابن حوقل بغدادی، ص 228 لندن

3۔ البیرونی برسوں ملتان میں رہا۔ یہیں اس نے ہندی علوم پر مشتمل کئی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا اور یہیں اس نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "کتاب الہند" لکھی (بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" از علامہ عتیق فکری، امروز ملتان نمبر، ص 3)

4۔ کتاب الہند 423ھ میں مکمل ہوئی (بحوالہ ابو ریحان البیرونی، مصنف [illegible]، لاہور 1965ء، ص 101)

سال ہوتے ہیں۔" [1]

البیرونی نے ملتان کے معروف مندر کے ذکر کے علاوہ محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں اس کے بیان کے مطابق جب ابن قاسم نے ملتان فتح کیا تو سورج مندر کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی تھی ۔ جب قرامطیوں نے ملتان پر قبضہ جمایا تو انہوں نے نہ صرف اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دئیے، نہ صرف پجاریوں کو قتل کرایا بلکہ محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو بھی بند کرا دیا اور اس کی جگہ ایک علیحدہ مسجد بنوائی۔ پھر محمود غزنوی نے 1005ء میں جو قرامطیوں کا قلع قمع کیا اور محمد بن قاسم کی مسجد کو دوبارہ آباد کیا۔[2] البیرونی نے ملتان کے کئی قدیم نام بھی درج کئے ہیں البیرونی نے ملتان کے ایک مقدس تالاب کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اس کا بیان ہے کہ ملتان میں ایک ایسا تالاب ہے جس میں نہانا ہندو اپنی پوجا کا حصہ سمجھتے ہیں۔[3]

ایک اور مسلمان جغرافیہ دان سیاح اور مؤرخ الادریسی نے 1103ء میں اپنی کتاب " نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق " میں ملتان کا ذکر کیا ہے اس نے سورج دیوتا کے بت کا حال خاص طور پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

1262ء سے متعلق ایک اور مسلمان مؤرخ اور سیاح زکریا قزوینی نے ملتان کے بارے میں کچھ باتیں درج کی ہیں یہ بھی کم و بیش اسی قسم کی ہیں جن کی تفصیل اس سے پہلے سیاحوں نے پیش کی ہیں۔ قزوینی کی کتاب کا نام " اسرارالبلاد و اخبار العباد " ہے جس میں اس نے ملتان کے باشندوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ مسلمان اور کافروں پر مشتمل ہیں لیکن حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔

ابن بطوطہ کا شمار دنیا کے معروف ترین سیاحوں میں ہوتا ہے۔ رئیس احمد جعفری نے " سفرنامہ ابن بطوطہ " کو اردو میں منتقل کیا ہے اس سفرنامے کی دوسری جلد میں ملتان کا ذکر کئی صفحات پر مشتمل ہے ابن بطوطہ کے مطابق ملتان میں داخل ہونے سے پہلے دس کوس کے فاصلے پر ایک دریا عبور کرنا

1۔ بحوالہ " ابو ریحان البیرونی " سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1965ء، ص 144
2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " ابو ریحان البیرونی " ص 144
3۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے
"Al-Beruni's India" by Dr. EDWARD SACHAU Part-II Page.195
مطبوعہ شیخ مبارک علی، بار دوم 1962ء

پڑتا ہے جو تنگ لیکن عمیق ہے اور بغیر کشتی کے عبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں دریا پار کرنے والوں کی تلاشی بھی ہوتی تھی۔ تاجروں سے ایک چوتھائی مال بطور محصول لیا جاتا تھا ایک گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ ابن بطوطہ جب آگے سے ملتان آیا تو اسے تلاشی کی بڑی فکر تھی لیکن ملتان کے حاکم قطب الملک کی ہدایت کے مطابق اس کی تلاشی نہ لی گئی۔ ابن بطوطہ جب حاکم سے ملنے گیا تو اس نے ایک غلام، ایک گھوڑا اور کشمش اور بادام کے تحفے پیش کئے ابن بطوطہ کے مطابق ملتان میں کشمش اور بادام نہیں ہوتے تھے اس لئے یہ تحفہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔

ابن بطوطہ نے ملتان میں گھوڑ سواری اور تیر اندازی کی بے حد تعریف کی ہے اس کے مطابق اگر کوئی اپنی سواری کا کمال دکھانا چاہتا تو پہلے گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایک چھوٹے سے نیزے پر ضرب لگاتا اور پھر ایک چھوٹی سی دیوار پر لٹکی ہوئی انگوٹھی کو نیزے کی انی میں پروکر انگوٹھی لے جاتا۔ جس قدر کمال کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا اسی قدر اس کے عہدے میں ترقی ہوتی تھی۔ ابن بطوطہ نے دو ماہ تک ملتان میں قیام کیا یہاں کے آداب طعام، دسترخوان کی وسعت اور رنگا رنگ کھانوں کی بڑی دلچسپ تفصیل ابن بطوطہ نے درج کی ہے وہ لکھتا ہے

"اس ترتیب سے کھانا لاتے تھے ۔ پہلے روٹیاں لاتے ہیں جو نہایت پتلی چپاتیاں ہوتی ہیں بکری کو بھون لیتے ہیں اور اس کے چار یا چھ ٹکڑے کر کے ایک ایک آدمی کے سامنے رکھتے ہیں پھر گھی میں تلی ہوئی روٹیاں لاتے ہیں جس کے بیچ میں حلوا سا بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر ایک ہمہ کے اوپر ایک میٹھی روٹی رکھتے ہیں تھے۔ جس کو خشتی کہتے ہیں اور اس کو آٹے اور شکر اور گھی سے بناتے ہیں پھر ایک چیز لاتے ہیں جس کو سموسہ کہتے ہیں اور وہ قیمہ کیا ہوا گوشت ہوتا ہے اس میں بادام اور جائفل اور پستہ اور پیاز اور گرم مصالحہ ڈال کر پتلی چپاتی میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر گھی میں تل لیتے ہیں ہر ایک شخص کے سامنے پانچ یا چار سموسہ رکھتے ہیں پھر چاول گھی میں پکے ہوئے لاتے ہیں اور اس کے اوپر مرغی ہوتا ہے پھر لقیمات القاضی لاتے ہیں اس کو ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ پھر قاہرہ لاتے ہیں حاجب کھانا شروع کرنے سے پہلے دسترخوان پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اور سب حاضرین بادشاہ کی

تعظیم کرتے ہیں اور تعظیم ان کے ملک میں یہ ہے کہ سر کو رکوع کی طرح جھکاتے ہیں جب یہ کر چکتے ہیں تو دسترخوان پر بیٹھتے ہیں اور کھانا شروع کرنے سے پہلے چاندی اور سونے اور کانچ کے پیالوں میں مصری اور گلاب کا شربت پیتے ہیں جب شربت پی چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے اس وقت سب کھانا شروع کرتے ہیں کھانا ختم ہونے پر فقاع کے پیالے آتے ہیں اور جب فقاع پی چکتے ہیں تو پان سپاری آتا ہے۔ جب پان چھالیہ لے چکتے ہیں تو حاجب بسم اللہ کہتا ہے جب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جیسی کھانے سے پہلے تعظیم کی تھی اسی طرح پھر کرتے ہیں اور پھر دسترخوانوں سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔" [1]

(5) یورپی سیاحوں کے حوالے

اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں سات انگریزوں نے یکے بعد دیگرے شمالی اور جنوبی ہندوستان کی سیاحت کی۔ ان سیاحوں کے نام یہ ہیں۔

1۔ رالف فچ	Ralph Fitch	1583 - 91
2۔ جان ملڈن ہال	John Milden Hall	1599-1606
3۔ ولیم ہاکنس	William Hawkins	1608 - 13
4۔ ولیم فنچ	William Finch	1608 - 11
5۔ نکولاس ود انگٹن	Nicholas Withington	1612 - 16
6۔ تھامس کوریات	Thomas Coryat	1612 - 17
7۔ ایڈورڈ ٹیری	Edward Terry	1616 - 19

ولیم فوسٹر نے ان سیاحوں کے طویل بیانات اپنی تصنیف Early Travels in India (1583-1619) میں مرتب کئے ہیں۔ ان میں سے ولیم ہاکنس، ولیم فنچ، تھامس کوریات اور ایڈورڈ ٹیری نے ملتان کا ذکر کسی نہ کسی لحاظ سے کیا ہے۔ اگرچہ ان سیاحوں نے ملتان کے بارے میں کوئی زیادہ تفصیل

1۔ "سفرنامہ ابن بطوطہ" حصہ دوم مترجمہ رئیس احمد جعفری، ص 498 تا 499، نفیس اکیڈمی کراچی طبع چہارم اپریل 1988ء

پیش بینی کی تاہم اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ ولیم فنچ کے مطابق جب لاہور ایک چھوٹی سی بستی تھا ملتان ترقی یافتہ شہر تھا۔[1] تھامس کوریاٹ ملتان کو مولتان کہتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد اسے دس روز کا سفر کرنا پڑا تب وہ ملتان پہنچا۔ مولتان میں اسے کافر کہہ کر پکارا گیا جس پر اسے غصہ آیا اور اس نے ایک سو مسلمانوں کے ہجوم کے سامنے اطالوی زبان میں فی البدیہہ تقریر کی۔ اس کی زبان سوائے ایک، جو ان کا سردار تھا، کوئی نہ سمجھ سکا۔ اس ایک نے دوسروں کو کچھ مفہوم سمجھایا۔ اس تقریر میں کوریاٹ نے مسلمانوں کے مذہب، ان کے رسول اور قرآن حکیم کے بارے میں نازیبا اور گستاخانہ کلمات کہے لیکن اسے کچھ نہ کہا گیا کیونکہ خود اس کے اعتراف کے مطابق مغل سلطنت میں عیسائیوں کو آزادی سے بولنے کی اجازت تھی۔[2] اسی طرح ایڈورڈ ٹیری ملتان کو اس دور کے عظیم اور بڑے شہروں میں شمار کرتا ہے جس کی حدیں جنوب میں کابل اور قندھار سے ملتی تھیں اور مغرب میں ایران سے۔[3]

22 مئی 1614ء کو دو برطانوی سیاح کروتھر اور اسٹیل بھی ملتان آئے۔ ان دونوں سیاحوں نے اسے ایک قدیم اور عظیم شہر کہہ کر پکارا ہے۔ البتہ ان کے مطابق یہاں کے لوگ غریب تھے۔ اس وجہ سے مختلف قافلوں کو کئی کئی دن تک روک لیتے تھے تاکہ شہر والوں کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔[4] شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں بھی ایک فرانسیسی سیاح جین بپٹسٹ ٹیورنیئر (Jean Baptise Tavernier) اصفہان اور قندھار سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا اس کا سفرنامہ فرانسیسی زبان میں 1876ء میں شائع ہوا تھا اس کا انگریزی ترجمہ وی بال (V. Ball) نے کیا ہے۔ ٹیورنیئر لکھتا ہے

> "ملتان ایک ایسا شہر ہے جہاں بڑی تعداد میں کپڑا بنتا ہے۔ یہ
> سارا کپڑا دریا کا راستہ بند ہونے سے پہلے ٹھٹھہ کی طرف لے
> جایا جاتا تھا۔ اب جبکہ وہ راستہ بڑی کشتیوں کے لئے بند ہو چکا ہے
> تو یہ (کپڑا) اور لاہور میں بنی ہوئی چیزوں کا کچھ حصہ آگرہ اور
> آگرہ سے سورت بھیجا جاتا ہے۔ چونکہ مال کی نقل و حمل بہت مہنگی

1- ملاحظہ فرمائیے "Early Travels in India" دوسرا ایڈیشن السیدن، لاہور 1976ء صفحہ 161
2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے ("Early Travels in India") دوسرا ایڈیشن - السیدن لاہور 1978ء - ص 271 تا 275
3- ایضاً ص 291

ہے اس لئے صرف چند تاجر ملتان یا لاہور میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں۔ بہت سے کاریگر کام چھوڑ چکے ہیں اس لئے اس صوبے میں بادشاہ کی آمدنی کم ہو گئی ہے۔ ملتان ایسی جگہ ہے جہاں ایران میں تجارت کرنے والے بنئے آ کر بسے ہیں اور یہودیوں جیسا کاروبار کرتے ہیں بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہ سود خوری میں یہودیوں سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ ان کا ایک خاص قانون ہے جو انہیں مخصوص ایام میں پرندے کھانے کی اجازت دیتا ہے اور اس قانون کے تحت دو تین بھائی مل کر ایک بیوی رکھتے ہیں اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کا باپ بڑا بھائی سمجھا جاتا ہے"۔ [1]

اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ایک اور فرانسیسی سیاح (Thev not) دسمبر 1666ء میں ملتان آیا۔ اس کا سفرنامہ 1687ء میں چھپا۔ ملتان کے بارے میں اس نے یہ لکھا ہے

" ملتان کو کئی دریا جو سیراب کئے ہوئے جاتے ہیں۔ مرکزی شہر، جو ملتان کہلاتا ہے، اب تک تجارت کا ایک اہم مرکز رہا ہے کیونکہ یہ دریائے سندھ سے دور نہیں ہے لیکن اب دریا کی گزرگاہ کئی جگہوں سے خراب ہو جانے اور کئی مقامات پر دہانوں میں ریت بھر جانے کی وجہ سے جہاز دور تک نہیں جا سکتے۔ خشکی کے راستے اخراجات زیادہ اٹھنے کی وجہ سے آمد و رفت بہت گھٹ گئی ہے۔ بہر حال یہ صوبہ روئی بکثرت پیدا کرتا ہے جس سے بہت زیادہ کپڑا بنایا جاتا ہے اس کے علاوہ یہاں چینی، افیون، گندھک اور اونٹ بھی بکثرت ملتے ہیں۔ انہیں قزوین اور قندھار کے راستے فارس بھیجا جاتا ہے یا لاہور کے راستے ہندوستان کے مختلف مقامات پر لے جایا جاتا ہے ۔ اب تک یہ سامان دریائے سندھ کے راستے ٹھٹھہ تک جاتا تھا جہاں کئی ملکوں سے آئے ہوئے تاجر انہیں خریدتے لیکن اگر انہیں زیادہ منافع کی توقع ہو تو خشکی کے راستے سورت تک لے جانا پڑتا ہے۔

کئی ایک جغرافیہ دانوں نے ملتان شہر کو سندھ کے ساتھ ملایا ہے لیکن یہ خود ایک صوبہ ہے۔ ---- ملتان کے کاشتکار اور اکثر مسلمان ہیں---- لیکن یہاں بہت سے بنئیے بھی ہیں---- ہندو مذہبی

1-"Travels in India" by Jean Baptise Travernier (Vol I) translated from the original French Editi n of 1676. By V.Ball——Page 90-91 albiruni Lahore. Repri ted 1976

کی عمارت مسجدوں جیسی ہے مگر یہ بعض مسجدوں سے زیادہ شاندار ہیں وہ ایک پیسہ بھی بچانے کا موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان تاجروں کا شمار ہندوستان کے امیر طبقے میں ہوتا ہے اور میں جہاں بھی گیا ان کو ایسے ہی پایا یہ لوگ عام طور پر اپنی بیویوں پر حاسدانہ نظر رکھتے ہیں۔ یہ عورتیں مردوں کی نسبت صاف رنگ کی ہیں مگر پھر بھی گندمی رنگ ہے اور روغن و غازہ کی بہت شوقین ہیں۔

ملتان میں کھتری بھی رہتے ہیں۔ یہ شہر ان کی اصل جائے سکونت ہے اور یہیں سے دوسرے علاقوں میں پھیلے ہیں ـــــ ہندو بھی اور کھتریوں کا ایک بہت مشہور مندر ملتان میں ہے یہاں ہندو دوسرے شہروں کی نسبت ملتان میں زیارت کیلئے زیادہ آتے ہیں۔ مجھے اس بت کا نام معلوم نہیں جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس کا چہرہ سیاہ ہے اور اس کا لباس سرخ چمڑے کا ہے۔ آنکھوں کی جگہ دو موتی جڑے ہیں۔ یہاں کا امیر یا گورنر مندر پر چڑھاوے کی ساری رقم وصول کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ملتان شہر ایک چھوٹا سا دارالخلافہ ہے لیکن خوبصورت اور مضبوط ہے ـــــ خان حکمران اس مندر سے ایک کروڑ پچھتر لاکھ لیرا وصول کرتے تھے۔

مونسٹورٹ الفنسٹن (Mounsttuart Al histo) 11 دسمبر 1808ء میں کابل جاتے ہوئے ملتان رکا۔ ملتان کے گورنر نواب سرفراز خان سدوزئی سے اس کی ملاقات ہوئی لیکن اسے شہر میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ الفنسٹن کا سفرنامہ 1842ء میں لندن میں شائع ہوا۔ وہ ملتان کے بارے میں لکھتا ہے۔

" یہ شہر ساڑھے چار میل کے علاقے پر محیط ہے اس کے گرد چالیس اور پچاس فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی ہے جس پر مخصوص فاصلے پر برج بنے ہوئے ہیں۔ ایک اونچی جگہ پر قلعہ بنا ہے جس میں کئی عمدہ مقابر ہیں ان میں سے دو کے گنبد بڑے شاندار ہیں اور روغنی اینٹوں اور ٹائلوں سے سجے ہوئے ہیں۔ مقابر شہر کے چاروں اطراف سے کافی فاصلے تک سے نظر آتے ہیں۔ ملتان ریشم کی مصنوعات کی وجہ سے مشہور ہے اور ایک قسم کے عمدہ قالین کی وجہ سے بھی لیکن یہ ایرانی قالین کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ شہر کے نواح میں علاقہ بہت خوش منظر اور زرخیز ہے جہاں[1] کنوؤں سے آبپاشی کی جاتی ہے لوگ بہاولپور والوں جیسے ہیں سوائے اس کے کہ

---

1 - بحوالہ گزیٹئر پنجاب ، جلد دوم ، ص 129

یہاں پر ایرانی خدو خال کے مرد زیادہ نظر آتے ہیں جو زیادہ تر
شہسوار ہیں ـــــ شہر زرخیز ہے مگر زیادہ تر گاؤں اجڑ چکے ہیں اور
جہاں جہاں کاشت ہو رہی ہے وہاں بھی انحطاط پذیر ہیں۔ گندم
موٹھ کپاس، شلغم، گاجریں اور نیل پیدا ہوتا ہے۔ درخت زیادہ تر ہم
کھجور اور ببول کے ہیں ـــــ سارے علاقہ میں ہر قسم کا شکار ملتا ہے
ہمارے قیام کے دوران موسم بہت اچھا تھا ـــــ رات کو کہر پڑتی تھی لیکن
دن قدرے گرم تھے۔ " ـ1ـ

چارلس میسن کا سفرنامہ "Narrative of Various Journeys in Balochistan Afghanistan & the Punjab" کے نام سے پہلی بار 1842ء میں لندن میں شائع ہوا۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ چارلس میسن اپنے سفر کے دوران 1827ء میں دو مرتبہ ملتان آیا اور کئی روز تک قیام کیا۔ اس نے ملتان شہر کے بارے میں دلچسپ تفصیل درج کی ہے وہ لکھتا ہے

" دور سے تو یہ شہر بہت بڑا دکھائی دیتا ہے لیکن قریب آ کر اس کا
اثر زائل ہو جاتا ہے۔ یہ تین میل کے دائرے میں پھیلا ہوا ہے اور فصیل
بند ہے اس کے بازار بڑے ہیں لیکن تکلیف دہ حد تک تنگ ہیں اور ان میں
وہ کپڑا کبھی بھی نہیں ہے جس کی توقع کسی بڑے مشہور تجارتی شہر
سے کی جاتی ہے۔ قلعہ بہت زیادہ مضبوط ☆ تو نہیں لیکن غیر معمولی
توجہ سے بنایا گیا ہے اور غیر یورپی انجینئروں کے بنائے گئے قلعوں کی نسبت
زیادہ سلیقے سے بنایا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کیلئے اس کی خندق بنائی
گئی ہے اس کے دروازے کی حفاظت ایک کھچاؤ پل کے ذریعے کی گئی ہے۔ " ـ2ـ

میسن کے مطابق اگرچہ سکھوں کے ملتان پر قبضے کے بعد تجارت میں کمی آ گئی تاہم بازاروں کی رونق اور اشیائے صرف کی مناسب بہم رسانی باقی ہے یعنی پیسے کا لین دین کرنے اور سوتی اور ریشمی کپڑا بنانے والے بے شمار لوگ موجود تھے۔ ملتان کی شالیں اور لنگیاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور یہاں کی کڑھائی کا کام بہاولپور کے کام سے مقابلہ کرتا ہے۔ افغانستان اور سندھ کے خصوصی خطوں کے ساتھ اس کی تجارت جاری ہے۔

1- امروز ملتان، 28 جون 1978ء

2- "Narrative of various Journeys in Balochistan, Afghanistan and the Punjab", Oxford Press 1974, Page 394.

آگے چل کر میسن ملتان کی فصیل، مقبروں، مساجد اور خانقاہوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتا ہے وہ اس روایت کا ذکر بھی کرتا ہے کہ سر زمین ملتان میں ایک لاکھ ولی دفن ہیں ملتان کے باغات کی تشریحات اس نے کھل کر کی ہے وہ لکھتا ہے کہ

" ملتان میں باغات کی کثرت ہے، ان میں پھل دار درخت مثلاً آم،
مالٹا، لیموں اور سنگترہ عام ہیں۔ کھجوروں اور سبزیوں کی خوب
پیداوار ہوتی ہے۔ دریائے راوی اگرچہ تین میل کے فاصلے پر ہے
لیکن طغیانی کے زمانے میں اس کا پانی شہر تک آ جاتا ہے۔ دریا پر
کشتیوں کی بندرگاہ سی بنائی گئی ہے جہاں سے دریائے سندھ اور
انجام کار سمندر تک راستہ جاتا ہے۔" 1

میسن کے اندازے کے مطابق اس وقت ملتان میں آٹھ یا نو ہزار مکان موجود تھے اور اس کی آبادی چالیس پینتالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی 2۔

جرمن سیاح بیرن چارلس ہوگل (Baron Charles Hugel) (1796-1870ء) پنجاب اور کشمیر کی سیاحت پر 1835-36ء میں آیا۔ اس نے اپنے تاثرات ایک کتاب کی صورت میں لکھے جس کو میجر ٹی بی جروس (T.B. Jervis) نے 1844ء میں انگریزی میں منتقل کیا۔ چارلس ہوگل نے اپنے سفرنامے کو ایک تاریخی چیز بنا دیا ہے اس نے ملتان شہر اور قلعے کی تشریحات کی ہے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے ہاتھوں نواب مظفر خان اور اس کے بیٹوں کی شہادت اور قلعہ کی تسخیر کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے 3

مشہور سیاح لیفٹیننٹ الیگزینڈر برنس 15 جون 1831ء کو ملتان میں داخل ہوا۔ اس نے 21 جون تک یہاں قیام کیا۔ اس کا سفرنامہ " Travels into Bokhara " 1834ء میں تین جلدوں میں لندن سے شائع ہوا۔ اس سفرنامے کی تیسری جلد میں ملتان کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے۔ برنس کے مطابق وہ 15 جون 1831ء کو ملتان پہنچا اسے دور سے مقبروں کے گنبد دکھائی دیے وہ شام کے وقت

1،2- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے
"Narrative of various Journeys in Baluchistan, Afghanistan & the Punjab". Oxford Press 1974. Page 394 to 398.

3- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "Travels in Kashmir & the Punjab."
مطبوعہ لوسی، لاہور 1976ء، ص 373 تا 378

مشہور باغ میں اتری جو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ اس باغ کے گرد کچی دیوار تھی۔ راستے کشادہ تھے پھل دار درخت ہر طرف سایہ کئے ہوئے تھے۔ مقامی حکام نے برنس کا شاندار طریقے سے استقبال کیا۔ پچیس سو روپیہ، شفتالو سے بھری ایک سو ٹوکری اور کافی مقدار میں پھل پیش کیا۔ برنس اہل ملتان کی مہمان نوازی اور فیاضی سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ ملتان پہنچ کر اسے بہت خوشی ہوئی۔

برنس کے بیان کے مطابق ملتان اس وقت تین میل کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے گرد ایک بوسیدہ دیوار تھی اور شمال میں ایک مضبوط قلعہ تھا اس شہر کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ایک تہائی ہندو تھے اور باقی مسلمان ۔ مکانات پکی اینٹوں کے تھے جن کی چھتیں چپٹی تھیں یعنی مکانات چھ چھ منزلہ تھے جو تنگ گلیوں کو اور تاریک بنا رہے تھے۔ باشندے زیادہ تر کپڑا بننے اور رنگنے کا کام کرتے تھے ۔ ریشمی پارچہ جات میں "کھیس" زیادہ مشہور تھے جو ہر رنگ میں دستیاب تھے اور ان کی قیمت 20 سے 120 روپے تک تھی ۔ برنس کے مطابق یہ کھیس بہاولپور کی بنی ہوئی لنگیوں کی نسبت ذرا کم نفیس تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ملتان پر قبضے کے بعد اس صنعت کی اور ترقی ہوئی کیونکہ مہاراجہ نے نہ صرف اس صنعت کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنے دربار میں کسی اور کپڑے کے استعمال کی اجازت نہ دی اس طرح اس کے استعمال میں بے حد اضافہ ہوا۔ یہ کھیس خراسان اور ہندوستان میں برآمد کئے جاتے تھے۔ برنس نے ملتان کی تجارت کی بڑی تعریف کی ہے اس کے مطابق یہاں شکار پور کے 20 صراف روپے کا لین دین کرتے تھے۔ ملتان کے مزارات سجے ہوئے تھے۔ برنس نے خانقاہ غوث بہاؤالحق ، شاہ رکن عالم اور بھگت پرہلاد کے مندر کا ذکر کرنے کے بعد قلعے کی تفصیلات بطور خاص درج کی ہیں۔ برنس ملتان کو ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں شمار کرتا ہے۔ اس نے ملتان کی عمارات پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ ملتان کی آب و ہوا کے بارے میں برنس لکھتا ہے کہ ملتان کا موسم سندھ کے علاقوں سے مختلف ہے۔ بوندا باندی اور بارش ہر موسم میں ہوتی رہتی ہے۔ پھر بھی گرد و غبار ناقابل برداشت ہے۔ طوفان باد و باراں عام ہیں اور خود ملتانیوں سے آئے دن برنس نے یہ شعر بھی درج کیا ہے

چہار چیز است تحفۂ ملتان
گرد و گرما، گدا و گورستان

برنس نے اس شہر کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ برنس نے ملتان کی زراعت، یہاں کے کھیتی اور دھری کی خوب تعریف کی ہے۔[1]

(6) موہن لال کاشمیری کا بیان

ہری رام گپتا نے موہن لال کاشمیری کی سیاحت اور کارناموں پر ایک کتاب مرتب کی جو لاہور سے 1943ء میں شائع ہوئی۔[2] اس میں موہن لال کاشمیری (1812ء تا 1877ء) کے کابل میں دو سال کے قیام اور اس سلسلے میں اس کے سفر کی داستان بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ موہن لال کاشمیری ملتان بھی آیا اور اس نے جو تفصیلات ملتان کے بارے میں درج کی ہیں وہ بڑی دلچسپ ہیں۔ موہن لال 16 دسمبر 1835ء کو ملتان پہنچا شہر سے دو میل باہر اسے روک دیا گیا۔ اس وقت ملتان پر دیوان ساون مل کی حکومت تھی دیوان کی اجازت کے بغیر اس کو شہر میں داخلے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی اور دیوان ساون مل دورے پر گیا ہوا تھا۔ 20 دسمبر کو اسے اجازت ملی اور اس کے قیام کا بندوبست دولت گیٹ کے باہر ایک مکان میں کیا گیا جہاں وہ 31 جنوری 1836ء تک رہائش پذیر رہا۔ اس کے بیان کے مطابق ملتان میں نیل کی کاشت کثرت سے کی جاتی تھی۔ ہر رنگ کا ریشم تیار کیا جاتا تھا۔ ریشم کی تیاری کے لئے شہر میں 150 کارخانے تھے۔ جن میں ہر سال چالیس ہزار گز ریشمی کپڑا اور دو لاکھ گز ریشم اور سوت ملا کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔ اپنے ملتان میں قیام کے دوران موہن لال کے شکار پوری اور لوہانی سوداگروں سے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ان سوداگروں نے 30 جنوری کو موہن لال کے اعزاز میں طعام اور رقص کی محفل ترتیب دی۔ موہن لال کے مطابق ملتان کی رقاصائیں دہلی کی رقاصاؤں کے مقابلے میں زیادہ محنت کرتیں جبکہ انہیں دہلی والیوں کے مقابلے میں معاوضہ صرف تیسرا حصہ ملتا، لیکن وہ مغل دار الحکومت کی بیبیوں کے مقابلے میں اپنی حرکات و سکنات، لباس اور زیورات کے معاملے میں کم درجے کی تھیں۔[3]

1- مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیں "Travels into Bokhara" Oxford University Press Karachi 1975, Page 109 to 121.

2- اس کتاب کا ترجمہ سید عبدالرشید نے کیا ہے جو ابھی تک غیرمطبوعہ ہے۔ اصل کتاب کے ساتھ ساتھ مجھے یہ ترجمہ جناب مرزا ابن حنیف کے پاس دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔

3- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "Travels in the Punjab Afghanistan, Turkistan to Balh Bokhara & Harat by Mohan Lal, Al-Biruni, Lahore

(7) ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی اور تہذیبی زندگی کا مجموعی جائزہ

سیاحوں کے ان بیانات کی روشنی میں جب ہم بحیثیت مجموعی ملتان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، لسانی اور تہذیبی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے لوگوں پر شروع ہی سے مذہب کی گرفت بہت مضبوط رہی۔ مذہب کا عمل دخل زندگی کے ہر شعبے میں بہت زیادہ تھا۔ لوگ مذہبی شعائر کی سخت پابندی کرتے تھے۔ مذہبی عمارتیں بنانے کا رواج شروع سے عام تھا۔ مزاروں اور عبادت گاہوں کو خوب سجایا جاتا تھا۔ نادر جواہرات اور سونے چاندی کے استعمال سے ان کی آرائش کی جاتی تھی۔ بتوں کی پوجا، چڑھاوے، نذر و نذرانے دینے کا بڑا رواج تھا۔ لوگ عقیدت کے تحت اپنا سر منڈھواتے، طواف کرتے، کبھی اپنی آنکھوں کا نذرانہ پیش کرتے۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں کے سامنے اپنی جان تک کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ لوگوں میں خدا خوفی عام تھی۔ غریبوں اور محتاجوں کے لئے کھانے پینے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ بیماروں کے لئے دعاؤں کے علاوہ دواؤں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ لوگ عام طور سے نیکی کے کام کرنے کی طرف مائل رہتے۔ پردے کی پابندی عام تھی عورتیں حیا والی تھیں، اور بناؤ سنگھار کر کے کھلے عام نہیں آتی تھیں۔ غیر عورتوں سے بات چیت کرنا بھی ممنوع تھا۔ بدکاری، شراب، زنا اور دیگر معاشرتی برائیوں کے لئے سخت تعزیرات مقرر تھیں۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو سختی سے سزا دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی اُسے قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔

سیاحوں کے بیانات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سرزمین ملتان میں دولت کی ریل پیل تھی۔ سونا، چاندی منوں کے حساب سے ہوتا تھا۔ مٹکوں اور دیگوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم کو ملتان کے بت خانے سے جو دفینہ ملا تھا اس میں سونے کا وزن تیرہ ہزار دو سو من تھا۔ اس کی تفصیل سابقہ صفحوں میں درج کی جا چکی ہے۔ غالباً اسی لئے ملتان کو فرج بیت الذہب (سنہری سرحد) بھی کہا جاتا تھا۔ یہاں سونے کے بت بنائے جاتے تھے اور ان کے جسم میں یاقوت جیسے جواہرات اور قیمتی نگینے جڑے جاتے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ جہاں دولت کی ریل پیل ہو وہاں عیش و عشرت کے سامان بھی

پیدا ہو جاتی ہیں اور لوگ تصوف کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ (چنانچہ کبھی کبھی امراء کے یہاں ناچ گانے ہوتے تھے ایک آدھ سیاح نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔) لیکن ملتان کی عمومی معاشرتی زندگی ان تفریحات سے عاری تھی غالباً اس کا سب سے بڑا سبب ملتان میں مذہب و اخلاق کا عمل دخل تھا۔ یہ سرزمین قبل از اسلام بھی اور اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد بھی ہمیشہ نیک لوگوں کے اثر میں رہی اسلام سے پہلے بھی یہاں مذہب کی گرفت مضبوط رہی اور یہ خانقاہ کے علاوہ ہندو تصوف اور جین و صوفیاء کی بدولت بھی تھا۔ اسلام کی اشاعت کے بعد مسلمان صوفیائے کرام نے اس سرزمین کے لوگوں کو رشد و ہدایت کے ذریعے ہمیشہ نیکی پر مائل رکھا۔ اسی لئے یہاں کے لوگ ابتداءً سادہ اور علم و ادب کے دلدادہ تھے۔ فنون لطیفہ ہوں یا فنون مفیدہ زمانۂ قدیم ہی سے ملتان اس سلسلے میں اہم شہر رہا اس کے مندر، محل اور عمارات فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھے جاتے رہے ہیں۔ امراء کے مکانات عام طور پر ساگوان کی لکڑی کے بنائے جاتے تھے جو کئی کئی منزلہ ہوتے تھے۔ صنعت و حرفت اور گھریلو دستکاری انڈسٹری کے اعتبار سے بھی ملتان بے حد مشہور رہا ہے۔ ہاتھی دانت کا کام، کھلونے بنانے کا ہنر اور تانبے کے برتن بنانے کا بڑا رواج تھا۔ بہت سے سیاحوں نے ان کی تعریف کی ہے۔ ہاتھی دانت سے تیار کردہ چیزوں میں چوڑیاں اور ڈبیاں زیادہ اہم تھیں۔ کھلونے، تانبے کے برتن، چھری، چاقو، مٹھوچھے اور ہتھیاروں کے دستے بھی تیار کئے جاتے تھے اور غیر ملکوں کو برآمد کئے جاتے تھے۔ کپڑے کی صنعت کے لئے ملتان شروع ہی سے ایک اہم مرکز رہا ہے۔ ریشم کی مصنوعات کے لحاظ سے بھی ملتان کی مرکزی حیثیت تھی۔ سوتی کپڑا بھی بنتا تھا۔ کڑھائی کا کام بہت بھاری ہوتا تھا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا قالین، کمبل، غالیچے، لنگیاں اور کرتے بنانے کا عام رواج تھا اور یہ سب اشیاء غیر ملکی منڈیوں میں بڑی مقبول تھیں۔ سیاحوں کے بیانات کے مطابق ملتان تجارت کے لحاظ سے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں سے قندھار، غزنی، ایران اور عرب کو اشیاء برآمد کی جاتی تھیں۔ لاہور کے راستے ہندوستان کے دیگر علاقوں کو بھی یہ چیزیں مہیا کی جاتی تھیں۔

سیاحوں کے بیانات کے مطابق ملتان کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں کی فصلوں میں گندم، کپاس، جو، کماد، سبزیوں میں شلجم، گاجریں، درختوں میں شیشم، کھجور اور ببول اور پھلوں میں آم،

مالٹا، سنترہ، لیموں اور کھجوریں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ پھل عام تھے اور بہت سے تھے، پانی میٹھا اور عمدہ تھا۔ یہاں کا زرعی نظام نہایت اعلیٰ تھا اور آبپاشی کا کام زیادہ تر کنوؤں سے لیا جاتا تھا۔ شہر والے آسودہ حال تھے۔ معیشت کی فراوانی تھی زندگی راحت سے پر تھی۔ لوگ بامروت، عالی ظرف، عالی دماغ، تندرست اور توانا تھے۔ مہمان نوازی کے لحاظ سے اہل ملتان مشہور تھے۔ ابن بطوطہ نے یہاں کے لوگوں کے آداب طعام، دسترخوان کی وسعت اور رنگا رنگ کھانوں کی دلچسپ تفصیل درج کی ہے جو سابقہ صفحات میں آ چکی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کھانا جدید دور کے "کورس" کے انداز پر کھایا جاتا تھا۔ یعنی باری باری سے مختلف چیزیں لائی جاتی تھیں اور مہمانوں کی خوب تواضع کی جاتی تھی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ملتان کے لوگ کتنے فیاض، مہمان نواز اور فراخ دل تھے۔ اسلام کی اشاعت کے بعد یہاں کے لوگوں میں حکومتی سطح پر بھی اور عوامی سطح پر بھی مذہبی رواداری عام تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک سیاح تھامس کوریات نے مسلمانوں کے مذہب، قرآن اور حضور کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کئے تو تب بھی اس سے کچھ تعرض نہ کیا گیا۔ کیونکہ خود اس کے بیان کے مطابق مغل سلطنت میں عیسائیوں کو آزادی سے بولنے کی اجازت تھی۔[1]

بہت سے سیاحوں نے اہل ملتان کی بہادری اور شہ سواری کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اہل ملتان کو شہ سواری اور بہادری کے جوہر دکھانے کا بہت شوق تھا۔ حربی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ نہایت اعلیٰ درجے کے فوجی تھے۔ سکندر اعظم کو یہاں بے حد زک اٹھانی پڑی۔ یہاں تک کہ ملتان کے نواحی علاقے میں اسے جو مہلک زخم لگا وہی اس کی موت کا باعث بنا۔ گھوڑ سواری اور فن تیر اندازی میں اہل ملتان کا جواب نہیں تھا۔ شہ سواری کے مقابلے منعقد کرائے جاتے تھے۔ آج بھی عرس اور میلوں میں شہ سواری کے کرتب دکھائے جاتے ہیں۔

1831ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملتان کی آبادی 60 ہزار نفوس پر مشتمل تھی جس میں سے ایک تہائی ہندو تھے اور باقی مسلمان[2]۔ کچھ سیاحوں نے اہل ملتان کی زبان کو سندھی قرار دیا۔

1- "Early Travels in India" Page 274

2- Travels in to Bokhara Page. 189

1875ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کا تناسب یہ تھا، ہندو 15614، مسلمان 13708، کل 29322 (بحوالہ تاریخ ضلع ملتان، لالہ حکم چند، ص 410)

کچھ نے عربی اور کچھ نے فارسی۔ بہر حال یہ تینوں زبانیں مسلمانوں کی آمد کے زمانے میں یہاں سمجھی اور بولی جاتی تھیں۔

(ج) سرزمین ملتان میں لسانی تشکیلات کا عمل

(1) لسانی تشکیلات کا عمل

جہاں تک ملتان کی زبان کا تعلق ہے کچھ سیاحوں نے اہل ملتان کی زبان کو جیسا کہ سابقہ صفحات میں درج کیا گیا ہے، سندھی قرار دیا، کچھ نے عربی اور کچھ نے فارسی۔ بہر حال یہ تینوں زبانیں سیاحوں کی آمد کے زمانے میں یہاں سمجھی اور بولی جاتی تھیں لیکن ہمیں بات کچھ اس سے پہلے زمانے سے شروع کرنی ہو گی کیونکہ جن سیاحوں[1] نے ملتان کی زبان کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ سب کے سب مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد سے بعد کے سیاح ہیں یعنی ان کا تعلق زیادہ تر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری سے ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ ما قبل اسلام ملتان کی زبان کیا تھی؟ اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ زمانہ قدیم کا ادب و شعر دستیاب نہیں ہوتا جس سے اس دور کی زبان کا پتہ لگایا جا سکے۔ سندھ ہو یا ملتان شروع ہی سے مسلسل شورشوں اور غیر ملکی حملہ آوروں کی زد میں رہا۔ اس لیے اس دور کے ادب و شعر کے سرمائے کا ضائع ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ قدیم ترین سندھی زبان میں لکھی جانے والی وہ قرآنی تفسیر ہے جو ایک عراقی نے 270ھ میں لکھی۔ یہی ہندوستان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ہے۔[2] ایرانی سیاح بزرگ بن شہریار کی روایت کے مطابق 270ھ میں منصورہ کے رہنے والے ایک شخص نے، جو عراق کا باشندہ تھا لیکن اس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی تھی، راجا مہروگ (الور) کی فرمائش پر اسلامی احکام و قوانین کی تشریح اور قرآن مجید کی

---

1 - ان سیاحوں میں اصطخری، ابن حوقل، بشاری مقدسی وغیرہ قابل ذکر ہیں اور ان کے حوالے سابقہ صفحات میں آ چکے ہیں۔

2 - حوالے کے لیے دیکھئے (1) تاریخ سندھ از ابوظفر ندوی ص 357 (2) ملتانی زبان اور اس کا تعلق اردو کے ساتھ از ڈاکٹر مہر عبدالحق ص 321 (3) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص 256، 314

تفسیر هندی زبان میں لکھی[1] ۔[2] اسی طرح ابو ظفر ندوی نے ابن مہلہل کی کتاب سیرالبلاد الاقلیم کے قلمی نسخے کے حوالے سے ملتان کے ایک شاعر هارون بن عبداللہ ملتانی کا ذکر کیا جو اپنی شجاعت اور بہادری کے کارناموں کو نظم کیا کرتا تھا۔[3]

جس زبان میں یہ تفسیر لکھی گئی یا شاعری کی گئی اسے سندھی زبان کہا جائے یا هندی بہر حال وہی زبان تھی جو سندھ منصورہ اور ملتان میں بولی ، سمجھی اور لکھی پڑھی جاتی تھی اور اس پر مسلمانوں کی زبان کے اثرات یقیناً پڑ چکے تھے کیونکہ هندوستان میں ان کی آمد کا باقاعدہ سلسلہ پہلی صدی هجری سے شروع ہو چکا تھا ، سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق

> "مسلمانوں کی عربی و فارسی سب سے پہلے هندوستان کی جس زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے۔"[4]

اسی طرح ڈاکٹر مہر عبدالحق کی لسانی تحقیقات همیں اس ناقابل تردید حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی هیں کہ

1۔ ابوظفر ندوی (تاریخ سندھ، ص 357) ،ڈاکٹر مہر عبدالحق(ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، ص 321) اور اعجازالحق قدوسی (تاریخ سندھ، ص 314) نے بزرگ بن شہریار کی کتاب عجائب الهند، مطبوعہ لیڈن کے حوالے سے اسے "سندھی" زبان کا نمونہ قرار دیا ہے لیکن مولانا مسعود علی ندوی نے (هندوستان عربوں کی نظر میں، ص 195) اس کتاب سے هند کے بارے میں اقتباسات ترجمہ کرتے وقت اسے "هندی" لکھا ہے۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے بھی (اردو نثر کا آغاز و ارتقاء، ص 2) عجائب الهند ہی کے حوالے سے اس زبان کے لیے "هندی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی اصل عبارت یہ ہے

"وکان فیما کتب الیہ .... ان یفسر لہ القرآن بالهندیہ"

اس لیے هندی ہونا چاہئیے۔ لیکن دراصل اس زمانے میں سندھی اور هندی میں کوئی فرق نہ تھا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے مطابق "قدیم ایرانیوں کے یہاں هند کا لفظ دراصل سندھ ہے اور اس سے قدیم تاریخ میں وہ علاقہ مراد ہے جسے آج پاکستان کہتے ہیں۔" (برعظیم پاک و هند کی ملت اسلامیہ، ص   ) بزرگ بن شہریار چونکہ ایرانی تھا اس لیے یہ بات قرین قیاس لگتی ہے۔ اسی طرح شریف الدین پیرزادہ نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے حوالے سے لکھا ہے "لفظ سندھ کا صوتی تغیرہ لفظ هند کے استعمال کا باعث بنا۔ سندھ سنسکرت کے لفظ "سیاندھ" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی بہنے کے ہیں اور "سندھو" دریائے سندھ کا نام ہے۔ سیاندھ سے سندھ اور هند کے نام نکالے گئے ہیں۔ علم اللسان کی رو سے هندوستان دراصل دریائے سندھ کی سرزمین ہے۔" (بحوالہ "پاکستان منزل بہ منزل" از شریف الدین پیرزادہ، ص 6، مطبوعہ قلا اشاعت گھر، کراچی، طبع اول، اگست 1965ء)

2۔ بحوالہ هندوستان عربوں کی نظر میں، ص 193 تا 195 (اسکی تفصیل آگے درج ہے۔)

3۔ تاریخ سندھ، ص 357

4۔ بحوالہ "نقوش سلیمانی" دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ص 34

"جب عرب مسلمانوں نے ایران کے عیسی، فارسی، ترکی اور بلوچی
زبانیں بولنے والے عساکر نے وادی سندھ میں قدم رکھا۔ ایک نئی زبان
کی بنیاد پڑنا شروع ہو گئی۔" [1]

(2) زبان کی تشکیل کا عمل ماقبل از اسلام

دراصل زبان و ادب کی ساخت و تعمیر اور تشکیل عمل کے پیچھے صدیوں کے تہذیبی تجربات مختلف قوموں کے ادغام، ارتباط، معاشرتی اور تمدنی عوامل و محرکات اور کئی ایک عمرانی عناصر و اثرات کارفرما ہوتے ہیں۔ ملتان میں اردو زبان و ادب کو وجود میں لانے کا عمل بھی صدیوں پر محیط ہے۔ ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے آریاؤں کی زبان نے خاص طور پر بولی جانے والی دیسی زبانوں کو پسپا کر کے اپنے اثرات سے ایک نئی زبان کی تشکیل کی۔ پھر ہرات اور قندھار کے درمیانی خطوں میں آباد قوم "ابھیر" اس سرزمین پر حملہ آور ہوئی اور اس نے اپنی زبان "اپ بھرنش" کو چھٹی صدی عیسوی تک پراکرت اور سنسکرت کے معیار تک پہنچا دیا۔ جو یہاں کی قدیم زبانیں تھیں۔ اس زبان نے پراکرت، سنسکرت اور دیگر دیسی زبانوں کے الفاظ کو اپنے دامن میں سمو لیا اور حقیقتاً زیادہ وسیع اور مقبول ہوتی چلی گئی۔ مختلف علاقوں میں اس کے مختلف نام پڑتے گئے مثلاً پساچی اپ بھرنش، شور سینی اپ بھرنش، ماگدھی اپ بھرنش، مہاراشٹری اپ بھرنش، وراچڈ اپ بھرنش وغیرہ ــــ مسلمانوں کی برصغیر پاک و ہند میں آمد سے پہلے اسی اپ بھرنش کے اثرات سکہ سکہ پھیلے ہوئے تھے۔ پنجاب اور سندھ کا علاقہ بھی اس کے اثرات سے خالی نہ تھا۔ دیسی اور مقامی بولیوں کے ساتھ مل کر اس نے ہر علاقے میں جدید آریائی زبانوں کی تشکیل میں کردار ادا کیا۔ شورسینی اپ بھرنش کا اثر سندھ اور ملتان کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بیان کے مطابق

"جب محمد بن قاسم نے 712ء/94ھ میں سندھ و ملتان فتح کیا تو یہاں ایک
ایسی عمومی زبان بولی جاتی تھی جو پساچی اثرات بھی رکھتی تھی اور
شورسینی اثرات بھی۔" [2]

1۔ بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" ص 489، مطبوعہ اردو اکادمی بہاولپور، بار اول 1967ء
2۔ بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول ص 617، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول، جولائی 1975ء

ڈاکٹر شاہدہ بیگم بھی جمیل جالبی کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ

> "ــــ شمالی اور مغربی ہندوستان میں جو زبانیں مروج تھیں وہ لگ بھگ سب کی سب شورسینی اپبھرنش سے ماخوذ تھیں۔ پنجاب راجپوتانہ اور گجرات میں تو ایک حد تک لسانی آہنگ پایا جاتا تھا۔ سندھ کچھ الگ تھلگ ضرور تھا لیکن اس پر بھی اپ بھرنش کی شاخ براچی کے ساتھ ساتھ شورسینی کا اثر غالب تھا اور یہاں کی زبان پنجاب کی زبان سے زیادہ دور نہ تھی۔" [1]

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے مسلمانوں کی آمد سے پہلے ملتان کی زبان کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ

> "ــــ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ وادیٔ سندھ[2] کی زبان ایسی اپ بھرنش ہے جو پیشاچی کی یا تو شاخ ہے یا اس سے متاثر ہوئی ہے۔" [3]

آگے چل کر ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں

> "براچڈ اپ بھرنش وہ آخری زبان تھی جس کے بعد اس علاقے میں سندھی اور ملتانی بولی جانے لگیں۔" [4]

گویا مسلمانوں کی سندھ اور ملتان میں آمد سے پہلے ملتان کی زبان ایک ملی جلی زبان تھی جس میں پیشاچی اور اپبھرنش کے اثرات موجود تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر شاہدہ بیگم کے مطابق یہ شورسینی اپبھرنش تھی اور ڈاکٹر مہر عبدالحق کے بقول یہ براچڈ اپبھرنش تھی۔ ابو ظفر ندوی کا اس بارے میں یہ خیال ہے کہ

> "سندھ اور ملتان کی اصلی زبان جس میں یہاں کے عوام بات کرتے تھے وہ متعدد تھی، بھاٹیہ(بھیرہ) سے لے کر سندھ کے بالائی حصہ تک تو اردکی

1۔ بحوالہ "سندھ میں اردو" ص 61، مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی 1980ء

2۔ 111ھ سے پہلے تک ملتان وادیٔ سندھ کا حصہ رہا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں

" لسانی تاریخ میں 111ھ کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس وقت نہ صرف ملتان کی ریاست سندھ سے الگ ہو گئی بلکہ ملتانی زبان سندھی زبان سے علیحدہ ہو گئی اور آزادانہ طور پر ترقی پانے لگی۔"

(بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" ص 98)

3۔ بحوالہ "ملتانی زبان اور اس کا اردو کے ساتھ تعلق" ص 86

4۔ ـــــ "ایضاً" ـــــ ، ص 95

کا رواج تھا۔ یعنی صنف ناگری۔ کیونکہ یہ مختلف زبانوں سے مل کر پچمیل زبان بن گئی تھی۔ اسی زبان میں یہ لوگ خط و کتابت کرتے تھے۔ اور کتابیں بھی لکھی جاتی تھیں۔ سندھ کے ساحلی علاقوں میں ملتانی زبان کا زیادہ رواج تھا ـــــ لیکن منصورہ اور برہمن آباد میں ایک اور زبان رائج تھی جس کو سیبن دب (سندھی) کہتے تھے۔" ـ 1

(3) مسلمانوں کی آمد اور اثرات زبان پر

مسلمانوں کی آمد سے لسانی تشکیلات کا عمل ایک بار پھر شروع ہوا جیسا کہ سابقہ باب میں لکھا جا چکا ہے کہ سندھ اور ملتان میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ابن قاسم کے حملے سے پہلے بھی جاری رہا چنانچہ سندھ میں سب سے پہلے مغیرہ بن عاص 15ھ میں بحری راستے سے داخل ہوا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عامر بن کریز خشکی کے راستے 24ھ میں مکران تک پہنچا۔ درہ جیبر کے راستے پہلا حملہ 44ھ میں ہوا۔ ابن سمرہ کی فوج کے سردار مہلب بن ابی صفرہ نے ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقے کو اس حملے کا نشانہ بنایا اور وادی سندھ کے بالائی حصے کو پامال کیا۔ 2 ان حملوں سے تہذیب و زبان کے ہمہ گیر یا دیرپا اثرات مرتب نہ ہوئے کیونکہ مسلمان یہاں مختلف مقاصد کے تحت آئے اور عارضی قیام کے بعد واپس چلے گئے۔ البتہ 93ھ میں جب محمد بن قاسم کا حملہ ہوا اور سندھ اور ملتان کے علاقے مستقل طور پر مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے تو تہذیب و زبان کے اثرات وسیع پیمانے پر مرتب ہونا شروع ہوئے۔

غالب قومیں ہمیشہ اپنے کلچر اور تہذیبی اثرات کے ساتھ ساتھ زبان کے اثرات بھی ساتھ لاتی ہیں اور مغلوب قوموں کو بہت جلد متاثر کر لیتی ہیں۔ یہی کچھ برصغیر پاک و ہند میں ہوا بقول ڈاکٹر جمیل جالبی

" مسلمانوں کی آمد کے ساتھ مفتوح علاقے کی تہذیب، معاشرت اور زبان پر بھی اثر ہوا جو آریائی، ساجیوں اور ایرانیوں کی فتوحات سے یہاں کی تہذیب اور زبانوں پر ہوا تھا۔ فاتح و مفتوح جب تہذیبی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور مذہبی لسانی سطح پر ایک دوسرے سے ملے تو ایک پچمیل

1- بحوالہ " تاریخ سندھ" از ابو ظفر ندوی، ص 365
2- بحوالہ " ملتانی زبان اور اس کا اردو کے ساتھ تعلق" ص 95

قسم کی زبان اپنے خدو خال اجاگر کرنے لگی تھی۔ جس میں سامی، ایرانی، عربی اور دوسری بولیوں نے مل جل کر لسانی کھچڑی پکانے کا عمل کیا تھا۔" 1

ڈاکٹر جمیل جالبی نے مسلمانوں کے اثرات کو آریاؤں اور دیگر قوموں کے اثرات سے مشابہ قرار دیا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ اثرات ان اثرات سے کہیں زیادہ انقلابی، گہرے اور دیرپا تھے۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے تو یہاں کی زندگی کا ڈھانچہ (Patern of life) بدل کر رکھ دیا۔ اس کے باوجود کہ محمد بن قاسم نے حتی الوسع پرانے نظام کو تبدیل نہ کیا اور بقول ڈاکٹر تاراچند

"مسلمان فاتح نے مفتوحوں کے ساتھ عقل مندی اور فیاضی کا ثبوت دیا۔ مال گزاری کا پرانا نظام قائم رہنے دیا اور قدیم ملازمین کو برقرار رکھا۔ ہندو پجاریوں اور برہمنوں کو اپنے مندروں میں پرستش کی اجازت دی اور ان پر فقط ایک خفیف سا محصول عائد کیا۔ جو آمدنی کے مطابق ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمینداروں کو اجازت دی گئی کہ وہ برہمنوں اور مندروں کو قدیم ٹیکس دیتے رہیں۔" 2

لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سندھیوں نے اپنے نام تک بدل ڈالے اور اپنے سندھی ناموں کے ساتھ ساتھ دوسرا عربی نام رکھنے لگے۔ اس قسم کی مثال دنیا کی تاریخ میں اور کسی قوم کے ذیل میں نہیں ملتی۔ حقیقت یہ ہے کہ محمود غزنوی کے حملوں سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں اور خصوصاً سندھ اور ملتان میں اسلامی اقدار اور اسلامی کلچر نے اپنے قدم جما لیے تھے اور زمین ہموار ہو چکی تھی۔ محمود غزنوی کی بت شکنی نے تو زندگی کے تصورات ہی بدل ڈالے۔ بت شکنی کے ذریعے محمود غزنوی نے محض کوئی مذہبی فریضہ انجام نہیں دیا تھا بلکہ دولت کے ارتکاز کو بھی ختم کیا تھا۔ ہندوستان کے بت دولت کے عظیم مرکز بن چکے تھے وہ Hoarding کا ذریعہ تھے۔ لوگ بتوں کی آڑ میں دولت کے پجاری بن چکے تھے۔ یہ بت ایک ادارہ تھے، ایک نظریہ تھے۔ محمود غزنوی نے دولت کے بت پاش پاش کر دیے۔ 3 ان استحصالی اداروں پر کاری ضرب لگائی چنانچہ مسلمانوں کے اثرات محض دوسری قوموں جیسے

1- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 672

2- بحوالہ "آب کوثر" ص 26-25

3- سامری نے بھی یہی کیا تھا کہ لوگوں سے سونا چاندی لے کر انھیں پگھلایا اور بچھڑا بنا دیا۔ لوگ اس کی پوجا کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ نے بچھڑا توڑ کر نہ صرف اس بدعت کا بلکہ دولت کے ارتکاز کا بھی خاتمہ کیا تھا۔

تھے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیبی روایات، رواداری، اصول پسندی کی صحت مند اقدار، ارتکاز دولت کے خلاف احتسابی اقتصادی فلسفے اور نہایت وسیع اور ترقی یافتہ زبان نے مقامی باشندوں کو تہذیبی، اقتصادی اور لسانی سطح پر انقلابی انداز میں مرعوب و متاثر کیا۔ چونکہ حملہ آور مسلمانوں کی اکثریت اسی سرزمین میں آ کر رہ بس گئی اس لیے یہاں کی تہذیبی اقدار اور زبان سے خود انھوں نے بھی اثر قبول کیا۔

(4) زبان اردو کی تشکیل کا عمل

چنانچہ مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے درمیان اظہار و ابلاغ کے لیے مشترک زبان کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی اور اسی ضرورت نے ایک نئی زبان کی تشکیل کی چونکہ مسلمانوں کی پہلی آمد سندھ اور ملتان کے علاقوں میں ہوئی اس لیے نئی مشترک زبان (اردو) کا ہیولیٰ اسی علاقے میں تیار ہوا۔ حسام الدین راشدی کے مطابق

> "یاد رہے کہ اردو ہندو مسلمانوں کی وہ مشترکہ زبان ہے جو مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد اور حکومت اور مذہبی روابط ہی کی بدولت اس طرح وجود میں آئی کہ اسلامی زبانوں کے ہزارہا الفاظ ہندی زبانوں میں شامل ہو گئے اور اہل ہند، ہندو ہوں یا مسلمان انھیں سمجھنے اور بولنے لگے۔" [1]

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں

> "... جو حضرات سندھ کی اسلامی فتح اور بعد کی تاریخ سے واقف ہیں وہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کے اس قول کو ماننے میں ذرا بھی تامل نہ کریں گے کہ ہندو مسلمانوں کی متحدہ زبان کا پہلا گہوارہ سندھ ہے۔" [2]

ڈاکٹر مولوی عبدالحق فرماتے ہیں

> "ہمیں سندھ اس لیے عزیز ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلے اسی سرزمین پر اسلام کی روشنی پہنچی --- ہمیں سندھ اس لیے بھی عزیز ہے کہ یہیں ہماری تہذیب اور عربی ثقافت نے ہند قدیم کی تعلیم و روحانیت سے ہم کنار

1، 2۔ بحوالہ "اردو زبان کا اصلی مولد سندھ" رسالہ "اردو" انجمن ترقی اردو، کراچی، اپریل 51 صفحہ 9-10
(یہی مضمون اظہار کراچی مارچ، اپریل 1984ء کے شمارے میں دوبارہ شائع ہوا ہے۔)

ہوئی اور پھر اس اتحاد و اشتراک سے ایک نئی تہذیب و ثقافت وجود میں
آئی اور ہماری یہ قومی زبان اردو اسی تہذیب و ثقافت کا شاہکار ہے اور
اس کی زندہ جاوید یادگار ہے۔" ۔[1]

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ

" ـــــ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن عوامل نے ہندوستان
کی ایک آریائی زبان کو ہماری اردو کا قالب عطا کیا۔ وہ سب سے پہلے
سندھ میں کارفرما ہوئے۔" ۔[2]

گویا سید سلیمان ندوی ، حافظ محمود خان شیرانی ، حبیب الرحمان ، مولوی عبدالحق ، ڈاکٹر جمیل جالبی ، ڈاکٹر مہر عبدالحق ، پیر حسام الدین راشدی ، ابو ظفر ندوی ، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اور دیگر محققین اور ماہرین لسانیات کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ اردو کا پہلا گہوارہ وادی سندھ اور ملتان کی سرزمین ہے۔ اس کے بعد لسانی تشکیلات کا یہ عمل دوسرے علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ ابن قاسم کے چلے جانے کے بعد بھی دین اسلام کی تہذیبی اور ثقافتی قدروں کا تسلط سندھ اور ملتان پر کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا۔ شمس اللہ قادری کے بقول

" فارسی اور انگریزی مؤرخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد بن قاسم کے بعد
سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ
عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (247ھ) کے زمانہ تک
دربار خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ ان کا مستقر
حکومت تھا۔" ۔[3]

یہاں تک کہ محمود غزنوی اور غوریوں کے حملوں کے بعد مسلمانوں کے اقتدار میں ایک عہد گیر اور مستقل تسلسل کی صورت پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں کی زبانوں میں عربی ، فارسی اور ترکی ذخیرۂ الفاظ کی آمیزش تھی بقول ڈاکٹر شاہدہ بیگم

" بلاشبہ جواں سال محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے مجاہدوں میں اکثریت

1۔ بحوالہ " خطبات عبدالحق " مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ص 106 مطبوعہ انجمن ترقی اردو ، کراچی 1964ء
2۔ بحوالہ " سندھ ، اردو کے لسانی روابط " ص 40 ، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور 1970ء
3۔ بحوالہ " تاریخ زبان اردو ۔ اردوئے قدیم " ص 7 ، مطبوعہ تاج بیس مکتبہ معین الادب ، لاہور

> عربی کی تھی لیکن ایک تعداد وہ بھی تھی جو فارسی خواں تھے۔ یہ نو وارد اپنے جلو میں عرب کی تمدنی روایات اور ثقافتی نوادرات لے کر آئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض نقائص ایسے بھی تھے جن کے ایرانی الاصل ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ چنانچہ یہی صورت حال زبان کی بھی تھی۔ اس میں بھی جا بجا ایرانیت کی جھلک پائی جاتی تھی۔" 1

چنانچہ مسلمانوں کی زبان کے بے شمار الفاظ دیسی زبان میں شامل ہوتے چلے گئے اور اس طرح جو مشترک زبان وجود میں آئی اس کو مختلف علاقوں میں مختلف نام دئیے گئے یعنی گجری، ملتانی، سندھی، دکنی، ہندوستانی، ہندی، ہندوی، ریختہ، اردوئے معلی وغیرہ لیکن آخرکار یہ اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ پروفیسر علی حیدر کے الفاظ میں

> "اردو زبان کا منبع ہندوستان کی مختلف پراکرتیں ہیں عربی، فارسی اور ترکی نے رنگ و روغن کا کام کیا اور ایک زبان پیدا ہوئی جس نے اپنی ترقی کے مختلف ادوار میں مختلف نام پائے اور بالآخر اردو زبان کے نام سے موسوم ہوئی۔" 2

اور یہی زبان برصغیر پاک و ہند کے تمام علاقوں کے لیے رابطے کی زبان (لنگوا فرانکا) ٹھہری۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اردو زبان کے بارے میں فرماتے ہیں

> "یہ سب کی مشترکہ زبان، جسے آج ہم اردو کے نام سے پکارتے ہیں جدید ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور عربی، ایرانی، ہندی تینوں تہذیبوں کا سنگم اور ان کی متحدہ طاقت ہے۔ اس زبان میں ان تہذیبوں کی ہمہ گیر صفات یکجا ہو کر ایک جان ہو گئی ہیں۔ یہ زبان برعظیم کی معاشرتی، تہذیبی و سیاسی ضروریات کے تحت پروان چڑھی۔ مسلمانوں کے عروج کے تحت ابھاریا اور ان کے ساتھ برعظیم کے گوشے گوشے میں اسطرح پھیل گئی کہ کوہ ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک سمجھی اور بولی جانے لگی۔" 3

دراصل عرب و عجم سے مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی زبانوں کے اختلاط اور باہمی روابط نے زبان سازی کا ایک نیا عمل شروع کر دیا تھا۔ باہر سے آنے والوں نے یہاں کی زبانوں سے اور یہاں کے

1- بحوالہ "سندھ میں اردو" ص 38
2- بحوالہ ہمارا ادب، ص 5، مطبوعہ کتاب منزل، پٹنہ، 1960ء
3- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 4

رہنے والوں نے باہر کی زبانوں سے اثرات قبول کیے۔ جو لوگ یہاں مستقل طور پر آباد ہوئے انھوں نے یہاں کی زبانیں سیکھیں۔ اس قسم کی مثالیں زمانہ قدیم میں مل جاتی ہیں کہ باہر سے آنے والوں نے یہاں کی زبانوں میں مہارت حاصل کر لی چنانچہ ایرانی سیاح بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب عجائب الہند میں لکھا ہے کہ

" ایک بڑے ہندوستانی راجہ نے جو الور (ارور) کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے علاقوں پر قابض اور اس کا نام مہروک بن رائق تھا۔ 270ھ میں امیر منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھ کر خواہش کی کہ ہندی زبان میں اس کے لیے اسلامی احکام و قوانین کی تفسیر و تشریح کی جائے۔ عبداللہ نے منصورہ کے ایک آدمی کو جو عراق کا رہنے والا نہایت ذہین، ہوشیار اور شاعر بھی تھا، اپنے یہاں بلایا اس شخص کی پرورش و پرداخت ہندوستان میں ہوئی تھی اس لیے وہ یہاں کی مختلف زبانیں اچھی طرح جانتا تھا۔ امیر نے اس سے راجہ الور کی فرمائش بتائی تو اس نے ایک قصیدہ تیار کیا اور اس میں وہ تمام جو باتیں راجہ جاننا چاہتا تھا بیان کر دیں اور اس کو راجہ کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ راجہ کے سامنے پڑھا گیا تو اس نے اسے بہت پسند کیا اور عبداللہ کو خط لکھا کہ قصیدہ نگار کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ عبداللہ نے اس کو پاس بھیج دیا۔ وہ راجہ کے پاس تین سال رہا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو عبداللہ نے راجہ کا حال پوچھا، اس نے پورا حال تفصیل سے بیان کر دیا کہ جب وہ راجہ سے رخصت ہوا تو وہ دل و زبان دونوں سے اسلام قبول کر چکا تھا۔ لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔" [1]

آگے چل کر یہی سیاح ابو محمد حسن بن عمرو صیمور کے حوالے سے، جو خود 288ھ میں منصورہ میں مقیم رہ چکا تھا، لکھتا ہے کہ

" منجملہ اور واقعات کے اس نے یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ راجہ نے مجھ سے ہندی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی خواہش کی تھی چنانچہ میں نے تفسیر لکھی۔ اور جب سورۂ یسین کی تفسیر تک پہنچا، اور اس کے سامنے ارشاد الٰہی " قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرة وھو بکل خلق علیم" کی تفسیر بیان کر رہا تھا اس وقت وہ سونے

اور جواہرات سے مرصع سونے کے ایک ایسے بیش قیمت تخت پر بیٹھا ہوا تھا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس نے کہا اس کی تفسیر پھر سے بیان کرو۔ جب میں نے دوبارہ بیان کی تو وہ تخت سے اتر پڑا اور زمین پر چلنے لگا، حالانکہ زمین چھڑکاؤ کی وجہ سے تر تھی، مگر وہ اپنا رخسار زمین پر رکھ کر رونے لگا، یہاں تک کہ اس کا چہرہ گرد آلود ہو گیا، پھر اس نے مجھ سے کہا کہ یہی اصلی پروردگار، معبود اور ازلی و ابدی ہے۔ اس کا کوئی ہمسر اور مشابہ نہیں، اس کے بعد اس نے ایک گھر تعمیر کرایا، اور ظاہر یہ کیا کہ امور سلطنت پر غور کرنے کے لیے تنہائی اختیار کی ہے مگر دراصل وہ اس میں پوشیدہ طریقہ سے نماز پڑھتا تھا جس کی کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔" [1]

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ 270ھ (یعنی 883ء) میں نہ صرف اسلام کی اشاعت کشمیر اور پنجاب میں ہونے لگی تھی بلکہ باہر سے آنے والے یہ مسلمان یہاں کی زبان بھی سیکھ چکے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی ہندی میں تفسیر بھی لکھی جانے لگی تھی اور شعر و شاعری بھی کی جانے لگی تھی۔ گویا مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے درمیان ربط و ارتباط سے تہذیب و معاشرت کی یکسانیت کے ساتھ ساتھ زبان کی یکسانی بھی پیدا ہو چلی تھی مولانا سید سلیمان ندوی، اصطخری کے حوالے سے لکھتے ہیں

"ملتان کا امیر ہاتھی پر سوار ہو کر جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جاتا ہے۔ یہ خالص ہند و راجاؤں کی پوشاک و شکوہ سواری کیا عرب امیروں کو پسند آ چکی تھی۔ پھر کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ پاجامہ پہنتے ہیں۔ اکثر لوگ فارسی اور سندھی بولتے ہیں۔ غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں لباس اور زبان کی یکسانی پیدا ہو چکی تھی۔" [2]

ابن حوقل کا بیان بھی طرز لباس اور زبان کی یکسانی کی تصدیق کرتا ہے۔

"یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہے اور بالوں کے چھوڑنے کا بھی وہی ایک طریقہ ہے اور اسی طرح ملتان والوں کی وضع ہے اور منصورہ اور ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے اور مکران والی

1۔ بحوالہ "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ص 195، 196

2۔ بحوالہ "عرب و ہند کے تعلقات" ص 330، 331

کی جگہ فارسی اور عراقی ہے اور کرتی کا لباس عام ہے مگر تاجر لوگ قمیص اور چادر استعمال کرتے ہیں، جس طرح عراق اور فارس کے لوگ۔" [1]

الغرض صوفیائے کرام کی ہندوستان میں آمد سے پہلے مسلمان نہ صرف اپنی تہذیب و معاشرت اور زبان و ادب کے اثرات مقامی باشندوں پر مرتب کر رہے تھے بلکہ سیاحوں، مؤرخین کے بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود مسلمان بھی ہندوستانی رسم و رواج اور زبان سے متاثر ہو رہے تھے۔ اس طرح گویا نہ صرف ایک مخلوط زبان کی بنیاد پڑ رہی تھی بلکہ ایک مشترکہ تہذیب بھی وجود میں آ رہی تھی۔ محمود غزنوی کے حملے کے بعد صوفیائے کرام کا ورود مسعود سر زمین پاک و ہند میں ہوا تو انہوں نے نہ صرف لاکھوں افراد کو مسلمان بنایا بلکہ مسلمانوں کے تشخص کو قائم رکھنے کی سعی بھی کی۔ اردو زبان کو ترویج دینے میں ان کا جتنا حصہ ہے اور کسی کا نہیں، بقول ابواللیث صدیقی

"اردو کو جوان ہونے اور پروان چڑھنے کے لیے صوفیوں کی خانقاہیں، مبلغین کی مجلسیں اور اللہ والوں کی صحبتیں تلاش کرنا پڑیں۔ ان کے بھی دربار تھے۔ مگر شاہی دربار نہ تھے۔ یہ عوام کے لیے کھلتے تھے۔ یہاں شرافت کی زبان، ثقافت کی زبان اور تہذیب کی زبان کا سکہ نہیں چلتا تھا، یہاں عوام کے دلوں میں اترنے کے لیے عوام کی بولی کا رواج تھا چنانچہ اردو کی ابتدائی نشوونما میں سب سے زیادہ صوفیائے کرام ہی نے کام کیا۔" [2]

چنانچہ اب ہم اس باب میں ان صوفیائے کرام کا ذکر کریں گے جنہوں نے ملتان کی سر زمین میں تہذیب و زبان کے ایسے بیج بوئے جو بعد میں ثمر آور ہوئے۔ ان صوفیوں میں بعض تو وہ ہیں جو ملتان میں عارضی طور پر قیام پذیر رہے اور اپنا مشن مکمل کر کے دوسرے شہروں کو چلے گئے اور کچھ وہ صوفیاء ہیں جو مستقل طور پر ملتان کی سرزمین میں قیام پذیر ہوئے اور آج بھی ان کے مزارات مرجع خاص و عام بنے ہوئے ہیں۔

1- بحوالہ "سفرنامہ ابن حوقل" ص 232، لاہور
2- بحوالہ "ادب و لسانیات" ص 207، مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی 1970ء

کتابیات (دوسرا باب)

شمار	مصنف	کتاب	ناشر / ایڈیشن و سن
1	ابن بطوطہ رئیس احمد جعفری	سفرنامہ ابن بطوطہ (حصہ دوم)	نفیس اکیڈمی کراچی، طبع چہارم 1968ء
2	ابن حنیف، مرزا	سات دریاؤں کی سرزمین	کاروان ادب ملتان، باراوّل 1980ء
3	ابن حوقل	سفرنامہ ابن حوقل	لیڈن پریس
4	ابن رستہ	الاعلاق النفیسہ (عربی)	لیڈن پریس 1892ء
5	ابن ہشام عبدالجلیل صدیقی، مولانا (مترجم)	سیرۃ النبی کامل (جلد دوم)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور اشاعت اوّل 1963ء
6	ابوالفضل	آئین اکبری	نولکشور، لکھنؤ 1882ء
7	ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر	ادب و لسانیات	اردو اکیڈمی سندھ کراچی 1970ء
8	اڈولف ہوسم، پروفیسر محمد ہارون خان شروانی، پروفیسر (مترجم)	تاریخ ایران قدیم	دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ حیدرآباد دکن، بار اوّل 1931ء
9	اطہر مبارکپوری، قاضی	عرب و ہند عہد رسالت میں	ندوۃ المصنفین، دہلی 1965ء
10	ایضاً	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	مکتبہ عارفین کراچی
11	البلاذری (مترجم) مودودی، ابوالخیر سید	فتوح البلدان (جزو دوم)	دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن 1940ء
12	المسعودی	مروج الذہب و معادن الجوہر (عربی)	بیروت الطبعۃ الاولیٰ، بیروت 1965ء
13	بدر کرم الہی	تاریخ ملتان	امتزاج پبلی کیشنز، لاہور، بار اوّل 1978ء
14	سیدیو، پروفیسر مولوی ہاشمی فرید آبادی، سید (مترجم)	تاریخ عرب	دارالطبع عثمانیہ سرکار عالیہ حیدرآباد دکن 1919ء
15	ٹمپل آر سی میاں عبدالرشید (مترجم)	حکایات پنجاب (حصہ سوم)	مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل 1962ء
16	جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اوّل)	مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل 1975ء

17	حکم چند	تواریخ ملتان	
18	دردانی، سید محمد حسن الدین، پروفیسر	صوفیائے سندھ کا اردو	ایجوکیشنل پریس کراچی
19	راٹن، ایڈ سائے حمید احمد انصاری (مترجم)	چدک ہند	دارالترجمہ سرکار حیدرآباد دکن 1921ء
20	شاہدہ بیگم، ڈاکٹر	سندھ میں اردو	اردو اکیڈمی سندھ، کراچی
21	شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر	سندھی اردو کے لسانی روابط	مرکزی اردو بورڈ لاہور 1970ء
22	قاسمی سید نور علی	"تذکرہ" شیخ محمد رضا اسرین ملتانی	ادارہ تحقیق و تذکرہ، احمد پور شرقیہ 1968ء
23	عبادت بریلوی، ڈاکٹر	خطبات عبدالحق	انجمن ترقی اردو، کراچی 1964ء
24	عبدالرحمان، مفتی	آئینہ ملتان	مکتبہ اشرف المعارف، ملتان
25	عتیق فکری علامہ	نقش ملتان (جلد اول)	فکری اکیڈمی مشترکہ مجلس ثقافت و تاریخ ملتان میں اشاعت جنوری 1982ء
26	علی بن حامد بن ابوبکر کوفی نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم)	چچ نامہ	سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، پہلا ایڈیشن، اپریل 1963ء
27	علی حیدر، پروفیسر	مسند ادب	کتاب منزل، پٹنہ 1960ء
28	فرحت ملتانی	اولیائے ملتان	مکتبہ تعمیر ادب ملتان، مارچ 1984ء
29	فیاض محمود سید (مرتبہ)	تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، جلد 13	پنجاب یونیورسٹی، لاہور
30	قادری، شمس اللہ	تاریخ زبان اردو، اردوئے قدیم	تاج پریس مکتبہ معین الادب، لاہور
31	قانع ٹھٹھوی علی شیر نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم)	تحفۃ الکرام	سندھی ادبی بورڈ، کراچی 1959ء
32	قدوسی، اعجاز الحق	تاریخ سندھ (دو جلدیں)	مرکزی اردو بورڈ لاہور
33	گپتا، ابن آرسائیں	تاریخ ہندی فلسفہ (جلد اول)	دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار حیدرآباد دکن، 1945ء
34	گیلانی، اولاد علی سید	مرقع ملتان	سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے 1938ء میں شائع کی۔
35	لطیف ملک (مرتبہ)	ابوریحان البیرونی	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
36	محمد اکرام، شیخ	رود کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
37	ایضاً	آب کوثر	ایضاً، ساتویں بار 1975ء

38	محمد معصوم بھکری، میر نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (تصحیح و حواشی)	تاریخ معصومی	سندھی ادبی بورڈ کراچی، طبع اوّل 1959ء
39	مہر عبدالحق، ڈاکٹر	ملتانی زبان اور اسکا اردو سے تعلق	اردو اکادمی، بہاولپور، بار اوّل 1967ء
40	ندوی، سید سلیمان، مولانا	نقوش سلیمانی	دارالمصنفین، اعظم گڑھ
41	ایضاً	عرب و ہند کے تعلقات	کریم سنز پبلشرز کراچی
42	ایضاً	عرب و ہند کے تعلقات	ہندوستانی اکیڈمی، یوپی، ہندوستان 1930ء
43	ندوی، مسعود علی	ہندوستان عربوں کی نظر میں	دارالمصنفین، اعظم گڑھ، 1960ء
44	ندوی، سید ابوظفر مولانا	تاریخ سندھ (حصہ اوّل و دوم)	معارف اعظم گڑھ، 1356ھ/1947ء، انڈیا
45	منشی ہیرالال ہاشمت پنڈت بہادر سنگھ (مترجم)	یادگار بہار (ساتواں لمعہ)	کوہ نور پریس لاہور 68-1867ء

رسائل/اخبارات

1	راشدی، حسام الدین، پیر	اردو زبان کا اصلی مولد سندھ	رسالہ "اردو" انجمن ترقی اردو کراچی اپریل 1951ء
2	رفیق مغل، ڈاکٹر	ملتان غیر ملکی سیاحوں کی نظر میں	روزنامہ "امروز" ملتان، [illegible] 26 مئی 1978ء

BIBLIOGRAPHY.

1- Bridget and Roymond Alcin "The Rise and Fall of Civilization in India and Pakistan" ——Cambridge University Press, London 1982

2- Burnes Alexander "Travels into Bokhara" Oxford University Press, Karachi, 1973.

3- Charles Hogel " Travels in Kashmir and the Punjab " Printed by Quosain, Lahore, 1976.

4- Charles Masson " Narrative of various Journey in Balochistan Afghanistan and the Punjab" ——— Oxford Press 1971.

5- Edward Sachau " Al-berunis India " Part-II Sh. Mubbarak Ali and Sons, Second Edition, 1962.

6- Eliot, H.M.Sir "The History of India " Vol-I Islamic Book Service, Lahore,1976.

7- Mohan Lal "Travels in the Punjab,Afghanistan, Turkistan to Balk Bokhara and Herat" ——Al-Biruni, Lahore, Reprinted, 1979.

8- Paul Horvey, Sir " The Oxford Companion to Classical Literature Oxford University Press, London, First Published, Oct., 1937.

9- Ralph, T.H. Griffith "The hymns of the Rigveda" 2 Volumes, First Edition 1869, Fifth Print 1971; VARANAS – India.

10- Tavernier, Jean Baptiste " Travels in india " Vol-I Translated from the original French Edition of 1676 by V.Ball Al-biruni, Lahore, Reprinted 1976.

11- William Foster " Early Travels in India " Second Edition, Lahore 1978.

12- Extracts from the Distt: & States Gazetters of the Punjab (Pakistan) Vol-III, Research Society of Pakistan University of Punjab Lahore Impression 1977

باب سوم

دسویں صدی ہجری تک کی صوفیاء کا احوال

(الف) ملتان اور بنو سامہ ـــــ ملتان اور قرامطہ ـــ صوفیاء کا ورود ملتان میں

(ب) دسویں صدی ہجری تک کی صوفیاء ـــــ کا تذکرہ

تیسرا باب

(الف)

(1) ملتان اور بنو سامہ

سابقہ باب میں ملتان کی قدامت، سیاسی اہمیت، اقتصادی، سماجی، مذہبی، لسانی اور تہذیبی صورت حال کا جائزہ تاریخی اور سماجی کے ماخذات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اگرچہ عرب اور ہندوستان کے تجارتی روابط بہت قدیم زمانے سے چلے آ رہے تھے، لیکن جب سندھ پر عرب حکومت کا قبضہ ہوا اور سندھ عرب کا ایک مفتوحہ صوبہ بن گیا تو عربوں اور ہندوستانیوں کے درمیان گہرے تعلقات کا سلسلہ قائم ہوا۔ اب باقاعدہ طور پر دونوں کے علمی و تمدنی روابط بڑھنا شروع ہوئے۔ محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد عربوں کا اثر ورسوخ کسی نہ کسی صورت میں صدیوں باقی رہا اور یہ علاقے عربوں ہی کے زیر نگیں رہے۔ البتہ جب عباسی دور اقتدار میں عرب حکومت کی گرفت ہر سو ڈھیلی پڑنے لگی تو بہت سے علاقے خود مختار ہوتے گئے۔ چنانچہ 1902ء میں ملتان کے بنو سامہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔[1] یہ قریشی الاصل خاندان تھا۔ اس کو بنو منبہ بھی کہا جاتا تھا۔ ابن رستہ کے بیان کے مطابق:

"ملتان میں ایک قوم ہے جس کا خیال ہے کہ وہ سامہ بن لوی کی ایک
شاخ بنو منبہ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی قوم ہندوستان کے اس
حصہ میں حکمران ہے ۔۔۔۔ یہ سندھ کے شہر منصورہ کے قریب رہتی ہے
اور ملتان میں ایک بت ہے جس کی آمدنی بہت زیادہ ہے اور بنو منبہ ہی
اس آمدنی اور دوسری تمام سلطانی کے مالک ہیں۔۔۔" [2]

1۔ بحوالہ آب کوثر از شیخ محمد اکرام ص 28 مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، آٹھویں بار 1975ء

2۔ "الاعلاق النفیسہ" از ابن رستہ ترجمہ از مسعود علی ندوی بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ص 80

(2) ملتان اور قرامطہ

اس دوران میں قرامطی ، جو اسماعیلی عقائد رکھتے تھے، کوفہ، بصرہ اور مصر و شام پر قابض ہو گئے۔ یہاں تک کہ مکہ پر بھی انھوں نے حملہ کیا اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے ۔[1] ان کا دائرہ اثر بڑھتے بڑھتے سندھ اور پھر ملتان تک پہنچا۔ جلم بن شیبان نامی شخص قاہرہ سے فوج لے کر ملتان آیا اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اس نے ملتان پر باہر سے حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اندرون شہر بغاوت کرائی خود مددگار بنا اور پھر 373ھ (977ء) میں سردار ہو گیا۔[2] جلم نے مدومنہ کا اقتدار ختم کر دیا اور فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر مقدسی کی " احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم " کے اقتباسات کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" ـــــ ملتان میں خلفائے بنی فاطمہ کا خطبہ جاری ہے اور یہاں کوئی حکم بغیر ارض مصر کے فاطمی خلیفوں کی منظوری کے اجرا نہیں پاتا۔ اہل ملتان کے ہدایا اور قاصد برابر مصر میں آتے جاتے رہتے ہیں اور مصر کے اسماعیلیوں کا یہاں اس قدر زور ہے کہ بغیر ان کی اجازت کے یہاں کوئی شخص ملتان کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا ـــ " 3

جلم بن شیبان نے باقاعدہ طور پر قرامطی عقائد کی تبلیغ شروع کی۔ قرامطیوں کی حکومت کسی نہ کسی صورت میں دو سو سال تک قائم رہی ۔ حسین رضا گردیزی اپنی کتاب " شاہ یوسف گردیز " میں ملتان میں قرامطیوں کے ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" ــــــ اس فوج کی بدولت ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور بدامنی کا دورہ دورہ تھا۔ بے چارے مسلمان جائے امن تلاش کرتے پھرتے تھے ـــــــ قرامطہ یوں تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے لیکن انھیں اسلامی عقائد سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہ نہ فقط اسلامی عبادات کے منکر تھے بلکہ ان کی تمام سرگرمیاں عباسی حکومت کے خلاف ہوتی ہوئی ہر اس سلطنت کے خلاف ہو گئیں جو بھی فاطمی حکومت کے حق میں نہیں تھے۔" 4

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) گزیٹئر پنجاب، ص 32 (2) " تاریخ ملتان " از کرم الہی بدر، ص 104 (3) " ارض ملتان " از اکرام الحق ، ص 231

2۔ " تاریخ سندھ " از ابو ظفر ندوی ، ص 256

3۔ " تاریخ سندھ " از عبدالحلیم شرر ، ص 123 ۔ 123

خطۂ پاک اوچ میں "الدولۃ العربیۃ الکبریٰ لمحمود کامل العباسی" کے حوالے سے لکھا ہے

"قرامطہ فرقہ باطنیہ ہی کی ایک شاخ تھی جس کا بانی ثانی عبداللہ بن سبا نام کا ایک یہودی تھا جو بظاہر مسلمان تھا مگر یہ باطنی اسلام کا زبردست دشمن تھا۔ اس کی شورش انگیزی نے خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان کے خلاف لوگوں کو ابھارا۔ اس کی تمام فتنہ آرائیوں کا مقصد اسلام کو مسمار کرنا تھا۔۔۔۔ قرامطہ کا ہیڈکوارٹر کوفہ کے نواح میں ایک بستی تھی جس کا نام انھوں نے "دارالہجرت" رکھا ہوا تھا۔ جس سے ان کی جماعتیں قتل و غارت گری کے منظم منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتیں اور سلطنت اسلامیہ کے مختلف علاقوں کو تاخت و تاراج کرتیں۔" 1

علامہ عتیق فکری نے مفتی کے حوالے سے قرامطہ کے عقائد کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں

"قرامطہ کا قول تھا کہ حضرت رسولؐ کے بعد صرف سات آئمہ ہوئے ہیں یعنی سیدنا حضرت علیؓ سے لے کر سیدنا جعفر تک جو تمام شیعہ عقیدہ کے چھ آئمہ ہوئے ہیں۔ اور ساتویں امام حضرت محمد بن اسماعیل ابن جعفر ہیں۔ قائم اور مہدی وہی ہیں اور ان کو رسالت کا مرتبہ بھی حاصل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضور اکرم کی رسالت اس روز ختم ہو گئی تھی۔۔۔۔ انسان کا جسم سات حصوں میں منقسم ہے۔" 2

قرامطہ کے عقائد اور نظریات کے بارے میں تاریخوں میں جو کچھ درج ہے اس کا لب لباب یہ ہے

(1 قرآن کے ظاہری اور باطنی معنی کو امام ہی جانتا ہے جو اپنے ماننے والوں کو تعلیم دیتا ہے۔

(2 طلوع آفتاب سے پہلے نماز کی صرف چار رکعتیں ہیں۔

(3 بیت اللہ شریف کی بجائے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔

(4 سال بھر کے بجائے صرف دو دن ایک روزہ مہرجان کے اور دوسرا نوروز کے دن

(5 شراب حرام اور خمر حلال ہے۔

1۔ بحوالہ "خطۂ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، ص 112، اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اول 1967ء۔

2۔ نقش ملتان، ص 342، مطبوعہ لشکری اکادمی و مجلس تاریخ و ثقافت ملتان، بار اول 1982ء

(6) جس جانور کی کھال اور داڑھی ہو، اس کا کاٹنا جائز ہے۔

(7) جنابت سے غسل کرنا واجب نہیں ہے۔

(8) جمعہ کی بجائے اتوار یوم السبت ہے۔

(9) اس کے علاوہ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا و عقبیٰ میں نہ نیک اعمال کی جزا ہے نہ بد اعمال کی سزا ملے گی۔

ان عقائد کی تبلیغ اور ترویج کی وجہ سے ملتان کے حالات راسخ العقیدہ سلطانوں جیسے نہ رہے تھے۔ ادھر تو داخلی طور پر لوگ ان عقائد کی یلغار کے سبب گم کردہ راہ ہو رہے تھے اور ادھر ملتان بیرونی حملہ آوروں کی مسلسل زد میں تھا اور کشت و خون کی بدولت یہ شہر اور یہ حکومت کی زد میں تھا۔ ملتان میں خود غرضی، مختصر مفاد اور توہم پرستی عام ہو گئی تھی اور غیر مذہبی سطح پر مکمل طور کی سی کیفیت تھی۔ اسلامی اقدار پر ایک طرف تو قرامطیوں کی یلغار تھی اور دوسری طرف ہندوانہ رسوم کے اثرات مسلمانوں پر پڑ رہے تھے۔ شیخ محمد اکرم نے قرامطیوں کے زمانے میں مذہبی انتشار کی روداد ان لفظوں میں بیان کی ہے۔

"—— ان لوگوں (قرامطی ملتان) کی کوششوں اور عام روحانی بے حسی سے جو حالت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ سومرہ خاندان کے حالات دیکھ کر ہو سکتا ہے جن کے نام ہندوانہ تھے اور مذہب کی نسبت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سمہ خاندان کے زمانے میں اسلامی اثرات غالب آ گئے تھے لیکن ان کے بعض حکمرانوں کے نام بھی ہندوانہ تھے اور غالباً ان کے رسم و رواج میں بھی کئی باتیں ہندوؤں کی باقی رہ گئی ہوں گی۔" 2

ملتان میں روحانی اور اخلاقی زوال عام ہو رہا تھا۔ شیخ محمد اکرام ہی کے بقول

"ان کی روحانی زندگی میں صدیوں تک ایک عجیب تعطل سا رہا۔" 3

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) تاریخ ملتان، ص 343-348 (ب) شاہ یوسف گردیز، ص 30 (ج) امروز ملتان نمبر

2۔ "آب کوثر" ص 38

3۔ ایضاً، ص 38-39

(3) صوفیاء کا ورود ملتان میں

محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے مسلمان سپاہیوں میں سے ہر ایک، متقی بھی تھا، عالم با عمل بھی، خلق عظیم کا حامل بھی اور جانباز مجاہد بھی۔ اس لئے ان کی بدولت نہ صرف دین اسلام کی اشاعت کا کام انجام پایا بلکہ لاکھوں گم کردہ راہ انسانوں کو صراط مستقیم کا پتہ بھی ملا۔

لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں فرقہ بندی اور افتراق نے سر اٹھایا مختلف عقائد رکھنے والے گروہوں نے فتنہ پردازیاں کیں اور نتیجہ انتشار اور زوال کی صورت میں سامنے آیا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ محمد بن قاسم کے سپاہیوں جیسا کردار اور اخلاق رکھنے والی شخصیتیں بروئے کار آئیں اور اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہوں چنانچہ اس صورت حال میں صوفیائے کرام اور برگزیدہ ہستیوں کا ورود ملتان کیلئے باعث برکت و سعادت ثابت ہوا۔ ان کی بدولت ملتان میں صحیح اسلامی تعلیمات رشد و ہدایت اور روحانی و اخلاقی اقدار کا احیاء ہوا۔ جن صوفیاء نے اس سر زمین کو شرف بخشا ان میں شاہ یوسف گردیز، خواجہ معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، بابا فرید الدین گنج شکر، شاہ شمس سبزواری، صدر الدین عارف، جلال الدین سرخ بخاری، عبدالرشید حقانی، حسام الدین ملتانی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، شاہ راجو قتال، حسام الدین متقی ملتانی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام صوفیاء دسویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں۔

ان صوفیاء میں کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے ملتان میں عارضی قیام فرمایا، یہاں کے بزرگوں سے فیض اٹھایا، تبلیغ اور نیکی کے کام انجام دئیے اور پھر دوسرے شہروں کو فیض یاب اور مستفید کرنے کیلئے آگے بڑھ گئے۔ مثلاً حضرت معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے اس سر زمین کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا۔ یہاں رشد و ہدایت، تبلیغ و تلقین، درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری کیا۔ ہم ان صفحات میں چند اہم ترین صوفیاء اور بزرگ ہستیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(ب) دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کا احوال

(1) حضرت دیوان چاولی مشائخ

حضرت دیوان چاولی مشائخ دور اولیٰ کے صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں جو اپنی تاریخ وفات (131ھ) کے لحاظ سے حبیب عجمی (متوفی 141ھ) سفیان ثوری (متوفی 161ھ) مالک بن دینار (متوفی 128ھ) اور داؤد طائی (متوفی 162ھ) کے ہم عصر ہیں۔ اس لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کے صوفیاء میں آپ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ چونکہ[1] آپ کا تعلق سرزمین ملتان سے تھا اس لئے آپ کی بدولت ملتان کا شمار صوفیاء کے اولین مراکز میں ہوتا ہے۔ آپ کا اصلی نام ولی چاولی تھا [illegible] راجہ [illegible] کے [illegible] تھے آپ کا تعلق راجپوت قوم ڈھوڈی[2] کے سردار راجے [illegible] سے تھا جو [illegible]

1۔ سرزمین ملتان کی پہلی [illegible] کا اعزاز ان کو حاصل ہے جنہوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا اور [illegible]۔ اگرچہ ملتان میں تصوف کا باقاعدہ سلسلہ شاہ یوسف گردیز سے شروع ہوا لیکن یہ [illegible] سے ثابت ہے۔ بقول [illegible]

"آپ (دیوان چاولی مشائخ) اوائل اسلام کے اولیائے کرام میں سے ہیں۔"
(بحوالہ اولیائے ملتان، ص 73، [illegible] اردو بازار لاہور)

2۔ حکیم چند [illegible] قوم ڈھوڈی میں لکھتے ہیں

"اس قوم کی [illegible] سے ملتی ہے اصل قوم ان کی راجپوت تھی مورث اعلیٰ ان کا [illegible] نامی قوم راجپوت [illegible] تھا۔ قبل از اسلام کے مورث اعلیٰ ان کے اس [illegible] کے [illegible] دیوان چاولی مشائخ انہی کی قوم میں سے تھا۔ جو مسلمان ہوا اور خانقاہ اس کی اسی علاقہ میں [illegible] دیوان چاولی مشائخ ہے" (تاریخ ملتان، ص 204)

حکیم چند دیوان چاولی مشائخ کے آباؤ اجداد کے ذکر میں لکھتے ہیں

"راجہ [illegible] راجپوت مورث اعلیٰ ڈھوڈیوں کا یہاں آیا اور اس قوم [illegible] پر فتح پا کر قابض قلعہ پر ہو گیا۔ راجپوت [illegible] کے تین پسر تھے [illegible] راجہ [illegible] کے [illegible] ہوا [illegible] اور [illegible] اس کے [illegible] پسر تھا۔ اس کا [illegible] ہوا [illegible] کے پانچ پسر اور ایک بیٹی [illegible] دیوان چاولی مشائخ بھی [illegible] مشہور ہوا۔"

(بحوالہ "تاریخ ملتان" از حکیم چند، ص 109 [illegible] ملتان سے حاصل کی گئی اس کا [illegible] ہوا ہے۔)

پر حکومت کرتا تھا۔ کھلی پور تحصیل میلسی کے ساتھ ہے جو اب موضع جاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے[1]

البتہ دیوان جاولی کا تعلق ہندو خاندان سے تھا لیکن آپ کا رجحان شروع ہی سے دین اسلام کی طرف تھا۔ چنانچہ باطنی طور پر آپ حضور کے انوار و تجلیات سے منور ہوتے رہے جب درجہ بلوغت کو پہنچے تو آپ نے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا

گل زار فریدی میں لکھا ہے

> " دیوان جاولی مشائخ روئے زمین کے قدیم ترین مشائخ میں سے ہیں اور متاخرین نے ان کی خاک پاک سے فیض اٹھایا۔ ان کا والد راجہ مہپال جاسبہ سلطنت کے اوائل میں خطۂ ملتان کا فرمانروا تھا۔۔۔۔ دیوان مشائخ چھوٹی عمر میں مسلمان ہو گئے تھے اور روحانی طور پر سیدّعالم سے فیض یاب ہوتے تھے۔۔۔ " 2

دیوان جاولی کی ہمشیرہ محترمہ کھلی کوہ جس کے نام پر یہ موضع کھلی پور کہلوایا، کو بھی اسلام سے فطری لگاؤ تھا۔ انھوں نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ ہی دین اسلام قبول کر لیا جس پر دوسرے بھائی دین کے جانی دشمن ہو گئے۔ آخر کار انھوں نے 131ھ میں دیوان جاولی مشائخ کو جبکہ ان کی عمر صرف بائیس برس کی تھی[3] شہید کر ڈالا لیکن بعد میں ندامت اور پشیمانی [illegible] کا اظہار کرتے ہوئے

1۔ فرحت ملتانی نے آپ کا شجرہ اس طرح دیا ہے
" راجہ لکھمی، راجہ اودی، راجہ ارجن، راجہ راجا مہپال، راجہ راجا مہپال کے پانچ فرزند اور ایک دختر تھی جو چار بھائیوں کے مظالم سے تنگ آ کر زندہ دفن ہو گئی " (بحوالہ " اولیائے ملتان " از فرحت ملتانی ص 204، مکتبہ تعمیر ادب، ملتان، اشاعت سوم 1984ء)

2۔ بحوالہ " گل زار فریدی " از مولوی گل محمد چشتی ص 3 ۔۔۔ قلمی نسخہ فارسی تحریر شدہ 1902ء (ملفوظات و مناقب شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر) جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا

3۔ پروفیسر محمد اسلم ابن شمسی " تصوف اور ملتان " مطبوعہ امروز ملتان نمبر ص 8، 28 جون 1978ء میں دیوان جاولی مشائخ کی عمر وفات کے وقت 22 سال بتاتے ہیں جس کے مطابق آپ کا سنہ پیدائش 109 بنتا ہے جس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جبکہ فرحت ملتانی " اولیائے ملتان " میں ص 204 میں آپ کا سنہ پیدائش 79ھ بتاتے ہیں جس کے مطابق آپ کی عمر 52 برس بنتی ہے اور " تواریخ ملتان " از حکم چند ص 109 کے مطابق

> " بوقت انتقال عمر دیوان جاولی مشائخ [illegible] برس کی تھی وفات ان کی آخیر 131 ہجری میں ہوئی اور ان کی اولیائی کا شہرہ گرد و نواح میں مشہور ہوا اور اکثر لوگ مرید ہونے لگے۔ "

خود بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت دیوان چاولی مشائخ کے زمانے میں ملتان کے حالات کیا تھے؟ تواریخ اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ ملتان پہلے سندھ کا حصہ تھا لیکن 111ھ میں سندھ سے الگ ہوا۔ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد ملتان کے حالات کی تفصیل نہیں ملتی۔ ادھر عربوں کے آپس کے انتشار کی وجہ سے سندھ پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی اس لئے یکے بعد دیگرے چند سالوں کے اندر سندھ میں کئی گورنر تبدیل ہوئے۔ سندھ کے لوگ بھی باغی ہو رہے تھے۔ چنانچہ 107ھ میں عمر بن زید العتبی سندھ کا گورنر بنا۔ اس کی وفات کے بعد حاکم السکاسی آیا جس نے سندھ میں مسلمانوں کی حکومت سمٹتے دیکھی تو یہاں کے لوگوں کی سرکوبی کیلئے محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو بن محمد بن قاسم کو فوجی دستے کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ عمرو بعد میں سندھ کا گورنر بنا۔ اسی طرح سندھ کے گورنر بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ 132ھ میں عربوں کی حکومت بنو امیہ کے ہاتھوں سے چھن کر بنو عباس کے قبضے میں چلی گئی۔

سیاسی طور پر تو سندھ کے یہ حالات تھے جن میں ملتان کا کوئی ذکر نہیں آتا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس انتشار کی لپیٹ میں ملتان بھی آیا ہوا تھا۔ کیونکہ جب بھی مرکز کی گرفت کمزور ہوتی ملتان کا حاکم خود مختار ہو جاتا تھا۔ ادھر بصرہ اور کوفہ میں بنو امیہ کے درمیان اقتدار کی جنگ جاری تھی دوسری طرف اموی گورنروں نے لوگوں پر خوب ظلم و ستم ڈھائے تھے۔ ان حالات میں صوفیاء کا پہلا طبقہ وجود میں آیا لیکن ان کے ہاں باقاعدہ تحریک کی صورت نہیں ملتی بلکہ سب انفرادی طور پر صوفی کی زندگی گزار رہے تھے۔[1] پہلے طبقے کے ایسے ہی صوفیوں میں دیوان چاولی مشائخ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی عشق اور تقویٰ کے ساتھ گزاری اگرچہ وہ تصوف کی کسی باقاعدہ تحریک کے بانی نہیں ہیں جن کی وجہ سے تصوف کا کوئی سلسلہ شروع ہوتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں صوفیانہ زندگی کی ابتداء کرنے والے دیوان چاولی مشائخ ہیں۔ آپ کی زندگی کے حالات، تعلیمات اور اثرات کا تاریخ سے پتہ نہیں چلتا لیکن ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے مزار کی مرمت کئی سلاطین نے کروائی۔ سب سے پہلے محمود غزنوی نے اپنے عہد میں پہلی

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص 73 تا 79 ۔
دارالمؤلفین، اسلام آباد

مزار نہیں صرف کر کے آپ کا مزار بنوایا۔ جہانگیر نے بھی اس کی مرمت کروائی۔ پھر دیوان ساون مل کے دور میں اس کی از سر نو تعمیر ہوئی تھی۔[1] آپ کا مزار روحانیت اور فیض و برکت کا مرکز بنا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف سلاطین بلکہ مختلف بزرگ اور اولیاء بھی آپ کے مزار پر حاضری دیتے رہے۔ ان صوفیاء اور بزرگوں میں بابا فریدالدین گنج شکر[2]، حضرت شمس شاہ، حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری، حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی اور حضرت لال شہباز قلندر شامل ہیں۔

(2) شاہ یوسف گردیز

شاہ یوسف گردیز پانچویں صدی ہجری کے صوفی بزرگ ہیں۔ آپ 430ھ (1058ء)[3] میں غزنی کے نواحی علاقہ گردیز میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید ابوبکر سیدنا حضرت امام حسین کی اولاد میں سے تھے

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "مرقع ملتان" ص 226 از سید محمد اولاد علی گیلانی، سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے 1938ء میں لکھ کر شائع کی۔

2- "مرقع ملتان" (ص 225) اور تواریخ ملتان از حکیم چند (ص 109) کے مطابق جس "چاہ بابا فرید" میں حضرت گنج شکر نے چلہ کاٹا اور کافی عرصہ عبادت و ریاضت میں گزارا وہ حضرت دیوان چاولی مشائخ کے مزار کے پاس واقع ہے۔ اس واقعہ سے دیوان چاولی مشائخ سے ان کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

البتہ خلیق نظامی اپنی کتاب "احوال و آثار ---- فریدالدین گنج شکر" [illegible] (ص 67-68) اور سید نصیر احمد جامعی اپنی تصنیف حضرت بابا فرید گنج شکر (ص 19) میں چلہ کشی کے اس کنویں کا محل وقوع اوچھ بتاتے ہیں اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہ تو ثابت ہے کہ حضرت بابا فرید کو دیوان چاولی مشائخ سے عقیدت رہی اور انہوں نے کچھ عرصہ دیوان چاولی کے مزار پر گزارا۔

3- عبدالحق محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار، ص 130 اور مصنف تحفۃ الکرام، ص 362 نے شاہ یوسف گردیز کو بہاءالدین زکریا کا ہم عصر بتایا ہے جبکہ محمد غوثی شطاری مصنف گلزار ابرار، ص 23 نے ان کا سنہ پیدائش 550ھ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ شاہ یوسف گردیز کی صحیح تاریخ پیدائش جو مستند تاریخوں سے ملتی ہے وہ 450ھ ہے اور وفات 531ھ ہے جبکہ بہاءالدین زکریا کی پیدائش 565ھ میں ہوئی۔ اس لئے یہ دونوں اصحاب ہم عصر نہیں ہو سکتے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) مرقع ملتان، ص 215 (ب) جمال یوسف از فقیر محمد اشرف، ص 5 (ج) شاہ یوسف گردیز از حسن رضا گردیزی، ص 115

آپ کے دادا مخدوم شاہ علی قسور جمعدی علی گردیزی اویسی تھے[1]۔ جو بغداد سے ہجرت کر کے قصبہ گردیز میں رہائش پذیر ہوئے، جہاں انھوں نے علوم اسلامیہ کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ شاہ یوسف گردیز کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ کا حاصہ تو تھا ہی لیکن اصل حصہ ان کے دادا کا تھا جنھوں نے آپ کو تمام روحانی مدارج طے کروائے۔ پھر آپ مختلف بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کرنے کی خاطر ایران و توران اور روم و شام (بلخ، بخارا، سمرقند اور تاشقند) کے سفر پر روانہ ہوئے اور دوران سفر قرآن ، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم کی تحصیل سے

" صاحب تصرفات ظاہر و باطن، حامل محاسن صوری و معنوی قطب زمانہ اور وحید العصر بن گئے" ---- 2

آپ ابھی سفر ہی میں تھے کہ والد محترم کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ سفر ختم کر کے واپس چلے آئے۔ اور یہاں آ کر اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی زمانے ہی سے آپ سے محیرالعقول کرامات سرزد ہونے لگیں۔ 481ھ میں اپنے مرشد جناب شاہ علی قسور کے کہنے پر ملتان تشریف لائے[3]۔ اور یہاں باقاعدہ تدریس و تبلیغ شروع کی اور آخری وقت تک لوگوں کو اپنے فیض علم سے نوازتے رہے۔ سید یوسف گردیزی کی درسگاہ کے بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

" یہ پہلی باقاعدہ درسگاہ تھی جو محمود غزنوی کے بعد ملتان میں اسلامی

1۔ اویسی کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں بعض کا خیال ہے کہ اویسی وہ ہوتا ہے کہ جو قول، فعل اور اعتقاد میں سنت رسول کا اتباع کرے۔ بعض کا خیال ہے کہ جو حضرت خاتم النبوت والشریعت علیہ السلام کے باطن اقدس سے فیض پائے وہ اویسی ہوتا ہے جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اویسی وہ ہوتا ہے جس کو حضرت خضر سے فیض پہنچے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (گلزار ابرار از محمد غوثی شطاری۔ اردو ترجمہ اذکار ابرار مترجم فضل احمد جیوری، ص 24، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

2۔ اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص 65، سنگ میل پبلی کیشنز ، لاہور

3۔ آپ کے ملتان تشریف لانے کے بارے میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے دادا کے پاس چند مرید جو حاضر ہوئے جن کا لڑکا بہت بیمار تھا انھوں نے عرض کیا کہ دعائے صحت فرمائیں آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ راضی برضائے الہی رہیں۔ چنانچہ وہ لڑکا مر گیا اور اس کے ورثاء زور زور سے رونے لگے۔ حضرت شیخ یوسف کو رحم آیا اور اس کیلئے دعا فرمائی جس سے وہ لڑکا زندہ ہو گیا۔ آپ کے دادا اس بات سے ناراض ہوئے اور آپ کو درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے ملتان بھیج دیا۔

" جمال یوسف" میں لکھا ہے کہ حضرت با اشارہ الہی والدہ ماجدہ کے ملتان میں تشریف لائے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں " جمال یوسف" ترجمہ از فقیر محمد اشرف حسین، ص 6، مطبع الہی آگرہ 1326ھ (حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی۔)

> علوم کی ترویج کے لئے قائم ہوئی لیکن محمود غزنوی کے جانشینوں نے
> اس کی طرف توجہ نہ کی ۔۔۔" [1]

شاہ یوسف جب ملتان تشریف لائے[2] تو اس وقت یہ شہر موجودہ ملتان کے [illegible] جنوب میں دریائے راوی کے پار سائیں پاک دامن کے مزار کے پاس آباد تھا آپ نے سب سے پہلے یہاں کی بزرگ ہستی حضرت ملا موج دریا کے ہاں قیام فرمایا (کیونکہ ان کے مرشد کا یہی حکم تھا) کچھ عرصہ آپ نے ملا موج دریا کے پاس رہ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا جب خلقت کا بہت زیادہ ہجوم ہونے لگا تو آپ نے دریائے راوی کے کنارے رہائش اختیار کر لی اور یہاں اپنا حجرہ بنوایا[3] آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی یہاں رہائش اختیار کرنے لگے ۔ حضرت ملا موج نے شاہ یوسف گردیز کا بہت زیادہ ساتھ دیا اور تبلیغ کے کام میں ان کی مدد کی لیکن وہ خود زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور انہیں ان کی خانقاہ میں جہاں وہ عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے دفن کر دیا گیا[4]

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ ملتان کی سر زمین اندرونی طور پر قرامطہ کی شر سامانیوں اور بیرونی طور پر غزنویوں کی [illegible] غارت و تاراج کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق

> "محمود غزنوی کے مسلسل حملوں نے یہی مقصد اور ہند میں خوف و
> ہراس پھیلا دیا تھا اس لئے عوام میں بددلی اور بے چینی لازم تھی۔
> ۔۔۔ اس کے علاوہ خود قرامطہ نے بھی لوٹ مار شروع کر رکھی تھی اور
> محمود کے جانشینوں کی وجہ سے بھی ملتان لاہور اور سرحد کا علاقہ
> انتہائی انتشار کا شکار تھا ۔۔۔ ایسے ہی [illegible] دور میں ملتان کی

1۔ بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" ص 5 از علامہ عتیق فکری مطبوعہ امروز ملتان، 28 جون 78ء

2۔ جس حالت میں ملتان تشریف لائے اس کے بارے میں بہت مشہور روایت ہے کہ آپ شیر پر سوار تھے اور سانپ کو کوڑے کی بجائے استعمال کر رہے تھے۔ اس مفہوم کا ایک شعر آپ کے مقبرہ پر درج ہے

دانی سوار شیر کہ در دست مار کرد ‏ ‏ ‏ ‏ مخدوم شاہ یوسف این جا قرار کرد

حوالے کیلئے دیکھئے (1) شاہ یوسف گردیز از حسین والا گردیزی ص 124 مکتوبات ادب ملتان بہار ادب 1983ء (2) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص 66 (3) جمال یوسف ص 18 (4) اولیائے ملتان از [illegible] ملتانی ص 99

3۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت شاہ گردیز کا مزار اب بھی موجود ہے اور گردیزی خاندان کے بیشتر لوگ اسی جگہ آباد ہیں۔

4۔ بحوالہ جمال یوسف، ص 24 حضرت موج دریا کے بارے میں تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ البتہ ایک پل موج دریا کے نام سے ان کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہے۔ ان کی خانقاہ سکھوں کے دور میں منہدم ہو گئی اور اب قبر کا نشان بھی مٹ چکا ہے۔ البتہ مسجد باقی ہے۔

حالات کچھ اچھی نہیں تھی۔۔۔" 1

ظاہر ہے ایسی صورت حال میں لوگوں میں بے سکونی اور بددلی کا پھیلنا بعید از قیاس نہیں لوگوں کی روحانی اور اخلاقی اقدار کو زوال آ چکا تھا ان حالات میں حضرت شاہ یوسف گردیز کی ملتان میں آمد باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ نے اپنے فیوض باطنی سے لوگوں کے خشک اور ویران شدہ روحانی جذبوں کو سیراب کیا۔ عبادت و ریاضت کے ذریعے روحانیت اور وجدان کی اعلیٰ اقدار کا عملی نمونہ پیش کر کے لوگوں میں اخلاقی استقامت پیدا کی اور ان میں کھویا ہوا احساس وقار بحال کیا۔ ارض ملتان کے مطابق

"آپ کا سب سے زیادہ کارنامہ ملتان کی از سر نو آبادی اور بحالی ہے۔۔۔" 2

شیخ محمد اکرام نے حضرت شاہ یوسف گردیزی ملتانی کے مزار کو اُچ (ریاست بہاولپور) میں شیخ صفی الدین ملتانی گازرونی کے مزار کے بعد ہند و پاکستان کی دوسری قدیم ترین زیارت گاہ قرار دیا ہے۔[3] اگرچہ ملتان کی سرزمین میں ان سے پہلے حضرت دیوان چاولی مشائخ (متوفی 131ھ) کا نام آتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ باہر سے آنے والے بزرگوں میں حضرت شاہ یوسف گردیز پہلے صوفی تھے جو ملتان میں رشد و ہدایت کیلئے تشریف لائے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق

"ملتان کی سر زمین پر تاریخی اعتبار سے باہر سے آنے والا پہلا عالم و صوفی جس نے ملتان میں قیام کیا وہ سید یوسف گردیزی تھے۔" 4

ملتان میں آپ کی آمد 481ھ (1088ء)[5] بتائی جاتی ہے یہ دور پوری اسلامی دنیا میں تصوف کے عروج کا دور تھا۔ حضرت شاہ یوسف گردیز کی آمد سے ملتان میں بھی تصوف کا ایک نیا دور شروع ہوا۔[6] اگرچہ ملتان میں حالات سازگار نہ تھے لیکن یہ آپ کا سچا جذبہ اور عزم و حوصلہ تھا کہ جس کی بدولت آپ نے تبلیغ اسلام کے ذریعے نہ صرف ملتان سے قرامطہ فتنے کو مٹایا بلکہ بہت سے ہندوؤں کو بھی مسلمان کیا۔

1- بحوالہ "نقش ملتان" از علامہ عتیق فکری ص 423، فکری اکیڈمی بشراکت مجلس تاریخ و ثقافت ملتان بار اول 1982ء

2- ارض ملتان از اکرام الحق ص 224، مطبوعہ شعبہ نشر و اشاعت "الاکرام" ویل پرنٹنگ پریس لاہور

3- "بحوالہ" "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص 72-73

4- بحوالہ "نقش ملتان" ص 423

5- بحوالہ (1) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص 66 (2) ارض ملتان ص 224 (3) اولیائے ملتان از فیوض ملتان ص 99، مکتبہ تحقیق ادب ملتان، بار سوم 1984ء

علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں

> "آپ نے (حضرت یوسف گردیز) بڑی خلوص کے ساتھ عوام کو درس دینا شروع کیا۔ عوام نے جب آپ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھا تو وہ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔۔۔۔۔ سید یوسف گردیزی کی مقناطیسی شخصیت نے تھوڑے ہی عرصے میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور یوں ایک بار پھر ملتان اپنی پہلی رونق کی طرف لوٹ آیا۔۔۔۔۔ ہر طرف آپ کی روحانیت اور علمیت کے چرچے نے غیر مسلموں کو بھی اپنی طرف راغب کر لیا۔۔۔۔۔ بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس طرح آپ نے اشاعت اسلام کے فریضے کو بڑی احسن طریقے سے انجام دیا اور تادم آخر اہل ملتان اور مضافات کے لوگوں کو آپ دینی اور روحانی تعلیم سے نوازتے رہے۔۔۔" 1

شاہ یوسف گردیز لوگوں سے کس زبان میں بات کرتے تھے، یا انہیں کس زبان میں درس دیتے تھے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن 1326ھ کے مطبوعہ رسالہ "جمال یوسف" ص 14 (جو ملتان کے ایک ذاتی کتب خانے کے فارسی اور عربی قلمی نسخے کا اردو ترجمہ ہے۔) سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بہت سی بڑی زبانیں جانتے تھے اور ہر ملک کے لوگوں سے انہی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے، اس رسالے میں ایک شخص عبدالصمد سے روایت ہے کہ

> "آپ ہر ملک کے آدمیوں سے خواہ ترک ہوں، خواہ روس، خواہ ہندی انہیں کی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ میں نے تعجب کیا اور دل میں کہا کہ آپ نے یہ زبانیں کہاں سے سیکھیں۔ آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اگر قلب صفا ہو جائے تو اس میں اور دوسری میں کیا فرق ہے۔۔۔" 2

غرض شاہ یوسف گردیزی ملتان کے ابتدائی زمانے کے صوفیاء میں ایک خاص اہمیت کے حامل تھے۔ آپ نے دین و دنیا کی جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے ملتان کے مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار بحال کیا۔ ان میں ایمان و ایقان کا جذبہ پیدا کیا۔ ہزاروں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی قندیل روشن

1۔ نقش ملتان، ص 423 - 424

2۔ رسالہ جمال یوسف ترجمہ از حکیم سید اشفاق حسین الظہور، ص 14 مطبع الہی آگرہ، کتب خانہ عابد ملتانی بوہڑ گیٹ ملتان 1326ھ (صاحب مقالہ کی ذاتی لائبریری سے حاصل ہوا۔)

کی۔ ملتان کی بحالی اور از سرِ نو آبادی میں ان کا بڑا [illegible] ہاتھ ہے قرامطیوں کا قلع قمع کرنے میں ان کا خاصا حصہ ہے۔

حضرت شاہ یوسف گردیز 31 سال کی عمر میں ملتان آئے تھے اور 81 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ گویا 50 برس تک آپ نے اہل ملتان کو اپنے علم و فضل اور روحانی کمالات سے فیض یاب کیا۔ وصال کے بعد ان کو خود ان کی وصیت کے مطابق اسی حجرے میں دفن کیا گیا جہاں وہ آخری وقت تک لوگوں کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور کرتے رہے۔ آپ کی وفات 14 ربیع الاول 531ھ/1136ء میں ہوئی۔[1] حضرت شاہ گردیز کا مزار بوہڑ گیٹ کے اندر محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے۔ زیادہ تر گردیزی سادات اسی محلے میں زمانہ قدیم سے رہائش پذیر ہیں اور اپنے جد امجد کی طرح علم و فضل سے شغف رکھتے ہیں۔ اسی خاندان کا ذاتی کتب خانہ ملتان کے عظیم کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کتب خانہ کی بنیاد شاہ یوسف گردیز نے ہی رکھی تھی۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین فاضل کے مطابق

> "حضرت شاہ یوسف نے کتب خانے کی بنیاد رکھ کر ملتان کو پہلی مرتبہ ایک خزانے سے آشنا کیا۔ ان کے خاندان میں کتب خانہ خصوصی امتیاز ہے۔" 2

حضرت شاہ گردیز کا مزار فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے حسین رضا گردیزی کے مطابق

> "آپ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد حجرے کی کچی چار دیواری پر گنبد کے بغیر کاشی کی خوبصورت اینٹوں کا خوشنما روضہ بنایا گیا یہ عمارت ساخت اور بلندی کی خوبی کے لحاظ سے بہت دلکش ہے بلکہ اس قسم اور نادر ساخت کی تعمیر کا نمونہ ولایت کے عجائب گھر میں موجود ہے۔" 3

سید اولاد علی گیلانی کے مطابق

> " "کرامویل روڈ لندن کے نزدیک ایک عالیشان عمارت کے اندر آثار قدیمہ ہندوستان کے بہترین نمونے [illegible] میں بالترتیب آراستہ ہیں۔ ان نمونوں میں حضرت شاہ گردیز علیہ الرحمۃ کے مقبرہ مبارک کے نمونے کو سب سے پہلی جگہ دی گئی ہے۔ اس نمونے میں روضہ مبارک کی بیرونی دیواریں

1۔ بحوالہ "جمال یوسف" ص 28
2۔ بحوالہ "مقدمہ شاہ یوسف گردیز" از حسین رضا گردیزی، ص 55
3۔ بحوالہ "شاہ یوسف گردیز" ص 119

کے علاوہ سید مراد شاہ صاحب مرحوم گردیزی کی قبر پر اشعار لوح پر جاذب نظر طریق پر دکھائی گئی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ملتان کی مشہور عمارات میں سے صرف اسی عمارت کا نمونہ یہاں موجود ہے۔" 1

ارض ملتان میں لکھا ہے

"ملتان کے مزارات میں جو فن تعمیر کے عمدہ نمونے ظاہر ہیں۔ مقبرہ اور سب سے قدیم شاہ یوسف گردیزی کا مزار ہے۔ اس کا نمونہ لکڑی اینٹ کے ایک گوشہ میں محفوظ ہے۔ یہ سادہ اور دلکش عمارت اس خاص فن تعمیر کا پیش خیمہ تھی جس نے تقریباً ایک صدی بعد نہ صرف ملتان بلکہ ہندوستان میں اسلامی ایرانی روایات کو روشن کیا اور مقبرہ، پرشکوہ اور عمدہ زیب طرز تعمیر کی تکمیل کی۔ اسی سادہ سطح عمارات سے مسلمان معماروں نے عظیم الشان تخلیقات بنائیں۔ جن میں آڑی ستون، بلند محراب اور مدور گنبد استعمال کیے گئے۔" 2

اسی کتاب میں آگے چل کر حسن شمسی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ

"ملتان میں اینٹوں سے بنے ہوئے مقابر کا ایک سلسلہ ہے جو 1328ھ اور 1320ھ کے درمیان تعمیر ہوئے مگر ان کے ساتھ ایک پیشرو عمارت (مقبرہ یوسف گردیزی) کو بھی شمار کر لینا چاہیے۔ یہ ان اینٹوں سے بنے ہیں، جس کا رو بیرونی نقش و نگار سے سجایا گیا ہے جو طریقہ مستعملاً ایران سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس طرز تعمیر میں اینٹوں کو تراش کر کنار بہ کنار قوس میں اس طرح جوڑا گیا ہے، جیسے مسبح مرکز سے بشکل ہوئی سطور کے خلاف دائرہ میں منضبط ہو جاتی ہیں۔ یہ طرز شیخ بہاء الدین متوفی 1262ھ کے مقبرہ میں اور اس سے پہلے بھی شاہ یوسف گردیزی کے مقبرہ میں استعمال ہوئی۔ "محراب" یا ذاتی طاقچہ ہزار قسم کی ہیں جو چودھویں صدی عیسوی میں یا اس کے بعد عام شمالی ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔" 3

1- بحوالہ "مرقع ملتان" از اولاد علی گیلانی، ص 217
2- ارض ملتان، ص 132 - 133
3- ایضاً، ص 134

(3) خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

اگرچہ خواجہ معین الدین اجمیری کا شمار ملتان کے صوفیاء میں نہیں ہوتا[1] لیکن انہوں نے اپنی زندگی کے پانچ سال اس شہر میں گزارے۔ اس لئے ان کے ذکر کے بغیر ملتان کے صوفیاء کی تاریخ ادھوری رہتی ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری برصغیر پاک و ہند کی تہذیبی، ثقافتی، روحانی، اخلاقی اور علمی و ادبی زندگی میں ایک تاریخ ساز شخصیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے برصغیر کے منتشر مسلم مسلم معاشرے کو نئے سرے سے منظم کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ آپ کی پوری زندگی شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کرنے، لوگوں میں تزکیۂ باطن پیدا کرنے، اخلاق حمیدہ کی تربیت دینے اور صدق و صفا کے جذبات ابھارنے میں گزری۔ آپ نے تصوف کو عوامی تحریک کی صورت دے کر لوگوں میں ایک فکری انقلاب پیدا کر دیا۔ بقول اعجاز الحق قدوسی

> "حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ان عظیم المرتبت بزرگوں میں سے ہیں کہ جنہوں نے انسانیت کی بکھری ہوئی کائنات کو سنوارا اور دین و دنیا، مادیت اور روحانیت میں ایک عظیم توازن پیدا کیا اور معاشرے میں حسن اخلاق، تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی شمع روشن کر کے احترام انسانیت کا درس دیا۔ آپ نے رشد و ہدایت کی جو جلیل القدر خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ کا ایک جلی عنوان ہیں۔" 2

1۔ کہا جاتا ہے کہ حضور نے خواجہ معین الدین کو خواب میں اپنے دین کا معین کہا تھا۔ روضۃ الاقطاب میں لکھا ہے کہ "شبے رسول علیہ السلام خواجہ را در خواب فرمود کہ اے معین تو معین دین من هستی ......"
(بحوالہ روضۃ الاقطاب مصنفہ صاحبزادہ سید محمد بلاق صاحب یکے از ہمشیر زادگان حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء، ص 33، مطبوعہ مجتبی ہند واقع دریا گنج دہلی، طبع اوّل 1124ھ ---- یہ کتاب قطب الدین بختیار کاکی کی سوانح عمری ہے۔)

2۔ بحوالہ "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، ص 122 ـ 123، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اوّل، جنوری 1976ء

خواجہ معین الدین اجمیری 530ھ[1] میں اصفہان میں پیدا ہوئے اور پرورش سنجار[2] میں پائی جو سنجر کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے والد جناب خواجہ غیاث الدین حسن نہایت پرہیزگار اور نیک طبیعت انسان تھے جن کا تعلق سادات حسینی سے بتایا جاتا ہے۔ آپ کی عمر پندرہ سال تھی کہ آپ کے والد نے وفات پائی۔ اس کے بعد آپ نے حصول علم[3] اور طلب حق کے لیے 544ھ میں سمرقند اور بخارا کا سفر اختیار کیا اور وہاں 550ھ تک قیام کیا۔ اسی دوران میں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل کی اس زمانے میں بغداد، سمرقند اور بخارا اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے۔ یہاں آپ نے مولانا حسام الدین بخاری اور مولانا اشرف الدین جیسے مشہور عالموں سے علم حاصل کیا۔ یہاں سے آپ عراق، عرب سے ہوتے ہوئے 552ھ میں قصبہ ہرون خواجہ عثمان ہارونی[4] کی خدمت میں پہنچے اور ان کے دست حق پر

1۔ خواجہ معین الدین کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وصال کے بارے میں علما اختلاف پایا جاتا ہے مختلف کتابوں میں آپ کی تاریخ پیدائش کی تفصیل یوں ہے (1) سیرالعارفین، ص 1 پر وحید احمد مسعود (مؤلف سوانح خواجہ معین الدین چشتی) کے حوالے سے اور "اقبال کے محبوب صوفیا" از اعجازالحق قدوسی ص 123 کے مطابق 534ھ (2) خواجہ غریب نواز، از ادارہ تصنیف و تالیف ص 13 پر 536ھ (3) گلزار ابرار ص 127 اور سفینۃ الاولیاء از شہزادہ دارالشکوہ قادری، ص 120 (ترجمہ محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی) پر 537ھ لکھی ہے۔ لمحات خواجہ، ص 129 میں ہندوستان کی سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق سن ولادت 537ھ درج ہے۔ "وقائع شاہ معین الدین چشتی" میں معین الدین اجمیری کا سنہ ولادت 471ھ لکھا ہے۔ اس کے مطابق "... سال تولد چہار صد و ہفتاد و یک[471] و عمر 91 بود و یکسال و سنہ وفاتش پنج صد و شصت و دو است[562]" (بحوالہ "وقائع شاہ معین الدین چشتی" ص 13، مطبع منشی نولکشور، 1300ھ) لیکن ڈاکٹر ظہورالحسن شارب نے کافی تحقیق کے بعد 530ھ بتائی ہے ان کے ماخذات مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ رام پور لائبریری اور برٹش میوزیم)، اقتباس الانوار اور مرآۃ الانساب جیسی کتابیں ہیں اور یہی سنہ پیدائش میرے خیال میں درست ہو سکتا ہے۔

(بحوالہ "معین الہند" از ڈاکٹر ظہورالحسن شارب، ص 17، تاج پبلشرز، دہلی)

2۔ سنجار اصفہان کے نزدیک ہے آپ اصفہان میں پیدا ہوئے اور سنجار یا سنجر میں پرورش پائی۔ بعض لوگ آپ کی جائے پیدائش سنجر بتاتے ہیں لیکن آپ اصفہان میں پیدا ہوئے۔۔۔۔ (بحوالہ "معین الہند" ص 16)

3۔ بحوالہ (1) معین الہند، ص 23 (2) سیرالعارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی مترجم محمد ایوب قادری، ص 2، مرکزی اردو بورڈ، لاہور۔

4۔ مجھے جناب حبیب فائق کی لائبریری سے سفینۃ الاولیاء (فارسی) کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ جسے یار محمد مرید حضرت خواجہ حافظ غلام حسن شہید نے لکھا اور 30 رمضان المبارک 1280ھ کو مکمل ہوا۔ اس کتاب کے 327 صفحات ہیں۔ اس کتاب میں ص 93 پر عثمان ہارونی سے خلافت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص 92 کے مطابق "قطب وقت و یگانہ عصر بودہ اند ....قبر در مکہ معظمہ است ----"

بیعت کی ۔ تقریباً دو ڈھائی سال یہاں رہے اور ریاضت و مجاہدہ کی سخت کوشش کی اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[1] پھر بغداد تشریف لے گئے جہاں شیخ شہاب الدین ابو نجیب سہروردی سے ملاقات ہوئی بغداد سے آپ شام، کرمان اور وہاں سے ہندوستان تقریباً 557ھ[2] میں پہنچے اسی دوران میں متعدد مجلسوں پر پھرتے رہے اور ہر جگہ فیوض باطنی کے حصول کیلئے بڑی ریاضت کی۔

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کا زمانہ تصوف کے انتہائی ارتقاء کا زمانہ ہے جس قدر صوفیائے کرام ان دو صدیوں میں نظر آتے ہیں وہ کسی اور دور میں نہیں ملتے۔ اس کی وجہ اس زمانے کے حالات ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری کی ہندوستان تشریف آوری بھی اسی زمانے اور حالات کی بدولت ہے۔ آپ کا ہندوستان تشریف لانا، اجمیر جیسے زبردست سیاسی و مذہبی مرکز میں قیام فرمانا۔ یہاں پر روحانی اور سماجی انقلاب لانا، یہ سب آپ کے بلند حوصلے اور زبردست قوت ارادی کی عکاسی ہے۔ جب خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لائے اس دور کی ہندوستان کی سماجی صورت حال خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں کچھ اس طرح تھی۔":

"ہر شخص نہ صرف "اسیر امتیاز ما و تو" بلکہ ایک دوسرے سے برسرپیکار اشخاص۔ فکر و عمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا چھوت چھات نے ہندوستانی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیئے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے ان کی دردناک تصویر ابو ریحان البیرونی نے "کتاب الہند" میں پیش کی ہے۔ زندگی ان کے لئے بوجھ تھی۔ اللہ نے انہیں آدمی بنایا تھا، لیکن ان کے بھائیوں نے انہیں حیوانوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔"[3]

1۔ حوالے کیلئے دیکھئے
(1) مونس الارواح ص 30 (2) سیر العارفین، ص 3 (3) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 35 (4) سیر الاولیاء ص 51 ۔۔ اخبار الاخیار ص 55، سفینۃ الاولیاء ص 128 اور سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے بیس برس تک عثمان ہارونی کی خدمت کی (بحوالہ سیر الاولیاء تالیف سید محمد مبارک کرمانی "میر خورد" ترجمہ غلام احمد بریاں، الکتاب، لاہور 1982ء)
2۔ بحوالہ "مونس الارواح" ص 27
3۔ تاریخ مشائخ چشت از علامہ خلیق احمد ص 144، دارالمؤلفین اسلام آباد (2) "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجاز الحق قدوسی، ص 127، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول، جنوری 1976ء

اعجازالحق قدوسی کے الفاظ میں

" آپ کی تشریف آوری سے قبل ہندوستان میں عقائد و فکر کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ صحیح فکر اور صحیح عقیدہ سے محروم تھے۔ طبقاتی تفاوت اور ذات پات نے تمدنی زندگی کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ غریبوں کے لئے زندگی ایک بوجھ تھی۔ " 1

آگے چل کر سیرالاولیاء (فارسی) کے حوالے سے اس دور کی تاریکیوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے

" آپ کی تشریف آوری سے قبل سارے ہندوستان میں کفر و بت پرستی کا رواج تھا۔ اور ہندوستان کا ہر شخص سرکش اور انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا تھا وہ اپنے آپ کو خدائے عز و جل کا شریک ٹھہراتے تھے اور وہ سب پتھر، ڈھیلے، درخت جانور، گائے اور ان کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے قفل اور بھی تاریک اور مضبوط ہو رہے تھے۔" 2

ایسے حالات میں خواجہ معین الدین اجمیری ان کے لئے ایسے دین کا پیغام لائے جس میں ذات پات ، چھوت چھات اور طبقاتی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں تھی جہاں فضیلت صرف اس شخص کیلئے تھی جو تقویٰ میں دوسروں سے افضل تھا آپ نے یہ سب کچھ صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر پیش کیا۔ خلیق احمد نظامی کے بقول

" حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریہ " توحید " عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے، بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی یہ سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے یہ ایک زبردست ذہنی اور معاشی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسان ـــــــ اس اعلان کو سن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔" 3

خواجہ معین الدین اجمیری کی تبلیغ کے اثر سے پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے مطابق

1۔ "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجازالحق قدوسی ص 127 مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول جنوری 76

2۔ ـــ ـــ "ایضاً" ـــ ، ص 127

3۔ " تاریخ مشائخ چشت " ص 145

"لوگوں میں نئی مذہبی حس بیدار کر دی۔ ان میں ایمان پیدا کیا اس
کے فکر کو نئی زندگی اور نئی قوت بخشی، جس نے ذہنی ترقی اور فلاح
میں کا ایک نیا باب شمالی ہند میں کھول دیا ہے۔" 1

خواجہ صاحب نے دین حق کی تبلیغ کی خاطر مختلف ممالک کا سفر اختیار کیا چنانچہ تبریز، خراسان، ہرات اور سبزوار (افغانستان) سے ہوتے ہوئے 10 محرم 561ھ بمطابق 1165ء کو ملتان تشریف لائے 2۔ ملتان میں ان کی آمد کا ایک مقصد ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق یہ تھا کہ

"حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری لاہور سے ہندوستان کی طرف
جانے لگے تو انہیں اس زبان سیکھنے کی ضرورت درپیش آئی جو ان کے
فریضہ تبلیغ اسلام میں معاون ثابت ہو سکتی اور جو ہر جگہ پر بولی
اور سمجھی جاتی۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ ملتان تشریف
لے گئے۔" 3

خواجہ معین الدین چشتی نے پانچ سال (4) تک ملتان میں قیام فرمایا۔ قیام ملتان کے دوران آپ نے یہاں کے عوام کی بولی یعنی سرائیکی ملتانی شیخ اکرام

1۔ بحوالہ "مقالات دینی و علمی" جلد اوّل از پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص 257
مزدور پرنٹنگ پریس لاہور

2۔ بحوالہ (1) معین الہند ص 29 (2) خواجہ صاحب ملتان تشریف لائے یہ وہ زمانہ تھا جب شہاب الدین غوری ہندوستان فتح کرنے کے لئے ہندوستان پر حملے کر رہا تھا۔ آخر کار 572ھ میں اس نے ملتان اور اچھ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور علی کرماخ کو یہاں کا حاکم بنا گیا۔ شہاب الدین غوری دوبارہ ملتان 574ھ میں آیا اور یہاں سے گجرات کی طرف چلا۔ 588ھ میں جب شہاب الدین غوری اجمیر فتح کرنے کیلئے ہندوستان آیا تو ملتان کے راستے لاہور ہوتا ہوا اجمیر کی طرف چلا گیا تھا۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "تاریخ فرشتہ" جلد اوّل از محمد قاسم فرشتہ ترجمہ عبدالحق خواجہ، ص 217-218-224، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

3۔ بحوالہ "سرائیکی زبان اور اس کی ہمسایہ علاقائی زبانیں" از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص 37، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، اشاعت اوّل 1977ء

4۔ ملاحظہ فرمائیں (1) "اقبال کے محبوب صوفیاء" از اعجازالحق قدوسی ص 126 (2) لمعات خواجہ از معین الدین احمد ص 167 (3) "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" از قاضی جاوید ص 18، ادارہ ثقافت پاکستان، لاہور، طبع اوّل 1977ء

"لاہور سے (بقول بعض تذکرہ نگاراں) آپ ملتان تشریف لے گئے جہاں آپ نے طویل قیام کر کے ہندوستانی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔" 1

اس ہندوستانی زبان کے بارے میں علامہ عتیق فکری یوں اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں

"ملتان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے عوامی زبان کو تبلیغ اسلامی کی خاطر ملتان ہی سے حاصل کیا اس سے یہاں کی عوامی زبان (جو قدیم سرائیکی کے سوا اور کون سی ہو سکتی ہے) اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ راجپوتانہ اور شمالی ہند میں سمجھی جاتی ہوگی۔" 2

معین الدین احمد چشتی اسے سنسکرت اور پراکرت زبان بتاتے ہیں وہ لکھتے ہیں

"۔۔۔ الغرض آپ براہ قلعہ شادماں ملتان میں رونق افروز ہوئے یہاں آپ نے کچھ عرصہ (تقریباً 5 سال) قیام کر کے سنسکرت و پراکرت پر عبور حاصل کیا۔" 3

اعجازالحق قدوسی لکھتے ہیں

"پھر لاہور سے ملتان تشریف لائے اور یہاں پانچ سال رہ کر ہندوؤں کی زبان سیکھی اور اس طرح آپ نے اس برصغیر میں سب سے پہلے لسانی عصبیت پر ضرب کاری لگائی اور اپنے طرز عمل سے اس حقیقت کو واضح کیا کہ ہر زبان ابلاغ کا ذریعہ ہے کسی زبان سے تعصب برتنا یا علاقائی عصبیت پر اس کا دم سمجھنا ابلاغ کے ایک بڑے ذریعہ سے محرومی ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ لسانی عصبیت، محبت یگانگت اور احترام انسانیت کے گلشن کو سرسبز نہیں ہونے دیتی اور عاشقوں میں ایک ایسا بگاڑ پیدا کرتی ہے کہ یہ قومی وحدت اور سالمیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔" 4

1۔ بحوالہ "آب کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص 252

2۔ بحوالہ "عظمت ملتان" از علامہ عتیق فکری ص 120 مطبوعہ فکری اکیڈمی بشراکت مجلس تاریخ و ثقافت ملتان، بار اول، جنوری 1982ء

3۔ لمعات خواجہ از معین الدین ص 187 مطبوعہ معین الادب کراچی طبع اول جون 1978ء

4۔ "اقبال کے ممدوح صوفیاء" ص 125

گویا خواجہ معین الدین اجمیری صوفیا میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے زبان کو قومی وحدت کا ایک ذریعہ بنایا اور زبان کو وسیلہ بنا کر رشد و ہدایت اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

اردو کے ابتدائی مربوط جملوں کے سلسلے میں جن بزرگوں کے نام آتے ہیں ان میں بھی خواجہ معین الدین اجمیری کا نام بڑا اہم ہے کیونکہ اشاعت دین کیلئے عوام اور عوام سے رابطے کیلئے عوام کی زبان میں ہی گفتگو کی جا سکتی ہے تاکہ صحیح طور پر تعلیم و تلقین ہو سکے۔ ظاہر ہے عوام کو بات سمجھانے کیلئے جب تک ان کی زبان سے واقفیت نہیں ہو گی کیسے بات سمجھائی جا سکتی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے نہ صرف زبان سے واقفیت حاصل کی بلکہ زبان کے اہم مراکز میں رہ کر اس زبان کا صحیح شعور بھی حاصل کیا جو عوام میں بولی اور سمجھی جاتی تھی چنانچہ ملتان میں ان کے قیام کا ایک بڑا مقصد اس عوامی زبان میں مہارت حاصل کرنا بھی تھا جو نہ صرف اس علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی بلکہ یہ دوسرے علاقوں میں بھی عوام میں ذریعہ اظہار تھی چنانچہ اس زبان کو سیکھنے کے بعد خواجہ معین الدین دہلی اور اجمیر تشریف لے گئے اور اس زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔

اردو کے ابتدائی جملوں میں خواجہ معین الدین اجمیری کا ذکر ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ملک محمد جائسی علیہ رحمۃ کی کتاب "الحریق" کی شہادت سے اس طرح کرتے ہیں

"۔۔۔۔ اولیاء اللہ غیر از زبان عربی تکلم نہ کردہ، زیرا کہ
جملہ اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص نہ بودند بل بہر ملک کہ بودہ
زبان آں ملک را بکار بردہ اند و گمان شد کہ ہیچ اولیاء اللہ بہ
زبان ہندی تکلم نہ کردہ زیرا کہ آنکہ از جمیع اولیاء اللہ قطب
الاقطاب خواجہ بزرگ معین الحق والملۃ والدین قدس اللہ سرہ ہندی
زبان سخن فرمودہ۔۔۔۔" 1

اگرچہ خواجہ صاحب کا ہندی زبان میں کوئی قول نہیں ملتا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے یہاں کے لوگوں سے ان کی زبان ہی میں گفتگو کی ہو گی پھر ان کا پیشہ بھی طب تھا جس کی وجہ سے ہر قسم کے مریضوں سے ان کا واسطہ رہتا تھا۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ خیال ظاہر کرتی ہیں کہ

1۔ "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" از ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ص 8، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ کراچی نمبر1، اشاعت چہارم 1977ء

"ان کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ھے کہ خواجہ صاحب کا پیشہ طب تھا جس ان کو رات دن عوام سے سابقہ رھتا تھا۔ قرین قیاس یہ ھے کہ خواجہ صاحب ھندوستانی مریضوں سے ان ھی کی زبان میں گفتگو کرتے فرماتے تھے۔" 1

ملتان کے لئے آپ کا سفر اور قیام اس بات کا ثبوت فراھم کرتا ھے کہ آپ نے عوام کی زبان سیکھی تاکہ اس میں گفتگو کر سکیں۔ آپ کی تصنیفات کی تفصیل حسب ذیل ھے

(1) انیس الارواح ـــــ اس کتاب میں آپ نے اپنے پیرو مرشد خواجہ عثمان ہارونی کے ارشادات کو جمع کیا ھے آپ جو کچھ مجلس میں فرماتے خواجہ صاحب اسے لکھ لیتے یہ کتاب فارسی میں ھے۔

(2) کشف الاسرار ــــ اسے "سراج الانوار" بھی کہتے ھیں یہ کتاب تصوف پر ھے۔

(3) گنجینہ اسرار[2] ــــ اسے گنج اسرار بھی کہتے ھیں یہ کتاب آپ نے خواجہ عثمان ہارونی کے کہنے پر سلطان شمس الدین التمش کی تعلیم و تلقین کے لئے لکھی تھی جس میں تصوف کی تعلیم دی گئی ھے آپ نے سلطان التمش کو اس کتاب کی تعلیم دینے کے لئے کچھ عرصہ دھلی میں قیام فرمایا۔

(4) رسالۂ تصوف منظوم ــــ یہ کتاب آپ کے بلند افکار اور طرز شاعری کی آئینہ دار ھے۔

(5) رسالۂ آفاق و انفس ــــ اس میں تصوف کے چند نکات پر بحث ھے۔

(6) حدیث المعارف ــــ یہ کتاب دستیاب نہیں ھے۔

(7) رسالۂ موجودیہ ــــ یہ کتاب بھی نادر الوجود ھے[3]

(8) دیوان معین یا دیوان خواجہ کے نام سے فارسی کا ایک دیوان بھی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے منسوب کیا جاتا ھے ۔ یہ دیوان صرف غزلیات پر مشتمل ھے۔ غزلوں کی تعداد 121 ھے[4]

1۔ "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء 19ویں صدی کے اوائل تک" ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ص 25 مطبوعہ کریم سنز پبلشرز، کراچی، طباعت اول 1978ء (مقالہ برائے پی ایچ ڈی۔ جامعہ عثمانیہ، بھارت)

2۔ "خواجہ غریب نواز" از ادارۂ تصنیف و تالیف مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاھور اشاعت سوم ص 75 تا 100 پر معین الدین اجمیری کی اس کتاب کا نام "گنج الاسرار" بتایا گیا ھے جسکا اردو ترجمہ "مخزن الاسرار" کے نام سے چھپا ھے۔

3۔ خواجہ صاحب کی تصنیفات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے

(الف) معین الھند ص 111 تا 116 (ب) خواجہ غریب نواز، ص 100 تا 101

ان غزلوں میں تصوف کے مضامین باندھے گئے ہیں سب سے پہلے اس دیوان کو مطبع نولکشور نے 1288ھ میں مطابق 1871ء شائع کیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری کا نہیں بلکہ مولانا معین الدین ہروی کا ہے[1]۔ لیکن کچھ لوگ اسے خواجہ معین الدین اجمیری کے نام سے منسوب کرتے ہیں[2]۔ غزلیات میں کہیں کہیں ہندی کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ کی کتابیں ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ خواجہ صاحب ان کتابوں کے ساتھ ساتھ مجلس میں تعلیم و تلقین بھی کرتے تھے یہ موضوعات زیادہ تر پیر کی خدمت ، پاکیزگی ، طہارت، نماز، محبت میں صداقت، توجہ اور لہو لعب کی مذمت، گریہ و زاری، قبرستان کے آداب، قلب کی اصلاح، رشد و ہدایت کی ضرورت، اطاعت خداوندی اور قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی اہمیت سے متعلق ہوتے تھے۔ آپ کے ملفوظات کو آپ کے مرید قطب الدین بختیار کاکی نے " دلیل العارفین " کے نام سے لکھا گیا۔ آپ نے قطب الدین بختیار کاکی کو جو خطوط لکھے تھے وہ بھی " اسرار الواصلین " کی صورت میں لکھے گئے ہیں ان میں بھی تصوف کے نکات پر بحث ملتی ہے[3]۔

آپ کے خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد خواجہ حمید الدین ناگوری کا نام آتا ہے ان کے علاوہ آپ کے بے شمار خلفاء ہیں۔

خواجہ معین اجمیری کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس سال خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ہوئی آپ کا انتقال بھی چند ماہ کے بعد اسی سال ہوا اور یہ سال 6 رجب 633ھ ہے[4]۔

1۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) مقالات شیرانی از حافظ محمود شیرانی ، مطبوعہ کتاب منزل لاہور (ب) آب کوثر از شیخ محمد اکرام، ص 208-209 (ج) خواجہ غریب نواز، ص 101

2۔ ملاحظہ فرمائیے " لمعات خواجہ " ص 281 تا 384

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " معین الھند " ص 158 تا 164

4۔ حوالے کیلئے دیکھئے (1) آب کوثر، ص 208 (2) اخبار الاخیار، از عبدالحق محدث دہلوی (اردو ترجمہ) ص 61-62 (3) خواجہ غریب نواز، ص 58 (4) گلزار ابرار از محمد غوثی شطاری (اردو ترجمہ) ص 29 (5) سیر العارفین (حاشیہ) ص 20 (6) تذکرہ خواجہ معین الدین اجمیری مولفہ حضرت مولانا معین الدین، ص 211، مکتبہ نعیمیہ، گنج بخش روڈ لاہور (7) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین، ص 44۔۔۔ ان سب کتابوں میں خواجہ معین الدین اجمیری کا سنہ وفات 633ھ دیا گیا ہے جبکہ " معین الھند " کے مصنف مسالک السالکین جلد دوم ص 255 کے حوالے سے 627ھ لکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی 632ھ اور 633ھ سنہ وفات کے بارے میں

خواجہ معین الدین چشتی کی تعلیمات میں انسان دوستی ، محبت و اخلاص، اخوت و مساوات معاشرتی انصاف، مظلوم کی حمایت، بے غرض خدمت اور فرقہ و تعصب سے ماورا سماج کے قیام کا تصور شامل ہے وہ ظاہری عبادات سے زیادہ انسان کی بے لوث خدمت کو ترجیح دیتے تھے گویا وہ حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد کے قائل تھے۔ فنون لطیفہ میں موسیقی کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ سماع سے انہیں خاص رغبت تھی ۔ برصغیر پاک و ہند میں سماع کی محفلوں کو رواج دینے میں حضرت معین الدین اجمیری کا خاص حصہ ہے۔ قاضی جاوید کے مطابق

> "خواجہ معین الدین چشتی موسیقی کو روحانی ارتقاء کیلئے ناگزیر تصور کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کا رویہ سید علی ہجویری سے مماثلت رکھتا ہے تاہم اس سلسلے میں وہ اس امر پر خاص طور پر زور دیتے ہیں کہ غیر روحانی مقاصد کے لئے موسیقی کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔" 1

(2) قطب الدین بختیار کاکی اوشی

اپنے مرشد حضرت معین الدین اجمیری کی طرح قطب الدین بختیار کاکی بھی عارضی قیام کی خاطر ملتان تشریف لائے۔ خواجہ معین الدین اجمیری کے نامور خلیفہ قطب الدین بختیار کاکی 569ھ[2] میں بہ مقام اوش پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام بختیار لقب کاکی[3] اور خطاب قطب الاقطاب تھا جو ان کے مرشد معین الدین اجمیری کا عطا کردہ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے عالم ابو حفص سے حاصل کی ۔ اس کے بعد 582ھ میں بغداد میں معین الدین اجمیری سے بیعت کی[4] جب خواجہ معین الدین اجمیر سے ہندوستان

1۔ بحوالہ " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " ص 19

2۔ بحوالہ (1) دلی کے بائیس خواجہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ص 17 ، مطبوعہ پبلشرز دہلی (2) قطب صاحب کی تاریخ ولادت " اخبار الاخیار " ص 59 میں 305ھ درج ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے اسلئے کہ آپ کا سنہ وفات 633ھ ہے اگر 305ھ کو درست مان لیں تو آپ کی عمر 128 سال بنتی ہے جو درست نہیں ہے اسلئے 569ھ ہی ٹھیک ہے (3) اردو نثر کا ارتقاء، ص 25 پر 582ھ اور خواجہ غریب نواز ص 75 پر 548ھ درج ہے۔

3۔ کاکی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ دہلی میں رہتے تھے تو عبادت میں مصروف رہتے تھے اور کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ جب گھر میں فاقہ زیادہ ہوتا تو آپ کی بیوی ہمسائے سے ادھار لے آتیں ایک دن ہمسائے کی بیوی نے کہا کہ اگر ہم نہ ہوتے تو تم کہاں سے ادھار لیتیں۔ آپ کی بیوی نے آپ کو بتایا تو آپ نے قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ جب ضرورت ہو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف روانہ ہوئے تو قطب صاحب بھی ان سے ملاقات کیلئے ہندوستان چلے آئے اور پہلے 590ھ (1194ء) میں ملتان تشریف لائے۔ ان دنوں ملتان بقول ظہورالحسن شارب

"علم و فن کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے عالم یہاں رہتے تھے لوگ دور دراز سے تحصیل علم کی غرض سے ملتان آتے تھے۔" 1

جب خواجہ بختیار کاکی ملتان تشریف لائے تو ان دنوں بابا فرید گنج شکر بھی حصول [illegible] علم کی خاطر ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک روز بختیار کاکی وہاں تشریف لے گئے تو بابا فرید گنج شکر کتاب "نافع" کے مطالعے میں مصروف تھے۔ خواجہ قطب سے ملاقات ہوئی تو آپ بہت متاثر ہوئے اور ان کے قیام ملتان کے دوران ہی میں ان کے دست حق پر بیعت کر لی۔2 ملتان میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ بابا فرید[illegible] نے آپ کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ نے انہیں تعلیم مکمل کرنے کی تلقین کر کے ملتان سے رخصت ہوئے۔ بختیار کاکی کافی عرصہ دہلی میں رہے۔ اسی دوران اپنی والدہ محترمہ سے ملنے 602ھ میں اوش اور پھر وہاں سے بغداد گئے۔ بغداد میں آپ کو حضرت جلال الدین تبریزی سے معلوم ہوا کہ خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان تشریف لے گئے ہیں اور دہلی میں قیام پذیر ہیں۔ یہ سن کر آپ شیخ جلال الدین تبریزی کے ہمراہ پھر ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے اور راستے میں پھر 611ھ میں جلال الدین تبریزی کے ہمراہ ملتان میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ اس زمانے میں ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور قباچہ بیگ ملتان کا حاکم تھا۔ بزم صوفیہ میں لکھا ہے کہ 621ھ میں چنگیز خان نے سندھ پر فوج کشی کی تو بڑھتے

حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ ۔۔۔۔ کہ حجرہ کے طاق سے روٹیاں اٹھا لی جائیں اب روٹیوں کو "کاک" کہتے ہیں۔
مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) دلی کے بائیس خواجہ، ص 17 تا 20 (2) سیرالعارفین، ص 31-32 (3) سفینۃ الاولیاء، ص 130 (4) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 132 (5) سیرالاولیاء ص 55 (6) اخبار الاخیار، ص 60
4۔ (الف) "تذکرہ خواجگان چشت" میں لکھا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں بیعت کی (بحوالہ تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیرالاقطاب، ص 170 مصنف حضرت الہداد ابن شیخ عبدالرحیم مترجم محمد معین الدین دردائی، مطبوعہ طبیں اکیڈمی، کراچی)
(ب) "سیرالاولیاء" میں ص 54 پر بیعت کا سنہ 523ھ درج ہے جو درست نہیں ہے۔

1۔ بحوالہ "دلی کے بائیس خواجہ" ص 29
2۔ (الف) "دلی کے بائیس خواجہ" ص 31 (ب) سیرالاولیاء، ص 68

ہوئے قباچہ کے دارالسلطنت ملتان تک پہنچ گئے سراسیمگی کی حالت میں قباچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں حاضر ہوا یہ تینوں مشائخ اس وقت ملتان ہی میں یکجا جلوہ فرما تھے۔ قباچہ نے ان تینوں سے روحانی امداد کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے قباچہ کو ایک تیر دے کر کہا کہ لڑائی کے وقت اس کو اپنے برج حصار سے دشمن کی طرف پھینکو پھر قدرت الٰہی کا تماشا دیکھو۔ دوسرے دن قباچہ نے ایسے ہی کیا اور اس کو اپنے دشمن پر فتح حاصل ہوئی۔[1] فوائد الفواد میں اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

> "وقتی شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب
> الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین در ملتان بودند لشکر کافر
> زیر پای ملتان آمد والیٔ ملتان قباچہ بود شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ
> المبارک تیری چند بدست قباچہ داد و گفت این تیر را بجانب کافر
> بیندازید قباچہ هم چنان کرد چون روز شد یکی از کافر شاهد همه رفتہ
> بودند۔۔۔"[2]

جب بختیار کاکی اور جلال الدین تبریزی ملتان چھوڑنے لگے تو قباچہ نے انہیں ملتان میں روکنے کی بہت کوشش کی بختیار کاکی نے فرمایا کہ جلال الدین غزنی جائیں گے اور وہ خود دہلی، ملتان کی سر زمین پر بہاء الدین زکریا کا تصرف اور سایہ کافی ہے[3] ملتان سے خواجہ صاحب دہلی تشریف لے گئے اور اپنے مرشد (معین الدین اجمیری) کے حکم سے کیلوکھڑی کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہ مقام شہر سے کافی فاصلے پر تھا اور لوگوں کو آپکو آنے جانے میں تکلیف ہوتی تھی اس لئے آپ سلطان شمس الدین التتمش کی درخواست پر پہلے مہرولی میں پھر کچھ عرصہ قاضی حمید الدین ناگوری کے ہاں گزارا اور آخر اعزالدین کے قریب رہائش اختیار کر لی۔

1۔ بحوالہ "بزم صوفیہ" مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمان ص 35، مطبع معارف اعظم گڑھ 1372ھ 1954ء مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) نقش ملتان، از طاہرہ تغلق تسکری ص 438
(ب) سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص 25، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور

2۔ بحوالہ "فوائد الفواد" (فارسی) جلد سوم مرتب حضرت امیر حسن علاء سجزی المعروف بہ حسن دہلوی ص 108 مطبوعہ نولکشور 1302ھ

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) سیر الاولیاء ص 50 (ب) دلی کے بائیس خواجہ، ص 35 (ج) ترجمہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد دوم ص 577 مطبع نامی گرامی منشی نولکشور (د) تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص 173 (ر) سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص 48

جن دنوں خواجہ صاحب دہلی میں مقیم تھے، سلطان شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ تھا اور حضرت جمال الدین محمد بسطامی شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے ان کے انتقال کے بعد التمش نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے التجا کی کہ وہ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کر لیں لیکن آپ نے انکار کر دیا آخر شیخ الاسلام کا عہدہ نجم الدین صغریٰ کے سپرد ہوا۔[1] دہلی میں خواجہ صاحب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ لوگ ان کی صحبت میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ جس سے نجم الدین صغریٰ کو حسد پیدا ہوا۔[2] چنانچہ جب خواجہ معین الدین اجمیری صاحب دہلی تشریف لائے تو آپ ان سے ملنے کے لئے نہ گئے خواجہ معین الدین کو رنج ہوا تو آپ خود ملنے چلے آئے لیکن شیخ الاسلام سردمہری سے ملے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا

> "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی کی شہرت نے تمہارے دماغ کو برہم کر دیا ہے۔ شیخ نجم الدین نے جواب دیا کہ حضرت میں تو آپ کا ویسا ہی مخلص اور بے ریا معتقد ہوں جیسا پیشتر تھا لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید رکھ چھوڑا ہے جس کے مقابلہ میں میری شیخ الاسلامی کوئی شخص جو کے مقدار بھی شمار میں نہیں لاتا۔"[3]

خواجہ صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ بختیار کاکی کو اپنے ساتھ اجمیر لے جائیں گے لیکن یہ خبر سن کر سلطان التمش اور دہلی کے باشندے لوگ بہت رنجیدہ ہوئے۔ آپ نے ان کی آزردگی کے پیش نظر قطب الدین بختیار کاکی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی[4] سماع کے بہت شوقین تھے چنانچہ دہلی میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ مل کر سماع سنتے رہتے۔ ابتدائی زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری نے سماع

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) سیر العارفین، ص 23-27 (ب) دلی کے بائیس خواجہ ص 37-38

2۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق ــــ "شیخ نجم الدین صغریٰ ــــ ایک باخدا بزرگ تھے اور حضرت خواجہ بختیار کاکی سے ان کی نہ بن سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خواجہ صاحب کو سماع کا شوق تھا اور شیخ الاسلام اس پر اعتراض کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کو یہ بھی ناگوار تھا کہ لوگ خواجہ صاحب کا ادب مجھ سے زیادہ کرتے تھے۔"
(بحوالہ "آب کوثر" ص 214)

3۔ سیر الاولیاء، ص 61

4 [illegible]

سختی سے منع کیا لیکن آپ نے انہیں کہلوا بھیجا

"اے سعد الدین! تو سماع کا مرتبہ کیا جانے تیرے لئے یہ حرام ہے لیکن ہمارے
لئے یہ مباح ہے یہ اللہ کی خاص نعمت ہے جو ہر شخص کو عطا نہیں
ہوتی جس کو یہ نعمت عظیم عطا ہوتی ہے وہی اس کی قدر جانتا ہے۔" 1

سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں بھی شہر کے قاضی اور علماء نے سماع سننے سے روکنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی لیکن قائل نہ کر سکے۔2 سماع سے آپ کی طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی۔3 سماع کے دوران آپ پر وجد طاری رہتا، بے خود ہو جاتے بعض اوقات تو کئی کئی دن بے ہوش رہتے لیکن نماز کے وقت ہوش آ جاتا اور آپ نماز ادا کرتے۔ خواجہ صاحب کی سماع سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی وفات بھی اسی عالم میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سماع کی محفل میں قوال نے شیخ احمد جام کا یہ شعر پڑھا

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(ترجمہ ۔ خنجر تسلیم و رضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔)

خواجہ صاحب پر اس شعر کا اتنا اثر ہوا کہ چار روز عالم تحیر میں رہے اور پانچویں روز بروز جمعہ ربیع الاوّل 633ھ (1235ء) کو اسی عالم میں وفات پا گئے۔4 خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ

1۔ بحوالہ ۔ تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیر الاقطاب، ص 176
2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) تذکرہ خواجگان چشت اردو ترجمہ سیر الاقطاب ص 179 – 177
3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے روضۃ الاقطاب ص 62 مصنفہ مانسہرہ، سید محمد بلاق مطبع مجتبائی دہلی 1224
4۔ (1) فوائد الفواد (اردو) ص 291 ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ترجمہ پروفیسر محمد سرور مطبوعہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، طبع اوّل 1973ء (1393ھ) ص (2) سفینۃ الاولیاء (فارسی) ص 96 (3) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین ص 144 (4) جواہر فریدی از اصغر علی چشتی ص 177 مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور 1301ھ میں 14 ربیع الاوّل 634ھ (5) تذکرہ خواجگان چشت ص 183 پر 14 ربیع الاوّل 633ھ (6) مرآۃ الاسرار (مقدمہ) ص 35 . اخبار الاخیار ص 61، سیر الاولیاء ص 83، سیر العارفین، ص 41 اور دلی کے بائیس خواجہ، ص 52 پر آپ کی تاریخ وفات 14 ربیع الاوّل 633ھ ہے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ

"قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بیان کرتے تھے کہ جس سنہ میں سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا اسی سال شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس دار نا پائیدار سے عالم جاوداں میں انتقال فرمایا تھا اس سنہ میں مولانا قطب الدین کاشانی نے بھی وفات پائی۔ اس قول سے حضرت سلطان المشائخ نے سلطان شمس الدین التمش کی تاریخ انتقال نکالی اور یہی تاریخ بہت ارشاد فرمائی۔"

وہی شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام نہ کیا ہو اور عصر کی سنت و پہلی تکبیر کبھی نہ چھوڑی ہوں۔ ایسا شخص ملنا مشکل تھا آخر سلطان التمش آگے بڑھے اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری حالت کسی پر ظاہر ہو لیکن اب مجبور ہوں چنانچہ انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو اسی جگہ دفن کیا جو زمین آپ اپنی قبر کے واسطے خرید فرما گئے تھے۔[1]

آپ کے بہت سے خلفاء ہیں جنھوں نے آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھایا ان میں سر فہرست فرید الدین مسعود گنج شکر ہیں ان کے علاوہ شیخ بدرالدین غزنوی ، شیخ بدرالدین موئے تاب، شیخ نجم الدین قلندر، مولانا برہان الدین حلوائی، مولانا فخرالدین حلوائی، شیخ ضیاء رومی، شیخ برہان الدین بلخی وغیرہ مشہور ہیں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علمی ذوق بھی رکھتے تھے آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(1) دلیل العارفین --- اس کتاب میں آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات اکٹھے کئے ہیں۔

(2) زبدۃ الحقائق --- یہ کتاب شائع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی تفصیل ملتی ہے۔

(3) رسالہ --- اس نام سے آپ نے ایک رسالہ مرتب کیا تھا۔

خواجہ صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے ایک مثنوی آپ سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک فارسی کا دیوان آپ کے نام سے منسوب ہے۔ جس میں آپ نے "قطب الدین" اور "قطب دین" کا تخلص استعمال کیا ہے۔[2]

خواجہ صاحب کی تعلیمات کو ان کے مرید فریدالدین گنج شکر نے "فوائد السالکین" کے نام سے کتاب میں جمع کیا ہے۔ آپ کی تعلیمات میں خصوصاً ان باتوں پر زور دیا گیا ہے کہ مرشد کو کامل ہونا

1- آپ نے عید کے دن عیدگاہ سے واپسی پر مہر ولی (جو کہ نئی دہلی) کے مقام پر اپنے مرقد کیلئے زمین خریدی اور فرمایا مجھے یہاں سے بوئے عشق آ رہی ہے۔ حوالے کیلئے دیکھئے (1) سیر العارفین، ص 41 (2) سیر الاولیاء، ص 62 (3) دلی کے بائیس خواجہ، ص 53 (4) فوائد الفواد، ص 464

2- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "دلی کے بائیس خواجہ" ص 63 - 62

چاہئیے کہ جب کوئی مرید بیعت کے لئیے اس کے سامنے حاضر ہو گا تو وہ اس کے دل سے تمام دنیاوی آلائش کو نکال دے، مرد کی کمالیت ان چار باتوں میں ہے کہ کم سوئے ، کم بولے، کم کھائے اور خلق سے کم صحبت رکھے، صحت کا شکر ادا کرنے کے لئیے شعر کہیں جائے۔ درویش کا کھانا بھی عبادت الٰہی کا ایک حصہ ہو اور وقت طعام کسی سے گفتگو نہ کرے۔ اس کے علاوہ آپ نے تصوف کے مختلف مراحل کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی۔

قطب الدین بختیار کاکی سے اردو کا ایک جملہ منسوب کیا جاتا ہے آپ کے مرید فریدالدین گنج شکر "جواہر فریدی" میں قطب صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ (بابا فرید) اپنے مرشد شیخ قطب الدین کو وضو کرا رہے تھے۔ شیخ فرید نے آشوب چشم کی وجہ سے آنکھ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ قطب الدین بختیار کاکی نے سبب دریافت کیا آپ نے ہندی میں جواب دیا کہ

"آنکھ آئی ہے۔"

بختیار کاکی نے فرمایا

"اگر آنکھ آئی ہے این را چه بسته اید اسست" 1

1۔ جواہر فریدی، ص 208، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور 1301ھ (خواجہ صاحب کے اس جملے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حکیم شمس اللہ قادری "اردوئے قدیم" میں حافظ محمود شیرانی "مقالات شیرانی" ص 138 جلد اول مرتبہ مظہر محمود شیرانی ، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1968ء میں اور محمد غوث قلندر ہانی پتی کے ملفوظ تذکرہ غوثیہ میں تو یہی جملہ درج ہے لیکن ڈاکٹر وحیدہ سلطانہ "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" میں ص 28 پر اسے اس طرح لکھتی ہیں "اگر آنکھ آئی ہے تو سوآئی ہے۔")

(5) حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

ملتان کے صوفیاء میں سب سے زیادہ شہرت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو حاصل ہوئی ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے مریدوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی دوسرے اس لئے کہ ان کو سیاسی طور پر اقتدار حاصل رہا اور ان کے تعلقات بادشاہوں اور حکمرانوں کے ساتھ رہے۔[1] یعنی آپ ان بزرگوں میں سے تھے جو مذہب اور سیاست کے ملاپ کے لئے حکمرانوں سے تعلقات قائم کئے رہے۔ اس طرح ایک طرف تو وہ حکمرانوں کو مذہب کی اطاعت دیتے رہے دوسری طرف خود بھی سیاسی طور پر مقتدر رہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے بطور سیاسی بھی ملتان میں آپ کی ولایت قائم رہی مختلف صوفیاء نے ملتانیوں آپ کی سیرابی اور ولایت کو قبول کیا۔ ضیاء الدین برنی کے مطابق

> "شیخ بہاء الدین زکریا کو سالکوں اور خدا طلبوں میں "سفید باز"
> کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بھی ان کے بازؤں سے
> خود کو باندھ لیا وہ خدا تک پہنچ گیا۔" 2

ملتان میں سہروردیہ سلسلے کے موسس اول[1] شیخ[3] بہاء الدین زکریا 27 رمضان[4] 566ھ کو ملتان کے نزدیک

1۔ ڈاکٹر شمیم زیدی لکھتی ہیں "حضرت شیخ بہاء الدین زکریا دربار کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے اور امراء و حکام کے ساتھ ان کی آمد و رفت تھی۔(ملاحظہ فرمائیے" احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، ص 38 مطبوعہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان)

2۔ تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر سید معین الحق ص 308 مرکزی اردو بورڈ لاہور مارچ اکتوبر 69ء

3۔ "آب کوثر" ص 233

4۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے (1) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی ص 10 (2) سیر العارفین ص 114 (3) اولیائے ملتان از منشی حسین ناظم ص 14 (4) تاریخ ملتان از حکیم چند ص 73 (5) خزینۃ الاصفیا ص 232 (6) تذکرہ اولیائے ہند از مرزا عبدالوہاب چشتی ص 131 مطبوعہ نولکشور 1914ء (7) خلاصۃ الانساب (قلمی) ص 74 (8) سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ) ص 176 ملوکہ ماجعد سید حضرت خواجہ حافظ نظام حسین شہید 30 رمضان المبارک 1260ھ ــــ ان سب کتابوں کے مطابق آپ کا سن پیدائش 27 رمضان 566ھ ہے جبکہ مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 131، مونس ملتان از اولاد علی گیلانی ص 212 اور آئین اکبری از ابوالفضل ص 207 (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ 1882ء) کے مطابق 565 اخبار الاخیار ص 662 کے مطابق 580ھ اور تاریخ محمدی از اخبار الحق قدوسی ص 358 حدیقۃ الاولیاء ص 49، تحفۃ الابرار از نواب مرزا آفتاب بیگ ص 8 (طبع رضوی دہلی 1323ھ) اور مجمع البرکات (اردو ترجمہ) از مفتی عبدالرشید ملتانی ص 69 (طبع صادق الانوار بہاولپور 1915ء) کے مطابق 578ھ ہے اور حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار ص 190 کے مطابق 544ھ درج ہے۔ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص 40 کے

قصبہ کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق قریش[1] مکہ کے معزز قبیلہ " القریش الاسدی " سے تھا۔ آپ کے دادا شیخ کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور پھر وہاں سے ملتان تشریف لے آئے۔ ملتان میں انھوں نے اپنے صاحبزادے مولانا وجیہہ الدین محمد غوث کی شادی قلعہ کوٹ کروڑ کے معزز شخص مولانا حسام الدین ترمذی جو تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے نواحی علاقے کوٹ کروڑ میں مقیم تھے، کی صاحبزادی سے کر دی ان کے بطن سے بہاء الدین زکریا پیدا ہوئے۔

بہاء الدین زکریا نے ابتدائی تعلیم ملتان ہی میں حاصل کی آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید سات قرأتوں سے حفظ کر لیا تھا۔ منبع البرکات (قلمی نسخہ) میں لکھا ہے کہ

> " شیخ بہاء الدین حفظ قرآن مجید با ہفت قرأت در کوٹ کروڑ از مولانا حسام الدین بلخی حاصل کرد۔" 2

آپ ابھی دس سال کے تھے کہ والد کو فوت ہو گئے اس کے بعد خراسان تشریف لے گئے سات برس تک وہاں علماء و مشائخ سے ظاہری و باطنی علوم کی تعلیم حاصل کی پھر بخارا گئے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ نور احمد فریدی کے مطابق

> " ایسے چار سو چوالیس (444) باکمال اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کر کے سند فضیلت حاصل کی جو علم و فضل اور زہد و ورع کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے۔" 3

بخارا میں آپ تقریباً آٹھ برس تک رہے اسی دوران میں تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے کتب کا ذخیرہ بھی اکٹھا کیا۔ نور احمد فریدی کے مطابق ان کتب کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔[4]

1۔ حکم چند " تواریخ ملتان " ص 61 پر لکھتے ہیں کہ " یہ خاندان اولاد بہاء الدین زکریا المعروف بہاء الحق ہے اور ان کو قریشی کہتے ہیں، سید نہیں ہیں، قریشی کی وجہ تسمیہ میں یوں سنی جاتی ہے کہ قریش ایک ٹبہ پہاڑ کا نام تھا اس ٹبہ کی طرف جو لوگ رہتے تھے ان کو قریشی بولتے تھے۔ دوم یہ مشہور ہے کہ ایک بڑا جانور قرش نامی تھا وہ کسی سے مارا نہیں جاتا تھا اس خاندان کے لوگوں نے اس کو مارا اس واسطے قریشی مشہور ہوئے۔"

2۔ بحوالہ " منبع البرکات " (تذکرہ صوفیہ) قلمی نسخہ ص 65 مؤلف شیخ شرف الدین قریشی

3۔ بحوالہ " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " از نور احمد فریدی ص 43 مطبوعہ محکمہ اوقاف، لاہور طبع اول مئی 1960ء

4۔ بحوالہ " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " ص 44

ان تمام باتوں کو خلاصۃ العارفین (قلمی) میں یوں بیان کیا گیا ہے

"چون به هفت سال رسید جمله قرآن با جمله قرأت ها و وجوهات قرآن بطریق قاریان شنواهید بعد ازان چهل سال در مدرسه علم علوم ظاهر و باطن مطالعه و ملاحظه کرد تا دو هزار کتاب بخدمت ایشان جمع شده و چهار صد و چهل و چهار استادان ماهر این علم که در اطرات عالم و اکناف ارض و آفاق بلادها حالصانی که مشهور علم ظاهری و باطنی و مشرع بودند به صحبت مطلق پیش ایشان ملاحظه کردی علم ظاهری باس طریق خواهدی بعد ازان بیست سال مجاهده و ریاضت کشید" 1

بخارا کے لوگ آپ سے متاثر ہو کر آپ کو "بہاء الدین فرشتہ" کہنے لگے تھے۔ بخارا کی تمام درسگاہوں سے علم حاصل کرنے کے بعد پندرہ برس تک سخت مجاہدے میں مصروف رہے۔2 بخارا سے آپ مکہ گئے حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور یہاں حرم نبوی کے مجاور بنے انہی دنوں میں آپ مولانا کمال الدین محمد یمنی سے حدیث کا درس لیتے رہے سیرالعارفین کے مطابق

"جب حضرت بہاء الدین زکریا نے تمام علم حدیث مولانا (یمنی) سے پڑھ لیا اور اس میں کمال حاصل کر لیا تو مولانا نے حضرت کو اجازت نامہ لکھ کر دے دیا اور حدیث کے درس دینے کی بھی اجازت دے دی جیسی کہ محققین محدثین کی رسم ہے" 3

پانچ برس مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ اپنے استاد (مولانا یمنی) کے ساتھ ہر برس حج کے لیے مکہ جاتے رہے۔ مدینہ سے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں انبیاء علیہ السلام کی قبور کی زیارت کرنے کے بعد آپ بغداد گئے جہاں آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

"حضرت سلطان المشائخ کی صحبت و ارادت کی برکت سے صرف سترہ روز

1- خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی) ص 12-13 (ملفوظات حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی) مصنف ضیاء الدین بن حافظ مولوی عبداللہ قادری ساکن ملتان سمت محلہ کہنہ دروازہ در کوی افغاناں 27 شعبان بروز دو شنبہ 1290ھ میں کتابت کی۔ اوراق 58 صفحات 116 (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی۔) — نوٹ = یہی عبارت ڈاکٹر زیدی کی مرتب کردہ خلاصۃ العارفین میں ص 129 پر کچھ لفظی فرق کے ساتھ درج ہے۔

2- بحوالہ - تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 44 پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے مطابق

"انہوں نے بخارا میں نہ صرف اپنی تعلیم کو مکمل کیا بلکہ 15 سال تدریس اور افادۂ علوم میں بھی مصروف رہے"

(بحوالہ مقالات دینی و علمی (جلد اول) ص 260، مطبوعہ مرکزی پرنٹنگ پریس لاہور)

میں یہ دولت جاودانی اور سعادت دو جہانی حاصل کر لی۔" 1

شیخ شہاب الدین سہروردی سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد مرشد کے حکم سے[2] آپ ملتان تشریف لے آئے[3] اور یہاں دین اسلام کی خدمت شروع کر دی سفینۃ الاولیاء کے مطابق

"ملتان کو جانے تمام بخشے کے بعد شیخ زکریا نے طالبان حق کی ہدایت اور ارشاد کی جانب بہت توجہ دی۔ اس شہر اور اطراف کے تمام لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔" 4

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملتان میں ایک ایسا علمی و دینی مدرسہ قائم کیا جس کے فارغ التحصیل اور تربیت یافتہ علماء، مبلغین اور واعظین نہ صرف برصغیر کے کونے کونے میں بلکہ بیرون ملک یعنی جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، فلپائن، خراسان اور چین تک اسلام کی روشنی پھیلاتے۔ یہ مدرسہ ایک آفاقی یونیورسٹی کی سی حیثیت رکھتا تھا جہاں ہر ملک کے فاضل جمع تھے۔ ان کا کام تدریس دینا تھا۔ انہیں معقول مشاہرہ ملتا تھا اور ان کے رہنے سہنے کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ طالب علموں کے رہنے اور کھانے پینے کا بھی معقول انتظام تھا۔ اس درسگاہ میں دو شعبے تھے ایک کا کام علماء پیدا کرنا اور دوسرے کا مبلغین اور واعظین کی جماعت تیار کرنا تھا۔ مبلغین کو دوسرے ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے بھجوایا جاتا تھا۔ اس لئے انہیں ان ممالک کی تہذیب و ثقافت اور زبان کے بارے میں خاص طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔ تاکہ انہیں تبلیغ میں دقت پیش نہ آئے۔ جب یہ مبلغین اور واعظین روانہ ہونے لگتے تو انہیں سامان تجارت دیا جاتا تاکہ وہ اپنی روزی کا وسیلہ خود بنیں۔ ڈاکٹر شمیم محمد زیدی لکھتی ہیں

1۔ بحوالہ سیرالعارفین ص 145 مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (1) تاریخ ملتان ص 73 (2) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 137 (3) آب کوثر ص 236 (4) فوائد الفواد ص 119 (5) حیات سوفیہ تلخیص و اردو ترجمہ نفحات الانس از مولانا عبدالرحمان جامی مترجم محمد ادریس انصاری ص 638، مطبوعہ ادارہ تبلیغ اسلام، صادق آباد

2۔ (یہ) "شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو وداع کیا اور بیعت کے وقت فرمایا کہ ملتان میں جا کر سکونت کرو اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تم سے متعلق ہوئی ہے۔" (بحوالہ تذکرہ مشائخ کرام یعنی تاریخ فرشتہ مؤلفہ حکیم محمد قاسم فرشتہ ص 133 مطبوعہ احسن برادرز لاہور 1965ء) (2) مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے روضۃ الاقطاب (فارسی) مصنفہ صاحبزادہ سید محمد بناق، مطبع محب ہند دہلی 1124ھ جمادی الاول

3۔ شیخ محمد اکرام نے "آب کوثر" میں ص 236 پر "انوار غوثیہ" کے حوالے سے لکھا ہے "اسلامی ممالک کے سفر سے واپسی پر مسجد کی ایک پہاڑی پر کچھ عرصہ تنہائی میں عبادت کی جسے اب کوہ شیخ بدھن (کوہ شیخ بہاء الدین) کہتے ہیں" 4۔ سفینۃ الاولیاء از داراشکوہ ص 151 سفینۃ الاولیاء

(ترجمہ) "شیخ بہاء الدین زکریا واعظوں اور مبلغین کے مختلف گروہ سندھ، مکران، کشمیر، دہلی اور افغانستان کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ فرماتے تھے۔ یہ گروہ سال کے خاتمے پر واپس آ کر اپنی کارکردگی کی رپورٹ حضرت کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت ان کو ضروریات زندگی اور خرچ کے لئے تجارت کا سامان دیتے تاکہ وہ اس کے ذریعے گزر بسر کر سکیں۔" 1

ان لوگوں کا سفر کی مشکلات اور خطرات سے عہدہ برا ہونے کے لئے گھوڑ سواری، تلوار بازی، تیر اندازی اور نیزہ بازی کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ گویا اس مدرسے کے فارغ التحصیل علماء اور مبلغین دین و دنیا اور ظاہر و باطن کی امتزاجی تربیت سے مکمل انسان بن جاتے تھے[2]۔ یہاں کے تربیت یافتہ علماء نے مختلف جگہوں میں مدارس قائم کئے جنہیں خانقاہوں کا نام دیا جاتا تھا۔ مولانا نور احمد فریدی کے مطابق

"ان میں ملتان کے مرکزی تبلیغی یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق اخلاق کمال اور روحانی کمال کے حصول و عروج کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسے روحانی سنٹر پنجاب اور سندھ کے جگہ جگہ پر قائم تھے۔" 3

اس مدرسے میں مختلف فنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی مثلاً خطاطی اور جلدسازی کا کام سکھایا جاتا تھا۔ علامہ عتیق فکری کے بیان کے مطابق

"محمد بلخی جیسا خطاط اس زمانے میں ملتان میں موجود تھا اور اس کے کئی اہل ملتان میں سے شاگرد تھے۔۔۔۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے زمانے میں مستعلیق خط کو بڑا عروج ہوا۔" 4

یہ مدرسہ کم و بیش ساٹھ 60 سال تک خود حضرت بہاء الدین زکریا کی نگرانی میں چلتا رہا اور علامہ عتیق فکری کے مطابق

1- بحوالہ احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (فارسی) ص 47
2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) نقش ملتان ص 449 تا 455 (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 71 تا 75
3- بحوالہ "تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی" ص 74
4- بحوالہ "نقش ملتان" ص 434

"آپ نے جو نظام تعلیم رائج کیا تھا اس کا درس تقریباً دو صدی تک ملتان میں جاری رہا۔" 1

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی خود بھی درس فرماتے تھے ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں

(ترجمہ) "شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نماز کے بعد منبر پر بیٹھ جاتے اور قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرماتے اور حدیث کی تدریس کرتے۔ کبھی کبھی پچھلے بزرگوں کے قول، حکایات اور اشعار سے بھی استفادہ کرتے۔" 2

منشی عبدالرحمان کی تصنیف "آئینہ ملتان" میں اس مدرسے کی شہرت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ

"یہ سلسلۂ سہروردیہ کا ملتان میں سب سے پہلا مدرسہ عالیہ تھا جو حضرت بہاء الدین زکریا نے تعلیم دین و دنیا کے لئے قائم کیا تھا۔ یہ موجودہ خانقاہ کے سامنے واقع تھا۔ آپ بہ نفس نفیس اس میں درس دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔ اس مدرسہ کے کتب خانے کا شہرہ ہندوستان میں دور دراز تک پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے ہر شعبہ حیات کے لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے ملتان کھنچے چلے آتے تھے۔ اس دور میں علوم اسلامیہ کی تدریس میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں، فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ منطق اور معقول کی کتابیں بھی داخل نصاب کر دی گئیں۔

یہ مدرسہ اور کتب خانہ لنگاہ خاندان کے زمانہ میں مرزا حسین ارغون کے حملۂ ملتان میں تباہ ہو گیا۔ اس کے رہے سہے آثار سکھوں نے مٹا دیئے۔" 3

حضرت زکریا ملتانی کی دیکھا دیکھی ناصرالدین قباچہ نے بھی ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا اس نے علامہ قطب الدین کاشانی کو کاشان سے بلا کر اس مدرسے کا مہتمم مقرر کیا۔ اس مدرسے کا نام دارالعلوم تھا اور یہ مدرسہ بہائیہ کے مقابلے میں قائم کیا گیا تھا۔ اس مدرسے میں منطق، فلسفہ اور علم الکلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ طلبہ کی ایسی خاصی تعداد تھی جن کے قیام و طعام کا انتظام سرکار کرتی تھی۔ اس کے لئے الگ عمارت تعمیر کی گئی مولانا کاشانی کے بعد مولانا وجیہہ الدین اس مدرسے کے نگران اعلیٰ مقرر 4

1۔ بحوالہ "نقش ملتان" ص 455
2۔ بحوالہ "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، ص 36
3۔ بحوالہ "آئینہ ملتان" ص 208 مطبوعہ مکتبہ اشرف العارف، ملتان
4۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) آئینہ ملتان ص 210 (ب) بزم مملوکیہ، ص 60

بہاء الدین زکریا جس زمانے میں ملتان میں تبلیغ و اشاعت کا کام کر رہے تھے اس وقت ناصر الدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا جو کہ ایک ترک پہلوان اور غلام تھا لیکن ترقی کرتے کرتے سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں حاکم ملتان مقرر ہوا دوسری طرف قطب الدین ایبک نے شمس الدین سے خوش ہو کر اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور دہلی کا سلطان بنایا اور ناصرالدین قباچہ کو اس کی نگرانی میں دیا۔ قباچہ اس کو پسند نہ کرتا تھا اور التمش کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا۔ اس نے کوشش کی کہ بغاوت کر کے خود مختار ہو جائے۔ بہاء الدین زکریا کو اس کی سازش کا علم ہو گیا آپ التمش کو اس کے زہد و تقویٰ کے باعث بہت پسند کرتے تھے چنانچہ جب آپ کو اس سازش کا علم ہوا تو آپ نے اور ملتان کے قاضی شرف الدین نے اس بارے میں التمش کو خط بھیجا لیکن وہ دونوں خط قباچہ کے ہاتھ آ گئے۔ قباچہ نے دونوں کو طلب کیا۔ قاضی شرف الدین کو تو اسی وقت قتل کرا دیا لیکن بہاء الدین زکریا کو سامنے بٹھا کر خط پڑھ کر سنایا گیا۔ خط سن کر آپ بالکل نہ گھبرائے اور فرمایا کہ

"جو کچھ میں نے اس میں لکھا ہے وہ حکم خدا سے لکھا ہے تو کیا
کر سکتا ہے؟" 1

قباچہ نے یہ سن کر معذرت کی اور آپ کو رخصت کر دیا۔

بہاء الدین زکریا اپنے بے پناہ علم اور ذہانت کی بناء پر شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ آپ کو سلطان شمس الدین التمش نے ملتان پر قبضے کے بعد شیخ الاسلام کے عہدے پر مامور کیا جس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی جو حضرت بہاء الدین زکریا کے بھی دوست تھے۔ جب شہر دہلی میں آئے تو وہاں کے شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو ان سے حسد پیدا ہوا اور وہ سلطان التمش کی نگاہوں سے ان کو گرانے کے لئے مختلف طرح کی سازشیں کرنے لگے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ جلال الدین تبریزی پر کوئی الزام لگایا سلطان التمش نے اس کی تحقیق کا حکم دیا۔ نجم الدین صغریٰ نے بہاء الدین

1- (1) فوائد الفواد (فارسی) صفحہ 12 میں لکھا ہے کہ "من کہ ہر چہ نوشتہ ام حق بخشتہ ام و از حق بخشتہ ام تو ہر چہ خواہی بکن تو خود چہ تواں کرد بدست تو چیست۔" —— مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (2) سیرالعارفین صفحہ 158 (3) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم صفحہ 17 (4) آب کوثر صفحہ 236 (5) بزم صوفیہ، ص 36 (6) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، صفحہ 131

زکریا کو ثالث مقرر کیا لیکن وہ سراسر بہتان ثابت ہوا۔ بہاء الدین زکریا نے نہ صرف جلال الدین تبریزی کو بے گناہ قرار دیا بلکہ نجم الدین صغریٰ کی سازش کو بھی بے نقاب کر دیا اس واقعے کے بعد سلطان التمش نے نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدے سے ہٹا کر بہاء الدین زکریا کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا [1]۔

بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی ساری عمر لوگوں کی فلاح اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کر دی۔ آپ کے پاس بہت دولت تھی جسے آپ لوگوں پر خرچ کرتے رہتے تھے۔ "گلزار فریدی" میں لکھا ہے

(ترجمہ) "ایک دفعہ حسن نامی قوال حضرت فریدالدین گنج شکر کی اجازت سے
ملتان آیا اور حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کی زیارت کے لئے ان
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہ اندر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت
مخدوم بہاء الدین زکریا مسندیں مرصع اور قالم و سنجاف کے بنے ہوئے
پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ سونے چاندی کے شاہانہ ظروف کھڑکیوں میں رکھے
تھے غرض یہ کہ سوائے سونے چاندی اور جواہرات کے کوئی دوسری چیز نظر
نہ آتی تھی۔ حسن قوال حیران ہو گیا اس کے دل میں خیال آیا کہ
درویش تو الفقر فخری کا قائل ہوتا ہے جیسا کہ صاحب گنج شکر ہیں کہ
ان کے گھر میں سوائے مصیبت اور پرانے بوریا کے کچھ بھی نہیں۔" 2

جناب عبدالباقی، لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج شجاع آباد سے ہمیں ایک منظوم سوال و جواب ملا ہے جو اس سلسلے میں ہے اور جس کا یہاں درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ یہ ایک قلمی کاپی میں تحریر ہے جو خواجہ محمد شاہ بخش خاص ملتانی از اولاد عراقی حسین آگاہی ملتان کی ملکیت ہے اور انھیں کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ ہم ان مصرعوں کو ہو بہو نقل دیتے ہیں

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر اور حضرت بہاء الدین زکریا ہم زبان ہو کر کہتے ہیں۔ حضرت فریدالدین کی خانقاہ[?] فقر و درویشی غالب تھی تو حضرت بہاء الدین کی درگاہ میں شاہانہ انداز نمایاں

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 182 (2) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 17-18

2۔ بحوالہ "گلزار فریدی" (فارسی قلمی) ص 41 مصنف مولوی گل محمد چشتی سن تحریر 1902ء موضوع ملفوظات و مناقب شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب کی ذاتی لائبریری سے حاصل کیا گیا۔)

تھا۔ درج ذیل سوال و جواب میں بھی جھلک واضح کی گئی ہے۔

(سوال حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر از حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی)

پوشش تو اطلس و دیبا حریر — خرقہ زدہ خرقۂ پشمین ما

خوان خبر صحنک سیمین تو — شاخ زدہ کاسۂ چوبین ما

خوردن تو مرغ مسمّن و مے — بس نمک خشک کمین ما

قاقم و سنجاب ترا تکیہ گاہ — خار خس و بستر بالین ما

اسپک تو تازی با زین زر — بستر ازاں کفشک چوبین ما

باش کہ تا صبح قیامت رسد — ایں بستر کار با آں بسملہ

ابیات حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی در جواب حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر

دنیا چراگاہ کہ خران است — عقبیٰ شکارگاہ شکار سگاں ماست

ما عرش و لوح ہم زیر قدم ہمیم — اسلام و کفر سوزیم ایں امتحان ماست

حملہ شیر کواکب افلاک ابلقیم — جبرئیل با ملائک از چاکران ماست

موسیٰ ہمیں طفل من از اعیاء شدند — عیسیٰ و خضر و موسیٰ از پیروان ماست

معبود خود بدید مہ ازل اولیا عدم — قرباں شد کہ جنت تو لامکان ماست

ما خود خدا شدیم خودی درمقدم ماست — بیزارم از خدا کہ ہمہ خدائی ماست

بشنو تو از بہاء سخنان بوالعجب
واللہ نشان وحدت از سامان ماست

حضرت غوث بہاء الحق ملتانی کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ آپ کے دسترخوان پر ہزاروں کی تعداد میں لوگ روزانہ قسم قسم کے کھانے کھاتے تھے۔ امیر خورد کے مطابق

"حضرت محبوب الٰہی کے ہاں درویشوں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے شاہانہ اہتمام تھا۔ لنگر خانے میں ایسے عمدہ اور اعلیٰ کھانے پکتے کہ سلاطین اور امراء کو بھی نصیب نہیں ہوتے تھے۔ لنگر کے لئے اصطبل کے ذخائر، انبار خانوں میں غلّہ تھے۔ چارپائیاں، بستر اور برتنوں کا معقول اہتمام تھا۔"

اس کے باوجود لاکھوں کا ان داتا خود روزہ سے رہتا تھا۔" 1

بزم صوفیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ناصرالدین قباچہ کے عہد میں ملتان میں سخت قحط پڑا۔ بہاء الدین زکریا کے لنگر خانے میں بہت سا اناج پڑا تھا۔ اس نے بہاء الدین زکریا سے کچھ گندم مانگی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے نوکروں کو بھیج کر فلاں گودام سے گندم اٹھوا لیں۔ قباچہ کے نوکر جب گندم لے گئے تو اس میں چاندی کے سات کوزے برآمد ہوئے۔ قباچہ نے وہ بہاء الدین زکریا کو بھجوا دئیے۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ہمیں ان کوزوں کا پہلے سے علم تھا اس لئے گندم کے ساتھ یہ چاندی کے کوزے بھی بخش دئیے تھے۔2

لوگوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مشکل وقت میں بھی آپ اہل ملتان کے کام آئے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے

> " جب 1257ء میں مغول ملتان میں داخل ہوگئے اور برج اور مورچے گرا کر شہر میں قتل و غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم العالم شیخ بہاءالدین زکریا ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے اور مغلوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچایا۔" 3

حضرت غوث بہاء الدین زکریا کے زمانے میں قرامطہ کے اثرات باقی تھے۔ خصوصاً ملتان کے گرد و نواح اور دیہات کا علاقہ ان اثرات سے محفوظ نہ تھا۔ شیخ الاسلام نے قرامطیوں کے اثرات کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی اور نور احمد فریدی کے مطابق

> " اس مرد کامل نے ہفت صدی کے عرصے میں اس سرزمین کو نہ صرف قرامطہ کے اثرات سے پاک کیا بلکہ لاکھوں سیکھ اور تند مزاج کافروں کو نور ایمان سے

1۔ تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 88

2۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (1) " بزم صوفیہ" ص 94 مطبوعہ معارف اعظم گڑھ 1949ء (2) فوائد الفواد، ص 418-419 (3) خلاصۃ العارفین (قلمی) ص 41 (4) خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم زیدی ص 46

3۔ بحوالہ " آب کوثر" ص 258، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 299 جبکہ مولوی محمد شفیع نے آٹھویں صدی ھجری کے مورخ سیفی ھروی کی کتاب " تاریخ نامہ ہرات" طبع کلکتہ ص 157 کے حوالے سے لکھا ہے کہ " شیخ الاسلام حاکم ملتان کی طرف سے تاتاریوں سے بات چیت کرنے کے لئے گئے تھے اور یہ طے کیا کہ تاتاریوں کو حاکم شہر لاکھ دینار دے دے تو وہ شہر سے چلے جائیں گے۔ دوسرے دن شیخ الاسلام لاکھ دینار لے کر شہر سے باہر آئے مگر یہ نہیں کہا کہ یہ رقم وہ اپنے خزانہ سے لائے۔ (بحوالہ " مقالات تاریخی و علمی (جلد اول)" ص 283، علامہ عتیق فکری کا بیان ہے کہ

" ملتان کے عوام کو تباہی سے بچانے کیلئے آپ نے یہ رقم اپنے ذاتی خزانے سے ادا کی اور ملتان کو تاتاریوں کی غارت گری سے بچا لیا۔" (بحوالہ نقش ملتان، ص 858)

سے مالا مال کر کے سلطانوں کی اقلیت کو اکثریت میں بدل دیا اور وہ
ناکمیں جو آشام طوائف جو سال ہا سال تک ترکی کے مجاہدوں سے
ٹکراتی رہی تھیں، اسلام کی محافظ بن گئیں۔" 1

حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے ملفوظات میں علم و معارف کے موتی دستیاب ہوتے ہیں، آپ نے عاشق کی آہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"ہر صاحب محبت از سینہ خود آہ زند آتش عشق جملگی دنیا و آنچہ
در دنیا است ناچیز گرداند و خاکستر سازد" 2

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا

"عشق آتش است کہ کثافت ہا را خاکستر می گرداند" 3

زہد کی تشریح یوں فرماتے ہیں

"زہد سہ حرف است، اوّل "ز" کہ مراد ازآنجا ترک زینت و زینت دنیاست
دوم "ہ" کہ عبارت است از ترک ہوا و ہوس سوم "دال" کہ در گزر کردن
از دنیا و دولت مطلوب است" 4

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا

"سہ چیز موجب ہلاکت انسان می تواند باشد" اوّل ارتکاب گناہ بہ امید توبہ،
دوم توبہ نکردن بہ امید درازی حیات، سوم گناہ بزرگ خود را بہ امید عفو و
بخشش ناچیز گرداندن" 5

اسی طرح فرمایا

"ترس از خدا چراغ قلب انسان است، اگر این باشد انسان در تاریکی
ظاہری و باطنی بستی بود" 6

صوفیاء کے ہاں عام طور پر سماع سے دلچسپی کے واقعات ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ قطب الدین بختیار کاکی کا انتقال بھی اسی حالت میں ہوا۔ بہاء الدین زکریا کو سماع سے زیادہ دلچسپی نہ تھی لیکن جب آپ

1۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" ص 39
2۔ خلاصۃ العارفین (قلمی) ص 49، غالب نے کہا تھا ع میری آہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا
3 تا 6۔ خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ص 40-41

کو معلوم ہوا کہ آپ کے مرشد سماع کو اچھا سمجھتے تھے تو آپ نے بھی سننا شروع کیا۔ حامد بن فضل اللہ جمالی اس واقعے کو اس طرح بیان کرتے ہیں

"عبداللہ نامی ایک خوش گلو اور خوش کلام قوال روم کی طرف سے ملتان پہنچا اور حضرت مخدوم المشائخ بہاء الدین زکریا کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میں حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت سے مشرف ہو چکا ہوں اور حضرت نے میری خوش گلو ہونے کی وجہ سے سماع میں شرکت فرمائی ہے اس وقت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ چونکہ حضرت شیخ نے سنا ہے، زکریا بھی سنے گا۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ عبداللہ کو، اس کے دونوں دوستوں کے ہمراہ جو اس کے ساتھ ہیں، فلاں حجرے میں لے جاؤ اور بٹھاؤ یہ حکم عشاء کی نماز کے بعد دیا تھا۔ خادم مذکور نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد حضرت شیخ حجرے میں تشریف لے گئے وہاں بیٹھے۔ قرآن شریف کے دو سپارے نہایت لطیف ملیح اور انداز سے تلاوت فرمائے۔ پھر سماع کا حکم دیا۔ عبداللہ نے جب آواز نکالی تو اس شعر کو بار بار پڑھا

مستاں کہ شراب ناب خوردند　　از پہلوئے خود کباب خوردند

حضرت شیخ نے سر ہلایا، اٹھے اور اس حجرے میں جو چراغ جل رہا تھا اس کو گل کر دیا۔ عبداللہ مذکور کا بیان ہے کہ جب حضرت ہمارے نزدیک آئے تھے تو ہم ان کے کرتے کا دامن دیکھتے تھے اور کچھ نہیں جانتے تھے کہ ان کے وجد کی کیا کیفیت تھی اور کس انداز پر تھا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت حجرے سے باہر چلے گئے، ہم اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ اسی حجرے میں رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت کا خادم ایک پرتکلف خلعت اور چاندی کے بیس تنکے لایا کہ حضرت شیخ نے انعام دیا ہے۔" 1

نور احمد فریدی کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے بختیار کاکی کے ساتھ بھی سماع کی محفل میں شرکت کی۔ 2 آپ مشہور شاعر فخرالدین عراقی کے اشعار سن کر بھی وجد میں آ جاتے تھے اور کئی دیر

1۔ بحوالہ "عوارف المعارف" (اردو ترجمہ) ص 160۔۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے
(الف) فوائد الفواد، ص 281-282　　(ب) تذکرہ مشائخ کرام، ص 139-140
(ج) فوائد الفواد (فارسی) ص 138-137
2۔ بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" ص 195

تک آنکھیں بند کر کے جھومتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں عراقی کی ایک غزل کا یہ مقطع

چو خود کردند راز خویشتن فاش

عراقی را چرا بدنام کردند

سن کر آپ پر کئی دن وجد کی کیفیت طاری رہی۔[1]

"خلاصۃ العارفین" فارسی (قلمی) میں لکھا ہے

"وقتی شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین با شیخ قطب الدین بختیار اوشی کاکی ملاقات شدہ بود همان وقت سماع در دادند و در وجد در دادند و در رقص شدند۔ همچنین گویند که در هوا یک شبانروز رقص میکردند خبر از خویش نداشتند و چون از آسمان جدا شدند پس ملاقات شعر و این مصرع بود که می گفتند

جانی سوی کعبه رفته سوی دوست" [2]

بابا فرید الدین گنج شکر سے روایت ہے کہ ایک قوال ابوبکر خراط شیخ بہاء الدین زکریا کے پاس رہ کر سماع کرتا تھا۔[3] پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے "راگ درپن" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

1۔ بحوالہ (الف) احوال و آثار ۔ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین ص 32۔
(ب) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 150 (ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 19-20
بشیر حسین ناظم نے اس موقع پر پروفیسر ای۔جی براؤن کا اس واقعہ پر اختلاف درج کیا ہے جو یوں ہے
"جب فخرالدین ابراہیم عراقی حضرت شیخ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے تو آپ نے انھیں ذکر و مراقبہ کی تلقین فرمائی لیکن عراقی اس ارشاد پر عمل پیرا ہونے کی بجائے شغل شعر و شاعری میں منہمک رہنے لگے۔ چند پیر بھائیوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عراقی کی شکایت کی کہ وہ آپ کے ارشاد کی [illegible] ہر وقت عشقیہ اشعار گنگناتا رہتا ہے حضرت شیخ نے انھیں بلا بھیجا اور پھر چند اشعار سنانے کے لئے حکم دیا۔ عراقی نے نئی سوز سے اپنی غزل سنائی جسے سن کر شیخ بہاء الدین زکریا مسرور ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت نے عراقی کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنی دختر نیک اختر کا عقد بھی انہی ان سے کر دیا۔"
(بحوالہ "اولیائے ملتان" ص 20-21)

2۔ خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی) ص 68 ــــ یہی عبارت خلاصۃ العارفین مترجمہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی میں ص 156 پر کچھ الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ درج ہے۔

3۔ بحوالہ "احوال و آثار" شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (فارسی) ص 32

4 [illegible]

"امیر خسرو کی طرح انہوں نے (حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانی)
بھی چند راگ اور راگنیاں ایجاد کیں مثلاً ملتانی دھناسری انہی
کی ایجاد ہے جس میں دھناسری اور مالسری کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ
نے چھند کی طرز پر کئی نغمے اختراع کئے جن میں خدائے واحد کی ستائش
اور داستان عشق اور بندگی کے طریق پر مخزو اشعار کی کیفیت بیان کی۔" [1]

اگرچہ مولانا نور احمد فریدی نے اپنی کتاب "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" میں "حضرت شیخ الاسلام اور موسیقی" کے عنوان کے تحت اس بات کو غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے[2]۔ لیکن انہوں نے اس سلسلے میں کوئی حوالہ یا ثبوت فراہم نہیں کیا۔ میرے خیال میں موسیقی یا سماع میں دلچسپی سے حضرت شیخ الاسلام کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ ہم خواہ مخواہ تاویلات بیان کرتے رہیں۔

بہاء الدین زکریا کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے چند مشہور نامی میں سب سے پہلے فخرالدین عراقی کا نام آتا ہے۔ جو آپ کے داماد بھی تھے۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے۔ آپ ہمدان میں پیدا ہوئے اور تعلیم حاصل کر کے وہیں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کی قابلیت اور علمیت کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے اور زبان میں کافی سوز و گداز تھا۔ آپ قلندروں کی ایک جماعت کے ساتھ خراسان سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے حضرت شیخ الاسلام نے انہیں اپنا خرقہ پہنایا تھا اور اپنی بیٹی کا عقد بھی ان کے ساتھ کیا تھا[3]۔

آپ کے دوسرے خلیفہ سید جلال الدین سرخ بخاری تھے۔ جو بخارا سے تشریف لائے اور اچ میں ان کا مزار ہے۔ میر علی حسینی جو کئی کتابوں کے مصنف تھے وہ بھی آپ کے خلفاء میں شامل تھے۔ ان کی کتابوں میں نزہتہ الارواح، زاد المسافرین اور مثنوی کنزالرموز ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ عمادالدین عراقی، لال شہباز قلندر، نواب موسی، خواجہ حسن افغانی، خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی، خواجہ فخرالدین گیلانی، شیخ بدر سیستانی، شیخ عبدالستار، شاہ عالیوان (کا مزار ٹھٹھہ میں ہے۔) وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی تصانیف میں "قطب الاوراد" کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل

---

1 - بحوالہ "مقالات دینی و علمی" (جلد اول) ص 266-267

2 - تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی" ص 262 تا 267

3 - تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "خزینۃ الاصفیاء" جلد دوم از غلام سرور لاہوری ص 32، مطبوعہ نولکشور پریس/ کانپور

ہے اس کا قدیم ترین قلمی نسخہ جو 290 صفحات پر مشتمل ہے پنجاب یونیورسٹی ، لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے اسلامک بک فاؤنڈیشن کے تحت 1398ھ میں اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس میں نمازوں کی مختلف اقسام، طعام کھانے کے طریقے، غسل، محرم، مختلف مہینوں کی فضیلت ، تراویح ، دعا، لباس پہننے کے طریقے، سفر کی کیفیت و غیرہ کا ذکر موجود ہے۔[1] آپ کی دوسری کتاب کا نام " شروط اربعین فی جلوس المعتکفین " ہے۔ اس کتاب کا متن عربی اور فارسی زبان سے مخلوط ہے۔ یہ کتاب "انوار غوثیہ" میں شامل ہے۔ جو مخدوم جہانیاں کی تصنیف ہے۔ الگ سے دستیاب نہیں ہے۔ اس کتاب میں اعتکاف اور اس سے متعلق احکامات، ہدایات وغیرہ کی تفصیل موجود ہے۔ جابجا قرآنی آیات، احادیث اور بزرگانِ دین کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ایک " رسالہ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی " بھی منسوب ہے۔ یہ کرم خوردہ قلمی نسخہ مولوی شمس الدین تاجر کتب لاہور کے پاس ہے اور ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے اسے دیکھا ہے یہ 13 صفحات پر مشتمل ناکمل کتابچہ ہے۔ اس رسالے میں مراحل سلوک، شرائط خلوت و مراتب مراقبت کا ذکر ہے۔[2]

" خلاصۃ العارفین " --- حضرت غوث بہاء الحق ملتانی کے ان ملفوظات اور تحریروں پر مشتمل ہے جن کے راوی مخدوم جلال الدین بخاری، خواجہ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء ہیں۔ اس کتاب کے دس قلمی نسخوں کا ذکر ڈاکٹر شمیم زیدی نے کیا ہے اور اسے مرتب کر کے چھپوایا ہے۔[3]

" خلاصۃ العارفین " کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ہاں بھی ہے جس کا ذکر موصوف نے نہیں کیا۔ مجھے یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے حاصل ہوا ہے۔ ڈاکٹر زیدی کے مرتب کردہ نسخے اور اس نسخے کی عبارتوں میں کہیں کہیں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ یہ فرق تمام نسخوں میں موجود ہے اور ان کی طرف ڈاکٹر زیدی نے حاشیے میں اشارہ کر دیا ہے۔

1۔ ملاحظہ فرمائیں " الاوراد " اشاعت اولین مخطوطہ قدیم بتصحیح و تحشیہ محمد خان صدیقی۔ مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1398ھ/1978ء (لیکن اس کتاب کے بارے میں اکثر علماء شک کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ان کی تصنیف نہیں، ان میں جناب اسد نظامی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، جناب ارشد ملتانی اور جناب حبیب فائق شامل ہیں۔)

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین ص90-109 (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی، ص 269 تا 294

3۔ ملاحظہ فرمائیں " احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین " بہ تصحیح و تحشیہ و

حضرت بہاء الدین زکریا کے ساتھ کچھ اشعار بھی منسوب کئے جاتے ہیں ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے مختلف تذکروں اور ملفوظات وغیرہ سے ان کے کچھ اشعار اکٹھے کئے ہیں جو سب کے سب فارسی زبان میں ہیں۔[1] مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا دیوان فارسی (قلمی) دستیاب ہوا ہے۔ اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے۔ یہ اشعار مثنوی کی صورت میں ہیں اور ان کی کل تعداد 210 ہے اس کے علاوہ ایک قصیدہ عربی زبان میں در مدح سید المرسلین محمد خاتم النبیین بھی شامل ہے جو غالباً نامکمل ہے کیونکہ بہت مختصر ہے اور دس بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قلمی نسخے پر کوئی تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے اور نہ ہی کاتب کا نام لکھا ہے۔ اس کتاب کا ذکر کسی مؤرخ یا سوانح نگار نے بھی نہیں کیا۔ تاہم اس کے ٹائٹل صفحے پر لکھا ہوا ہے کہ "اسرار کتاب تصنیف حضرت شیخ غوث [illegible] بہاء الحق ملتانی" اس کے علاوہ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ ان کی دریافت ہے اور انہیں ایک دیہات سے دستیاب ہوا ہے۔ اور واقعی غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی کلام کا حامل ہے۔ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ [اس فارسی کلام میں] سب سے پہلے ہم اس فارسی کلام سے استفادہ کر کے اس کو سامنے لا رہے ہیں۔ اخلاق اور تعلیمات مذہبی کی تلقین جابجا موجود ہے۔ شریعت، طریقت، معرفت/فقر، [ترک،] خودداری اور محبوب حقیقی کی طرف رجوع اور توبہ کا ذکر اشعار میں بار بار آتا ہے مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے

شریعت ازار و طریقت قمیص — حقیقت عمامہ شمردی حریص

ردا معرفت ترک باشد کلاہ — بدین جمع جامہ شوی پادشاہ

ترا پادشاہی مسلّم بود — چو بنیاد در فقر محکم بود

(دیوان فارسی قلمی ص 1)

دنیوی کی محتاجی اور دستگیری سے اجتناب، درویشی اور فقیری مسلک اختیار کرنے کی نصیحت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق خاطر پیدا کرنے کی تلقین ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیے

تو محتاج غیری مشو در دیار — کہ محتاج غیری بباشد خوار

کسی را کہ فقیری بود اختیار — بمیدان مردان بود شہسوار

1- ملاحظہ فرمائیے "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص 109 تا 111

کسی را کہ قسمش بگردد تمام — بعدر سلاطین شہید مدام

توبہ بسہ سوی دلآرام بستہ — کہ در کنج با دوست آرام بہ

(دیوان فارسی قلمی ، ص 2)

دنیا میں تونگر حرص و ہوس کی بدولت پریشان حال رہتا ہے اسی طرح بادشاہوں کا اضطراب اور بے سکونی اور دنیا کے مسائل و معاملات کے ماتحت لوگوں کے غم اور دکھ کی داستان بھی ان اشعار میں بیان ہوئی ہے۔

تونگر ہمہ عمر حیران بود — کہ درکار دنیا پریشان بود

ہوای طمعکار کی کم شود — کہ پیروای شان جملہ عالم بود

نہ بینی کہ شاہان ہمہ حیران تراند — کہ بہر ہوائی پریشان تراند

غم ملک و آلام گیتی کشند — کہ از صبح تا شام رنج کشند

قراری ندارد کسی در جہان — کہ غم ہا پریشان کنند ہرزمان

(دیوان فارسی قلمی ، ص 4)

انسان دنیا میں آ کر ہزاروں مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ زندگی پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر ہے۔ چونکہ منزل پیدائش سے گزرتا ہے اس لئے زندگی کے دکھوں اور غموں کا تجربہ اسے سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت بہاء الحق زکریا اپنے اس تجربے کو بھی بیان کرتے ہیں لیکن اس میں تصوف کا رنگ شامل کر دیتے ہیں ، فرماتے ہیں

یکی آدم و صد ہزاران بلا — ہمیشہ بود در بلا مبتلا

بیوزد آدم تسلیم بہ کار — کند ہر دو صبر در بلا آشکار (ص 5)

نہ حاصل مرادش نہ کامل قرار — بہ ہر دو کہ گردد بگردد خوار (ص 6)

علامہ اقبال نے فرمایا

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت

فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟

حضرت غوث بہاء الحق شکم پروری اور شکم سیری کے طعنے کو اس طرح باندھتے ہیں

شکم را رہا کن ز بہرِ خدا شکم را مدہ بیش ازین دلا
کہ مرد شکم پر چو گاؤ خراست نہ بل از سگ و خوک ہم بد تراست (ص 7)

دنیا کی بے ثباتی ، صبح شام کی گردش ، تغیر کا عالمگیر نظام اور نفس امارہ انسانی کی بے حقیقی کے مضامین بھی اس کلام میں موجود ہیں۔

چو در صبح آمد نماند بہ شام بیک حال ہرگز نماند دوام
ثباتی ندارد جہان ای پسر بقائی ندارد شتابان رود
بمشکل دہر دست آسان رود بمشکل بیاید شتابان رود
چو خواب است دنیا ندارد خیال یکی را بزیست نماند جمال
چو بندی دل خود بسی بی وفا کہ آمد ، گریزد ندید قضا (ص 8)

صوفی کے اوصاف میں سے ایک پسندیدہ وصف قناعت اور توکل ہے۔ قناعت کا سبق عصمت کے اولین اسباق میں سے ہے۔ اس مثنوی میں قناعت کی تلقین بھی ملتی ہے ، نمونہ دیکھئے

بغیر از قناعت بگردد خوار کہ عزت نہ بیند کسی در دیار
بگیم من این نکتہ با پُر ہان قناعت بپادشاہ بہ نعمت شہان
قناعت بعریش گنج غنا است گر این گنج دارد کسی بادشاست (ص 10)

فقر اور قناعت کے ساتھ ساتھ صوفی صبر و تحمل سے بھی کام لیتا ہے کیونکہ صبر کی قوت انسانی نفس کو مجاہدے پر مائل کرتی اور اسے مشکلات کے مقابلے میں سرخرو بناتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں صبر کی خصوصیت کو سراہا گیا ہے۔ ایک مقام پر جا کر صبر اور فقر ہم معنی لفظ بن جاتے ہیں۔ حضرت غوث بہاء الحق ملتانی کے کلام میں صبر کی نصیحت یوں کی گئی ہے۔

ہمہ کار بستہ گشاید ز صبر کہ ہر حاجت تو بر آید ز صبر
ترا صبر با دوست سازد بلند کہ صبر است نزدیک دانا پسند
باید ترا عقل حبل متین کہ اللہ باشد مع الصابرین

اگر قیصر یا سنجر باشد ترا / شود در جہاں ملک جا گیر ترا

ترا گر قلندری نماید جمال / بدیں قلندری بسے یابی کمال (ص 11)

عشق کی فضیلت کو کون نہیں جانتا یہ حقیقت کا سرتاج اور تصوف کی اقلیم کا تاج ہے۔ لیکن عشق کا جام ہر بوالہوس کے لئے نہیں ہے اسے پینے والے وہ اہل باہوش ہوتے ہیں جن کے پاس ظرف بھی ہوتا ہے اور شوق بھی۔ بہاء الحق ملتانی جذبۂ عشق کی تمام کیفیتوں سے واقف ہیں اس لئے شعر کے حوالے سے حقائق بیان کرتے ہیں۔

بجز عشق یارے دگر ہیچ نیست / کہ احوال عالم بجز ہیچ نیست

نہ ہر عشق از جملہ فائق تر است / نہ ہر کس بدیں شوق لائق تر است

نہ ہر سنگ در بحر لولو شد / نہ ہر بندۂ مرد خواص شد

بعشاق حضرت بگیرد مقیم / مگر آں کہ آید بقلب سلیم (ص 13)

ظاہر ہے عاشق ہمیشہ معشوق کی خوشنودی کا خواہاں رہتا ہے اور اس کے لئے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے عاشق صادق کا سارا عشق دراصل معشوق کے وجود کا مرہون منت ہوتا ہے۔ سوائے عشق کے اس کے لئے کچھ زیبا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جان تک اس راہ میں دے دیتا ہے لیکن یہ عشق دراصل حقیقت کا عشق ہے۔ وجود مطلق کو پانے کا عشق ہے۔ اور یہی عشق ہر آدمی کو اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ زکریا ملتانی فرماتے ہیں۔

ہمہ عیش عاشق بہ معشوق ہست / کہ از بہر او ہر دو عالم شکست

بجز عشق مارا چہ زیبا بود / بجز جاں دہی رہ کہ شیدا بود

ہمہ وقت عاشق بہ تشویق بود / ز آدمی گذشتہ بہ اعلیٰ بسود

ترا عشق باید کہ باعشق بود / کہ عشاق در عشق مطلق بود

چو چوگان عشقت بدست آوری / تو گوئی سعادت ز میداں بری (ص 19)

عشق ہمیشہ ابدی ہوتا ہے اور اس کا تعلق بھی ابدیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ فانی اور عارضی چیزوں سے اس کا کوئی کارا اور واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دنیا تو جلوۂ حقانی کا مظہر ہے اور اس کی ہر چیز فنا

پذیر ہے، اس لئے زکریا ملتانی فرماتے ہیں۔

الامان چه دارد کسی در جہان	سفر پیش آمد بگوید روان
چیحون چشم دیدا که فانی فنا ست	دل خود به فانی نه بستن خطاست (ص 20)

غرض اس مختصر سی مثنوی میں اخلاق و معارف کے کئی مضامین ادا ہوئے ہیں جو انسان کی فلاح کے لئے ایک مثالی ناصحانہ حل پیش کرتے ہیں۔ اسلوب نہایت سادہ، عام فہم اور رواں دواں ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ حیرانی اس بات پہ ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا کے ساتھ پنجابی، ملتانی یا اردو کا ایک بھی جملہ منسوب نہیں ہے حالانکہ ان کے ہم عصر اور دوست بابا فرید گنج شکر، حضرت جلال الدین سرخ بخاری، حضرت راجو قتال، حضرت شمس سبزواری سب کے یہاں مقامی اور دیسی زبانوں کے جملے، فقرے، اقوال یا اشعار ملتے ہیں۔ دراصل اس دور کی علمی و ادبی اور درباری و سرکاری اور تحریری زبان فارسی ہی تھی اس لئے غوث بہاء الدین زکریا ملتانی کے یہاں بھی فارسی زبان کا استعمال ملتا ہے۔

بہاء الدین زکریا ملتانی نے کافی عمر[1] پائی تھی انہوں نے کئی سلاطین کا زمانہ دیکھا۔ آپ نے 7 صفر 661ھ[2] بروز جمعرات اپنے حجرے میں وفات پائی۔ شیخ صدر عمرو نے آخری غسل دیا اور نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے صدرالدین عارف نے پڑھائی۔ آپ کے وصال کا ذکر مورخین اس طرح کرتے ہیں کہ آپ حسب

1۔ خلاصۃ الالباب (قلمی) کے مطابق آپ نے سو سال کی عمر پائی کیونکہ آپ 566ھ میں پیدا ہوئے اور 666ھ میں فوت ہوئے (بحوالہ خلاصۃ الالباب (فارسی قلمی) از محمد افضل قریشی، ص 74)

2۔ سن پیدائش ہی کی طرح آپ کے سن وفات کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ (1) سیر العارفین ص 178 (2) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 301 (3) آب کوثر ص 280 (4) تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی ص 356 (5) اخبار الاخیار ص 868، (6) معمولات مظہریہ و محبوب العارفین ص 145، ان سب نے متفقہ طور پر سن وفات 661ھ لکھا ہے جبکہ (1) ترجمۃ الخواطر ص 234 (2) تواریخ ملتان از حکم چند، ص 73 (3) مقالات دینی و علمی (جلد اول) ص 262 (4) سفینۃ الاولیاء ص 115 (5) حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار ص 180 (6) خلاصۃ الالباب ص 74 اور "حدیقۃ الاولیاء" ص 72 پر سن وفات 666ھ درج ہے۔ "حدیقۃ الاولیاء" مطبوعہ نولکشور میں ص 72 پر تو یہ قطعۂ تاریخ بھی درج ہے جو اس طرح ہے

بادشاہ دین بہاء الدین ولی	بحر دنیا ہادی دہر زمان
578	666
عشق حق تولید او تحریر کن	عاشق صادق بگفتم وصل آں
666	666
شمع دیر آمد وصال پاک او	هر شیخ دین بہاء الدین ملتانی

اور (1) مراۃ الاسرار (جلد دوم) ص 141 (2) مطلع ملتان از ... ملتانی ص 219 (3) آئینہ ... ص 207 میں 665ھ میں وفات لکھا ہوا ہے۔ تذکرہ مشائخ کرام ص 150 میں 677ھ درج ہے۔

معمول نماز ظہر کے بعد حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے باہر آپ کے صاحبزادے صدرالدین عارف شاہانہ لباس حجروں کا جائزہ لے کر آپ کے حجرے کی طرف آ رہے تھے کہ ایک نورانی صورت بزرگ نے سبز رنگ کا سر بمہر لفافہ آپ کو دیتے ہوئے فرمایا اسے شیخ الاسلام کی خدمت میں پہنچا دیں۔ آپ یہ خط لے کر اندر گئے اور شیخ الاسلام کی خدمت میں یہ خط پہنچا کر باہر قاصد کو دیکھنے آئے اسے نہ پا کر آپ واپس حجرے کی طرف لوٹے تو چاروں طرف سے یہی آوازیں آ رہی تھیں۔

" دوست بدوست رسید "

آپ نے گھبرا کر شیخ الاسلام کی جانب دیکھا تو آپ کا سر سجدے میں تھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔[1] اس واقعے کو خلاصۃ العارفین میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

" روزی پسر بزرگوار شیخ صدرالدین عارف بیشتر در ایستادہ بود ناگہ درویشی بیامد سلام داد و مکتوب مہر کردہ پیش شیخ صدرالدین داد و گفت این مکتوب فرمانی است کہ بدست شیخ بہاء الدین بدہید تا بخواند شیخ صدر الدین چون عنوان نامہ بخواند حالی حالی بگریست و گفت کہ طلب دوست آمدہ۔ "[2]

آپ کا مزار ملتان میں قلعہ پر واقع ہے اولاد علی گیلانی کے مطابق

" ایسا مقبرہ حضور نے خود تعمیر کرایا تھا۔ اس قسم کی عمارت کا صرف ایک نمونہ ہندوستان میں مقام سوتی پت موجود ہے۔ 1848ء کی جنگ کی وجہ سے یہ عمارت بھی بے حد خستہ ہو گئی تھی۔ 1850ء میں سرکار عالیہ سے درخواست کی گئی کہ مبلغ دس ہزار روپیہ اس روضہ کی مرمت کے واسطے منظور کیا جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مخدوم شاہ علی محمود صاحب کی کوشش سے چندہ جمع ہوا اور ضروری مرمت کرائی گئی۔ " 3

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) سیرالعارفین، ص 178 (ب) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 301-302 (ج) اولیائے ملتان، ص 22 (د) فوائد الفواد (فارسی) ص 221

2۔ خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی) ص 63 ـــــ میں عبارت لفظی کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی میں ص 171 پر درج ہے۔

3۔ بحوالہ " مرقع ملتان " ص 213

(6) فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

اخلاص، دوستی اور محبت کے جن جذبوں کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے عام کیا تھا، بابا فریدالدین گنج شکر کی بدولت ان کی تکمیل ہوئی۔ وہ پہلے صوفی بزرگ ہیں جنھوں نے تصوف کو برصغیر میں ایک عوامی تحریک کی صورت دی اور صوفیانہ مسلک کو کسی ایک فرقے یا طبقے میں نہیں تمام طبقوں اور گروہوں میں بلا امتیاز مذہب و عقیدہ عام کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے خلیفہ اوّل حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی طرح بابا فرید گنج شکر کے یہاں بھی شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی اور میل پیدا کرنے کا رجحان غالب ہے۔ البتہ بابا فرید کے یہاں مقامی تہذیب و ثقافت کے اثرات اپنے ان دو عظیم پیش رو صوفیاء کی نسبت کہیں زیادہ ہیں۔ انھوں نے ہندو مسلم ترکیبی تہذیب کو عام کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ بقول ثانی صاحبہ

"ایک لحاظ سے وہ تصوف کی اس صورت کی نمائندگی کرتے ہیں جسے ہندی مسلم تصوف کا نام دیا جا سکتا ہے۔" 1

وہ برصغیر کے پہلے صوفی ہیں جن کی شہرت برصغیر پاک و ہند سے باہر بھی پہنچی۔ چنانچہ ثانی صاحبہ نے "فلسطین کے مسلم اولیاء اور عبادت گاہیں" کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"فلسطین میں ایک ایسا زاویہ ہے جس کا نام بابا فریدالدین کے نام پر ہے۔" 2

حافظ محمود شیرانی[3] اور مولوی عبدالحق[4] نے بابا فرید کو اردو کا اور مسعود حسن شہاب[5] نے پنجابی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ بابا فرید کے اشلوک خصوصی طور پر مقبول عام ہوئے۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"طبعیں پنجاب میں کامیاب اشاعت اسلام کرنے کے علاوہ آپ نے [illegible]

1- "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" ص 26
2- ایضاً ص 23
3- "پنجاب میں اردو" ص 7
4- "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" ص 11
5- "خطۂ پاک اوچ" ص 376

صاحب سطوت بزرگی کی تربیت کی۔ چشتیہ سلسلے کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دہلی میں رونق دی تھی لیکن عملاً ہندوستان میں اس سلسلے کو اصل وسعت و استحکام بابا فرید کی ذات با برکات سے نصیب ہوا اور فی الحقیقت انہیں اس سرزمین میں سلسلہ چشتیہ کا موسسِ ثانی کہا جا سکتا ہے۔' 1

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں

" حضرت شیخ فرید کے رشد و ہدایت سے نہ صرف ہزارہا مسلمان مسلمان بنے بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً سترہ غیر مسلم قوموں نے آپ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔" 2

گلزار فریدی کے مطابق

" خلاصۂ اولیاء کبار آں زبدۂ اتقیا ابرار و آں شمع مشعلۂ قدس ربانی و آں شمع شبستان تقدس سبحانی و آں محرم اسرار مشیخت احدیت و آں ہمدم انوار وحدت و فردیت ـــــ و آں موصوف بہ صفات بے غایات و آں سرور ارباب توحید ـــــ آں صاحب کشف و کرامت و آں آرام بخش عرصۂ زمین و زمان و آں انتظام دہ کون و مکاں ـــــ" 3

بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا شمار چھٹی صدی ہجری کے کبار صوفیاء میں ہوتا ہے اس دور کے بارے میں

1۔ " آب کوثر" ص 223 ۔ 224   2۔ بحوالہ " تاریخ سندھ" ص 336

3۔ بحوالہ " گلزار فریدی " از مولوی گل محمد چشتی ص 2 قلمی مخطوطہ (فارسی) سن تحریر 1902ء (ملفوظات و مناقب شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر) جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔

4۔ گنج شکر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روایات مشہور ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ جب کئی روز کی مسلسل فاقہ کشی کے بعد ایک رات بھوک کی شدت کی وجہ سے چند کنکریاں منہ میں ڈالیں تو وہ شکر کی ڈلیاں بن گئیں ـــــ روضۃ الاقطاب (فارسی) ص 38 کے مطابق " ... در مدت شش روز داخل جد ضعف صعید و ضعف گرسنگی چوں غالب گردید چیزی از غیب پیدا نماند کہ بکام برد پس بی اختیار دست بر زمین کرد چند سنگریزہ برداشت و در دہن مبارک انداخت حق سبحانہ تعالیٰ آں را شکر ساخت ـــــ" ـــــ دوسری روایت کہتی ہے کہ ایک روز ایک تاجر ادھر سے آیا اس کے پاس شکر تھی لیکن اس نے بابا فرید کے سامنے جھوٹ بولا اور اس شکر کو نمک بتایا لیکن جب اس نے بوریاں کھولیں تو اس میں شکر کی بجائے نمک برآمد ہوا۔ وہ شخص واپس آیا معافی مانگی اور نمک کو شکر میں بدلنے کی درخواست کی جس پر وہ نمک شکر بن گیا۔ اس لئے آپ شکرگنج مشہور ہو گئے اسی طرح ایک مشہور روایت یہ ہے کہ آپ کو بچپن میں شکر کا بہت شوق تھا۔ ان کی والدہ نے انہیں کہا کہ جو بچہ صبح کی نماز پڑھتا ہے اللہ اسے شکر دیتا ہے چنانچہ والدہ روزانہ رات کے وقت شکر کی پڑیاں بابا کے سرہانے رکھ دیتیں تاکہ وہ صبح کی نماز پڑھیں بارہ سال کی عمر تک تو یہیں ہوتا

خلیق نظامی لکھتے ہیں

"دنیائے عجم میں بارھویں صدی عیسوی جنگ و جدل اور شور و ہنگامہ کا دور تھا۔ طاقتور ترکی قبائل رہنے کے لئے جگہ کی تلاش میں جنوب کی طرف بڑھ کر اپنی سلطنتیں قائم کر رہے تھے جونہی مشرق کی طرف سے مزید دباؤ پڑتا وہ جنوب کی طرف اور بڑھ جاتے ہر قبیلہ کی حرکت سے بڑی بڑی آبادیاں منتقل ہو جاتیں۔ اس طرح بے شمار حکمران خاندان تباہ ہو گئے اور کئی شاہزادے گھر بار چھوڑ کر محفوظ مقامات پر پناہ گزیں ہو گئے۔" 1

بابا فرید کے آباؤ اجداد جو طبقہ امراء سے تعلق رکھتے تھے۔ اس افراتفری کے زمانے میں نقل مکانی پر مجبور ہوئے چنانچہ بابا فرید کے دادا جناب قاضی شعیب، شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے لاہور تشریف لائے اور وہاں سے قصور منتقل ہو گئے جہاں سے سلطان نے انہیں کھوتوال کا قاضی مقرر کر دیا۔ قاضی شعیب کے تین صاحبزادے تھے جن میں سے ایک آپ کے والد جمال الدین سلیمان تھے۔ آپ کے والد سلطان محمود غزنوی کے [illegible] بھانجے تھے2۔ ان کی شادی کھتوال کے شیخ وجیہ الدین خوجندی کی صاحبزادی مستورہ قرسم بی بی سے ہوئی۔ انہی کے ہاں 560ھ / 1173ء میں ایک ایسے بچے کی پیدائش3

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ... رہا بعد میں والدہ نے شکر رکھنی بند کر دی لیکن قدرت کی طرف سے شکر کا اہتمام جاری رہا۔ یعنی انہیں بوقت غیب سے شکر مل جاتی اس لئے بابا فرید کا نام گنج شکر پڑ گیا (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) سیرالاولیاء ص 74 (2) سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ص 77 (3) تذکرہ خواجگان چشت ص 188 (4) اخبار الاخیار (ظہیر اردو ترجمہ) ص 118-119 (5) سیرالعارفین ص 45-47 (6) تاریخ فرشتہ (جلد دوم) ص 338 (7) جواہر فریدی از اصغر علی چشتی ص 188 مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور 1301ھ

1۔ احوال و آثار۔ شیخ فرید الدین گنج شکر" مصنف خلیق احمد نظامی مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ ص 40 المعارف گنج بخش لاہور سال اشاعت 1983ء/1403ھ

2۔ بحوالہ (1) تذکرہ خواجگان چشت ص 178 (2) گلزار فریدی از مولوی گل محمد چشتی (قلمی نسخہ) لاہور مرقوم 1902ء

3۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے (1) سوانح بابا فرید الدین مسعود گنج شکر از وحید احمد مسعود ص 30 (مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور) (2) رحمۃ الفوائد ص 312 میں 560ھ لکھا ہے جبکہ خلیق احمد نظامی نے خواص الفؤاد کے حوالے سے (93 سال عمر بتائی ہے) عمر کا حساب لگا کر سنہ پیدائش 571ھ (1175ء) بیان کیا ہے سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص 131 میں بھی 1175ء درج ہے۔ ڈاکٹر رضیہ سلطانہ (اردو نثر کا آغاز و ارتقاء ص 263) نے 580ھ بیان کی ہے اور مولوی عبدالحق (اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" ص 18) 569ھ درج کرتے ہیں اور تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص 0

ہوئی جس کا شمار آگے چل کر قرونِ وسطیٰ کے عظیم مشاہیر میں ہوا۔ یہ شخصیت حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر کی تھی۔ آپ کے والد کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا اس لئے آپ کو ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے ملی جو کہ ایک نہایت باکمال عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ نے کھتوال میں گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔[1] اسی زمانے میں آپ کی تعلیم، ذہانت اور نیکی کا چرچا بھی شہر میں ہو گیا تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملتان تشریف لائے کیونکہ

" اس زمانے میں ملتان تمام عالم کا قبہ اسلام تھا اور علوم و فنون کا مرکز
بن گیا تھا بڑے بڑے مشاہیر علماء اور بے نظیر فضلاء یہاں موجود تھے اور
ہر طرف طلبہ کیلئے درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔۔" 2

ملتان میں آپ نے مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام فرمایا[3] اور ان سے کتاب " نافع " پڑھی۔۔ یہیں اسی مسجد میں کتاب " نافع " کے مطالعے کے دوران آپ کی ملاقات حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے ہوئی جو آپ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا۔[4] بابا صاحب

1۔ بحوالہ " سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر " از محمد مسعود، ص 35، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور، 1981ء

2۔ بحوالہ " سیرالاولیاء " تالیف سید محمد بن مبارک کرمانی مترجم غلام احمد بریاں، ص 67، الکتاب، گنج بخش روڈ لاہور، سال اشاعت 1982ء

3۔ حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) نزھۃ الخواطر، ص 312 (2) پنجاب کے صوفی دانشور، از قاضی جاوید ص 25، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز طبع اول 1979ء، لاہور (3) سیر العارفین، ص 48 (4) تذکرہ خواجگان چشت ص 187

4۔ قطب الدین بختیار کاکی سے آپ کی ملاقات اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ جناب گنج شکر صاحب کتاب پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا مولانا کونسی کتاب ہے؟ بابا صاحب نے فرمایا یہ " نافع " ہے خواجہ صاحب نے فرمایا " خدا کرے تمہیں اس سے نفع حاصل ہو" بابا صاحب نے فرمایا اس کتاب سے تو نہیں البتہ مجھے آپ سے فیض پہنچے گا۔ اس واقعہ کو روضۃ الاقطاب، ص 38 میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ " . . . . حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر برائے تحصیل علوم قدم بملتان آورد و در مسجد مولانائے منہاج الدین ترمذی قرار گرفت روزی بمسجد مذکور بمطالعہ کتاب " نافع " کہ در علم فقہ است مشغول بود کہ ناگاہ حضرت خواجہ قطب الدین از اوش بدان مسجد ورود فرمودند کہ خواجہ حکمتی و پاکیزہ روئی بمطالعہ کتابی مشغولست فرمود ایجوان چہ مشغولی و العاس صورو نافع گفت میدانی کہ ازین نفع خواهد بیدی فرمودانتہ کرد کہ مرا نفع ازنگاہ کرم حضرت شیخ خواهد گردید حضرت قدر بکلت و بوصلت و دریا افتاد و حقدہ شد "

یہی واقعہ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) میں یوں لکھا ہے " . . . خواجہ قطب صاحب بابا صاحب را در ملتان دیدند خوبخوب پرسیدند کہ ای میاں در رضا چہ می خوانی؟ باباصاحب کتاب نافع خوبدند کہ نفع یاب باشی۔" (بحوالہ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ بارمحمد بن حضرت خواجہ تاج محمود چشتی پاکپتن شریف۔ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

نے خواجہ بختیار کاکی کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے روک دیا اور فرمایا کہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو کیونکہ

" زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہوتا ہے تم پر واجب ہے کہ پہلے علم حاصل کرو۔" 1

کچھ عرصہ کے بعد آپ ملتان سے قندھار تشریف لے گئے اور وہاں پانچ برس تک مسلسل عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور اپنے عہد کے مروجہ ظاہری علوم کی تعلیم حاصل کی پھر دہلی میں قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کی باقاعدہ طور پر بیعت کریں۔ جس وقت بختیار کاکی نے بیعت سے سرفراز فرمایا اس وقت وہاں نامور مشائخ موجود تھے جن میں شیخ بدرالدین غزنوی، قاضی حمیدالدین ناگوری مولانا علاءالدین کرمانی ، مولانا شمس الدین ترک، خواجہ محمود موئینہ شیخ نظام الدین ابوالموید شامل ہیں۔ بابا صاحب کا شمار قطب الدین بختیار کاکی کے بہترین خلفاء میں سے ہوتا ہے کہ جن کو دیکھ کر خواجہ معین الدین اجمیری نے فرمایا تھا کہ

" بابا بختیار ! آپ ایک ایسے عظیم شہباز کو دام میں لائے ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ سے ہی کہیں ٹھکانہ نہیں کرے گا ، فرید ایک شمع ہے جس سے درویشی کا سلسلہ روشن ہو گا۔" 2

قطب الدین بختیار کاکی نے بابا فرید کو چلہ معکوس[3] کا حکم دیا تو بابا صاحب ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں ان کی شہرت نہ ہو اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے چنانچہ اوچھ میں " حاج " یا " حج " کی جامع

(گذشتہ سے پیوستہ حاشیہ .... حوالے کیلئے دیکھئے (1) احوال و آثار شیخ فرید الدین گنج شکر ص 51
(2) سیرالاولیاء ص 67 (3) پنجاب کے صوفی دانشور ص 45 (4) دلی کے بائیس خواجہ ص 30
(5) سیرالعارفین ص 48 (6) تذکرہ خواجگان چشت ص 188 (7) تذکرہ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی ص 136 (8) تذکرہ مشائخ کرام، ص 41 ص 138

1- بحوالہ (الف) پنجاب کے صوفی دانشور از قاضی جاوید ص 45 (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی/
2- اصل عبارت یوں ہے " بابا بختیار شہباز عظیم بدام آوردہ کہ جزبہ سدرۃ المنتہیٰ آشیان نگیرد۔ این فرید شمعیت کہ خانوادہ درویشاں منور سازد " تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) سیرالعارفین ص 23
(2) احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر ص 59 (3) سیرالاولیاء ص 79 (4) پنجاب کے صوفی دانشور ص 49
3- قاضی جاوید چلہ معکوس کو عبادت اور ریاضت کا منحرفانہ طریقہ قرار دیتے ہیں (ملاحظہ فرمائیے " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " ص 28

مسجد امعیں صاحب کی کیونکہ کنواں بھی تھا اور اس کے ساتھ درخت بھی اور وہاں کے مؤذن رشیدالدین مطابق امعیں قابل اعتماد معلوم ہوئے چنانچہ بابا فرید نے وہاں چالیس راتیں چلہ معکوس کھینچا۔ وہ مؤذن رات کو آپ کا پاؤں رسی کے ساتھ درخت سے باندھ کر آپ کو کنویں میں الٹا لٹکا دیتے آپ ساری رات عبادت کرتے اور صبح نماز فجر سے قبل آپ کو کنویں سے باہر نکال دیتے۔1

کچھ عرصہ آپ نے ہانسی میں بھی قیام رہا بابا قطب الدین بختیار کاکی نے وصیت فرمائی کہ

" این جامۂ من وعصا و مصلا و نعلین چوبیں بہ شیخ فریدالدین دہند " 2

پھر آپ خواجہ قطب الدین کی وفات کے بعد دھلی تشریف لائے لیکن دھلی کے حالات کے پیش نظر وہاں قیام نہ فرمایا اور اجودھن (موجودہ پاکپتن) تشریف لے گئے۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ

" بابا فرید کا دھلی قیام نہ کرنا چشتیہ سلسلہ کے حق میں اچھا ہی ثابت ہوا۔ مثلا قطب الدین صاحب کا دھلی میں قیام کرنا ایلتمش کی وفات کے بعد عرصہ تک دھلی کے حالات نہ خراب رہے اور علماء و صوفیہ نے مل کر خوب سیاست میں حصہ لیا۔۔۔ ممکن تھا کہ بابا صاحب بھی ان حالات میں رہ کر سلسلہ کا کام انجام دینے سے قاصر رہتے ہانسی اور بعد کو اجودھن میں رہ کر ان کو سلسلہ کا کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔۔۔" 3

اجودھن کے لوگوں کے بارے میں خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ

" یہاں (اجودھن) کے باشندوں کے مزاج نہایت کھٹے تھے وہ اس قدر بدمزاج اور ضعیف الاعتقاد تھے ایک ولی اللہ کے عزلت میں ریاضت و مجاہدہ کیلئے اس سے بہتر اور پرسکون کوئی جگہ نہ ہو سکتی تھی۔۔۔" 4

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) احوال و آثار۔ شیخ فریدالدین گنج شکر، ص 68 تا 70 (2) اخبار الاخیار، ص 120 (3) پنجاب کے صوفی دانشور، ص 50-51 (4) سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، ص 72۔۔۔ البتہ مرقع ملتان، ص 225 اور تاریخ ملتان از حکم چند، ص 109 کے مطابق یہ کنواں حضرت دیوان چاولی کے مزار کے پاس واقع تھا۔

2- بحوالہ " فوائد الفواد " از میر حسن سنجری (فارسی) جلد چہارم، ص 187

3- بحوالہ " تاریخ مشائخ چشت " از خلیق احمد نظامی، ص 156-158

4- بحوالہ " احوال و آثار۔ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر " ص 88

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث کا بیان ہے کہ

" یہاں (اجودھن) کے باشندے تندخو، ظاہر پرست اور خاص کر فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے، آپ نے اس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام ہمیں رہنے کے مناسب ہے چنانچہ وہیں رہنے لگے۔" 1

اجودھن کا علاقہ اگرچہ تھا تو مسلمانوں کے قبضے میں لیکن یہاں ہندوؤں کی آبادی بھی کثرت سے تھی۔ قاضی جاوید امین الدین (مصنف تذکرہ علی ہجویری) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

" اس زمانے میں ہندوؤں کا خاص علاقہ تھا یہاں ہندوؤں کا مشہور راج جوگی رہتا تھا، جس کا نام سمجھو ناتھ تھا۔ ہندوؤں پر اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرشد گرامی نے ہدایت خلق اور تبلیغ اسلام کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی۔ اس لئے آپ نے ہندوؤں کے اس علاقہ کو اپنی تبلیغ و ہدایت کا مرکز بنایا تاکہ کفر کی تاریکی کو اسلام کی ضیا پاری سے منور کریں۔ چنانچہ آپ کی مساعی سے اس علاقہ کی کایا پلٹ گئی ۔ ہندو جوق در جوق اسلام قبول کر کے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ سمجھو ناتھ بھی اسلام قبول کر کے درجہ ولایت کو پہنچا ۔۔۔" 2

بابا صاحب نے اجودھن میں صوفیانہ روایات کے مطابق ایک جماعت خانہ قائم کیا اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اس جماعت خانے کے بارے میں قاضی جاوید کا بیان ہے کہ

" اس کو ایسی خانقاہ قرار نہیں دینا چاہئیے جس میں خارجی ماحول سے مطابقت اختیار کرنے میں ناکام رہنے والے مجہول افراد پناہ لیتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ یہ جماعت خانہ اس سماجی، معاشی نظریے اور آدرش کی تجسیم تھا جس کا پرچار چشتی رہنما کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ایک فعال اور تخلیقی مرکز تھا۔ قرون وسطیٰ کے برصغیر میں جب کہ سماجی تقسیم پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا اور اس قسم کے صوفیانہ مراکز اخوت، دوستی

1۔ بحوالہ " اخبار الاخیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی مترجمین مولانا سبحان محمود صاحب دارالعلوم، مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم، ص 117 مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

2۔ بحوالہ " پنجاب کے صوفی دانشور" ص 53

کے آدرش کو برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ رہ گئے تھے۔" 1

بابا فرید کے قائم کردہ جماعت خانے کا دروازہ ہر شخص کے لئے دن رات کھلا رہتا تھا۔

"بابا صاحب ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ امیر و غریب کا ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر نئے آنے والے سے اس طرح ملتے تھے گویا برسوں کا آشنا ہے۔ ظاہر و باطن کی ہم آہنگی حیرت انگیز تھی۔" 2

گلزار فریدی میں لکھا ہے

"خواجہ گنج شکر صاحب تقریر دلپذیر و بیان عالی و کاشف و فصیح و بلیغ داشت ۔۔۔" 3

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا اس لئے کوئی بھی مشکل مسئلہ ہو آپ بڑی سادہ سے لفظوں میں آسانی کے ساتھ سمجھا دیتے تھے۔ بابا صاحب نے اپنے دور کے مروجہ ہر قسم کے علوم حاصل کئے تھے۔ حتی مشکل کتابیں تھیں سب کو پڑھا ہوا تھا محض تعلیم کی خاطر انہوں نے بغداد اور خراسان کا سفر بھی اختیار کیا تھا۔ [illegible] جعفر قاسمی کے مطابق

"یہ بات یقینی ہے کہ شیخ فرید ظاہری و باطنی علوم اسلامی کے متلاشی مرغ کی بحث طرح مالک تھے کیونکہ انہوں نے علم دین کی مکمل اور معیاری تعلیم حاصل کی تھی۔۔۔" 4

بابا فرید نے قرآن مجید کا خصوصی مطالعہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں آپ کا علم غیر معمولی تھا۔ نہ صرف خود مطالعہ کیا تھا بلکہ اوروں کو بھی پڑھایا تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ

"حضرت نظام الدین اولیاء نے آپ سے قرآن مجید کے چھ پارے پڑھے اور کتاب العوارف کا کچھ حصہ سبقاً پڑھا 5 اور شیخ عبدالشکور سالمی کے

---

1 – بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 54
2 – بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی ص 61 بحوالہ گلزار فریدی (فارسی) ص 23
4 – "بابا فرید الدین گنج شکر" از جعفر قاسمی (اردو ترجمہ از طاہر اسدی) ص 12 مطبوعہ المعارف لاہور
5 – فوائد الفواد میں حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں
"میں نے شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے چھ سپارے پڑھے تھے اور کئی علاوہ اس کے تین کتابیں اور پڑھی تھیں۔۔۔" (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ۔۔)

کتاب التمہید پڑھی ——" 1

بابا صاحب کو تصوف کے علم سے بھی کافی دلچسپی تھی کہا جاتا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف" کے مطالعے کو ہر اس درویش کیلئے لازم خیال کرتے تھے جسے اس کا مرشد خلافت دینا چاہتا تھا۔ خلیق احمد نظامی کے خیال میں برصغیر میں سب سے پہلے بابا صاحب نے ہی اس کتاب کے مطالعے کو رواج دیا اور تصوف کے نصاب میں شامل کیا۔[2] شیخ نظام الدین اولیاء حضرت بابا سے "عوارف المعارف" پڑھنے کا ذکر اس کرتے ہیں

"میں نے عوارف کے پانچ ابواب شیخ کبیر فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز
سے پڑھے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ آپ عوارف کے نکات اس طرح بیان کرتے
تھے کہ کسی اور سے ایسا بن نہ پڑتا ——" 3

بابا فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات کے دو تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک کا نام "راحت القلوب" ہے جس کو شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء[4] سے منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسرے مجموعے کا نام "اسرار الاولیاء"[5] ہے۔ جسے حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق نے مرتب کیا۔ بابا صاحب کی شاعری جو

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ... (بحوالہ فوائدالفواد (اردو) ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر حسن علاء سجزی ترجمہ پروفیسر محمد سرور ، ص 320، مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، طبع اول 1393ھ / 1973ء)

1۔ بحوالہ "نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع و النواظر" (حصہ اول) مؤلفہ مولانا سید عبدالحئی حسنی لکھنوی مترجم ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ص 313، مطبوعہ مقبول اکیڈمی مکتبہ اوقاف لاہور طبع اول 1963ء
مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) احوال و آثار شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر، ص 170 تا 173
(2) آب کوثر، ص 223)

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "احوال و آثار شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر، ص 172

3۔ بحوالہ "فوائدالفواد (اردو ترجمہ) ص 174

4۔ روضۃ اقطاب میں ص 49 کے مطابق شیخ نظام الدین اولیاء اپنے آپ کو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کا خلیفہ اکبر کہتے تھے، الفاظ یہ ہیں "....در صاحبت خود ضبط نمایند کہ مرید و خلیفہ اکبر حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر است —"
حدیقۃ الاولیاء، ص 36 میں بھی یہی لکھا ہے کہ "یہ حضرت بڑی خلیفہ شیخ فریدالدین گنج شکر پاک پتنی کے تھے —" (بحوالہ حدیقۃ الاولیاء از غلام سرور لاہوری، ص 36 مطبع نولکشور 1836ء)

5۔ یہ کتاب مطبع منشی نولکشور کانپور نے شائع کی تھی اس کا ایک نسخہ مجھے جناب اسد نظامی کی نوازش سے ملا۔ یہ چھٹا ایڈیشن ہے جو مارچ 1917ء میں طبع ہوا، یہ فارسی زبان میں ہے چھپا کہ اس نسخے کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کتاب دارالبیعہ تھی یہ کتاب چورانوے (94) صفحات پر مشتمل ہے اور

اشلوکوں پر مشتمل ہے۔ سکھوں کی مشہور زمانہ مذہبی کتاب "ادی گرنتھ" میں ملتی ہے۔ ان تمام ملفوظات پر شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔[1] لیکن ان ملفوظات کے مندرجات کے حوالے بابا فرید گنج شکر پر لکھی گئی کم و بیش تمام کتابوں میں ملتے ہیں۔ مجھے جناب محمد فائق کی لائبریری سے بابا فرید گنج شکر کے ملفوظات میں ایک ایسا قلمی نسخہ بعنوان "گنج الاسرار" دستیاب ہوا ہے جو 15 جمادی الثانی 1277ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی چار فصلیں ہیں جن کی تفصیل یوں ہے

(1) در معرفت صنع دل

(2) در پاس انفاس

(3) در شرح ماهیت دل

(4) در اظهار وحدانیت و آفرینش حضرت آدم

یہ رسالہ 22 صفحات پر مشتمل ہے اور خط شکستہ کے پختہ خط میں لکھا گیا ہے۔ پہلے عنوان کے تحت معرفت صنع دل میں قرآن کی اس آیت کے حوالے سے قلب مومن کی عظمت اور بزرگی بیان کی ہے

کما قال اللہ تعالیٰ قلب المومن اکبر من العرش و اوسع من الکرسی

اس کے بعد لکھا ہے کہ "مراد ازیں عظمت و بزرگی قلب مومن است کہ عشق الٰہی و اسرار الٰہی و معرفت ذکر الٰہی جا است سوال اگر گویند کہ دل پارہ گوشت است بدین فراخی کہ ہم در آسمان و ہم در زمین ہا است چگونہ صورت بندد جواب گفتہ اند مراد از وسعت صلاح و راستی است ہر گاہ کہ دل مومن در صلاح آید از زمین و آسمان وسیع تر است ۔۔۔ (ص 2-3)

اسی طرح در پاس انفاس کے ضمن میں ذکر و فکر کو ضروری قرار دیا ہے اور ذکر جلی سے باطن کی پاکیزگی بیان کی ہے۔ دل کے اندر سات پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے "گوہر اول ذکر است دوم گوہر محبت است سوم گوہر عشق چہارم گوہر سر است پنجم گوہر روح است ششم گوہر

1۔ استفادہ بحث کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) احوال و آثار ۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر از خلیق احمد نظامی، ص 233 تا 239 (2) "بابا فرید گنج شکر ابراہیم اور فرید ثانی (پنجابی)" از ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین جلد 14 شمارہ 20، عدد مسلسل 52 - فروری 1938ء ص 76 (3) برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء ص 28-29 (4) آب کوثر ص 224-225 (5) پنجاب کے صوفی دانشور ص 58-59 (6) گلزار فریدی (قلمی نسخہ) فارسی، ص 5

معرفت است مقام گوہر فقر است دل را سبب این گوہر ھا لقب گفتہ اند " (ص 10)

تیسری فصل در شرح ماہیت دل میں سالک کے لئے ذکر جہر و ذکر خفی کی کثرت کو ضروری قرار دیا گیا ہے جس کی بدولت یہ سات گوہر جن کا ذکر دوسری فصل میں کیا گیا ہے۔ روشن ہو جاتے ہیں۔ اور پھر سالک سوائے حق کے کچھ پسند نہیں کرتا۔ سوائے حق کے کچھ نہیں سنتا۔ سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا اور سوائے حق کے کچھ نہیں کرتا ۔" (ص 14، 15)

فصل چہارم کی تشریح کرتے ہوئے یہ حدیث درج کی گئی ہے

قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلم انا من نور اللہ تعالیٰ والمؤمنین من نوری
قال اللہ تعالیٰ نور السمٰوٰت والارض ای منوّر ھا وھادی اھلہما (ص 15)

اس کے بعد تخلیق آدم کا واقعہ بیان کیا ہے۔ ملائک کے سجدے، ابلیس کی ہوئی سرتابی دنیا میں انسان کی نیابت وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ آخر میں آدم کی آفرینش کا مقصد وہدایت کا اظہار قرار دیا ہے۔ (ص 16 تا 22)

اردو زبان کی ہر ابتدائی تشکیل و تعمیر کے دور میں جن صوفیاء کا نام آتا ہے ان میں حضرت بابا فرید سرفہرست ہیں۔ ان کے ساتھ نہ صرف جملے اور دوہے منسوب ہیں بلکہ شعر و شاعری کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ بھی ان کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ یہ شاعری اس زبان میں ہے جو اس دور میں مروج تھی اور عوامی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس زبان کو جو نام بھی دیا جائے بہر حال اس میں ملتانی، پنجابی اور ہندی کے الفاظ کثرت سے موجود ہیں اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو کی ابتدائی ہیئت میں ان زبانوں کو کتنا گہرا دخل رہا ہے۔ بابا صاحب کے جملوں اور شاعری کے نمونوں کو اردو، سرائیکی اور پنجابی شاعری کے ارتقاء اور اردو زبان کی ابتدائی نشو و نما کے سلسلے میں تاریخی تقدم حاصل ہے۔ اور کم و بیش تمام ماہرین لسانیات نے اپنی کتابوں اور مضامین میں بابا فرید کے جملوں اور شعروں کی مثالیں درج کی ہیں[1]۔ ان میں سے کچھ اہم مثالیں یہ ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا

1۔ ملاحظہ فرمائیے (1) پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی، ص 299 تا 302 (2) تاریخ ادب اردو (جلد اوّل) از ڈاکٹر جمیل جالبی ص 36 (3) اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ص 13 (4) ملتانی زبان اور اس کا تعلق اردو کے ساتھ، ص 325–328 (5) اردو نثر کا آغاز و ارتقاء از ڈاکٹر رضیہ سلطانہ ص 23–26 (6) سیر الاولیاء، ص 182–185

"پوس کا چاند بالا ہوتا ہے" 1

خواجہ بختیار کاکی کے استفسار پر فرمایا

"آٹھ آنی ہے" 2

بابا فرید سرسہ کے مقام پر ایک بزرگ کے مزار پر جایا کرتے تھے ایسے میں ہی کسی موقع پر فرمایا

"سرسہ کبھی سرسہ کبھی نرسہ" 3

ایک دفعہ ایک مرید نے بابا فرید سے عقل کا مقام دریافت کیا تو فرمایا

"سچ سر کے" 4

اسی طرح فرمایا

"ایک دو تین چار پنج چھ ہفت" 5

پھر فرمایا

"جواہ کھو کھاہ جواہ دو کھاہ" 6

وحید احمد مسعود لکھتے ہیں

"بہرحال نثر کے ان چند نقوش سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت بابا کا خیال کس قدر بلند تھا اور شستگی کتنی تھی۔ اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ اردو کے معمار اول تھے اور ساتویں صدی میں یہ زبان اچھی امتیازی حدود حاصل کر چکی تھی۔" 7

اسی طرح بہت سے اشعار اور کلمات بھی بابا فرید سے منسوب کیے جاتے ہیں جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق نے مرتب "گلزار فریدی" (فارسی) کا قلمی غیر مطبوعہ نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ میں اس کتاب سے کچھ مثالیں درج کرتی ہوں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت بابا فرید نے ایک کتھی میں

1۔ بحوالہ (1) اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص 10 (2) پنجاب میں اردو، ص 30 (3) اردو نثر کا آغاز و ارتقاء، ص 27 (4) جواہر فریدی از اصغر علی چشتی، ص 273، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور 1301ھ

2۔ "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" ص 27 3۔ بحوالہ "پنجاب میں اردو" ص 301

4۔ بحوالہ "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" ص 28

5، 6۔ بحوالہ جواہر فریدی از مولوی اصغر علی چشتی، ص 261، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور 1301ھ

چلہ معکوس کاٹا تھا۔ اسی دوران میں ایک کوا آپ کے جسم پر آ بیٹھا اور چونچیں مارنے لگا۔ آپ نے منع نہ کیا لیکن جب کوے نے ان کی آنکھ پر چونچ ماری تو آپ نے فرمایا[1]۔

کاگا کرنگ چینڈیاں سب تن کھائیو ماس

ایہہ دو نیناں مت کھائیو ملن دی جاسے آس

(یعنی اے کوے ! تو (میرا) بدن کو کاٹتے ہوئے میرا سارا گوشت چن چن کر کھا لو لیکن میری ان دو آنکھوں کو مت کھانا کہ مجھے (دوست سے) ملن کی آس ہے۔)

روایت ہے کہ آپ لاہور سے روانہ ہو کر اجودھن (پاک پتن) پہنچے تو آپ نے اس جگہ کو پسند فرمایا حالانکہ وہاں کے لوگ نا قدر شناس اور بد ذوق و بد مزاج تھے چنانچہ آپ نے فرمایا

فریدا اتھاں تھیئے جتھاں وسن انھے

نہ کو سا کوں جانے نہ کوسا کسیں تے 2

(یعنی اے فرید ! وہاں رہنا چاہئیے جہاں اندھے رہتے ہیں تاکہ نہ کوئی ہمیں جان سکے اور نہ ہی کوئی ہم کو جان سکے۔)

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی[3] کا معمول تھا کہ وہ ہر سال بابا فرید کو تحفے کے طور پر گاجریں بھیجا کرتے تھے جبکہ بابا فرید انہیں بیر بھجواتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ ایک سال زکریا ملتانی نے گاجریں نہ بھجوائیں تو بابا نے بھی بیر نہ بھجوائے چنانچہ زکریا ملتانی نے شکایت کی تو اس کے جواب میں بابا فرید نے فرمایا

1۔ اس واقعہ کی اصل عبارت یوں ہے " نقل است کہ روزی زاغ بدن مبارک در چاہ کہ آویزان بود می کند ۔ شیخ منع نمی فرمود تا بہ چشمان مبارک منقار زدن آغاز نہاد شیخ فرمود ... " (گلزار فریدی ص 8)

2۔ بحوالہ " گلزار فریدی " ص 28

3۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور بابا گنج شکر کے درمیان مؤاخات اور محبت کا رشتہ قائم تھا۔ مولانا نور احمد خان فریدی کے مطابق " سالہا سال تک دونوں نے یکجا بسر کئے اور سفر و حضر میں ایک دوسرے کے شریک حال رہے۔ ان کا باہمی اخلاق دعاوی راہ و رسم سے وراء الوریٰ تھا۔"

(ملاحظہ فرمائیے " تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی "، ص 141)

ہتھیں وتی ہتھ پیراں وتی پیر

تساں نہ متساں کاجراں لساں نہ تھے بیر [1]

(یعنی ہاتھوں کے بدلے ہاتھ اور بیر کے بدلے بیر - آپ نے کاجیں میں بھجوائیں ہم نے بیر نہیں بھجوائے---)

منشی جمش رام مشتاق نے کوئی جمش ، بدرہ ، صابری قادری نے بابا فرید کے کچھ اشلوک گرو گرنتھ سے منتخب کر کے ان کی شرح لکھی ہے۔ یہ کتاب الہ والے قومی کشمیری بازار لاہور سے 1927 مطابق 27 شوال 1345ھ شائع ہوئی اس کے پہلے چار صفحے غائب ہیں۔ یہ کتاب محب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہے، چند اشلوک درج کرتی ہوں جن سے اس زمانے کی زبان کا اندازہ ہو گا۔

فریدا جے توں عقل لطیف ہیں کالے لکھ نہ لیکھ

(گریبان)
آپنڑے گریوان میں سر نیواں کر کے دیکھ (14)

(داڑھی)
مکھ فریدا ہو گیا داہڑی ہوئی بھور

اگا نیڑے آیا پچھا رہیا دور (ص 16)

ایہا لایا ہیرم نہ لا کے جس لسو جی سبھ کھولے
(مثل الٰہی میں لگا اگر ہنر کوئی)
ایہ پیرم پیالہ خصم کا جس بھاوے تس دے (ص 19)

فریدا خاک نہ نندیے خاکو جیڈ نہ کوئے

جیوندیاں پیراں تلے مویاں اپر ہوئے (ص 22)

1- اصل عبارت یوں ہے --- نقل است مکتوب است کہ مخدوم بہاء الدین ملتانی ---

بطریق تحفہ میوہ ہا زود تر بطرف جناب گنج شکر میفرستادندی و جناب گنج شکر در موسم بہار میوہ دلخواہ مخدوم میوہ ہا کنار جانب مخدوم بہاء الدین ابلاغ داشتی - مدتے بدین گونہ روش داشتندی۔ آخر یک سال مخدوم زود تر کی ہا فرستاد آنجناب کنار ہا نیز فرستاد - مخدوم چند گاہ انتظار موسم کنار شکایت بہ پہلو نہ نوشتہ کہ ای مولانا فرید الدین این بار ——— میوہ ہا کنار نفرستادہ اید جناب گنج شکر، در جواب نوشت کہ ای برادرم بہاء الدین ہتھیں وتی ہتھ پیراں وتی پیر ——— تساں نہ متساں کاجراں لساں نہ تھے بیر ——— (بحوالہ " گلزار فرید ، ص 37)

[illegible]

[illegible] (ص 40)

[illegible]

[illegible] (ص 41)

[illegible]

[illegible] (ص 44)

[illegible]

[illegible] (ص 56)

[illegible]

[illegible] (ص 58)

[illegible]

[illegible] (ص 77)

[illegible]

[illegible] (ص 94)

[illegible]

[illegible] (ص 150)

[illegible][1]

[illegible] (ص 160)

1 — [illegible]

فنون لطیفہ میں شاعری کے علاوہ موسیقی سے ان کو خاص شغف تھا۔ سماع میں ان کی دلچسپی ضرب المثل بن چکی تھی۔اس سلسلے میں کئی ایک روایات مشہور ہیں ، اخبار الاخیار میں لکھا ہے

" ایک محفل میں بابا فریدالدین گنج شکر بھی موجود تھے اور لوگ سماع کے جواز اور عدم جواز کے متعلق علمائے کرام کے اختلافات کا ذکر کر رہے تھے ان لوگوں کی تمام تر گفتگو سننے کے بعد آپ نے فرمایا ، سبحان اللہ ایک حق تو راکھ ہو چکا ہے اور دوسرے ابھی تک اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں۔" 1

ایک موقع پر فرمایا کہ

" اہل سماع وہ گروہ ہے کہ جب وہ سماع اور ضمیر میں مستغرق ہوتے ہیں اس وقت اگر تلوار بھی ان کے سر پر ماری جائے تو انہیں خبر نہیں ہوتی۔۔۔" 2

بابا فرید سے یہ قول بھی منسوب ہے کہ

" وجد و حال کا نزول تین مواقع پر ہوتا ہے ان میں سے ایک سماع دوسرا درویشوں کے اسرار بیان کرنے کا موقع اور تیسرا عاشق کے انوار تجلی کے عالم میں غرق ہو جانے کا موقع ہے۔۔۔" 3

بابا فرید گنج شکر کے سن وفات کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔

حدیقۃ الاولیاء ص 77 ، خزینۃ الاصفیاء ، ص 316 ، سیرالاولیاء ، ص 91 ، سفینۃ الاولیاء ص 33 اور احوال و آثار شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر ، ص 123 ، ملفوظات طیبہ و محبوب العارفین ص 144 کے مطابق 5 محرم 664ھ (15 اکتوبر 1263ء) ہے۔ سوانح حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر ، ص 121 پر

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ... قومی دکان کشمیری بازار لاہور یکم جولائی 1927ء مطابق 27 شوال 1345ھ کیفی جامپوری مرحوم نے اپنی تصنیف " سرائیکی شاعری " میں بابا فرید کی شاعری کے کچھ نمونے درج کئے ہیں جو شلوک بابا فرید سے لئے گئے ہیں (ملاحظہ فرمائیں " سرائیکی شاعری " مطبوعہ بزم ثقافت ، ملتان طبع اول 1969ء)

1- بحوالہ " اخبار الاخیار " ص 122

2- راحت القلوب ، مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین مترجم ملک فضل الدین نقشبندی مجددی ، ص 29 مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان ، کشمیری بازار ، لاہور

3- بحوالہ " پنجاب کے صوفی دانشور " از قاضی جاوید ، ص 72

5 محرم 661ھ (1265ء) درج ہے۔ اخبارالاخیار ، ص 123 کے مطابق 5 محرم 665ھ تذکرہ خواجگان چشت، ص 198 میں 5 محرم بروز سہ شنبہ 669ھ اور تذکرہ مشائخ کرام ، ص 67 پر 679ھ مرقوم ہے۔ لیکن 5 محرم 664ھ صحیح تاریخ وفات ہے کیونکہ ڈاکٹر ظہور محمد کی تحقیق کے مطابق یہی تاریخ درست ہے۔[1]

(7) مخدوم عبدالرشید حقانی

سلسلۂ علیہ قادریہ کے ایک نامور صوفی بزرگ مخدوم عبدالرشید حقانی ہیں جو بہاء الدین زکریا کے ہم عصر اور ہم زاد تھے ان کے سن ولادت کا پتہ نہیں چلتا ۔ نور احمد فریدی کے مطابق

> "حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کو تین سال گزرے تھے کہ
> اسی خاندان کے مطلع پر شریعت و طریقت کے ایک اور آفتاب نے طلوع کیا۔
> یعنی شیخ احمد غوث کے مشکوئے علیٰ میں حضرت مخدوم عبدالرشید تولد ہوئے۔" 2

حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی کے جد امجد حضرت ھبار بن اسود اسدی قریشی حضور اکرم کے صحابی تھے۔ جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ آپ حضرت خدیجہ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ انھی صحابی کی نسل کے ایک ممتاز شخص تاج الدین محمود فرزندوں کے ساتھ ملتان آئے اور سر زمین ملتان کے ایک مفتوحہ علاقے کے حاکم مقرر ہوئے۔ ان کی پانچویں نسل سے ایک بزرگ حضرت کمال الدین کے یہاں دو بیٹے شیخ احمد

1- بحوالہ " تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند " جلد 13 ، ص 286 مرتبہ سید فیاض محمود ، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ۔

2- بحوالہ " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " ص 41

نور احمد فریدی کے مطابق بہاء الدین زکریا کا سنہ ولادت 566ھ ہے اور عبدالرشید حقانی ان کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ اس طرح آپ کا سن ولادت 569ھ بنتا ہے جس کا ذکر کسی اور مورخ نے نہیں کیا لیکن میرے پاس خلاصۃ الانساب کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ موجود ہے جو میں نے مخدوم عبدالرشید حقانی کے سجادہ نشین سے حاصل کیا۔ اس کے صفحہ نمبر 5 پر لکھا ہے کہ جب حضرت غوث بہاء الحق کے والد فوت ہوئے تو آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ آپ کے والد کی وفات 590ھ میں ہوئی۔ حضرت عبدالرشید حقانی اس وقت 9 برس کے تھے اس لحاظ سے آپ کی پیدائش 581ھ میں ہوئی۔ (بحوالہ خلاصۃ الانساب از سید افضل اسدی ، ص 3 ـــ میری تصحیح میں ہے۔) مفتاح الجواہر (قلمی) میں بھی یہی لکھا ہے کہ " ـــــــــ آں وقت در عمر حضرت شیخ بہاء الدین دو ازدہ سالہ بود و در عمر مخدوم عبدالرشید نہ سالہ بودند " (مفتاح البرکات (تذکرہ صالحین) فارسی قلمی نسخہ از مولف شیخ شرف الدین قریشی ، ص 25 ، میری تصحیح میں ہے۔)

اور شیخ محمد پیدا ہوئے۔ شیخ احمد کے یہاں حضرت مخدوم عبدالرشید اور شیخ محمد کے گھر حضرت بہاء الدین زکریا تولد ہوئے۔ اس عہد کے معروف علماء، مشائخ اور فقہا سے تعلیم حاصل کی اور بہت جلد بزرگی کے درجے پر پہنچے۔

آپ پہلے کوٹ کروڑ میں رہتے تھے ان دنوں بہاء الدین زکریا حصول علم کی خاطر سفر پر گئے تھے آپ نے اس عرصے میں پہلے کوٹ کروڑ میں قیام فرمایا پھر ملتان تشریف لے آئے اور قلعہ میں اس مقام پر قیام رمایا جہاں اب بہاء الدین زکریا کا مزار ہے۔ ملتان میں آپ کے علم و رشد کا شہرہ دور دور تک ہوا اور لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ تقریباً 615ھ[1] کے اوائل میں بہاء الدین زکریا ملتان واپس آئے۔

بہاء الدین زکریا کے ملتان واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے والد کی وصیت[2] کے مطابق اپنی ہمشیرہ رشیدہ خاتون[3] کی شادی بہاء الدین زکریا سے کی اور بہاء الدین کی جتنی جائیداد تھی سب آپ کے حوالے کی اور ان سے حرمین جانے کی اجازت طلب کی اور سات ساتھیوں کے ہمراہ مزید علم حاصل کرنے کے لئے حرمین کی طرف روانہ ہوئے راستے میں شیخ نصیرالدین سے جو صاحب مراتب و کشف و کرامات تھے، ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سات روز تک مہمان ٹھہرایا۔ توجہ کی اور پھر تبریز کی طرف روانہ کیا[4] مخدوم عبدالرشید تبریز پہنچے وہاں سید حسین سے جو کاملین اور واصلان حق میں سے تھے، صحبت رہی کچھ عرصہ گزارنے کے بعد حرمین شریف پہنچے حج ادا کیا پھر روضہ سرکار کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ تین سال تک وہاں کی مجاورت کی اور شیخ کمال الدین کی خدمت میں رہے۔ ایک رات خواب میں حضور کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سید علی ہمدانی کی خدمت میں حاضری دیں[5] چنانچہ آپ نے ہمدان کی راہ لی۔ اسکندریہ میں ان کی ملاقات ایک سو یا برس عمر سے ہوئی جو مخدوم عبدالرشید کے عزم سے اپنے کشف کی بدولت پہلے ہی سے واقف تھا اس نے دعا دی مخدوم آگے بڑھتے گئے اور آخر منزل

1۔ بحوالہ " تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی " از نور احمد فریدی، ص 62

2۔ مجمع البرکات، (قلمی) کے مطابق مخدوم عبدالرشید حقانی کو والد نے یہ ہدایت خواب میں کی تھی۔ (بحوالہ کتاب مذکورہ، ص 27)

3۔ " منبع البرکات" (قلمی) ص 28 کے مطابق آپ کی ہمشیرہ کا نام بصران خاتون تھا ان کے بطن سے سات فرزند تولد ہوئے (1) شیخ صدرالدین عارف (2) مولانا برہان الدین (3) مولانا عزت الدین (4) مولانا شمس الدین (5) مولانا شہاب الدین (6) مولانا ضیاء الدین (7) مولانا علاء الدین

4، 5۔ بحوالہ " مجمع البرکات" فارسی (قلمی) ص 28 تا 31 (سرخی تفصیل سے ہے۔)

مقصود تک جا پہنچے۔ سید علی ہمدانی کے مرید کثرت سے تھے جو زمانہ قدیم سے ان کی خدمت میں تھے لیکن انہیں وہ مرتبہ اعلیٰ نہ مل سکا جو حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی نے چند ہی روز میں حاصل کر لیا۔ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں تین سال رہے۔ خلافت حاصل کی اویسیہ سلسلے سے منسلک ہوئے اور انہیں کی ہدایت پر ملتان واپس آ گئے[1] اور بہاء الدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہاء الدین زکریا نے آپ کے واپس آنے کے بعد آپ دونوں کی جتنی مشترکہ جائیداد تھی سب تقسیم کر لی اراضی کا ایک حصہ دریائے راوی کے مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف تھا، قرعہ ڈالا گیا۔ مخدوم عبدالرشید کے حصے میں مشرقی حصہ آیا اس کے علاوہ ایک ایک کوزہ اشرفیاں دونوں کے حصے میں آئیں۔ اجناس اور دیگر سامان علاوہ تھا[2]

آپ اپنے مرشد کے اثر سے دنیا کی ہر قسم کی آرام و آسائش کی چیزوں سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی ساری دولت اور اراضی محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"دور دور تک آپ کی فیاضی کی دھوم مچ گئی۔ چند ایام میں ہی
ساری ترکہ کی کوڑی کوڑی محتاجوں مسکینوں میں بانٹ دامن جھاڑ کر
کھڑے ہو گئے۔۔۔"

(بحوالہ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 152)

اور دریائے راوی کے مشرقی حصے میں اپنے لئے حجرہ بنا کر رہنے لگے۔ آخرکار خود حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملاقات کے لئے آئے اور فرمایا آپ کا قبیلہ/اور بھائی بہت ہیں ان کے لئے رہائش کا بندوبست ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص آرام سے زندگی گزار سکے چنانچہ ان کے کہنے پر اپنے عزیزوں اور متوسلین کو وہاں سے دس کوس کے فاصلے پر اراضی خرید کر دی[3] آپ کی مناسبت سے یہ علاقہ مخدوم رشید کہلایا ۔ آپ نے رعایا کی فلاح کے لئے وہاں ایک کنواں بھی بنوایا تھا[4]

1۔ بحوالہ "جمع البرکات" فارسی (قلمی) ص 28 تا 31 (میری تحویل میں ہے۔)
2، 3۔ ایضاً " " ص 33
4۔ اس کنویں کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ جو کوئی بھی اس کنویں کا پانی پیتا ہے وہ ہر قسم کے مرض سے شفا پاتا ہے یہ کنواں ہر سال عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے اس کے علاوہ سارا سال بند رہتا ہے۔ (حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص 92 (ب) مرقع ملتان از امداد علی گیلانی

کہا جاتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے ملتان کے نواحی علاقے راجہ رام سے زمین اراضی خرید کر اس پر ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ بعد میں جب رشید آباد منتقل ہوئے تو یہ مدرسہ بھی وہاں لے گئے۔ اس مدرسے میں سینکڑوں طالب علم علوم دینی و روحانی حاصل کرتے تھے۔ حضرت مخدوم رشید نے اپنی ساری عمر یہیں درس و تدریس میں صرف کی۔

(بحوالہ مضمون " حضرت پیر مخدوم عبدالرشید حقانی " از محمد اسلم چوہدری ، مطبوعہ روزنامہ جنگ لاہور ، 27 جولائی 1982ء)

عبدالرشید حقانی نے چار شادیاں کیں۔ پہلی شادی اپنی عم زاد یعنی بہاؤ الدین زکریا کی ہمشیرہ بی بی کمال خاتون سے دوسری شاہ تغلق[1] کی صاحبزادی معظم خاتون سے تیسری رائے لدھا کی لڑکی راج کنول سے اور چوتھی قوم مڑل کی ایک خاتون سے ہوئی۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن کے نام یہ ہیں مخدوم ابوبکر، مخدوم محمد ، مخدوم حسن اور مخدوم صدرالدین[2] ۔ ان میں سے مخدوم حسن کی خانقاہ کبیروالا میں واقع ہے۔ آپ کے خلفاء کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

مخدوم عبدالرشید بھی سماع سے شوق فرماتے تھے۔ فریدالدین گنج شکر فرماتے ہیں کہ

" ایک روز میں اور بھائی عبدالرشید قلعہ ملتان میں بیٹھے تھے عبداللہ

1۔ ان کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ شاہ تغلق کو کھانے میں کرم نظر آتے تھے۔ آپ کی دعا سے یہ شکایت دور ہوئی تو انہوں نے از راہ عقیدت اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا ۔ (حوالے کے لئے دیکھئے "سوانح ملتان " ص 222)
(ب) " اولیائے ملتان " از [illegible] فرحت ملتانی ، ص 192
(ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ، ص 91 ۔ لیکن مجمع البرکات (قلمی) ص 37، 38 میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے سامنے جو بھی کھانا رکھا جاتا وہ سارا کا سارا غلاظت میں تبدیل ہو جاتا یہاں تک کہ بادشاہ جاں بلب ہو گیا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے پاس ایلچی بھجوایا گیا کہ اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ وہ ایلچی سیدھے مخدوم عبدالرشید حقانی کی خدمت میں پہنچے۔ دشمن نے دہلی جانے کا قصد کیا۔ ابھی لاہور پہنچے تھے کہ تغلق کو اس مصیبت سے چھٹکارا مل گیا۔ دہلی میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور بادشاہ نے اپنی صاحبزادی کو ان کے عقد میں دے دیا۔ ان کے بطن سے مخدوم حسن پیدا ہوئے۔

2۔ (الف) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 92 (ب) سوانح ملتان ، ص 222 اور اولیائے ملتان از فرحت ملتانی ص 193 میں صدرالدین کی بجائے حضرت ایوب قتال کو مخدوم رشید حقانی کا چوتھا فرزند بتایا گیا ہے۔ جبکہ مجمع البرکات قلمی نسخہ ص 35 کے مطابق حضرت ایوب قتال مخدوم عبدالرشید حقانی کے فرزند ابوبکر کے بیٹے تھے گویا ایوب قتال مخدوم رشید کے پوتے تھے۔

قوال نے یہ بیت پڑھا

آنکس کہ محمود[1] سراسر نزدیک ست — از جان عدم گشت ز موج باریک ست

یہ شعر سن کر بخاری عبدالرشید کا حال متغیر ہو گیا اور بے خودی

کی حالت میں رقص کرنے لگے۔" 1

مخدوم عبدالرشید حقانی نے 669ھ[2] میں وفات پائی اور مخدوم رشید میں ہی آپ کا مزار ہے۔ آپ کے مزار پر ہر سال عرس ہوتا ہے اور اس موقع پر عقیدت مند بہت سے مزار پر چادریں چڑھاتے ہیں۔ حکومت نے یہاں ایک فنڈ قائم کر رکھا ہے جس کی آمدنی سے آپ کا روضہ بہت عالی شان بن چکا ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد بھی بنوائی گئی ہے۔[3]

(8) شاہ شمس سبزواری

شاہ شمس سبزواری 560ھ[4] (1165ء) میں ایران کے شہر سبزوار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید صلاح الدین محمد نور بخش مبلغ تھے اور اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے والد کے علاوہ اپنے چچا عبدالہادی غزنوی سے، جو شاہ مولکو (مراکش) کے بیٹے تھے، تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے آپ کو تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے ظاہری علوم اچھی طرح سے پڑھائے۔ 579ھ میں 19 سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ تبلیغ کے لئے بدخشاں گئے پھر وہاں سے تبت چلے گئے وہاں لوگوں کو اسماعیلی عقائد کا درس دیتے رہے۔ کچھ عرصے بعد اپنے وطن سبزوار واپس آئے اور مختصر قیام کے بعد تبلیغ کے لئے تبریز تشریف لے

1۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از فرحت ملتانی، ص 193

2۔ حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی ص 195 (ب) مرقع ملتان ص 222 (ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 92 اگر عمر اسد فریدی کے بیان کو صحیح مان لیا جائے کہ آپ 569ھ میں پیدا ہوئے تھے تو اس لحاظ سے آپ کی عمر ایک سو سال بنتی ہے۔

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "مرقع ملتان" ص 222

4۔ اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم میں ص 60 پر آپ کا سن پیدائش 560ھ درج جبکہ مندرجہ ذیل کتب میں 560ھ بیان کیا گیا ہے۔ (1) تواریخ ملتان از حکم چند، ص 75 (2) اولیائے ملتان، از فرحت ملتانی ص 89 (3) آئینہ ملتان از مفتی عبدالرحمان ص 136، مکتبہ اشرف المعارف ملتان (4) ارض ملتان، ... از اکرام الحق، ص 225

گئے جس کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کو شمس تبریزی کہنے لگے۔[1] تبریز، عراق، عرب اور مصر میں کچھ عرصہ اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کی۔ اسی دوران مرکز میں عباسی حکومت ختم ہو گئی تو 664ھ میں آپ کے والد کو ان کے عقائد کی بناء پر قتل کر دیا گیا۔ آپ واپس آئے اور والد کی تجہیز و تکفین کے بعد بغداد تشریف لے گئے لیکن وہاں کے علماء آپ کے عقائد کی وجہ سے مخالف ہو گئے چنانچہ واپس شروع کر دیئے پھر وہاں سے نکل کر کاظمین پہنچے پھر ہندوستان کا رخ کیا اور دیبل (کراچی) کے راستے 668ھ (1269ء) میں ملتان پہنچے۔ آپ کے ملتان آنے کی ایک اہم وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک زمانے میں ملتان قرامطیوں کا مرکز تھا۔ تقریباً دو سو برس تک قرامطیوں نے ملتان پر حکومت کی اگرچہ محمود غزنوی اور اس کے بعد کے حکمرانوں

1۔ شاہ شمس سبزواری اور شاہ شمس تبریزی کے بارے میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور انہیں ایک ہی شخصیت سمجھتے ہیں حالانکہ شاہ شمس تبریزی اور شخصیت ہیں خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ

" ملتان (پاکستان) میں جس بزرگ شمس الدین تبریزی کی قبر ہے وہ شمس الدین سبزواری تھے۔ ان کا شمس تبریزی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شمس سبزواری سادات موسوی میں سے تھے۔ ان کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔ یہی لوگ لاہور میں آ کر بسے تو اپنے آپ کو شمس سبزواری کی نسبت سے شمسی کہلانے لگے۔"

(بحوالہ خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری مترجم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ص 380، مکتبہ نبویہ لاہور)

یہی قصہ حکایات پنجاب (حصہ سوم) میں اس طرح ہے

" ملتان میں ایک مشہور شیعہ خاندان ہے جو اپنے آپ کو ملتان کے ایک بزرگ شمس تبریز نامی کی اولاد بتاتا ہے۔ 1787ء میں اس خاندان کے ایک فرد نے اسی بزرگ کے مزار پر ایک بڑا مقبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ نامی شمس تبریز اصل شمس تبریز سے خلط ملط ہو گیا اور اس کے مقبرے اور اس کے متوسلین کو بہت فائدہ ہوا اور غالباً اس مقبرے کو تعمیر کرانے والے کا مقصد بھی یہی تھا۔"

(بحوالہ حکایات پنجاب (حصہ سوم) مرتبہ آئرین فل ترجمہ خان عبدالرشید، ص 148-149، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل 1962ء)

2۔ بحوالہ (الف) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 63

(ب) آئینہ ملتان از مفتی عبدالرحمان خان، ص 137، مکتبہ اشرف المعارف ملتان

رحمت ملتانی نے ملتان آمد 574ھ میں بتائی ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے۔ آپ بہاء الدین زکریا کے عہد میں ملتان تشریف لائے تھے جیسے بھی آپ کی تاریخ پیدائش 560ھ ہے اور آپ 579ھ میں 19 سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ پہلی مرتبہ تبلیغ کے لئے بدخشاں تشریف لے گئے تھے۔

نے قرامطہ فرقے کو ختم کرنے اور ملتان پر ان کے اقتدار کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی کوشش سے ان کی حکومت تو ختم ہو گئی مگر ان عقائد سے تعلق رکھنے والے ابھی ملتان اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں موجود تھے۔ علاقہ کی یہی کشش شاہ شمس سبزواری کو ملتان لے آئی اور یہ یہاں [illegible] اسماعیلی نقطۂ نظر کی اشاعت کرنے لگے۔ ملتان میں ان دنوں میں بہاء الدین زکریا قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کے اور بہاء الدین زکریا کے عقائد میں بہت فرق تھا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بہاء الدین زکریا کو آپ کی آمد ناگوار گزری۔ ملتان میں اگرچہ آپ کی زیادہ پذیرائی نہ ہوئی تاہم آپ اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا جو شمسی کہلائے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مطابق

> " شمس الدین تبریزی سبزواری نے ملتان کے اردگرد کے علاقوں کے کمہاروں اور سناروں میں اپنا طریقہ رائج کیا اور لوگوں کو " ہندو شمسی " کا لقب دیا۔ ان دنوں شمسی ہندو بھی آغا خان اسماعیلی کے معتقد ہیں اور اب ان کی نذر و نیاز کا رخ سر آغا خان کی اولاد کی طرف ہو گیا ہے۔۔۔ " 1

اس بات کو شیخ محمد اکرام اس طرح لکھتے ہیں

> " پنجاب کی ایک جماعت، جو بظاہر ہندوؤں میں شامل ہیں اور خوجوں کے موجودہ امام آغا خان کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی ہے۔ اپنے آپ کو شاہ شمس کے نام پر شمسی کہتی ہے۔۔۔ " 2

آپ کے معتقدین میں [illegible] اسماعیلیوں کے ساتھ ساتھ خوجے بھی شامل ہیں جو اسماعیلی فرقے کے امام پرنس کریم آغا خان کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔ شیخ محمد [illegible] اکرام کے مطابق

> " خوجوں کے دوسرے مبلغ شاہ شمس تھے جو ملتان میں ایک بڑی شان دار 3

1۔ بحوالہ " خزینۃ الاصفیاء " ص 240

2۔ بحوالہ " آب کوثر " از شیخ محمد اکرام، ص 344

3۔ خوجوں کے پہلے مبلغ کا نام نورالدین یا نور شاہ تھا جو نور ستگرو کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے انھوں نے گجرات میں تبلیغ کی پھر ایران چلے گئے اور وہاں سے آنے کے بعد ریاست بڑودہ کے شہر نوساری کے قرب و جوار میں ارشاد و ہدایت شروع کی انھوں نے اپنا ہندوانہ نام رکھا لیکن مسلمان انھیں نور الدین یا سید سعادت کہتے ہیں۔ انھوں نے کنبیوں، کہار اور کولی جیسی گجرات کی نیچ ذاتوں کو اسماعیلی مذہب میں شامل کیا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " آب کوثر " از شیخ محمد اکرام، ص 340

روضے آرام فرما ہیں۔ انھیں عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے لیکن
موجودہ روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزوار سے تشریف لائے۔" 1

اسماعیلی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں آپ نے بہت سے لوگوں کو اپنے فرقے میں شامل کیا اور پروفیسر محمد اسلم کے مطابق آپ نے ملتان میں اسماعیلی تصوف کو رائج کیا۔2

شاہ شمس سبزواری کے بارے میں مظفر مہدی اور مہر عبدالحق فرید کوثر کا کہنا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے۔ مظفر مہدی کے مطابق

"بہاء الدین زکریا کے دور میں فارسی، ہندی، کشمیری زبانوں کے بلند پایہ اور سرائیکی زبان کے پہلے شاعر حضرت شاہ شمس تبریزی سبزواری ملتان تشریف لائے۔" 3

مہر عبدالحق فرید کوثر نے تو آپ کے سرائیکی کلام کا نمونہ بھی دیا ہے

میں میرا صاحب اور اللہ میرا والی
کایا ہماری مسیتاں
اندر بیٹھ میں نماز گزاریں
سوہنا کا جامع طلعت ہماری 4

ایک جگہ محبوب کو جدا ہونے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ماہی بچھڑ سوں کس بختو دی ھکوڑ
اڑ کھو در قاسم شاہ اوتار
ایک گھڑی ماں رہے [illegible]
تے ماہت در داتا

آپ کے دو بیٹے تھے ایک سید نصیرالدین اور دوسرے سید علاءالدین جو بے اولاد تھے اور "زندہ پیر" کے نام سے مشہور ہیں۔ سید نصیر کا مزار لاہور میں ہے۔ ان کے بیٹے کمال الدین حسن نے بھی تبلیغ کا کام

1۔ بحوالہ "آب کوثر" ص 343 ‏ 2۔ بحوالہ "تصوف اور ملتان" امروز ملتان نمبر ص 6، 28 جون 1976ء
3۔ بحوالہ "ملتان کے قدیم علمی و ادبی مسیحے" امروز ملتان نمبر، ص 8، 28 جون 1976ء
4۔ بحوالہ "اسماعیلی بزرگوں کا عارفانہ کلام" مطبوعہ ماہ نو اکتوبر 1981ء ص 18 (یہی مضمون رسالہ "عاشق عاشقوں بیلی" عشق فرید کی بہاولپور میں بھی شائع ہوا ہے۔)

گیا۔ آپ کا مزار اوچ شریف میں ہے۔[1] ان کے فرزند عالم شاہ الملقب حتو شاہ شاہ شمس کے مزار کے ملحقہ حصے میں مدفون ہیں۔

شاہ شمس سبزواری نے تقریباً دس سال ملتان میں تبلیغ و اشاعت کا کام کیا اور 675ھ میں وفات[2] پائی۔ اس کے بعد آپ کو بیس عام خاص باغ کے نزدیک دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار ہمیشہ شیعوں اور اسماعیلیوں کے درمیان وجہ نزاع بنا رہا۔ آج کل یہ مزار اہل تشیع کے قبضے میں ہے۔

(9) شیخ صدرالدین عارف

ملتان میں سلسلہ سہروردی کے صوفی بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف خلیفہ بنے۔[3] جو کہ حضرت زکریا کے ہم زلف مخدوم عبدالرشید حقانی کی ہمشیرہ بی بی رشیدہ بانو جیسی عفت مآب بی بی کے بطن سے 621ھ میں پیدا ہوئے۔[4] شیخ صدر الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے والد غوث العالمین حضرت بہاء الدین زکریا سے حاصل کی۔ جن سے ایک زمانہ علم حاصل کرنے آتا تھا۔ بہاء الدین زکریا نے اپنے تمام فرزندوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی نہ صرف خود تعلیم دیتے بلکہ ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشنے کی خاطر نامور اساتذہ بھی مقرر کئے جن کی حوصلہ افزائی کے لئے آپ انہیں وقتاً فوقتاً انعام و اکرام دیا کرتے تھے۔ صدرالدین کی ابتدائی تعلیم کے متعلق "انوار غوثیہ" میں ہے کہ

1- حوالے کیلئے دیکھئے (الف) تاریخ اوچ از مولوی حفیظ الرحمان، ص 151 (ب) "اسماعیلی بزرگوں کا عارفانہ کلام" از عین الحق فرید کوٹی، مطبوعہ ماہ نو، ص 10

2- حوالے کیلئے دیکھئے (1) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، ص 91 (2) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 4 (3) تاریخ ملتان از حکیم چغتائی، ص 78 (4) آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمان، ص 117 (5) اوراق ملتان، ص 227

3- شیخ محمد اکرام "آب کوثر" ص 262 پر لکھتے ہیں کہ "شیخ بہاء الدین کی وفات 1262ء میں ہوئی اور آپ کے صاحبزادہ شیخ صدرالدین جانشین ہوئے (غالباً ہندوستان میں صوفی سجادہ نشینی کی یہ پہلی اہم مثال ہے، جس پر بعد میں اجودھن کے فرید جیسے بزرگ نے بھی عمل کیا" ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتے ہیں "شیخ صدرالدین پسر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بعد از وفات پدر بر مسند ارشاد نشست (بحوالہ احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا، ص 52)

4- بحوالہ (الف) تذکرہ صدرالدین عارف جلد اوّل از نور احمد خان فریدی، ص 10 مطبوعہ قصرالادب ملتان

"حضرت صدرالدین عارف کی تعلیم و تربیت اپنے قبلہ گاہ حضرت غوث العالمین کی نگرانی میں ہوئی تھی اور وہی آپ کے علوم ظاہری و باطنی کے استاد تھے۔ [illegible] ۔ قرآن مجید کے آپ حافظ تھے اور علوم دینیہ میں کوئی شخص آپ کا ہم پلہ نہ تھا جب علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ کے پیر و مرشد بھی تھے آپ کو علوم باطنی اور اسرار معرفت کی تعلیم دینا شروع کی۔ تھوڑے سے عرصہ میں والد بزرگوار کی نگاہ فیض سے وہ مقام حاصل کر لیا جو دوسروں نے سالہا سال کے مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد پایا تھا۔" 1

بہاء الدین زکریا نے آپ کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و عادات سنوارنے کے لئے بچپن سے ہی خیال رکھا نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے

"نہایت مناسب ماحول میں تربیت علمی و روحانی حاصل کی اوائل بلوغ ہی سے خورد و نوش اور لباس میں توسط تھا۔ ہمیشہ سدا قائم رہے۔ ورع و تقویٰ اور نماز و روزہ داری ہر ایک میں کمال تھا۔ ہر حال میں اللہ کا ذکر زبان پر جاری رہتا ۔ امور [illegible] شرعیہ اور ادا [illegible] خواص سب کا خیال رکھتے۔" 2

آپ کا نام تو صدرالدین تھا لیکن شیخ عارف کہلاتے تھے جس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے

"کہ جب وہ کلام اللہ پڑھتے تھے تو ان پر بہت غور و فکر فرماتے اور جس وقت بھی قرآن کریم تلاوت کرتے تو ان پر نئے معانی و مطالب ظاہر ہوتے۔" 3

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے مطابق

"چوں ہر بار ختم قرآن مجید می کرد با معانی تازہ ای رو برو می شد

1۔ بحوالہ "تذکرہ صدرالدین عارف" جلد اول، ص 20

2۔ بحوالہ "نزہۃ الخواطر" ص 258

3۔ بحوالہ "تاریخ فرشتہ" (جلد دوم) ص 408 اسی بات کو سید محمد جہانیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شیخ عارف صدرالدین کو ہر بار کلام اللہ پڑھنے میں نئے معانی ظاہر ہوتے تھے۔ سوائے ان معانی کے جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے تھے۔ ایک دن انہوں نے شیخ کبیر (حضرت غوث العالمین) سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ان معانی کو حلقہ تحریر میں لے آئیں۔ حضرت نے منع فرمایا کہ لوگ سمجھ نہیں سکیں گے اور چونکہ یہ معانی بجائے خود درست ہیں کہ اگر کسی نے انکار کر دیا تو گناہگار ہوگا۔"
(بحوالہ انوار المعظم، ص 538)

باسم عارف عام برآمد شد ———" 1

شیخ صدرالدین عارف ذاتی کردار اور شخصی اوصاف کی بدولت اپنے والد گرامی سے اس اعتبار سے مختلف تھے کہ آپ دنیاوی مال و منال اور مال و دولت کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اس لحاظ سے وہ بابا فرید گنج شکر کی قلندرانہ روش اور صوفیانہ روایت کے بہت زیادہ قریب تھے چنانچہ شیخ صدرالدین عارف نے ساری عمر اپنے لئے کوئی دولت جمع نہ کی بلکہ سخاوت کی وجہ سے اسی حال میں زندگی بسر کرتے رہے۔ تاریخ فیروز شاہی کے مطابق

"شیخ صدرالدین اپنے روحانی کمالات اور تصوف کے ساتھ اعلیٰ درجے کے سخی تھے۔ ان کی بخشش اس قدر زیادہ تھی کہ باوجود اس کثیر دولت کے جو ان کو اپنے والد سے ترکے میں ملی تھی وہ اکثر مقروض رہتے۔" 2

اگرچہ بے شمار نذرانے ان کی خانقاہ میں آتے تھے لیکن آپ انھیں فوراً درویشوں پر خرچ کر دیتے تھے کبھی اپنے پاس کچھ نہ رکھا تھا یہاں تک کہ انھیں اپنے والد بہاء الدین زکریا سے جو دولت ورثے میں ملی تھی وہ بھی آپ نے فوراً لوگوں میں بانٹ دی ۔ نزہتہ الخواطر کے مطابق

"اپنے والد مرحوم سے جو مال و زر اور سامان و علاقہ ملے۔ ان میں لاکھ دینار بھی تھے۔ آپ نے یہ سب نقد و جائداد وغیر منقولہ اور سامان ساکنین اور مستحق درویش کو لٹا دیا اور اپنے اور اہل و عیال کے لئے سوائے لباس کے سوا کچھ نہ رکھ دیا۔ اس پر ایک مرید نے عرض کیا آپ کے والد نے سونے چاندی کے ڈھیر جمع کر لیے۔ حالانکہ گرامی [illegible] اور مال اور [illegible] سے بہت جھجکے مگر آپ نے سب مال و متاع ایک دن میں ضائع کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ نہ رکھ دیا۔"

جواب (میں آپ نے) فرمایا میرا باپ دنیا پر اس قدر غالب آیا کہ اس کے حصول میں کبھی اس نے باک نہ رکھا مگر میں کبھی اس منزل تک نہ پہنچ سکا کہ میں دنیا پر غالب آ جاؤں۔" 3

1۔ بحوالہ "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (حاشیہ) ص 52

2۔ بحوالہ "تاریخ فیروز شاہی" از ضیاء الدین برنی (اردو ترجمہ) صفحہ 508 مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور، ماہ اکتوبر 1962ء

3۔ بحوالہ "نزہتہ الخواطر" ص 288 ۔۔۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) سیر العارفین (اردو ترجمہ) صفحہ 51

(ب) تذکرہ صدرالدین عارف (جلد اول) ص 46-47 (ج) بزم صوفیہ ص 107-108

بارہا دولتِ دنیا و مناصب پر لات مارنے کے باوجود آپ نے بہاء الدین زکریا کی مہمان نوازی، فیاضی اور دستر خوان کی درازی والی روایت کو ختم نہ ہونے دیا۔ شیخ عارف کا دستر خوان بھی سلاطین سے کسی طرح کم نہ ہوتا۔ آپ اگرچہ خود بہت کم غذا کھاتے لیکن اسے بھی اتنا آہستہ آہستہ کھاتے کہ اگر انہوں نے جلدی دسترخوان سے ہاتھ اٹھا لیا تو لوگ بھی ان کی تقلید میں کھانا کھانا ختم کر دیں گے۔

شیخ عارف نے نہ صرف کھانے کے معاملے میں شیخ زکریا کی تقلید کی بلکہ والد کے بعد ان کے درس و تدریس کے سلسلے کو بھی جاری رکھا اور انہی کی مسند پر بیٹھ کر آپ لوگوں کو درس دیا کرتے۔ مہاتمان ملتان کے مطابق

> "شیخ عارف ہر شخص اور طالب علم کو بلا کسی امتیاز کے تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی نحو یا صرف پڑھتا تو پڑھاتے۔ عربی جملوں ان کی خود تصنیف ہیں۔" 1

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں

> "شیخ صدرالدین عارف مانند پدر بزرگوارش بعد از فراغت از اوراد و اذکار بہ درس و تدریس مشغول می شد۔" 2

حدیقۃ الاولیاء کے مطابق

> "شیخ عارف کی محفل درس و تدریس میں بھی ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔ انہوں نے ہزاروں طالبانِ خدا کو منزلِ مقصود تک پہنچایا۔" 3

صدرالدین عارف کو ابن عربی کے نظریات سے بھی کچھ واقفیت تھی بقول شیخ محمد اکرام

> "ہندوستان کے مشائخ میں شاید سب سے پہلے آپ ہی کے ذریعہ شیخ ابن عربی کی تعلیمات اور تصانیف کے متعلق اطلاع ملی۔" 4

اس کا سبب آپ کے مرید اور مشہور شاعر فخرالدین عراقی بتائے جاتے ہیں جو ملتان سے بلاد روم کی طرف

1۔ بحوالہ "الدر المنظوم" ص 25
2۔ بحوالہ "احوال و آثار ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص 52
3۔ حدیقۃ الاولیاء ص 150
4۔ بحوالہ "آبِ کوثر" ص 282، مزید تفصیل کیلئے دیکھئے "تذکرہ صدرالدین عارف" ص 115

واپس گئے تو قونیہ میں ان کی ملاقات ابن عربی کے خلیفہ شیخ صدرالدین قونوی سے ہوئی ان کی صحبت میں رہ کر آپ کو " فصوص الحکم" کے بارے میں معلومات حاصل رہیں۔ عراقی نے اسی سے متاثر ہو کر ایک کتاب " لمعات" لکھی عراقی ہی نے خط و کتابت کے ذریعے شیخ عارف کو اس کتاب سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی ~~~~ کے مطابق

" ـــ شیخ صدرالدین عارف از مشائخ شبہ قارہ پاکستان و هند اوّلین کسی بودہ باشد کہ از نظریات ابن عربی متوفی 638ھ آگاہی پیدا کردہ بود چون او با عراقی مکاتبہ داشت و صاحبت ابن عربی را هم خواندہ بود ـــ " 1

2 شیخ عارف کو بھی اپنے والد ہی کی طرح شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا۔ تاریخ فرشتہ اور تاریخ معصومی کے مطابق فیروز شاہ تغلق نے شیخ صدرالدین عارف کو شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا لیکن " تذکرہ صدر الدین عارف" [3] کے مطابق جس صدرالدین کو فیروز شاہ تغلق نے شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا تھا وہ شاہ رکن عالم کے بھتیجے اور شیخ صدرالدین عارف کے پوتے شیخ صدرالدین/ثانی تھے۔ فیروز شاہ تغلق کی حکومت کا زمانہ 23 محرم 752ھ تا 13 رمضان 799ھ ہے۔ جبکہ صدرالدین عارف کا 684ھ میں وصال ہوا تھا۔ اس لئے تاریخ فرشتہ اور تاریخ معصومی کی یہ روایت درست نہیں کہ شیخ عارف کو فیروز شاہ تغلق نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ آپ کو بھی شیخ الاسلام کا خطاب ملا تھا لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خطاب کس نے دیا تھا بہرحال بہاء الدین زکریا کے عہد سے ہی یہ خطاب اسی خاندان میں چلا آتا رہا۔

شیخ صدرالدین عارف کی ایک زوجہ خوقانہ کی شہزادی تھیں جو آپ کے تقوی و پرہیزگاری اور عبادت گزاری سے متاثر ہوئی تھیں اور بی بی راستی پاک دامن [4] کے نام سے مشہور ہوئیں۔ قطب الاقطاب شیخ رکن الدین ابوالفتح آپ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے مطابق

" ـــ بی بی راستی بخاطر زھد و طاعت خود بہ راستی؟ مشہور

1۔ " احوال و آثار ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ، و خلاصۃ العارفین " ص 52
2۔ (الف) تاریخ فرشتہ (اردو) جلداوّل) ص 458 (ب) تاریخ معصومی ، ص 69
3۔ بحوالہ " تذکرہ صدرالدین عارف " جلد اوّل ، ص 284
4۔ آپ کا مزار ملتان میں پاک مائی کے نام سے مشہور دہلی اسٹیشن کے پاس موجود ہے۔

معروف ہوئے ۔۔۔" 1

آپ کی دوسری بیوی شہر کے قاضی کی صاحبزادی تھیں ان سے آپ کے دوسرے فرزند شیخ عماد الدین اسماعیل پیدا ہوئے۔ جن سے آپ کی اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس کے علاوہ ایک اور صاحبزادے شیخ شہاب الدین بھی پیدا ہوئے لیکن ان کا کمسنی میں ہی انتقال ہو گیا۔ شیخ عارف کا نکاح سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی سے بھی ہوا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا خضر خان جو خان شہید کے لقب سے بھی مشہور ہوا جب ملتان کا حاکم بن کر آیا تو اس زمانے میں شیخ صدرالدین عارف بھی ملتان میں تھے۔ خان شہید نے ایک دن نشے کی حالت میں بیوی کو، جو التمش کی بیٹی تھی طلاق دے دی لیکن بعد میں بہت پچھتایا اور علماء سے رجوع کیا جنھوں نے بتایا کہ حلالہ کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔ خان شہید بہت پریشان ہوا آخر کار اپنے قاضی اشرف الدین خوارزمی کے کہنے پر شیخ عارف سے اس کا نکاح کرنے پر اس صورت میں راضی ہوا کہ وہ دوسرے دن اسے طلاق دے دیں گے۔ چنانچہ شیخ عارف نے نکاح کر لیا۔ دوسرے دن وہ بی بی شیخ عارف کے قدموں پر گر پڑی اور کہا کہ مجھ کو اپنی خدمت سے علیحدہ نہ کریں میں اس شخص کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی چنانچہ شیخ عارف نے اسے طلاق نہ دی۔ خان شہید کو علم ہوا تو وہ آپ کا دشمن ہو گیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل کرنے سے پہلے ہی مغلوں کے حملے میں مارا گیا۔2

مولانا نور احمد خان فریدی کا خیال ہے کہ " شہزادہ خضر اور حضرت صدرالدین عارف کے درمیان یہ چپقلش دراصل سیاسی نوعیت کی تھی کیونکہ " خانقاہ قریشیہ" پر ہر وقت ڈیڑھ دو ہزار آدمی مقیم رہتے تھے اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ شہزادے کو ان سے بغاوت کا خدشہ لاحق ہوا۔ حاسدوں نے واقعہ کو بغض سے بدل دیا اور جب شیخ الاسلام کو شہزادے کے ان خیالات کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کے دربار میں آنا چھوڑ دیا یہ شکر رنجی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شہزادہ ان کی جان کا دشمن ہو گیا۔3 "

1۔ بحوالہ " احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین " ص 54
2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص 190 تا 192 (2) تاریخ مشائخ ص 56-57 (3) مراۃ الاسرار (جلد دوم) ص 257 (4) اولیائے ملتان ص 206 (5) پنجاب کے صوفی دانشور ص 104
3۔ بحوالہ " تذکرہ صدرالدین عارف" جلد اول، ص 225

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فقر و شاہی میں تصادم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

"شہزادہ خضر نے کسی بات پر ناراض ہو کر امیر حسن سجزی کو تازیانے سے پٹوایا تھا۔ شیخ عارف کو یہ بات بری لگی اور انہوں نے شہزادے کو برا بھلا کہا۔ اس سے بات بڑھتی چلی گئی۔۔۔" [1]

بہرحال سبب کوئی ہو یہ تصادم ہوا حالانکہ شیخ صدرالدین عارف اپنے والد بزرگوار کی طرح مقتدر طبقے سے اچھے روابط اور تعلقات قائم رکھنے کی حکمت عملی کے قائل تھے۔

شیخ صدرالدین عارف کے بھی کئی خلفاء تھے جن میں سب سے مشہور شیخ جمال الدین[2] اچی تھے۔ آپ کے دوسرے مرید خود آپ کے صاحبزادے ابوالفتح رکن الدین تھے۔ ان کے علاوہ شیخ احمد بن محمد قندھاری، شیخ ظہیرالدین غجدوانی، شیخ حسام الدین ملتانی اور صدرالدین سیحانی کا نام آتا ہے۔ جو کشمیر کی پہاڑیوں کے رہنے والے تھے۔ میر حسینی کا شمار بھی آپ کے مریدوں میں ہوتا ہے جو آپ کے والد کے بھی خلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور مثنوی "کنز الرموز" میں بہاء الدین زکریا اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا ہے۔

شیخ صدرالدین نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں دی۔ ان کے ایک مرید شیخ خواجہ ضیاء الدین نے ان کے ملفوظات کو ایک مجموعے "کنوزالفوائد" میں جمع کیا۔ اس کتاب میں پند و نصائح اور اسرار و معارف کا وہ خزانہ ہے جو آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں پر نچھاور کیا کرتے تھے۔ اس کے اقتباسات "اخبار الاخیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں درج ہیں لیکن اصل کتاب نایاب ہے۔ انہوں نے مریدوں کے لئے ایک رسالہ "صحیفہ جدولی" بھی لکھا جو اس زمانے کے مدارس میں شامل تھا لیکن افسوس یہ بھی اب دستیاب نہیں۔[3] حضرت شیخ صدرالدین عارف کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ میر محمد

1۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" از قاضی جاوید، ص 103

2۔ شیخ جمال الدین خنداں رو۔ اچ کے رہنے والے تھے جہاں انہوں نے مدرسہ قائم کیا تھا جہاں بہت سے لوگ درس لینے آیا کرتے تھے۔ ان میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ہیں جنھوں نے ابتدائی تعلیم آپ سے حاصل کی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن بھی آپ کا مرید تھا۔

3۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین ص 52-53 (ب) تذکرہ صدرالدین عارف، ص 236-270 (ج) پنجاب کے صوفی دانشور از قاضی جاوید، ص 99-100

معصوم بکھری نے ملتان کے زمانے کی ایک روایت درج کی ہے جس کے مطابق

"شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزند اور ارجمند شیخ صدرالدین ایک محفل میں موجود تھے وہاں بہترین اشعار سن کر یہ اور دوسرے درویش وجد میں آ گئے اور سب رقص کرنے لگے اس موقع پر بادشاہ سینے پر ہاتھ رکھے ان کے سامنے کھڑا رہا اور زار و قطار روتا رہا۔" 1

آپ نہ صرف یہ کہ شاعری کو پسند فرماتے تھے بلکہ خود بھی طبع آزمائی کرتے تھے ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں کہ

"شیخ صدرالدین عارف به شعر هم علاقه داشت و شعر هم گفته است عراقی در اشعار خود (دو حرب) و (سه بیت) شیخ عارف را ستوده است" 2

نور احمد خان فریدی نے حضرت شیخ العارف کے ایک عربی قصیدے کا ذکر بھی کیا ہے جو انہوں نے حضرت سلطان التارکین حمیدالدین حاکم سے متعلق موزوں کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے "دو حرب" اور "سہ بیت" کے عنوان سے بھی چند اشعار موزوں فرمائے اس کلام کو عراقی نے خراج تحسین ادا کیا۔[3] لیکن اب یہ کلام دستیاب نہیں ہے۔

شیخ صدرالدین عارف نے 3 ذوالحجہ 684ھ[4] میں وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ خلاصۃ الاحباب کے مطابق آپ نے سو دس سال کی عمر پائی کیونکہ اس قلمی نسخے کے مطابق آپ کی

1- بحوالہ "تاریخ معصومی" از میر محمد معصوم بکھری مترجم اختر رضوی، ص 56، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی، اشاعت اول 1959ء

2- بحوالہ "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص 33 شعر یہ ہیں

زہد کو دل شکستہ را سہ بیت — کردم حسبی نشان دارد

حسن جان ساختہ سم بیت شمرا — کم ز صد ختم در امان دارد

3- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تذکرہ صدرالدین عارف" ص 270 تا 273

4- بحوالہ (1) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 257 (2) سفینۃ الاولیاء، ص 153 (3) نزہۃ الخواطر 290 (4) اخبار الاخیار، ص 138 (5) بزم صوفیہ، ص 119 (6) ملفوظات مظہریہ و مصباح العارفین ص 145 ۔۔۔ ان سب نے آپ کا سن وفات 684ھ لکھا ہے لیکن ارض ملتان از محمد اکرام الحق ص 208 پر سنہ وفات 709ھ درج ہے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے اپنی کتاب "احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص 33 پر 686ھ لکھا ہے اور قلمی نسخہ خلاصۃ الاحباب (فارسی) میں 684ھ درج ہے۔ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ نے ص 159 پر 776ھ لکھا ہے۔

ولادت 574ھ اور وفات 684ھ میں ہوئی۔ 1

ہم صدرالدین عارف کا ذکر قاضی جاوید کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں کہ

"اس عظیم شخصیت نے پنجاب کے ہزاروں لوگوں کو راست بازی، نیکی، خیر، اخلاقی جرأت اور اصلاح و تبلیغ کی راہ پر لگا دیا تھا۔ پنجاب بلکہ پورے برصغیر میں صوفیانہ مابعدالطبیعات کی تشکیل میں ان کا یہ کردار قابل ذکر ہے کہ شیخ صدرالدین عارف ہی کی آل اولاد شیخ محی الدین ابن عربی کے افکار سے متعارف ہوئی تھی۔" 2

(10) خواجہ حسن افغانی

بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلفاء میں خواجہ حسن افغانی ایک خاص اہمیت کے حامل تھے جن کا ذکر خود بہاء الدین زکریا بھی اس انداز میں کرتے ہیں کہ

"اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا کہ تم دنیا سے کیا تحفہ لائے ہو تو میں عرض کروں گا کہ خواجہ حسن کا صدق اور اخلاص ساتھ لایا ہوں۔" 3

خلاصۃ العارفین فارسی (قلمی) میں لکھا ہے

"شیخ بہاء الدین فرمود کہ اگر فردا قیامت مرا گویند کہ در درگاہ ما چہ آوردہ ای، گویم کہ صدق حسن افغانی آوردہ ام" 4

1- اصل الفاظ یہ ہیں ولادت ایشاں در سال پانصد و ہفتاد و چہار ہجری و وفات ایشاں روز سہ شنبہ و ... بست و چہار شعبہ ماہ ذی الحجہ سال ششصد و ہشتاد و چہار ہجری و مدت عمر شریف ایشاں یک صد و دہ سال و قبر مبارک ایشاں متصل قبر پدر بزرگوار خود طرف مشرق واقع است (ملاحظہ فرمائیں کتاب خلاصۃ الانساب (فارسی) از محمد افضل قریشی اسدی از اولاد حضرت بہاء الدین زکریا، ص 75 سن تالیف 1162ھ (قلمی نسخہ خانقاہ عبدالرشید حقانی کے سجادہ نشین سے حاصل کیا گیا۔)

2- بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 101

3- بحوالہ "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" از نور احمد فریدی، ص 13 (مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیں (1) فوائد الفواد ص 38 (2) اخبار ملتان از ... ص 84 (3) اولیائے ملتان از ... ملتانی، ص 210 (4) "آب کوثر" ص 276)

4- خلاصۃ العارفین (قلمی) ص 77 [illegible] یہی عبارت خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر [illegible] کے ص 169 پر دو ایک لفظوں کی تبدیلی کے ساتھ درج ہے۔

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے الفاظ میں

"حسن افغانی در زہد و عبادت و ذوق و شوق و عشق و محبت عظیم داشت۔ حظ وافی یافت کشید و در خدمت پیر خود بسر برد تا آنکہ بہ مرتبہ "ولایت" رسید" 1

خواجہ حسن افغانی بالکل ان پڑھ تھے لیکن علوم باطنی میں کامل ہونے کی وجہ سے قرآنی آیات کو با آسانی پہچان جاتے۔ لوگ آپ کے پاس اس قسم کی تحریر لاتے جس میں کسی سطر پر قرآنی آیات ہوتی اور کہیں غیر قرآنی سطریں ہوتی مگر آپ اپنے فہم و فراست اور ذوق و شوق کی بدولت بڑی آسانی سے قرآنی آیت کو پہچان جاتے اور فرماتے یہ قرآنی آیت کو دیکھ کر مجھے ایسا نور نظر آتا ہے جو لامکاں تک پہنچا ہوا ہے۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار میں لکھا ہے کہ

(ترجمہ) "ان کا ظاہر و باطن صاف اور دل روشن تھا۔ اگرچہ ظاہری علم سے لاچار تھے لیکن ان کا باطن اس قدر روشن تھا کہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایک دفعہ ان کا امتحان لینے کی خاطر تین سطریں لکھ کر ان کے سامنے رکھی گئیں پہلی سطر میں قرآن کی آیت تھی۔ دوسری میں حدیث شریف اور تیسری میں مشائخ عظام کے اقوال و احوال درج تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا پہلی قرآن کی آیت ہے کیونکہ اس کا نور عرش سے بھی بڑھ گیا ہے دوسری حدیث ہے کیونکہ اس کا نور ساتویں آسمان تک ہے اور تیسری مشائخ کے احوال کے بارے میں ہے کہ اس کا نور آسمان تک ہے۔ سب حیران ہو گئے اور سمجھ گئے کہ آپ کامل ولی ہیں۔"

(بحوالہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی) جس ششم، ص 192)

خواجہ حسن افغانی کی پیدائش 602ھ [2] میں ملتان میں ہوئی آپ کے خاندان کے بارے میں شیخ محمد اکرام "مقرب افغانی" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

1- احوال و آثار – شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و متعلقات ملتانی" ص 70

2- بحوالہ "اخبار الاخیار" (اردو) از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص 168
حدیقۃ الاسرار، ص 192 کے مطابق آپ ملتان میں پیدا ہوئے۔

"حسن اصل میں خوشاب کے ایک سید زادہ تھے۔ وہاں کی ایک خاتون کے ساتھ ، جس کی ہمشیرہ ملتان میں بیاہی ہوئی تھیں۔ آپ قحط سالی کے زمانے میں یہاں آئے۔ اس خاتون نے خرشبون قبیلہ کے ایک افغان (دادی) سے شادی کر لی اور حسن بھی افغانوں میں بس کر اور شادی بیاہ کر کے افغان ہی ہو گئے۔ ان کی اولاد کو خوشدی، خوشدی یعنی خوشدی کہتے ہیں۔ مخزن افغانی میں لکھا ہے کہ آپ شروع شروع میں، ان بچوں کی طرح جو ماں باپ کی نگرانی سے محروم رہ گئے ہوں، آوارہ و آزاد ہو گئے۔ بلکہ چوری اور ڈکیتی کا پیشہ شروع کیا اور خرشبون قبیلے کی (زبان) پشتو میں آپ کا صرف ہی ہمجو یعنی چور رکھ دیا۔ لیکن پھر عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ گناہوں سے یک قلم توبہ کی اور شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے ایک مدت ان کی خدمت میں گزارا اور بالآخر ایک کامل ولی ہو گئے۔ اس کے بعد مرشد نے حکم دیا کہ جا کر افغانوں میں ہدایت و ارشاد کا سلسلہ شروع کرو ــــ چنانچہ وہ اپنے وطن واپس آئے اور خرشبون میں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا ــــ" 1

خواجہ حسن افغان کو جب بہاء الدین زکریا سے خلافت ملی تو آپ ان کے حکم سے خرشبون کی اصلاح کے لئے تشریف لے گئے۔ ان قبائل کو نیکی اور ہدایت کا راستہ دکھایا اور بقول نور احمد خان فریدی

"اپنے زہد و ورع کے سبب خوشدہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔" 2

خواجہ نظام الدین اولیاء آپ کی بزرگی و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں

"ایک دفعہ شیخ حسن ایک گلی میں جا رہے تھے ایک مسجد کے پاس پہنچے مؤذن نے تکبیر کہی۔ امام آگے بڑھا اور لوگ اس کے پیچھے جماعت میں کھڑے ہو گئے۔ خواجہ حسن بھی مسجد میں داخل ہوئے اور امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جب نماز ہو گئی اور لوگ فارغ ہو کر چلے گئے تو خواجہ حسن امام کے قریب گئے اور اس سے کہا اے خواجہ! جب تم نے نماز شروع کی تو میں تمہارے پیچھے صف میں تھا۔ تم نماز کے دوران میں یہاں سے دہلی گئے، وہاں لونڈی غلام خرید کر وہاں سے واپس آئے اور ان

1۔ بحوالہ "آب کوثر" ص 275 - 276

لوٹ کر شاہی کو خراسان لے گئے۔ وہاں سے ہم ملتان لوٹے اور پھر اس
مسجد میں آ ٹھہرے۔ میں تمہارے پیچھے مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر یہ کیا
ماجرا ہے؟" 1

امام صاحب آپ کی یہ بات سن کر حیران رہ گئے۔ خواجہ حسن افغان کی ساتھ کوئی تصنیف منسوب نہیں ہے۔ آپ نے 689ھ میں وفات پائی اور ملتان میں بہاء الدین زکریا کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

(11) سید جلال الدین سرخ بخاری

اوچ[2] کی ایک اہم شخصیت حضرت جلال الدین سرخ بخاری[3] اپنے دور کے خاص بزرگ اور ولی کامل تھے۔ آپ 595ھ[4] میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بخارا ہی میں اپنے والد حضرت ک

1- بحوالہ "فوائد الفواد" (اردو ترجمہ) ص 36
مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) اخبار الاخیار ص 160 (2) تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی ص 37 (3) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص 82 (4) آب کوثر ص 273 (5) اولیائے ملتان از ... ملتانی ص 220

2- سٹی اوچ، ریاست بہاولپور کا اہم تاریخی، مذہبی اور ایسا روحانی شہر ہے جو ایک زمانے میں تجارتی اور دینی مرکز تھا۔ مسعود حسن شہاب اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"یہ شہر (اوچ) ریاست بہاولپور کی حدود میں چناب اور راوی کے سنگم کے قریب ایک سطح مرتفع پر واقع ہے کسی زمانے میں یہ سیاست، تمدن، تجارت اور علم و آگہی کا گہوارہ تھا۔ سیاحوں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا تاشقند سے یہاں ڈیرے ڈالے جاتے، جہانگشت اور امرا و سلاطین کے عروج و زوال کی داستانیں اسی سرزمین پر مرتب ہوتی رہیں۔ علم و عرفان کے سوتے یہاں سے پھوٹے۔ روحانیت کے چشمے یہاں جاری ہوئے اور یہ کوئی دنیا کی دولت اور علم و عرفان کی حشمت تھی جو اس کے حصہ میں نہیں آئی۔"

(بحوالہ "خطۂ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، ص 20، اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اوّل 1967ء)

3- محمد ایوب قادری نے خزینۃ الاصفیاء ملفوظات کے حوالے سے لکھا ہے کہ "یہ بزرگ مختلف القاب اور اسماء میر سرخ، شہید اللہ، ابوالبرکات، ابو احمد، میر بزرگ، مخدوم اعظم، جلال اکبر اور عظیم اللہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔"

(بحوالہ ـــ مخدوم جہانیاں جہاں گشت از محمد ایوب قادری، ص 77، مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف پاک، بار اوّل 1963ء کراچی ـــ

4- بحوالہ "خطۂ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، ص 203

سید علی ابوالمؤید بن جعفر حسینی کی نگرانی میں حاصل کی۔ بخارا میں سید قاسم بخاری کی صاحبزادی فاطمہ سے آپ کی شادی ہوئی جن کے بطن سے آپ کے دو بیٹے سید علی اور سید جعفر پیدا ہوئے۔ بیوی کی وفات کے بعد 635ھ[1] میں بخارا سے پہلے ملتان[2] اور پھر وہاں سے بھکر پہنچے جہاں کے ایک رئیس بدرالدین بن صدرالدین خطیب کی بیٹی سے شادی کی۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی آپ کی آمد اور عقد کے بارے میں لکھتے ہیں

"سید جلال ایک ولی کامل ہیں (ایک بار) وہ اپنے دو فرزندوں سید علی اور سید جعفر کے ساتھ ملتان سے بھکر آئے ہوئے تھے۔ جہاں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں سید بدرالدین کی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے شادی کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سید (بدرالدین) کو بھی خواب میں ایسا ہی ارشاد ہوا (بالآخر) سید جلال نے اس قرابت کا شرف حاصل کیا۔۔۔" 3

بخارا سے ملتان آ کر آپ نے شیخ بہاء الدین زکریا سے بیعت کی۔ محمد غوثی شطاری لکھتے ہیں کہ

"آپ شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید اور مخدوم جہانیاں کے دادا ہیں۔ قدس سرہم کہتے ہیں تقدیر الٰہی آپ کو بخارا سے بھکر[4] کھینچ لائی تھی۔" 5

1۔ بحوالہ "خطۂ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، ص 203

2۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص 77 (2) تحفۃ الکرام، ص 367 (3) سیرالعارفین کے مطابق آپ پہلے ملتان تشریف لائے پھر وہاں سے بھکر گئے جبکہ (1) خطۂ پاک اوچ، ص 203 (2) اخبارالاخیار ص 137 (3) گلزار ابرار، ص 57 کے مطابق آپ پہلے بخارا سے بھکر تشریف [illegible] لائے۔

3۔ بحوالہ "تحفۃ الکرام، از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مترجم اختر رضوی، ص 367 مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی 1959ء

4۔ بھکر میں آپ کی شہرت اور مقبولیت سے لوگ حسد کرنے لگے تو آپ کو وہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔ محمد غوثی شطاری کے مطابق

"آسمانی گردش سے بھائیوں کے دلوں میں حسد اور کینہ پیدا ہوا۔ اس سبب سے سید جلال الدین نے ترک سکونت اختیار کی۔ اوچ میں آ کر گوشہ گزین ہوئے بہت مدت تک عبادت میں مشغول رہے اور رحلت کے بعد یہیں شہر میں آپ کی خوابگاہ بنا۔۔۔"

(بحوالہ گلزار ابرار، ص 58)

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) اخبارالاخیار ص 137-138 (2) آب کوثر، ص 277

5۔ بحوالہ "گلزار ابرار" از محمد غوثی شطاری ماندوی مترجم فضل احمد جیوری، ص 57

جناب جلال سرخ بخاری کے بہاء الدین زکریا کے پاس آنے کی وجہ مسعود حسن شہاب یہ بتاتے ہیں کہ جب بہاء الدین زکریا حصول علم کی خاطر بخارا تشریف لے گئے تو وہاں جلال الدین بخاری کے والد سید علی آپ سے بہت متاثر ہوئے والد کی طرح سید جلال بھی آپ کو پسند کرتے تھے اور یہی پسندیدگی آپ کو ملتان لے آئی اس کے علاوہ آپ بہاء الدین زکریا کے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے عقیدت مند بھی تھے[1] سید جلال، بہاء الدین زکریا کے بہترین خلفاء میں سے تھے جو خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے میر علی شیر قانع ٹھٹھوی لکھتے ہیں

> " سید جلال بخاری جنہیں سید جلال سرخ کا لقب حاصل ہے۔ وہ شیخ بہاء الدین ملتانی کے مرید اور یار ہیں یہ (بزرگ آپس میں) چار یار (کہلاتے) ہیں——— شیخ بہاؤ الدین، شیخ فریدالدین، سید عثمان مروندی (لعل شہباز) اور سید جلال سرخ ———" 2

آپ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں تیس سال تک رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ صدر الدین عارف کے کہنے پر اوچ شریف منتقل ہو گئے جہاں آپ آخری وقت تک رہے۔ محمد ایوب قادری آپ کے پوتے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی کتاب " الدر المنظوم " کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> " شیخ کبیر بہاء الحق والدین نے دعا گو کے دادا کو بعد تیس برس کے اوچ کی طرف بھیجا بعد وفات شیخ کبیر کے شیخ صدرالدین نے چند زمانہ رکھا بعد اس کے اجازت دی کہ اوچ میں ساکن ہوئے———" 3

جس زمانے میں سید جلال الدین بخاری اوچ تشریف لائے اس وقت اوچ کے گرد و نواح میں ہنودؑ کا تسلط تھا جو مسلمانوں کی دلآزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے لیکن سید جلال نے ہمت و حوصلے سے کام لیتے ہوئے پوری خود اعتمادی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ اور ان کفار کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری قبول کی اور اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کی مولوی حفیظ الرحمان لکھتے ہیں کہ

> " حضرت جلال سرخ نے اوچ میں قیام کے بعد اصلاح و تبلیغ کا کام پوری

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں " خطہ پاک اوچ " از مسعود حسن شہاب، ص 202
2- " تحفۃ الکرام " ص 267
3- " مخدوم جہانیاں جہاں گشت " از محمد ایوب قادری، ص 79

مسلمانوں کے ساتھ شروع کیا۔ علاقہ اُچ کی چدھڑ، ڈھر اور سیال وغیرہ
نے حضرت کی ہدایت پر متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ـــ" 1

ان کے علاوہ مولانا نور احمد خاں فریدی نے "تذکرہ صدرالدین عارف" میں اس علاقے کے راجپوت کھوکھر کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا ہے "جس کی اولاد چک کھوکھراں، امام واہ، جھنڈہ سانی، ہیڈ واہن، جوئیاں، ماچھیواڑہ، ملک پور، میرا، کرم علی والا اور سعد اللہ پور (ضلع ملتان) کے مواضعات میں پھیلی ہوئی ہے"2

مسعود حسن شہاب نے خزینۃ الاصفیاء (جلد دوم) کے حوالے سے یوں ذکر کیا ہے۔

"ہزار ہا مخلوق خدا را بہ ہدایت ہادی مطلق براہ راست آورد و شہر
جھنگ سیالاں کہ در پنجاب مشہور و معروف است بنا فرمود۔

ترجمہ ـــ ہزاروں لوگوں کو ہدایت حق سے راہ راست پر لائے اور شہر
جھنگ سیالاں کی جو پنجاب کا مشہور ضلع ہے بنیاد بھی آپ ہی نے
رکھی ـــ" 3

سید جلال بخاری جب اُچ تشریف لے گئے تو اصلاح و تبلیغ کے کام کے لئے انہوں نے ایک "خانقاہ بخاریہ" کی بنیاد رکھی، مسعود حسن شہاب کے مطابق

"اُچ میں حضرت سید جلال سرخ بخاری نے خانقاہ بخاریہ کی بنیاد رکھی
اس خانقاہ میں علمی اور روحانی استفادہ کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور
اس کثرت سے رجوع خلائق حضرت شیخ کی جانب ہوا کہ بہت جلد اُچ کا وہ
حصہ جہاں حضرت والا فروکش ہوئے تھے، اُچ بخاری کے نام سے دور و نزدیک
مشہور ہو گیا ـــ" 4

اس خانقاہ کے علاوہ مسعود حسن شہاب اُچ مرکز علم و عرفان کے ضمن میں ایک اور خانقاہ جلالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"حضرت سید جلال سرخ بخاری کی آمد پر یہاں خانقاہ جلالیہ کی بنیاد

1- بحوالہ "تاریخ اُچ" ص 98
2- بحوالہ "تذکرہ صدرالدین عارف" ص 171
3- بحوالہ "خطہ پاک اُچ" ص 210
4- ــ ــ ایضاً ــ ص 211

بلکہ جس میں خود حضرت مخدوم اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت سید
احمد کبیر زیب مسند رہے۔
اس درس گاہ کو غیر معمولی شہرت حضرت سید احمد کبیر کے فرزند اور
حضرت مخدوم جلال سرخ بخاری کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں
گشت کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ اس عہد میں ہند اور بیرون ہند سے
یہاں اس قدر طلباء جمع ہوئے کہ اس کی مثال دہلی کے سوا اور کہیں
نہیں ملتی۔ ان طلبہ میں بعض حضرات اپنے زمانہ کے ممتاز اہل علم و فضل
اور نامور اصحاب شریعت تھے اور جس جس علاقے میں گئے وہاں ایک دنیا
ان کے فیض علمی و عملی سے بہرہ ور ہوئی۔۔۔" 1

جلال الدین سرخ بخاری اپنی عمر کے آخری حصے تک اوچ میں مقیم رہے اور بروز 19 جمادی الاوّل مطابق 20 مئی 690ھ (1291ء)[2] میں وفات پائی۔ حدیقۃ الاولیاء میں درج ہوئی قطعہ تاریخ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

چو رفت از جہان در بہشت بریں — جلال ولی صاحب حال و قال

690 — 690

بتاریخ او مصرع دلپسند بگو — دگر قبلۂ اہل حق جلال[3]

آپ کے پانچ فرزند تھے جن میں سے سید احمد کبیر سہروردی کو شہرت حاصل ہوئی آپ نے اپنے والد اور صدرالدین عارف ملتانی سے خلافت حاصل کی تھی ۔ سید احمد کبیر ہی کے دو فرزند سید صدرالدین راجو قتال اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت ، اوچ شریف کی وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنھیں دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

وصال کے بعد سید جلال بخاری کو قصبہ چناب رسول پور میں، جہاں وہ رہتے تھے، دفن کیا گیا لیکن دریا کی طغیانی کے سبب یہ حصہ متاثر ہوا تو آپ کو سیمک بنا منتقل کر دیا گیا یہ علاقہ بھی دریا کی زد میں آیا تو آپ کے جسد مبارک کو آپ کے پوتے سید راجو قتال کے مزار کے سامنے دفن کیا گیا پھر

1۔ بحوالہ " خطہ پاک اوچ " ص 167
2۔ حوالے کے لیے دیکھئے (1) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص 81 (2) خطہ پاک اوچ، ص 212 (3) آب کوثر از شیخ محمد اکرام، ص 277 (4) سیرالعارفین ص 222 (5) تذکرہ اولیائے ہند و پاک، ص 481 البتہ اخبارالاخیار از مولوی عبدالحق محدث دہلوی ص 127 پر آپ کا سن وفات 632ھ لکھا ہے
3۔ بحوالہ " حدیقۃ الاولیاء " از غلام سرور لاہوری، ص 74، مطبوعہ لکھنؤ

مخدوم صاحب دو بہار آباد کے 1026ھ (1617ء) میں زبردست مخالفت کے باوجود آپ کے جسد مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ دفن کیا جہاں اب ان کا مزار موجود ہے۔ آپ کے مقبرہ کی موجودہ عمارت کو نواب بہاول خان ثالث رئیس بہاولپور نے پختہ بنوایا اور احاطے میں ایک کنواں اور تالاب بھی بنوایا۔ 1300ھ میں نواب صادق محمد خان رابع نے اس کو وسیع کرتے ہوئے اس کی مرمت بھی کروائی ہے۔[1]

(12) شیخ رکن الدین ابوالفتح

قاضی جاوید کے مطابق شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی

> "ایک لحاظ سے شیخ زکریا کے خاندان کے آخری نامور بزرگ تھے انھوں نے دینی اور دنیاوی معاملات میں اپنے خانوادے کی روایات کو برقرار رکھا۔۔۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے تصوف اور سیاست میں قریبی ربط پیدا کرنے کی جس کوشش کا آغاز کیا تھا۔ ان کے پوتے کے زمانے میں وہ عصبیت میں گھر رہ گئی یہاں تک کہ اسے حکومتی آدرش پر بھی ترجیح دی جانے لگی۔۔۔" 2

غوث بہاء الحق کے پوتے اور شیخ صدرالدین عارف کے بیٹے شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے والد کی وفات کے بعد مسند سجادگی پر بیٹھے۔ اور باون سال تک سجادہ نشین رہے۔ "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے

> "پنجاہ و دو سال بر سجادہ پدر و جد بزرگوار نشستہ بارشاد طالبان قیام داشتند" 3

آپ محترمہ بی بی راستی، جو بی بی پاک دامن کے نام سے مشہور ہیں، کے اکلوتے فرزند تھے جنھیں حضرت بہاء الدین نے آپ کی پیدائش سے دو ماہ قبل خوشخبری سنا دی تھی کہ ان کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہو گا جو "ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے خانوادے کی شمع ہے۔"[4]

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) مخدوم صاحبان جہان گشت ص 61 (ب) خطہ پاک اوچ ص 212

2۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 103 - 106

3۔ بحوالہ "سفینۃ الاولیاء" فارسی (قلمی) ص 177 مرتبہ باوجہ عہد حضرت شیخ خواجہ حافظ غلام حسن مرتبہ 1250ھ

4۔ بحوالہ "سیرالعارفین" ص 200 "سفینۃ الاولیاء" (فارسی) از داراشکوہ ص 187 مطبوعہ نولکشور میں "شمع" کی جگہ "شفیع" کا لفظ استعمال ہوا ہے جملہ یوں ہے "...اور چراغ خاندان وشفیع دودمان ما است"

آپ 9 رمضان المبارک 649ھ (1251ء)[1] بروز جمعہ کو پیدا ہوئے تو آپ کے دادا بہاء الدین زکریا نے آپ کا نام رکن الدین رکھا بعد میں آپ "ابوالفتح"[2] کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ شمس سبزواری نے آپ کی سعادت مندی سے متاثر ہو کر آپ کے نام کے ساتھ "والعالم" کا اضافہ کیا اسی نسبت سے آپ رکن عالم بھی کہلوائے۔[3]

حضرت بہاء الدین زکریا نے جس طرح اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا تھا اسی طرح شاہ رکن عالم کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خاص توجہ دی آپ نے اپنے والد اور چچاؤں کی طرح اپنے دادا کی قائم کی ہوئی درسگاہ، مدرسہ بہائیہ، میں تعلیم حاصل کی جہاں جید علماء ہزاروں طالبان علم کی پیاس بجھانے کو موجود تھے۔ قرآن مجید ساتوں قرأت کے ساتھ والد محترم صدر الدین عارف سے پڑھ کر حفظ کیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کی تربیت کا بھی خیال رکھا جاتا چنانچہ آپ کے والد تہجد، اشراق، چاشت، زوال، بین العشائین اور دیگر نوافل ادا کرتے وقت آپ کو بھی ساتھ شامل رکھتے نور احمد خان فریدی بزم صوفیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> "انہوں نے مکاشفہ و مجاہدہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے کہ ان کو مخزن شہود الہی، منبع جود لامتناہی، ادریس خلوت وحدت، یوسف مصر معرفت، گوہر معدن صفات لاہوتی، لولوئے سمندر دریائے عجب، زبدۃ المشائخ، مفتاح کل اور حق الیقین کے القابات سے یاد کیا جانے لگا تھا۔" [4]

مدرسہ بہائیہ میں آپ نے اس زمانے میں مروجہ تمام دینی کتابوں پر کامل عبور حاصل کر لیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت پر جو خصوصی توجہ دی گئی اس نے آپ کی شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا

1- حوالے کیلئے دیکھئے (الف) "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم" از نور احمد فریدی، ص 18، مطبوعہ قصر الادب، بحوالہ فتح ملتان (ب) مخدوم جہانیاں جہاں گشت از سید ایوب قادری، ص 71 (ج) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 37 البتہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، ص 185، اخبار الاخیار، ص 142 پر 635ھ درج ہے جبکہ احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین از ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، ص 34 میں سن پیدائش 637ھ دیا گیا ہے۔

2- بشیر حسین ناظم کے مطابق "آپ ابوالفتح کے گرامی لقب سے بدیں باعث مشہور ہوئے کہ آپ اپنے باطنی انوار و تجلیات سے اپنے تمام متوسلین اور ارادت مندوں کے دلوں کے اقفال و خطرات فتح کر لیتے تھے۔
(بحوالہ "اولیائے ملتان"، ص 50)

3- بحوالہ "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم" ص 19

4- ایضاً ص 34

چنانچہ آپ

"عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و پرہیزگاری میں یکتائے زمانہ تھے۔ زہد و صلاح، شفقت و موافقت، الفت و محبت، مروت و مودت، بردباری و تحمل، حسن خلق اور حسن ظن میں لاثانی تھے۔ رب العزت نے آپ کو حلم و حیا، صدق و صفا، صبر و رضا اور جود و سخا کا ایک بحر بیکراں بنا دیا تھا۔ آپ کا اکثر وقت ذکر خفی[1] (Latent Remembrance) اور ذکر جلی (patent Remembrance) میں گزرتا۔ ریاضت و مجاہدہ میں اس قدر کثرت اور جانفشانی سے کام لیتے کہ دیگر اہل مجاہدہ حیران و ششدر رہ جاتے۔ تیس برس کی عمر میں احوال و نسبت، انوار اور کشف قلوب میں طاق ہوئے اور اس کے چند برس بعد کمالات صوری اور معنوی کا اسوۂ کاملہ بن گئے۔" [2]

قطب الاقطاب شاہ رکن عالم کو وہ خرقہ خلافت اپنے والد کی طرف سے ملا جو بہاء الدین زکریا کو شہاب الدین سہروردی کی طرف سے عطا ہوا تھا اور آپ نے بہاء الدین زکریا کی وہ دستار بھی جو مجلس سماع میں کھلنے ہوئی آپ نے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی تو صدرالدین عارف نے آپ کو ٹوکا لیکن بہاء الدین زکریا نے فرمایا کہ اسے نہ روکو یہ حقیقت میں اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ بہاء الدین زکریا نے وہ دستار صندوق میں رکھوا دی جو بعد میں آپ کے سر پر رکھی گئی۔[3]

شاہ رکن عالم سخاوت اور فیاضی میں بھی اپنے والد سے کسی طرح کم نہ تھے۔ آپ نے ساری زندگی اپنے لئے کوئی مال و دولت جمع نہ کیا بلکہ آپ کو جہاں کہیں سے بھی جو کچھ ملتا اسے فوراً مستحقین میں تقسیم کیا دیتے۔ آپ نے دہلی کا سفر بھی اختیار کیا اور جب آپ دہلی تشریف لے گئے تو سلطان علاؤ الدین نے آپ کی خدمت میں پہلے دو لاکھ ٹنکے پیش کئے جو آپ نے فوراً تقسیم کیا دیئے پھر واپسی کے وقت اس نے پانچ لاکھ ٹنکے پیش کئے وہ بھی آپ نے فوراً تقسیم کیا دیئے۔ عمادالدین بھی

1۔ ذکر خفی سے مراد ایسی عبادت ہے جس میں [illegible] تلاوت قرآن [illegible]

2۔ بحوالہ "انوار ملتان" از بشیر حسین ناظم، ص 39-40

3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) سیرالعارفین، ص 230 (ب) انوار ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 39 (ج) تذکرہ قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، ص 22-23

"تاریخ فیروز شاہی" (اردو ترجمہ) میں لکھتے ہیں

> "شیخ دو مرتبہ علاءالدین کے عہد میں دہلی آئے ہر مرتبہ سلطان نے آتے وقت دو لاکھ اور واپسی کے وقت پانچ لاکھ تنکے پیش کئے یہ سب رقم شیخ نے فقراء میں تقسیم کر دی۔۔۔" 1

شاہ رکن عالم کے تعلقات نہ صرف علماء مشائخ سے تھے بلکہ آپ سلاطین کے ساتھ بھی تعلق رکھا کرتے تھے۔[2] اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کی شکایات کو سلطان تک پہنچایا جائے اور ان کی مشکلات کو حل کیا جائے۔ حدیقۃ الاسرار فی [redacted] اخبار الابرار کے مطابق

> "۔۔۔۔ رفتن حضرت نزد پادشاہ محض برائے حاجت برای اہل حاجات بودے کہ ذات پاک ایشان محض خیر خواہ خلق اللہ بود۔۔۔۔" 3

چنانچہ اس سلسلے میں آپ کا خصوصی طریقہ تھا "سیرالاولیاء" کے مصنف اپنے والد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> "جب میں ان بزرگوں کے سامنے کہار لے گیا تو شیخ رکن الدین کے ڈولے پر محتاجوں کی عرضیوں اور کاغذات کا ڈھیر لگا ہوا دیکھا میں روشان رکھنے اور جگہ وسیع کرنے کیلئے ان کاغذات کو ایک جگہ جمع کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں شیخ رکن الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سلطان المشائخ کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم جانتے ہو کہ یہ کاغذ کیسے ہیں چنانچہ خود فرمایا کہ اس زمانہ کے مساکین کی عرضیاں ہیں جب میں بادشاہ کے پاس جاتا ہوں تو محتاج لوگ اپنی عرضیاں دیتے ہیں تاکہ انکی مہمات انجام کو پہنچیں۔۔۔" 4

1- بحوالہ "تاریخ فیروز شاہی" ص 498 مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور بار اول اکتوبر 1969ء

2- آپ کے خاندان کے بزرگ شیخ الاسلام کے منصب کے باعث دہلی کی حکومت کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے اس لئے سیاست میں بھی آپ کے والد اور دادا کا خاص کردار ہوتا تھا۔ قاضی جاوید کے مطابق "سہروردیہ مکتبہ فکر کی توجہ کا مرکز حکمران تھے ان کے ہی خاندان انہیں عزیز تھے اصل یہ ہے کہ سہروردی اکابرین اور خصوصاً شیخ رکن الدین بنیادی طور پر ایسے جاگیردار تھے جنہیں ورثے میں روحانی اقتدار بھی ملا اس اقتدار کو انہوں نے اکثر و بیشتر دنیاوی معاملات کیلئے استعمال کیا"
(بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 114)

3- "حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی) ص 195

4- بحوالہ "سیرالاولیاء" ص 145-146

سلطان
آپ کے سامنے/غلام سے عرضیاں پڑھواتا اور مناسب فیصلے صادر کرواتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے عہد کی اہم سیاسی و مذہبی شخصیت تھے۔ سلاطین کے درباروں میں بھی اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں کہ

" شیخ رکن الدین در زمان خود شخصیت ارجمندی بشمار میرفت سلطان علاء الدین خلجی و پسرش قطب الدین خلجی احترام زیادی برای او قایل بودند۔ شیخ با سلاطین تغلق هم روابط خوبی داشت ۔" 1

ایک مرتبہ جب سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ نے ملتانیوں کے قتل عام کا حکم دیا تو آپ برہنہ سر سلطان کے دربار میں پہنچے سلطان نے انہیں تعلقات کی بنا پر قتل عام کا حکم روک دیا۔[2]

قاضی جاوید لکھتے ہیں

" اس واقعہ کے بعد شیخ رکن الدین ملتان میں مقیم رہے یہ ان کی زندگی کے سب سے زیادہ پرسکون دن تھے۔ ان کی روحانیت اور سیاسی اہمیت کے چرچے پورے مسلم ہند میں پھیل چکے تھے۔ ان کے ارادت مندوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی ۔ ملتان اور اس کے گرد و نواح میں ان کی جاگیریں پھیلی ہوئی تھیں۔ سلطان محمد تغلق بھی ملتان کے واقعہ کے بعد دہلی جاتے ہوئے شیخ کی خدمات کے عوض اپنے باپ کا تعمیر کردہ پرسکون مقبرہ اور سو دیہات نذرانے کے طور پر دے گیا تھا۔۔۔" 3

شاہ رکن عالم کی دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے پانچ[4] مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔

1۔ بحوالہ " احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین " ص 55

2۔ سلطان محمد شاہ بن تغلق شاہ کے زمانے میں کشلو خان نے ملتانیوں اور بلوچیوں کے ساتھ مل کر ملتان اور بھکر میں بغاوت کر دی 728ھ میں سلطان نے خود حملہ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔ کشلو خان اس معرکے میں مارا گیا اور اس کی فوج بکھر گئی۔ بادشاہ نے ملتانیوں کے قتل عام کا حکم دیا تو شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ملتانیوں کی سفارش کیلئے برہنہ سر سلطان کے دربار میں آ کھڑے ہوئے آخر سلطان نے آپ کی سفارش مان کر ملتانیوں کا قصور معاف کر دیا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) تاریخ معصومی ص 63 (2) آب کوثر ، ص 264 (3) قطب الاقطاب رکن عالم ، ص 148-149 (4) " مرقع ملتان " از اولاد علی گیلانی ، ص 214

3۔ " پنجاب کے صوفی دانشور " ص 113

4۔ سید خورد مبارک کرمانی نے " سیرالاولیاء " میں آپ دونوں کی باہم ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔۔۔

(ملاحظہ فرمائیے " سیرالاولیاء " ص 143 تا 148)

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ دھلی کے سلطان قطب الدین خلجی کے دل میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف سے کچھ رنجش پیدا ہوئی تو انھوں نے دھلی میں ان کا اثر و رسوخ کم کرنے کے لئے ملتان سے شاہ رکن عالم کو بلوایا۔ شاہ رکن عالم جب دھلی پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات نظام الدین اولیاء سے ہوئی جو آپ کے استقبال کے واسطے حوض علائی کے مقام پر تشریف لائے تھے۔ شاہ رکن عالم کی جب سلطان سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا کہ آپ کی ملاقات اس شہر کے بزرگوں میں سب سے پہلے کس سے ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ

" جو اس شہر کے تمام باشندوں میں زیادہ بہتر و بزرگ تھا ـــــ " 1

کہا جاتا ہے کہ یہ سن کر سلطان قطب الدین خلجی کے دل میں خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف سے جو رنجش تھی وہ دور ہو گئی اس کے بعد آپ جب بھی دھلی تشریف لاتے تو خواجہ صاحب سے ضرور ملاقات کرتے اس دوران آپ دونوں کے درمیان علمی نکات کا تبادلہ بھی ہوتا جسے سننے کے لئے کئی لوگ جمع ہوتے ـــ

قیام دھلی کے دوران ہی میں ایک مرتبہ آپ نے سماع کی محفل میں شرکت فرمائی۔ آپ دھلی میں تھے کہ بابا فرید کے عرس کا زمانہ آ گیا تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے دھلی میں ہی عرس کا اہتمام کیا جس میں شاہ رکن عالم بھی شامل ہوئے۔ اسی عرس کے موقع پر محفل سماع کا بھی اہتمام کیا گیا۔ سماع کے دوران وجد میں آ کر خواجہ نظام الدین اولیاء اٹھنے لگے تو رکن عالم نے انھیں پکڑ کر بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ اٹھے تو آپ نے انھیں نہیں روکا بلکہ خود بھی دوسرے مشائخ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد میں مولانا علم الدین نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ

" میں نے حضرت کو پہلی مرتبہ عالم ملکوت میں پایا میرا ہاتھ وہاں تک
پہنچ گیا اور دوسری مرتبہ میں نے ان کو عالم حیرت میں دیکھا اور اپنا
ہاتھ روک لیا ـــــ " 2

1ـ بحوالہ " سیرالاولیاء " ص 143 ـــ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم ، ص 145 تا 148 (2) انوار ابرار، ص 58 ـ 59 (3) اخبارالاخیار، ص 146 تا 149
(4) " آب کوثر " ص 263

2ـ بحوالہ " سیرالعارفین " ص 204

شاہ رکن عالم کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو حاصل ہے۔ جو ابتدائی تعلیم اچ سے حاصل کرنے کے بعد آپ کے مدرسہ میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملتان میں کافی عرصہ قیام پذیر رہے۔ ان کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ وجیہ الدین عثمان سنامی کا نام بھی آتا ہے جن کا مزار دہلی میں ہے آپ شاہ رکن عالم کے ساتھ ملتان تشریف لے آئے اور دو سال یہاں قیام فرمایا اسی دوران قرآن مجید حفظ کیا اور آپ سے عوارف المعارف پڑھی پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے شیخ کے حکم سے دہلی میں قیام فرمایا جہاں خواجہ نظام الدین اولیاء رہتے تھے۔ آپ سماع کے بہت شوقین تھے حالانکہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔ شیخ مجد الدین طاہر بھی آپ کے مرید تھے جن کا مزار قصبہ کہور میں ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے خلفاء میں حمید الدین حاکم، حاجی صدرالدین چراغ ہند جوں پوری، مولانا ظہیرالدین محمود سہروردی اور حضرت علی بن احمد غوری شامل ہیں انہوں نے بہاء الدین زکریا کی کتاب "الاوراد" کی شرح "کنز العباد" کے نام سے لکھی۔ شیخ رکن الدین نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ قاضی جاوید نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے

> "شیخ رکن الدین ابوالفتح کی زندگی زیادہ تر سیاسی ہنگاموں کی نذر ہو
> ہو گئی تھی۔ درس و تدریس سے انہیں زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ ان کی یاد
> گاروں میں کوئی تصنیف بھی موجود نہیں۔ مجاہدہ مسائل اور فلسفیانہ نکتہ
> طرازیوں سے انہیں دلچسپی نہیں تھی ---"

(بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور، ص 114)

البتہ اخبار الاخیار، ص 74 پر "مجمع الاخبار" کے نام سے ایک کتاب ان سے منسوب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کا بیان ہے کہ

> "در بارہ صاحب شیخ تذکرہ نو یساں چیزی ننوشتہ اند۔ فقط در کتاب
> اخبار الاخیار ص 74 اسمی از "مجمع الاخبار" بردہ شدہ مختص از آں
> نقل شدہ است و این کتاب را بہ شیخ رکن الدین نسبت دادہ اند---" 1

شاہ رکن عالم نے اپنی عمر کے آخری دس سال خانقاہ نشیں ہو کر گزارے اور اس دوران آپ کے خلفاء آپ کے

1۔ بحوالہ "احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص 55

گرد جمع رہے وفات سے کچھ عرصے قبل آپ نے سب کو جمع کر کے دعا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کے بارے میں وعظ فرمایا اور اس کے بعد اپنے بھتیجے اور شیخ عمادالدین اسماعیل کے بیٹے شیخ صدرالدین محمد کے سر پر وہی دستار مبارک رکھ کر انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا، جو آپ کو آپ کے دادا نے دی تھی۔[1] ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کا بیان ہے

" شیخ رکن الدین چوں صاحب فرزندی نبود بعد از او خلفائی عظام او بہ جانشینی او رسیدند و خلفائی ما در گذشت او سلسلہ سہروردیہ از ملتان بہ اوچ منتقل شد، وایں خطہ بصورت مرکز روحانی ہند و پنجاب در آمد ---- " [2]

اس کے بعد وصال تک تقریباً تین ماہ کا عرصہ آپ نے زیادہ تر اپنے حجرے میں عبادت کرتے ہوئے گزارا صرف نماز جنازہ کے لیے باہر تشریف لاتے وصال والے دن مولانا ظہیرالدین محمد کو، جو آپ کو وضو کرا رہے تھے فرمایا کہ جاؤ میری تجہیز و تکفین کا انتظام کرو، وہ سن کر باہر آئے اور دوسرے خلفاء کو بھی یہ بات بتائی سب سمجھ گئے کہ آپ کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ آپ نے غروب کی نماز پڑھائی اس کے بعد صلواۃ الاوابین ادا کر رہے تھے فارغ ہوئے تو سجدے میں سر رکھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی آپ کی وفات 735ھ (1334ء) میں ہوئی۔[3] آپ کا مقبرہ قلعہ قدیم پر ہے جہاں آپ کے دادا اور آپ کے والد محترم کے مزار بھی ہیں۔ آپ کے مزار کی عمارت غیاث الدین تغلق نے اپنے مقبرے کے لیے تعمیر کرائی تھی لیکن وہ دہلی میں فوت ہوا اور اسے وہیں دفن کیا گیا۔ اس کے بیٹے محمد بن تغلق نے یہ عمارت آپ کے روضے کے لیے دے دی۔[4] ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں

1۔ بحوالہ (الف) مراۃ الاسرار، جلد دوم، ص 263 (ب) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم، ص 250
2۔ " احوال و آثار ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین " ص 55۔ 56
3۔ بحوالہ " (1) سیرالعارفین، ص 209 (2) قطب الاقطاب شاہ رکن عالم ص 257 (3) آب کوثر ص 267 (4) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص 73 (5) مراۃ الاسرار، ص 263 (6) سفینۃ الاولیاء، ص 154 (7) اولیائے ملتان، ص 510 (8) تاریخ فیروز شاہی، ص 498 (9) تذکرہ اولیائے ہند و پاک، ص 484 (10) حسنات طیبہ و محبوب العارفین، ص 145 جبکہ اخبارالاخیار، ص 162 پر سنہ وفات 690ھ اور " احوال و آثار۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ص 56 پر 734ھ درج ہے۔
4۔ حوالے کیلئے دیکھئے (الف) آب کوثر، ص 266 (ب) مرقع ملتان، ص 215

در مقبرہ ای کہ سلطان غیاث الدین تغلق 1320ء برائی خویش بود
مدفون شد ـــ" [1]

آپ کے مقبرہ کی عمارت کافی اونچی ہے اور شہر میں دور دور سے نظر آتی ہے۔ اولاد علی گیلانی کے مطابق

"آپ کے روضہ مبارک کی عمارت ہندوستان کی بہترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے یہ عظیم الشان عمارت ہشت پہلو شکل کی ہے اس کا مرکزی قطر 51 فٹ 9 انچ لمبا ہے۔ ہر ایک زاویہ پر ستون سیدھے کھڑے ہیں۔ اس سے اوپر کے حصہ میں ایک اور مثمن شکل کی عمارت استادہ ہے جس کا باہر کی طرف کا گھیر تقریباً 25 فٹ کا ہے اور اونچائی میں 26 فٹ ہے۔ اوپر کے گنبد کی سرخ گولائی 58 فٹ ہے اور کل مقبرہ کی بلندی سو فٹ اور دو انچ ہے۔ چونکہ مقبرہ بہت بلندی پر واقع ہے اس لئے اردگرد کی آبادی سے یہ کوئی ڈیڑھ سو فٹ کے قریب بلند ہے۔ ملتان سے 12 یا 15 میل کے فاصلے سے یہ عمارت نظر آتی ہے ـــ" [2]

(13) شیخ حسام الدین ملتانی

مولانا حسام الدین ملتانی کا شمار سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے دس خلفاء میں ہوتا ہے۔[3] آپ 667ھ (1268ء)[4] میں پیدا ہوئے۔ چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے تعلق رکھتے تھے۔[5] آپ علوم ظاہر و باطن میں مشہور تھے صاحب سیرالاولیاء لکھتے ہیں کہ

"زاہد ربانی عابد سبحانی مولانا حسام الملۃ والدین ملتانی سلطان المشائخ

1– "احوال و آثار ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی" ص 55
2– بحوالہ "مرقع ملتان" از سید محمد اولاد علی گیلانی، ص 214-215
3– (الف) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 313 (ب) شیخ محمد اکرام کے مطابق
"حضرت سلطان المشائخ کے جن خلفاء کے نام (سید محمد محی ولی الحسنی والچشتی متقدم سید حسین خنگ سوار، شیخ حسام الدین ملتانی) جن کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ لیکن اولیت کا شرف شیخ حسام الدین کو حاصل ہے۔ ان کا وطن ملتان تھا اور حضرت سلطان المشائخ کے خاص خلیفہ تھے۔" (بحوالہ آب کوثر، ص 331)
4– "نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" مؤلفہ علامہ سید عبدالحی بن فخرالدین الحسنی مترجم ابو یحییٰ امام خان، ص 216 مطبوعہ مقبول اکیڈمی، لاہور طبع اول 1965ء
5– بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص 178

کے ستار و اولوالعزم خلفاء میں جو علم تقویٰ اور ورع و زہد میں ایک کامل آیت تھے۔ آپ کو علم فقہ میں انتہا درجہ کی مہارت تھی ہدایہ کی دونوں جلدیں حفظ تھیں اور اس کے تمام مطالب نوک زبان تھے علم سلوک میں قوت القلوب اور احیاء العلوم دونوں جامع جلدیں ازبر تھیں اور باوجود ان تمام مزایا اور فضائل کے زادالعروس اور صاحب نصیب تھے۔" 1

شیخ حسام الدین نے اپنی عبادت گزاری اور درویشی کی زندگی کے بارے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ ان کے ذریعہ معاش کے بارے میں گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ

" ہمیشہ کتاب بیچنے سے روزمرہ کی قوت بہم پہنچاتے تھے اور جو کچھ بہم پہنچتا تھا اس میں سے وہی آدھی آدھ کسی اور شخص کو دے دیا کرتے تھے جو مستحق ہوتا تھا۔ اور وہیں علوم کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ رحلت کے وقت تک یہی روش و رفتار اور کاروبار رہا۔" 2

مولانا نے اپنی باعمل زندگی سادگی اور درویشی میں گزاری محنت سے کام لیتے اور جتنا وقت بچتا عبادت میں گزار دیتے۔ آپ نے کبھی ضرورت سے زائد اپنے گھر میں نہیں رکھا تھا بعض اوقات تو جب کچھ نہ ملتا تو کئی کئی دن فاقے میں گزار دیتے لیکن کبھی کسی سے کچھ لینا گوارا نہ کرتے بلکہ جو کچھ بھی کہیں سے حاصل ہوتا اسے لوگوں پر خرچ کر دیتے۔ آپ نے بہت عرصہ تک خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھا تاکہ لوگوں کو آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکے اور جب لوگوں کو آپ کے بارے میں علم ہوا[3] تو پھر کھل کر لوگوں کی خدمت بھی کی اور ان کی رہنمائی کو اپنا شعار بھی بنا لیا۔ آپ کے زہد و تقویٰ، درویشی، پارسائی اور بزرگی کی وجہ سے ہی نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شہر دہلی شیخ حسام الدین

1- بحوالہ "سیرالاولیاء" اردو ترجمہ غلام احمد بریاں مؤلفہ سید محمد مبارک کرمانی "میرخورد" ص 257
2- بحوالہ "گلزار ابرار" از محمد غوثی شطاری (اردو ترجمہ) ص 103
3- آپ کی کیفیت ظاہر ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ 733ھ میں ایک شخص سلطان نظام الدین اولیاء کے پاس دہلی گیا اور عرض کیا کہ میرا گھر نہروالہ (پٹن گجرات) میں ہے لڑکی کی شادی اتنی نزدیک آ گئی ہے کہ مدت معلوم اس قدر مسافت طے کرنے کے واسطے کافی نہیں آپ نے فرمایا شیخ حسام الدین نہروالہ کے رہنے والے ہیں ہر روز صبح نماز کے واسطے ہماری مسجد میں آتے ہیں اور پھر چاشت کے وقت اپنے مکان پر پہنچ جاتے ہیں تم ان کے ساتھ چلا جا تاکہ جلد گھر پہنچ جاؤ دوسرے روز وعدہ پورا ہوا اور یہ بات کرامت مساعیہ کو ظاہر کرنے کا باعث ہوئی۔
(حوالے کیلئے دیکھئے "گلزار ابرار" ص 103)

کی حمایت میں ہیں[1]۔ جب آپ کے مرشد سلطان المشائخ کا وصال ہوا تو اس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق نے تمام مشائخ کو اکٹھا کیا اور دہلی سے "دیو گیر" کی طرف بھجوا دیا جہاں اس نے دولت آباد کے نام سے نیا شہر بسایا تھا[2]۔ لیکن مولانا حسام الدین ملتانی گجرات تشریف لے گئے جہاں آپ نے آخری عمر تک قیام فرمایا شیخ محمد اکرام کے مطابق

"شیخ حسام الدین کے وجود مسعود سے ملتان اور اچھ کے کئی اور بزرگ یہاں تشریف آور ہوئے۔" 3

پٹن نہروالہ گجرات[4] میں آپ نے آٹھ ذیقعد 738ھ[5] میں وفات پائی آپ کا مزار پٹن گجرات میں ہے[6]۔ آپ کے خلفاء اور مشہور ساتھیوں میں شیخ حسن بدایونی شامل ہیں جو آپ کے شاگرد تھے۔

شیخ حسام الدین ملتانی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے بزرگ تھے جو سلطان محمد بن تغلق شاہ کے بعد تخت نشین ہوئے بزم سلوکیہ کے مصنف بلبن کے عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

1۔ بحوالہ "سیرالاولیاء" ص 258

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ فرشتہ" (جلد اوّل) از محمد قاسم فرشتہ مترجم عبدالحئی خواجہ، ص 432، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

3۔ بحوالہ "آب کوثر" ص 331

4۔ پٹن گجرات کا قدیم نام "نہروالہ" ہے۔ (بحوالہ گلزار ابرار، ص 103)

5۔ بحوالہ "مرآۃ الاسرار" (جلد دوم) ص 317 لیکن اخبار الاخیار ص 195 میں آپ کی تاریخ وفات 753ھ درج ہے۔ تذکرہ اولیائے ہند و پاک، ص 124 پر سن وفات 735ھ دیا ہے۔

6۔ "نزھۃ النواظر و بہجۃ المسامع والنواظر" ص 216 میں آپ کی جائے وفات بدایوں لکھی ہے اور فوائد الفواد کے حوالے سے یہ واقع لکھا ہے

"انہوں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ وضو فرما رہے ہیں اور اس کا پانی شہر سے باہر خالی جگہ سے گزر رہا ہے جونہی آنکھ کھلی بھاگ کر اس مقام پر آئے تو پانی کا اثر پایا اور اپنے اصحاب سے وصیت کی کہ میرے انتقال پر مجھے اسی جگہ دفن کریں اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔۔۔"

لیکن یہ روایت درست نہیں ہے "فوائد الفواد" کی جلد چہارم کی اکتیسویں مجلس میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے بدایوں کی کسی بزرگ شخصیت کے حوالے سے یہ قصہ بیان فرمایا ہے اور ان کا نام قاضی جمال ملتانی ہے۔ (بحوالہ "فوائد الفواد" ص 392 ترجمہ پروفیسر محمد سرور مطبوعہ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور طبع اوّل 1973ء) مولانا حسام الدین ملتانی کا مزار گجرات میں ہے۔ حوالے کیلئے دیکھئے (1) گلزار ابرار، ص 103 (2) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 317 (3) تاریخ مشائخ چشت، ص 178 (4) سیرالاولیاء، ص 263

" اس (بلبن) کا عہد نہ صرف سیاسی حیثیت سے ممتاز تھا بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ و سادات جمع ہو گئے تھے کہ مورخین نے ان کے وجود سے اس عہد کو " خیرالاعصار " لکھا ہے[1] حضرت بابا گنج شکر کے علاوہ خواجہ علی چشتی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین، شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ ابوالموئد، نظام الدین، شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ علاؤ الدین علی بن احمد صابر، سیدی مولہ، شیخ حسام الدین ملتانی، شیخ نجیب الدین سہروردی شیخ ابوبکر حیدر طوسی وغیرہ کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا۔۔۔ " [2]

(14) مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سرزمین ملتان کے بزرگ صوفیاء میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو بطور ایک روحانی پیشوا بلند پایہ سیاست دان، مصلح دین اور مذہبی دانشور، ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے تصوف کی آغوش میں آنکھ کھولی کیونکہ ان کا خاندان کئی پشتوں سے مسلک تصوف کا پیروکار رہا۔ سیر و سیاحت، تعلیم و تعلم، حکمرانوں سے روابط، دینی اور دنیاوی مشاغل میں انہماک نے ان کے علم و عمل کو ایک خاص گہرائی اور گیرائی عطا کی۔

سید جلال الدین حسینی مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید جلال الدین سرخ بخاری کے پوتے اور سید احمد کبیر کے بڑے فرزند تھے۔[3] آپ 14 شعبان المعظم 707ھ (1308ء) کو اوچ میں پیدا

1۔ بلبن کے عہد کو " خیرالاعصار " ، " تاریخ فیروز شاہی " از ضیاء الدین برنی، ص 47-46 کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔
2۔ " بزم مملوکیہ " مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمان، ص 228 طبع معارف اعظم گڑھ 1374ھ/1934ء
3۔ " کیفیت سلسلۂ حضرات سہروردیہ حضرت مخدوم جہانیاں را اجازت این طریقہ از جد خود حضرت سید جلال الدین بخاری، و ایشانرا از رکن الدین شاہ رکن عالم و ایشانرا از پدر خود شیخ صدرالدین و ایشانرا از پدر خود بہاؤ الدین بہاؤالحق زکریا ملتانی و ایشانرا از شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی و ایشانرا از شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی و ایشانرا از شیخ مشاد دینوری و ایشانرا از ابوالقاسم سید الطائفہ جنید بغدادیؒ و ایشانرا از خال خود سری سقطی و ایشانرا از معروف کرخی تا در تصوف دو نسبت ست یکی بامام علی موسیٰ رضا تا بہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم "
(بحوالہ حیات علیمیہ و مسجد الفارقین، ص 20، طبع مجددی، لاہور 1310ھ)

جلال الدین

ہوئی۔[1] آپ کا نام آپ کے دادا سید جلال سرخ بخاری کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن آپ عام طور پر اپنے لقب " مخدوم جہانیاں جہاں گشت " کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ اکرام نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ

" آپ کا بہت سارا زمانہ سیر و سیاحت میں گزرا اس لئے آپ کو " مخدوم جہانیاں جہاں گشت " کہتے ہیں۔ " 2

حدیقۃ الاولیاء کے مصنف کے بقول

" آپ نے تمام روئے زمین کی سیاحت کی تھی۔۔۔ " 3

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی تعلیم و تربیت پر ان کے والد سید احمد کبیر نے خصوصی توجہ دی جب آپ سات برس کے ہوئے تو وہ آپ کو اچ کے مشہور عالم بزرگ شیخ جمال خنداں رو کی خدمت میں لے گئے آپ بچپن سے ہی ذہین اور حاضر جواب تھے۔ جب آپ جمال خنداں رو کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے حاضرین کے سامنے کھجوریں رکھیں آپ کے حصے میں جو کھجوریں آئیں وہ آپ گٹھلی سمیت کھا گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ جمال خنداں رو نے مسکرا کر سبب پوچھا تو آپ نے برجستہ عرض کیا

" جو کھجوریں آپ کے دست مبارک سے عطا ہوئی ہیں، مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ ان کی گٹھلیں کو پھینک دوں۔۔۔ " 4

1۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے حوالے کیلئے دیکھئے (1) سیرالعارفین (اردو ترجمہ) ص 224 (2) مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از ایوب قادری، ص 38 (3) خطۂ پاک اچ از مسعود حسن شہاب، ص 224 (4) تاریخ سندھ از اعجازالحق قدوسی، ص 403 (5) گلزار ابرار (اردو ترجمہ) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 415 (6) اخبارالاخیار (اردو ترجمہ) ص 307 لیکن " ملفوظات ملتقطہ و محبوب العارفین " میں تاریخ پیدائش چہار شنبہ ذوالحج 705ھ درج ہے (بحوالہ ملفوظات ملتقطہ و محبوب العارفین ص 145، مطبوعہ مطبع محمدی لاہور 1310ھ)

2۔ بحوالہ " آب کوثر" ص 278 لیکن تحفۃ الکرام ص 368 کے مطابق " انھیں مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حج کے دن انھوں نے شیخ بہاء الدین کے روضہ پر جا کر مدد طلب کی (اس پر) آواز آئی کہ خدائے تعالیٰ نے تمہیں مخدوم جہانیاں بنایا ہے۔ یہی مدد تمہارے کافی ہے۔" (پھر وہاں سے) جب وہ شیخ صدرالدین کے روضہ پر گئے تو وہاں بھی یہی سنائی دیا (چنانچہ جب وہ) باہر آئے تو ہر شخص انھیں " مخدوم جہانیاں " کہنے لگا۔ سفینۃ الاولیاء (فارسی متن) ص 179 میں بھی یہی واقعہ درج ہے، لکھا ہے۔۔۔ " روزے حج بروضۂ شیخ بہاء الدین و صدرالدین رفتہ التماس مدد کردہ آواز آمد کہ حق تعالیٰ ترا مخدوم جہانیاں کردہ است، ہمیں اینست چون بروضۂ شیخ رکن الدین رفتہ از آنجا ہم ہمیں آواز آمد چون بیروں آمد ہمہ کس مخدوم جہانیاں میگفتند۔" ۔۔۔ مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) خطہ پاک اچ، ص 228 (2) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص 90 (3) تاریخ سندھ ص 403 (4) سیرالعارفین، ص 228 (5) تذکرہ اولیائے سندھ و پاک، ص 489

3۔ بحوالہ " حدیقۃ الاولیاء" از مفتی غلام سرور لاہوری، ص 156

حضرت شیخ جمال خنداں ایک بچے کے منہ سے یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا

"تم اپنا، فقرا کا، اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے---" 1

چنانچہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے ابتدائی تعلیم شیخ جمال خنداں رو/رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور بزرگ قاضی شیخ بہاء الدین سے حاصل کی شیخ جمال ہدایہ، بزدوی، مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح اور عوارف المعارف کا درس دیا کرتے تھے آپ نے ان سے حدیث کا درس بھی لیا تھا اور قاضی بہاء الدین نے آپ کو ہدایہ اور بزدوی کا کچھ حصہ پڑھایا تھا اس کے متعلق مخدوم جہانیاں جہاں گشت فرماتے ہیں

"مولانا بہاء الدین قاضی اچہ دعا گو کے استاد تھے، میں ان کے پاس
پڑھتا تھا اور تواضع کرتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہا کہ تو سر کو بلند
کر کے سلام کر نیچا کر کے سلام مت کر کیونکہ مکروہ ہے---" 2

ابتدائی تعلیم مکمل کی تھی کہ قاضی بہاء الدین وفات پا گئے اور آپ مزید تعلیم کے لیے ملتان تشریف لے آئے۔ ملتان میں آپ نے ایک سال قیام فرمایا اس دوران میں آپ نے شاہ رکن عالم ملتانی سے تعلیم حاصل کی جنہوں نے آپ کی مزید تربیت کے لیے مولانا موسیٰ عبیدہ، حضرت زکریا ملتانی اور ان کے چچازاد بھائی مولانا مجدالدین سے درس دلوایا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے الدرالمنظوم میں اپنے ایک اور استاد نورالدین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ نے ان سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کر لی تو سلطان محمد تغلق نے ان کو شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔[3]

1- بحوالہ "خطہ پاک اچ" ص 224 --- مزید حوالے کیلئے دیکھئے (الف) مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص 90 (ب) تذکرہ اولیائے پاک و ہند، ص 487

2- بحوالہ "الدرالمنظوم" ص 360 -- جامع العلوم از مولانا علاء الدین علی حسین اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم مطبع الفاروقی دہلی (1309ھ) ص 360

3- بحوالہ "الدرالمنظوم" ص 245 تا 253
سلطان فیروز شاہ تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور 40 خانقاہیں آپ کی تحویل میں دیں اور سیوستان اور اس کے ارد گرد کا علاقہ آپ کی تحویل میں دیا اخبار الاخیار کے مطابق سیوستان اور اس کے اردگرد کا علاقہ آپ کی جاگیر قرار دیا گیا، جہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جس کا نام "خانقاہ محمدی" رکھا پھر چند دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حجاز چلے گئے۔ (بحوالہ "اخبارالاخیار" ص 305) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے (الف) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص 111 (ب) تحفۃ الکرام، ص 268 (ج) خطہ پاک اچ، ص 226 (د) تاریخ سندھ (جلد اول) از اعجاز الحق قدوسی، ص 403

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے تحصیل علم کی خاطر کئی ممالک کا سفر اختیار کیا اس دوران میں کتنے ہی علماء سے انہوں نے فیض حاصل کیا اور مختلف نوعیت کے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری کے مطابق آپ کے سفر کا آغاز شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ہوا جو کہ محمد تغلق کا زمانہ تھا اور آپ کے مرشد شیخ رکن الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ سن 735ھ تھا جبکہ سیاحت سے واپسی 751ھ سے کچھ پہلے ہوئی۔[1] آپ نے کئی ممالک کا سفر کیا جس کی تفصیل قاضی جاوید اس طرح دیتے ہیں

> "مخدوم جہانیاں نے طویل سیاحت کی تھی غالباً اس معاملے میں پنجاب کا کوئی دوسرا صوفی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ محتاط طور پر یہ کہا جا[2] سکتا ہے کہ انہوں نے پنجاب سے نکل کر مکہ کے علاوہ مصر، سعودی عرب، یمن، لبنان، شام، ایران، خراسان اور بہت سے ملکوں کے مسلم علاقوں کی سیاحت کی تھی۔ دوران سفر انہوں نے بے شمار علماء، عالموں اور دانشوروں سے ملاقات کی بہت سے لوگوں سے بہت کچھ سیکھا۔ بہت سے لوگوں کو بہت کچھ سکھایا۔" 3

شیخ محمد اکرام کے مطابق

" آپ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) نے شمالی ہندوستان، بہار و بنگال

1۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص 111 سفر سیاحت کی وجہ اس طرح بتائی جاتی ہے کہ شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ایک رات آپ نے خواب میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ "تم حج کو چلا جا ورنہ قتل ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے حضرت مخدوم والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا۔ (الدر المنظوم، ص 603) ــــ مزید حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (الف) خطہ پاک اوچ، ص 227 (ب) مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص 112

2۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سفر کے دوران جدہ شریف پہنچے تو دیکھا کہ لوگ کسی کا جنازہ اٹھائے جا رہے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت بدرالدین حق کا جنازہ ہے پتہ چلا کہ وہ حج سے واپس آئے تھے عصر کے وقت قرآن شریف پڑھا اور اس کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔ آپ نے (جہانیاں جہاں گشت) فرمایا دفن نہ کریں، ہو سکتا ہے کہ ابھی یہ فوت نہیں ہوئے انہوں نے واپس لا کر جنازہ مسجد میں رکھ دیا آپ نے لوگوں کو باہر نکال کر مسجد کا دروازہ بند کر دیا اور نماز و نوافل پڑھنے کے بعد قرآن حکیم شروع کر دی جب آپ اس آیت پر پہنچے

یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی

تو شیخ بدرالدین حق میں حرکت پیدا ہوئی اور اٹھ بیٹھے (بحوالہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار فارسی ص 197 ــــ مزید حوالے کیلئے دیکھئے "تذکرہ اولیائے سندھ پاک" ص 469-490

3۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 120

کے علاوہ عرب، مصر، شام، عراقین، بلخ و بخارا کی سفر کی اور چھ حج کئے متعدد بزرگوں سے فیض پایا۔۔۔" 1

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے تقریباً دس بارہ برس سیاحت کی اس دوران میں سات سال مکہ معظمہ میں رہے اور دو سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔۔۔ سیرالعارفین کے مصنف آپ کے سفر کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں

" حضرت سلطان المشائخ جلال الدین مخدوم جہانیاں نے تین سو سے زیادہ اہل کمال سے ملاقات کی اور ان سے فیض کلی حاصل کیا۔ دنیا کی ہر سمت میں سفر کیا اور اس حقیر(جمالی) نے بھی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس، بغداد اور بہت سے دوسرے مقامات پر ان(مخدوم جہانیاں) کے متبرک حجرے پائے اور وہاں نماز دو گانہ ادا کی ہے۔۔۔ " 2

سفر میں علوم ظاہری کی تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے سلوک کی منزلیں بھی طے کیں آپ نے کئی مشائخ کرام سے خلافت حاصل کی۔ اخبارالاخیار کے مطابق آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے۔ 3 جبکہ مصنف " گلزار ابرار" سید شرف الدین مشہدی کے رسالے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

" مخدوم جیو کو کچھ اوپر چار سو چالیس اصحاب سے خلافت تھی۔ منجملہ ان کے جس قدر بیان صحت کو پہنچا ہے اور شجرہ میں لکھا ہوا دیکھا ہے، یادداشت میں لکھ لیا ہے۔۔۔" 4

مخدوم جہانیاں نے سب سے پہلے اپنے والد سید کبیر بخاری سے خلافت حاصل کی پھر چچا سید محمد بخاری سے اس کے بعد ملتان تشریف لے آئے مزید تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دادا اور والد کی طرح سہروردیہ سلسلے سے منسلک ہوئے

" مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین کی خدمت میں تربیت حاصل کی اور انھیں کے ہاتھ سے سہروردیہ بیعت کا خرقہ پہنا۔۔۔ " 5

1۔ بحوالہ " آب کوثر" ص 278 — 2۔ بحوالہ " سیرالعارفین " ص 226
3۔ بحوالہ " اخبارالاخیار " ص 308 — 4۔ بحوالہ " گلزار ابرار " (اردو ترجمہ) ص 113
5۔ بحوالہ " مراۃ الاسرار (جلد دوم) " ص 411

شیخ رکن الدین سے آپ کو اس درجہ عقیدت تھی کہ خواب میں بھی ان کے کہنے پر آپ نے شیخ الاسلام کا لقب اور سیوستان کی حاکمی چھوڑ چھاڑ کر حجاز کا رخ کیا۔ جہاں آپ نے مکہ میں شیخ عبداللہ یافعی سے خلافت حاصل کی اور سات سال ان کے ساتھ گزارے پھر دو سال شیخ عبداللہ مطری کی صحبت میں گزارے اور وہاں سے خلافت حاصل کی۔ مکہ میں آپ نے شیخ عبداللہ یافعی سے شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے بارے میں سنا تھا چنانچہ آپ نے اپنے سفر سے واپسی پر ان سے چشتیہ سلسلے کا خرقہ حاصل کیا۔

"سفینۃ الاولیاء (فارسی) کے مطابق

"از مکہ معظمہ کہ باز با ہندوستان آمدند در دہلی با حضرت شیخ
نصیرالدین چراغ دہلی ملاقات نمودہ خرقۂ متبرکہ چشت را از ایشان
پوشیدہ اند۔" 1

(" سفینۃ الاولیاء " (قلمی نسخہ) ص 179، مترجمہ 1280ھ میں بھی یہی عبارت درج ہے)

مخدوم جہانیاں جہاں گشت سیر و سیاحت کے تجربات حاصل کر کے واپس آئے تو ان تجربات سے لوگوں کو فیض یاب کرنے کے لئے اُچ میں ایک درسگاہ مدرسہ جلالی کے نام سے قائم کی۔ اس مدرسے میں مختلف علوم اسلامی کی تدریس کی جاتی تھی۔ الدرالمنظوم کے مطابق

"حضرت مخدوم کی مجلس مبارک میں علوم و معارف کے رموز و غوامض حل فرمائے
جاتے تھے، درس و تدریس کا باقاعدہ انتظام تھا، دور و نزدیک سے طلباء
"مدرسہ جلالی" میں آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ماہر عالم و واعظ مطالب
قرآن و معانی احادیث حل کرتے تھے، مبتدی و منتہی بالالتزام تفسیر و
حدیث اور کتب تصوف کا درس لیتے تھے، خاص مبتدیوں کے لئے تہجد وغیرہ
صبحاً فجر کے بعد حضرت کا درس شروع ہوتا تھا ـــــ حضرت مخدوم کے یہاں
قرآن حکیم تفسیر مدارک، مصابیح ستہ، مشارق الانوار، شرح کبیر چہل اسماء،

1- (1) سفینۃ الاولیاء (فارسی) ص 117 (2) سیرالعارفین، ص 226 میں لکھا ہے کہ

"ایک دن شیخ عبداللہ یافعی نے بیت اللہ میں کہا کہ اگرچہ اس زمانے میں دہلی میں
جو درویش تھے ان کا انتقال ہو گیا لیکن ان کا اثر اور ان کی برکتیں حضرت شیخ نصیر
الدین میں ہیں اور وہ اس زمانے میں اس شہر (دہلی) کے چراغ ہیں کہ مشائخ کے
طریقوں کو اپنے وجود سے روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اسی وقت حضرت سید (جلال الدین)
نے نیت کی کہ اگر سفر سے واپس ہوا تو پہلے شہر دہلی میں آؤں گا اور حضرت شیخ
نصیرالدین (چراغ دہلی) سے ملوں گا۔"

مشکوۃ المصابیح، رسالہ شمسیہ، قصیدہ لامیہ، کتاب مطول، حاشیہ حسامی، شرح نو دہ نامہ، فقہ اکبر، عوارف المعارف، اوراد شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ کا باقاعدہ درس ہوتا تھا۔ حضرت مخدوم صرف و نحو اور لغت کی طرف خاص طور سے توجہ دلاتے تھے تاکہ عربی زبان کی تحصیل آسان ہو اور اس میں اچھی طرح مہارت و قدرت حاصل ہو جائے۔" 1

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت درس و تدریس کے لئے زیادہ تر عربی و فارسی زبان اختیار کرتے تھے لیکن ضرورت اور موقع محل کے مطابق دیسی زبانیں استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان کے ملفوظات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملتانی، پنجابی، سندھی اور ہندی زبانوں میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ تعلیم بھی دیتے تھے۔ الدرالمنظوم کے مطابق ایک مرتبہ ایک سندھی بحث کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے اسے سندھی میں تلقین فرمائی، اسی طرح ایک لڑکے کو ہندی (اردو زبان) زبان میں اور ایک شخص کو ملتانی میں تلقین فرمائی 2۔ الدرالمنظوم (اردو ترجمہ) میں لکھا ہے

"دہلی کے قیام کے زمانہ میں ایک موقعہ پر فیروز شاہ تغلق سے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتوں، اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور خادموں کے لئے وظائف مقرر کرائے اور اسی موقعہ پر بادشاہ کے حضور میں ایک چھوٹے ہندو بچہ کو بھی پیش کیا، سلطان نے کہا کہ یہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا، حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس زمانہ میں یہ بچہ دعاگو کے پاس آیا تھا تو دعا کی گئی تھی کہ خدائے تعالی اسے اسلام سے مشرف فرمائے حضرت مخدوم کی یہ تمام گفتگو سلطان فیروز شاہ تغلق سے ہندی(اردو) میں ہوئی۔" 3

جوامع شاہی (ملفوظات شاہ عالم فارسی 1045ھ / 1635ء) میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا ایک قول محفوظ چلا آتا ہے۔ جو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی راجو قتال کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ

"اساں عجب تساں راجو۔۔۔" 4

1۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص 191 تا 193

2۔ بحوالہ "الدرالمنظوم" فی ترجمہ ملفوظ المخدوم بعنوان جامع العلوم از سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت مرتبہ مولانا علاؤ الدین دہلوی اردو ترجمہ از مولوی ذوالفقار احمد، ص 218، جلد دوم، مطبع انصاری دہلی 1309ھ (1891ء)

3۔ ـــــــ ایضاً ـــــــ، ص 811

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے پروفیسر حسن عسکری (پٹنہ) کے ایک مضمون کے حوالے سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہندی قول کے سلسلے میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ کسی شخص نے آپ سے گزارش کی کہ جو اوراد و اعمال آپ ادا کرتے ہیں وہی وہ بھی ادا کرتا ہے لیکن اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس پر حضرت نے فرمایا

"کھانڈا ہے پھاڑا کہاں"

یعنی خنجر موجود ہے اس سے کاٹنے کا ذریعہ کہاں ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کے سچے عرفان کی کمی ہے[1] مسعود حسن شہاب نے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کے ایک قلمی رسالے "مناقب برہانی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنی سیاحت گجرات کے دوران جب بٹوا پہنچے تو آپ نے اسی جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے۔ آپ نے اس جگہ فرمایا

"امتحان اساڑے ہا ڈاں دی خوشبو ہے" 2

اردو زبان کے آغاز و ارتقاء کے ابتدائی دور میں اس قسم کے جملے اور فقرے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان کی ابتدائی نشوونما کے سلسلے میں دوسرے صوفیاء کے ساتھ حضرت جہانیاں جہاں گشت کا نام گرامی بھی بڑے تسلسل کے ساتھ آتا ہے۔

حضرت مخدوم نے اپنی سیاحت کے دوران کئی نادر کتب بھی جمع کی تھیں جن کو اپنے ساتھ اُچ لائے اور یہاں ایک شاندار کتب خانہ قائم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ عوارف المعارف کا وہ نسخہ بھی اس کتاب خانے میں موجود تھا جو خود مصنف کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی کے درس میں رہا تھا۔ شیخ قطب الدین دمشقی نے رسالہ مکیہ نقل کیا تو اس کی ایک نقل مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو بھجوائی تھی۔ عبدالرحمان ظفاری کے پاس بھی ایک نادر کتاب "اسرار الدعوات" تھی اس کی ایک نقل بھی حضرت مخدوم نے حاصل کی۔ ایک فقیہ و محدث نے سات جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی تھی۔ اس فاضل نے یہ ساتوں جلدیں حضرت مخدوم کو پیش کر دیں جو اس کتب خانے میں رہیں۔[3]

1۔ بحوالہ "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء" ص 40، مطبوعہ مجلس تحقیقات اردو، حیدرآباد دکن
2۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" ص 377
3۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) "جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص 194 تا 198 (ب) پنجاب کے صوفی دانشور، ص 122

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اگرچہ خود تو کوئی کتاب نہیں لکھی تاہم ان کے شاگردوں نے ان کے صوفیانہ تعلیمات ، فقہی مسائل ، حدیث، تفسیر، اخلاقیات اور رشد و ہدایت سے متعلق ارشادات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ ان ملفوظات کے مجموعوں میں جامع العلوم، سراج الہدایہ، ظرائف، خزانۂ جلالی ، جواہر جلالی ، مظہر جلالی ، اربعین صوفیاء، مناقب مخدوم جہانیاں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جامع العلوم کے مرتب ابو عبداللہ علاؤ الدین علی بن سعد بن اشرف دہلوی ہیں جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے قیام دہلی کے دورانیہ کے پاس مقیم رہے اور 8 ربیع الآخر 781ھ (1379ء) سے 17 محرم 782ھ (1380ء) تک ملفوظات جمع کرتے رہے۔ اس کتاب میں نہ صرف ہم عصر شخصیات اور واقعات کا ذکر موجود ہے بلکہ تصوف کی نہایت بلند پایہ کتابوں کے بکثرت حوالے بھی ملتے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ (موسوم بہ ملفوظ المخدوم) " الدر المنظوم " کے نام سے دو جلدوں میں 1309ھ / 1891ء میں مطبع انصاری دہلی سے چھپا۔ سراج الہدایہ احمد برنی کی مرتب کردہ ہے۔ ملفوظات کا یہ مجموعہ نو ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں تصوف اور مذہب کے بارے میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔ ظرائف نامہ، حضرت مخدوم جہاں گشت کے مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ چالیس مکتوبات میں حضرت مخدوم نے تصوف کے بارے میں ہدایات دی ہیں یہ مکتوبات تاج الدین بن شمس سیاہ پوش کے بعض استفسارات کے جواب میں تحریر کئے گئے تھے۔ خزانۂ جلالی حضرت جہانیاں جہاں گشت کے مرید احمد الدین عرف بہاؤ بن حسن بن محمود بن سلیمان تغلق نے مرتب کیا۔ یہ کتاب بھی رشد و ہدایت اور علم و معرفت کا اصل خزانہ ہے۔ جواہر جلالی کے مرتب فضل اللہ بن ضیاء العباسی تھے۔ جو حضرت کے مرید اور خلیفہ تھے انہوں نے یہ کتاب 781ھ (1379ء) میں مرتب کی۔ مظہر جلالی کے مرتب کا نام معلوم نہیں ہے۔ اس کتاب میں توحید ، طہارت، فضائل، سلام، اقامت وغیرہ کے بارے میں تشریحات درج ہیں۔ "اربعین صوفیاء" حضرت مخدوم کے دور میں لکھی تھی "مناقب مخدوم جہانیاں" حضرت مخدوم کے ملفوظات کا نادر مجموعہ ہے۔ جس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کی لائبریری میں ہے۔ حضرت مخدوم کے ساتھ قرآن کریم کا ایک فارسی ترجمہ اور کئی سفرنامے بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔[1]

موسیقی کے بارے میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا رویہ بہت سخت تھا۔ سماع کی اجازت مشروط

1- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (الف) "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" از محمد ایوب قادری، ص 237 تا 263 (ب) "خطۂ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، ص 339 تا 343

انداز میں دیتے تھے یعنی ایک دفعہ چند قوالوں نے اشعار پڑھے تو سنتے رہے لیکن جب تالیاں بجائی چاہیں تو منع فرما دیا۔ الدرالمنظوم کے مطابق مزامیر کا بجانا اور اس کا سننا گناہ ہے اور طبل کا بجانا بھی گناہ ہے مگر لڑائی اور قافلہ میں اجازت ہے۔ اسی طرح دف کا بجانا بھی روا نہیں ہے مگر نکاح کے وقت دف بجانا درست ہے۔ البتہ قضاۃ، ائمہ اور صاحب اعتبار حضرات کے حق میں یہ بھی منع ہے[1] قاضی جاوید کے مطابق

> "موسیقی کے بارے میں ان کا رویہ لچک آمیز تھا۔ وہ سریلی آواز سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے لیکن آلات موسیقی کے استعمال کو ناجائز تصور کرتے تھے۔ بلاشبہ یہ رویہ ان کی شخصیت میں چشتیہ اور سہروردیہ روایات کے امتزاج کا مرہون منت تھا۔" [2]

مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد اٹھہتر سال کی عمر میں 785ھ/1384ء[3] وفات پائی۔ آپ کے مزار پر یہ شعر درج ہے جس سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

تاریک گشت مطلع جہاں بے جمال شاہ
تاریخ بود هفت صد هشتاد پنج سال

(15) سید صدرالدین راجو قتال

سید جلال الدین سرخ بخاری کے پوتے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے چھوٹے بھائی، سید صدرالدین راجو قتال کا شمار بھی اچ کے ان بزرگوں میں ہوتا ہے جن سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ آپ 20 شعبان 760ھ (1359ء)[4] میں پیدا ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور چھ

1۔ بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" ص 168–169

2۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 128

3۔ آپ کی تاریخ پیدائش کی طرح تاریخ وفات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

4۔ سید ایوب قادری نے "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" ص 231 پر اپنے قلمی نسخہ "مناقب الواصلین" ص 13 کے حوالے سے یہ تاریخ پیدائش بتائی ہے جبکہ مسعود حسن شہاب نے "خطۂ پاک اچ" ص 238 پر 28 شعبان 730ھ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخیار ص 335 پر 761ھ بتائی ہے۔ "شاہ رکن عالم ملتانی" از نور احمد خان فریدی ص 445 پر 620ھ درج ہے جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ تاریخ وفات 827ھ درج ہے۔ ظاہر ہے حضرت کی عمر 167 سال تو نہیں تھی۔

سالی کے اندر ان تمام علوم کو حاصل کر لیا جو ایک صوفی بزرگ کے لئے ضروری تھے۔ سید صدرالدین راجو قتال نے اپنے والد سید احمد کبیر اور بڑے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے خلافت پائی اور ان کی وفات کے بعد خلافت آپ کے حصے میں آئی۔ آپ نے اپنے بھائی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی صحبت میں رہ کر بھی بہت کچھ سیکھا۔ راجو قتال علم و عمل اور شریعت و طریقت میں بے مثال تھے۔ آپ کے متعلق آپ کے بڑے بھائی

"مخدوم جہانیاں اکثر و بیشتر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق کی خدمت میں مشغول رکھا ہے اور شیخ راجو کو اپنی ذات میں مصروف کر دیا ہے، چنانچہ سید صدرالدین پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی اور لوگوں سے بالکل علیحدہ اور جدا رہتے تھے۔۔۔" 1

سید صدرالدین کے نام کے ساتھ "قتال"[2] لکھنے کی وجہ مختلف لوگ مختلف بتاتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمان چشتی نے مولانا سید محمد ذوقی شاہ جو آپ کی اولاد میں سے ہیں کے حوالے سے کہا ہے کہ

"آپ قتال اس لئے کہلاتے ہیں کہ مریدین سے نہایت سخت مجاہدہ لیتے تھے۔" 3

جبکہ شیخ محمد اکرام کے مطابق

"انھوں نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے اس لئے انھیں قتال یعنی قتال نفس کہتے ہیں۔۔۔" 4

مسعود حسن شہاب کے مطابق

"چونکہ طبیعت میں جلال کا عنصر غالب تھا اس لئے قتال کے لقب سے مشہور ہوئے۔۔۔۔" 5

1۔ بحوالہ "اخبارالاخیار" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (اردو ترجمہ) ص 335، مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) خطہ پاک اوچ، ص338 (ب) مراۃ الاسرار (جلد دوم) ص532 (ج) حدیقۃ الاولیاء صفحہ 7، ڈاکٹر

2۔ محمد ایوب قادری، صاحب الوقایت کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ یہ لفظ "راجن کتال ہے، کتال دیہی ہے اور سہابی زبان کا لفظ ہے جس میں کتال کے معنی بزرگ اور راجن کے معنی ہیبت ناک ہے" (بحوالہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" ص 232)

3۔ بحوالہ "مراۃ الاسرار" (جلد دوم) از شیخ عبدالرحمان چشتی مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 535 صوفی فاؤنڈیشن، لاہور

4۔ بحوالہ "آب کوثر" ص 282 — 5۔ بحوالہ "خطۂ پاک اوچ" ص 238

قتال کہلوانے کی وجہ کچھ بھی ہو یہ تو آپ کے عمل سے ظاہر ہے کہ آپ ایسے بزرگ تھے جو بڑے رعب و جلال والے تھے۔ سید راجو قتال نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے بہت کام کیا اور کئی لوگوں کو مسلمان کیا اشاعت اسلام کا یہ کام صرف اوچ اور ملتان تک محدود نہیں رہا بلکہ گجرات تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ آپ نہ صرف ان لوگوں کو مسلمان کرتے بلکہ ان کی ایسی تربیت کرتے کہ وہ آپ کے مشن کو آگے لے جاتے تھے مولانا نور احمد خان فریدی کے مطابق

" حضرت کے دست حق پرست پر تین لاکھ چالیس ہزار تین سو اشخاص نے بیعت کی تھی ۔۔۔ " 1

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں

" آپ کا اصل کام اچہ میں اشاعت اسلام اور گجرات وغیرہ کے صاحب ہمت بزرگوں کی تربیت ہے۔ جنہیں آپ نے علوم باطنی سے مالامال کر کے گجرات کے قدیم دارالخلافے میں اشاعت اسلام کے لئے بھیجا ۔۔۔ " 2

محمد ایوب قادری نے آپ سے منسوب اوراد کا ایک مجموعہ " مجموعہ تکبیرات راجو قتال " کا حوالہ دیا ہے جو نمبر 884 رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔[3] اس کے علاوہ آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے شیخ کبیرالدین اسماعیل کو " عوارف " پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے چار فرزند تھے جن میں سے ایک ابو اسحاق نے بچپن ہی سے تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے بیٹے کی بجائے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے سید ناصرالدین محمود کو خلیفہ اور سجادہ نشین مقرر کیا جن کا مزار بھی اوچ میں ہے۔

یوں تو بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی لیکن جن خاص لوگوں نے آپ کے مشن کو آگے بڑھایا اور آپ کے نامور خلفاء ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ شیخ کبیرالدین اسماعیل، برہان الدین قطب عالم گجراتی، مخدوم فضل الدین، حاجی سید عبدالوہاب، شیخ علاؤالدین، شاہ داؤد قریشی، شیخ اسماعیل قریشی، مخدوم جہاں شاہ اور شیخ سارنگ وغیرہ آپ نے 16 جمادی الآخر 827ھ (1424ء)[4] کو انتقال فرمایا اور

1۔ بحوالہ " شاہ رکن عالم ملتانی " ص 448 2۔ بحوالہ " آب کوثر " ص 286
3۔ بحوالہ " مخدوم جہانیاں جہاں گشت " از محمد ایوب قادری، ص 236
4۔ حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیں (الف) خطہ پاک اوچ، ص 238 (ب) مرآۃ الاسرار (جلد دوم) ص 535
(ج) آب کوثر، ص 286 (د) مخدوم جہانیاں جہاں گشت " ص 235

اوچ شریف میں دفن ہوئے جہاں آپ کا مقبرہ موجود ہے۔

(15) شیخ حسام الدین متقی ملتانی

شیخ حسام الدین ملتانی کا شمار حضرت شاہ عالم محمد بن برہان الدین قطب العالم گجراتی کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ 878ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔[1] آپ بڑے عالم، زاہد، پرہیزگار اور باعمل شخص تھے۔ مولانا نور احمد خان فریدی کے مطابق

"آپ صحیح معنوں میں عالم ربانی زاہد اور متقی تھے۔۔۔" 2

آپ کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگایا "حدیقۃ الاسرار فی اخبارالابرار" میں لکھا ہے کہ

"حضرت حسام الدین متقی ملتانی نے ساری زندگی حلال کی روزی کھائی ان کا قول تھا کہ جب تک سوائے حلال نہ ہو کسی کام کی نہیں۔۔۔" 3

آپ کی گزر بسر کا ذریعہ خراجی زمین تھی جس میں آپ کاشت کرتے اور خراج ادا کیا کرتے لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس سے ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہو گیا تو آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کر دیا۔ اسی طرح جب بھی اپنے بزرگان طریقت کی زیارت کو جاتے تو شاہ رکن عالم کے مزار کے سائے میں کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ آپ کے خیال میں مزار کی تعمیر میں بیت المال کا پیسہ لگا ہوا تھا۔4

1۔ "اخبارالاخیار" ص 450 ۔ مترجمین مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دارالعلوم مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

2۔ بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتانی" ص 599

3۔ اصل عبارت یوں ہے "مغز موجد را قوت حلال جانند ہیچ بدگی بکار نیاید" بحوالہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار ص 11 (اس کتاب کا ٹائٹل صفحہ غائب ہے اس لئے مطبع اور اشاعت کا پتہ نہیں لگ سکا۔ یہ کتاب حجازی سائز میں ہے اور جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی ہے۔)

4۔ مولانا نور احمد خان فریدی نے اس کی تاویل یوں پیش کی ہے "قطب الاقطاب شاہ رکن عالم قدس سرہ کا مقبرہ سلطان غیاث الدین تغلق نے تعمیر کرایا تھا اس پر اس کا خالص حلال سرمایہ صرف ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے شیخ کو اس عمارت کے بارے میں غلط اطلاع دی ہو گی اور چونکہ وہ ان امور میں بے حد احتیاط برتتے تھے اس لئے سائے سے بھی استفادہ نہ کیا۔"

(بحوالہ "شاہ رکن عالم ملتانی" ص 602)

میر عبدالقادر سرہندی نے حدیقۃ الاولیاء میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"شیخ سفر میں جس گاؤں کے قریب سے گزرتے پہلے باہر ہی سے وہاں کے لوگوں کے طور طریق دریافت کر لیا کرتے اگر وہ زیور شریعت سے آراستہ ہوتے تب اس گاؤں کے اندر داخل ہوتے، ورنہ پھر باہر ہی باہر چلے جایا کرتے۔ ان کا زیادہ تر وقت عبادت اور طالبوں کو فیض پہنچانے میں صرف ہوا کرتا۔" 1

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق

"عالم و زاہد و متقی تھے یا تقوا اللہ ما استطعتم کے پایہ سے یا تقوا اللہ حق تقاتہ کے مرتبہ میں پہنچے ہوئے تھے۔" 2

آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابندی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے شیخ بایزید بھی پرہیز گاری اور توکل میں بے مثال تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتانی کے تلامذہ میں شیخ علی متقی بہت مشہور ہیں جنہوں نے ابتدائی تعلیم اور توکل کی تربیت آپ سے حاصل کی۔ بعد ازاں ہندوستان چھوڑ کر مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہوئے اور دسویں صدی ہجری میں وہیں انتقال فرمایا شیخ علی متقی ہی سے آپ کی تعلیمات کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے کیونکہ شیخ علی متقی کے فیض یافتگان میں ایسی ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کا شمار بڑے بڑے علماء اور محدثین میں ہوتا ہے۔ ان کا مختصراً تذکرہ کرنا بے جا نہ ہوگا۔ ان میں پہلی شخصیت تو مولانا محمد طاہر پٹنی کی ہے جو اپنے عہد کی عظیم علمی و ادبی شخصیت تھے۔ آپ نے لغت حدیث پر ایک مبسوط اور جامع کتاب "مجمع بحار الانوار" کے نام سے لکھی جو فن لغت اور حدیث میں سند کا درجہ رکھتی ہے اور اسے صحاح ستہ کی ادبی شرح بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسماء الرجال میں المغنی، اور موضوع حدیثوں کے سلسلے میں "تذکرۃ الموضوعات" بھی لکھیں۔

شیخ حسام الدین متقی کے خلفاء میں شیخ حلبی کا نام بھی آتا ہے۔ جن کی خلافت مقدم پھر

1۔ بحوالہ "تحفۃ الکرام" ص 383، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "شاہ رکن عالم" ص 599–600

2۔ بحوالہ "انوار صوفیہ" یعنی اخبار الاخیار فی اسرار الابرار مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی مترجم محمد لطیف ملک شعاع ادب، لاہور، بار سوم، ستمبر 1967ء، ص 415

مخدوم برہان مخدوم طیب سے ہوتی ہوئی شیخ عبدالکریم سہروردی تک پہنچی۔ شیخ عبدالکریم کے دو خلفاء بہت مشہور ہیں ایک حمید ملتانی جن سے ایک بڑا فرقہ حمید شاہیہ مشہور ہوا ان کا مزار شاہ شمس سبزواری کے مقبرہ کے قریب ہے۔ دوسرے خلیفہ مولانا محمد اسماعیل جو میاں وڈا کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے لاہور میں حفظ قرآن کیلئے ایک مدرسہ "درس میاں وڈا" کے نام سے کھولا جو آج تک قائم ہے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتانی نے 961ھ[1] میں وفات پائی اور ضلع ملتان کے ایک چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کبیر والہ میں ان کا مزار[2] موجود ہے۔ مولانا نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں

> "اپنے عہد کا یہ ابو تر فقاری کبیر والا اور ریلوں کے درمیان ایک گمنام گوشے میں پڑا سوتا ہے۔ گردو پیش کے لوگ آپ کا مقام تو بجائے خود رہا صحیح نام سے بھی واقف نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ پیر سام دین کا قبرستان ہے۔" [3]

(17) دیگر صوفیاء

ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے علاوہ جن کا ذکر سابقہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے، پیر دربر شاہ، شیخ حسینیکاء پیرہ حضرت شاہ داتا شہید، حضرت سلطان ایوب قتال، حضرت شاہ علی محمد ۔ ملتان کے ان بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اس سرزمین کو کسی نہ کسی طرح متاثر کیا اور لوگوں کو فیض و برکت سے شاد کام کیا۔ پیر دبر شاہ، جلال فیروز کی صوبیداری کے زمانے میں ملتان تشریف لائے اور حضرت بہاء الدین زکریا کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ آپ نے 644ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شیخ بہاء الدین زکریا اور شاہ رکن عالم کے مزاروں کے درمیان قلعہ کہنہ قاسم پر واقع ہے چونکہ دو عظیم بزرگوں کے مزاروں کے درمیان آپ کا مزار ہے اس لئے اس نسبت سے اصل نام پیر دبر شاہ مشہور ہو گیا۔

1- بحوالہ " اخبارالاخیار، ص 450 جبکہ " تذکرہ اولیائے ہند و پاک " ص 235 کے مطابق وفات 960ھ میں ہوئی

2- (1) تحفۃ الکرام کے مطابق حسام الدین کی نسبت سے یہ علاقہ حسام پورہ کہلوایا، ص 363
(2) حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، ص 111

3- بحوالہ " رکن الدین عالم ملتانی " ص 603

بہاء الدین زکریا کے ہی فیض یافتہ اور ہم عصر ایک اور بزرگ شیخ حسین کاہ ہر کا شمار بھی ملتان کے اولیاء میں ہوتا ہے ان پر ہمیشہ بے خودی اور عشق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس حالت سے پہلے آپ گھاس کھود کر روزی کمایا کرتے تھے آپ کا انتقال ملتان ہی میں ہوا۔ آپ کا مزار بوہڑ گیٹ کے اندر ہے۔

بہاء الدین زکریا ہی کے ایک اور مرید اور خادم حضرت شاہ دانا شہید بھی بڑے کشف و کرامات والے بزرگ تھے۔ جن کا مزار اندرون دہلی گیٹ واقع ہے۔ آپ کے صوفیانہ مسلک پر حضرت بہاء الدین زکریا اور حضرت بابا فرید گنج شکر کی شخصیتوں کے اثرات تھے آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ

" اندر غوث بہاء الحق باہر قطب فرید   ہے تیں بہت آنا ولی مٹک شاہ دانا شہید "[1]

آپ کی بیعت بہاء الدین زکریا ہی کی تھی بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد آپ شیخ صدر الدین عارف کے [illegible] معتقد خاص کی حیثیت رکھتے تھے اور انہی کے دور میں آپ نے وفات پائی۔

مشہور صوفی بزرگ عبدالرشید حقانی کے بیٹے حضرت سلطان ایوب قتال کا شمار بھی ملتان کے ان صوفیائے کرام میں ہوتا ہے جو بڑے کشف و کرامات والے تھے۔ سلطان ایوب قتال کا مزار دنیاپور کے نزدیک ہے آپ نے وہاں اپنے دادا کے حکم سے بکریاں چرا کر روزی کمانے میں ساری عمر بسر کی اور 766ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دنیاپور کے نزدیک جنگل میں واقع ہے اور ہر سال 22 چیت کو آپ کے عرس میں شرکت کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں زائرین دور دور سے آتے ہیں۔

سلسلہ قادریہ کے بزرگ شاہ علی محمد بن حسین شاہ 950ھ میں مشہد مقدس سے ملتان تشریف لائے اور حضرت مخدوم سید محمد غوث بندگی گیلانی لاہوری کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرشد کی اجازت سے دریائے چناب کے کنارے شیرشاہ کے مقام پر چلے گئے جہاں آپ مسلسل بارہ سال تک ریاضت و مجاہدے میں مصروف رہے اور آپ کی نسبت سے یہ علاقہ " چاہ چلہ والا " کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے ملتان ہی میں وفات پائی اور دریائے چناب کے کنارے شیر شاہ کے مقام پر شہنشاہ اکبر نے آپ کا مزار تعمیر کروایا جو سیلاب آنے کے باعث منہدم ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ کا تابوت دوسری مرتبہ مبارک چاہ شیخاں والا نزد شیر شاہ

1۔ بحوالہ " مرقع ملتان " از سید اولاد علی گیلانی ، ص 218

میں دفن کیا گیا۔ آپ شیر شاہ کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ صاحب کرامات تھے۔ لاکھوں انسان آپ کے معتقد تھے ان کی یاد میں ہر سال ان کے مزار پر میلہ لگتا ہے جسے شیر شاہ کا میلہ کہتے ہیں۔ آپ کے چھ بیٹے تھے جن میں سے صرف ایک بیٹے شاہ شیر محمد کے ہاں اولاد پیدا ہوئی۔ ملتان کے ایک اور صوفی بزرگ پیر حبیبی سلطان تھے جن کا مزار کہروڑ سے لودھراں کی جانب چند میل پر ہے۔ آپ شاہ علی محمد کے خلیفہ تھے۔

دسویں صدی ہجری کے بزرگوں میں ایک اہم شخصیت حضرت حافظ شیخ محمد اسماعیل کا نام آتا ہے۔ جو 936ھ میں ملتان تشریف لائے۔ آپ نے بغداد کے مشہور عالم خواجہ کمال سے تعلیم حاصل کی جو کہ قرأت میں ماہر اور حافظ قرآن تھے اور اٹھارہ سال وہاں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی۔ ملتان میں آپ نے حرم دروازے کے باہر ایک مسجد میں قرآن درس دینے کے لئے مدرسہ کھولا آپ کی کوششوں سے ہی کئی کشید دماغ طالب علم بھی چند دنوں میں قرآن پاک حفظ کر لیتے تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی لوگوں کو درس دینے کے لئے وقف کر دی تھی۔ نوحت ملتانی کے مطابق

"آپ نے اپنے خرچ پر غریب الدیار اور بے وطن طلباء کے لئے ایک عظیم درسگاہ بنوائی اور خود ہی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے پھر ان بے دیس اور بے وطن طلباء اور دیگر ساتھیوں کے لئے ایک بڑا لنگر خانہ قائم کیا جس میں پانچ سو آدمی ایک وقت میں کھانا کھاتے تھے۔" 1

حافظ اسماعیل کا پیشہ طب تھا جو آپ کی روزی کا وسیلہ بھی تھا۔ حافظ صاحب نے اپنی ساری اولاد کے لئے حفظ قرآن اور طب کی تعلیم کو لازمی قرار دیا تھا۔

حافظ اسماعیل کا شمار ان بلند پایہ صوفیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے جو درس دیا اس کو عملی طور پر لوگوں کے سامنے نمونہ بن کر بھی پیش کیا۔ آپ کے ہاں امیر غریب کی کوئی تفریق نہیں تھی بادشاہ ہو یا غریب انسان دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے۔ خود رزق حلال کمایا اور دوسروں کو بھی تلقین کی اور اپنی اولاد کو بھی یہی سکھایا۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے آپ کی ایک بیاض طب فارسی اور رسالہ مرآۃ الصوفی تصوف کے موضوع پر ہے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ امام بخش، حضرت خواجہ احمد یار

1۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" ص 157

کے نام ملتے ہیں۔

آپ نے 1011ھ میں ملتان میں وفات پائی اور ریلوے اسٹیشن کے جنوب کی طرف مسجد طوطلاں کے عقب میں آپ کا مزار موجود ہے۔[1]

کچھ ایسے لوگوں کی ملتان میں آمد کا پتہ چلتا ہے جو اپنے صوفیانہ مرتبے اور روحانی فیض سے زیادہ اپنے شعری، ادبی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی اثرات کی بدولت مشہور ہوئے ان میں حضرت امیر خسرو اور حسن دہلوی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

(18) حضرت امیر خسرو

حضرت امیر خسرو ایک عہد ساز شخصیت کے حامل تھے آپ کی صوفت و سیرت میں اہل تصوف کا طریقہ عیاں تھا اور اگرچہ بظاہر بادشاہوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن حقیقت میں ان لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے جو تصوف کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔[2] تاریخ فیروز شاہی کے مطابق

> " وہ (امیر خسرو) مستقیم الحال صوفی بھی تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ صوم و صلوٰۃ اور قرآن خوانی میں گزرا ۔ وہ تعبدی اور نازی عبادات میں یکتا تھے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ وہ شیخ نظام الدین کے خاص مریدوں میں تھے۔۔۔ صاحب سماع اور صاحب حال و وجد تھے گانے اور راگ وغیرہ ایجاد کرنے (علم موسیقی گفتی و ساختنی) کے فن میں کمال رکھتے تھے۔۔۔" 3

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں

> " سلسلۂ چشتیہ میں عجیب صاحب کمال، وسیع مشرب، صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔" 4

1۔ بحوالہ " اولیائے ملتان " از اولیائے ملتان، ص 158
2۔ بحوالہ " سیرالاولیاء " ص 299
3۔ بحوالہ " تاریخ فیروز شاہی " ص 522
4۔ بحوالہ " اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام " ص 16

امیر خسرو کے آباؤ اجداد ترکی النسل تھے اور لاچین قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ منگولوں کا فتنہ اٹھا تو یہ تیرھویں صدی عیسوی میں ہجرت کر کے دریائے سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ پہلے شمال مغربی حصے میں قیام کیا پھر التمش کے عہد میں دہلی آ گئے ۔ خسرو کے والد سیف الدین محمود التمش کے دربار سے وابستہ تھے۔ امیر خسرو مومن پور پٹیالی (ہندوستان) کے مقام پر 651ھ/1253ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اور تربیت اسی شہر میں ہوئی۔ آٹھ برس کے تھے کہ والد وفات پاگئے۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان کے نانا عمادالملک کے زیر سایہ ہوئی ۔ عمادالملک التمش کے عہد سے لے کر بلبن کے عہد تک دربار کے ساتھ وابستہ اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ آپ طنطنے اور شان و شوکت کے حامل تھے۔ ان کا دسترخوان اور مجلس رئیسانہ اور شاہانہ تھیں۔ امیر خسرو نے بھی اسی شاہانہ ماحول میں پرورش پائی اور ان مجلسوں میں علماء، شعراء اور ماہرین موسیقی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ انھیں صحبتوں کا اثر تھا کہ آپ نے بہت ہی کم عمری میں شعر کہنے شروع کر دیے۔ آٹھ برس کی عمر میں والد کی وفات پر ایک مرثیہ کہا۔ امیر خسرو ہفت زبان تھے۔ فارسی، عربی، ترکی، ہندی، سنسکرت سے ان کی واقفیت ثابت ہے۔ انھوں نے طویل زندگی پائی اور آٹھ حکمرانوں کا عہد دیکھا[1]۔ علامہ شبلی نعمانی کے مطابق

" ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناں گوں اوصاف کے جامع ایران اور روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے۔۔۔۔ " 2

امیر خسرو مذہب، فقہ، نجوم، حکمت، صرف و نحو اور ادب و شعر پر مہارت رکھتے تھے۔

امیر خسرو سب سے پہلے غیاث الدین بلبن کے بھتیجے امیر کشلو خاں چھجو کے دربار کے ساتھ وابستہ ہوئے اور دو سال ان کی ملازمت میں رہے۔ بعد میں بلبن کے بیٹے بغرا خاں کو بنگالے کی حکومت عطا ہوئی تو امیر خسرو دہلی چلے آئے اور بلبن کے دوسرے بیٹے ملک محمد قاآن کے شعرائے خاص

1۔ " تاریخ ادب اردو" (جلد اول) ص 34 کے مطابق گیارہ حکمرانوں کا زمانہ دیکھا۔

2۔ بحوالہ " شعرالعجم (جلد دوم) از شبلی نعمانی، صفحہ 118، مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، بار اول 1972ء

میں شامل ہوئے۔ جب سلطان محمد ملتان کے حاکم مقرر ہوئے تو امیر خسرو اور حسن دہلوی کو اپنے ساتھ ملتان لے آئے۔ یہاں پانچ برس تک ان کا قیام رہا۔[1] خسرو لکھتے ہیں

" پنج سال دیگر پنج آب ملتان را از بحور لطافت قافی آب دا دم " 2

ہلاکو خاں کے بیٹے ارغون خان نے جو ایران کا حکمران تھا، اپنے ایک امیر تیمور خاں کو لشکر کے ساتھ ہندوستان بھیجا۔ وہ لاہور اور دیپال پور کو فتح کر کے ملتان پہنچا اور یہاں حملہ آور ہوا۔ سلطان محمد خاں شہید اس جنگ میں شہید ہو گئے اور چونکہ امیر خسرو اور حسن دہلوی اس معرکے میں شریک تھے وہ تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور بلخ پہنچ گئے۔ دو سال بعد رہائی حاصل کر کے دہلی آئے یہاں خان جہاں صوبہ دار اودھ کی ملازمت اختیار کر لی۔ دو سال ان کے پاس رہے۔ پھر جب جلال الدین خلجی تخت پر بیٹھا تو خواجہ حسن دہلوی کے ساتھ ساتھ امیر خسرو بھی اس کے دربار کے ساتھ وابستہ ہو گئے جب علاؤالدین خلجی اپنے چچا کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا تو امیر خسرو نے ان کی ملازمت اختیار کر لی۔ پھر شہاب الدین، قطب الدین مبارک اور غیاث الدین تغلق نے بھی ان کی قدر دانی کی۔ جب خواجہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہوا تو امیر خسرو تغلق کے پاس بنگال میں تھے۔ وفات کا سنتے ہی دہلی پہنچے اور خواجہ صاحب کی قبر کے مجاور بن گئے۔ اپنے مرشد کی وفات کے چند ماہ بعد یعنی 725ھ (1325ء) میں انتقال فرمایا اور انہی کی پائنتی کی جانب دفن ہوئے۔[3]

تاریخوں کے مطابق امیر خسرو نے 99 کتابیں لکھیں۔ 5 لاکھ کے قریب اشعار کہے اور ہندی زبان میں بے شمار کلام چھوڑا۔ تذکرہ مشائخ کرام کے مطابق

" امیر خسرو نے ننانوے کتابیں سلک نظم میں منتظم کیں اور مشہور ہے کہ امیر خسرو نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کم تر اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں۔" 4

1۔ بحوالہ " شعرالعجم " (جلد دوم) ص 101 —2— بحوالہ " بزم صوفیہ " ص 303

3۔ بحوالہ شعرالعجم حیات حضرت اردو ترجمہ نفحات الانس ص 752 (ب) اقبال کے محبوب صوفیاء ص 298 (ج) تذکرہ اولیائے ہند و پاک، ص 123 (د) شعرالعجم (جلد دوم) ص 110

4۔ " تذکرہ مشائخ کرام " از محمد قاسم فرشتہ ص 124 — سفینۃ الاولیاء (فارسی) ص 99 سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے اس میں لکھا ہے " تصانیف وی از نظم و نثر نود و نه است و اشعار وی آنچه مشہور است از پنج لک کم و از چہار لک زیادہ است۔"

امیر خسرو کی مختلف تصانیف میں دیوان تحفۃ الصغر، دیوان وسط الحیات، غرۃ الکمال، نہایۃ الکمال، قرآن السعدین، مطلع الانوار، شیریں خسرو، آئینہ سکندری، لیلیٰ مجنوں، ہشت بہشت، سپہر، افضل الفوائد، اعجاز خسروی، تاج الفتوح، تغلق نامہ، خزائن الفتوح، مناقب ہند، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ فن ریاضی اور فن موسیقی پر بھی انھوں نے کتابیں لکھیں۔۔۔

طوطیِ ہند امیر خسرو شاعری میں ایک نابغۂ روزگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ شبلی نعمانی کے مطابق

> "فردوسی، سعدی، انوری، حافظ، عرفی، نظیری، بے شبہ، اقلیم سخن کے جم و کے ہیں، لیکن ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتی فردوسی مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا، حافظ، عرفی، نظیری غزل کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے، لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع بدائع کا تو شمار نہیں۔۔۔" 1

امیر خسرو کی فارسی شاعری سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف اس شاعری پر نگاہ ڈالی جائے جس میں انھوں نے ہندی زبان کا استعمال کیا تو ان کی حیثیت صف اوّل کے ان مصنفین میں مسلّم ہے کہ جنھوں نے اردو زبان و ادب کی ترویج میں ابتدائی کاوشیں کیں۔ مولوی عبدالحق نے تذکرہ نکات الشعراء کے حوالے سے ایک قطعہ درج کیا ہے۔

زرگر پسری چو ماہ پارا — کچھ گھڑیے سنوارے پکارا

نقد دل من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ

> "ریختہ اس کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوتی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔۔۔ اس کے علاوہ بہت سی پہیلیاں، انملیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت

1۔ بحوالہ "شعرالعجم" (جلد دوم) ص 118-119

کوئی معتبر ذریعہ نہیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انہیں کی ہیں تو صد ہا سال سے لوگوں کی زبان پر رہنے سے ان کے الفاظ اور زبان میں بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے اور یہ ظاہر ہے اس وقت کی زبان نہیں معلوم ہوتی مثلاً

بالا تھا جب سب کو بھایا   بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں   بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں (چراغ)

دس ناری ایک ہی شوہر   ستی باہر یا کا تعمیر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم   منہ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

لیکن ان کے فارسی کلام میں بہت سے ہندی لفظ بے تکلف استعمال ہوئے ہیں اور ان کی مثنوی تغلق نامہ " جی جی تیر مارا " کا جملہ اس وقت کی ہندوی یا دہلوی زبان کی شان کو بتاتا ہے۔" 1

فنون لطیفہ میں شاعری کے ساتھ ساتھ امیر خسرو کو موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا مولانا شبلی نعمانی کے بقول

" موسیقی میں یہ کمال پیدا کیا کہ نائک کا خطاب ان کے بعد آج تک کوئی شخص حاصل نہ کر سکا۔" 2

موسیقی کی دنیا میں ان جیسا نادر کوئی پیدا نہیں ہوا انہوں نے نہ صرف کئی ساز ایجاد کئے بلکہ بے شمار راگ ان کی بدولت دنیائے موسیقی میں متعارف ہوئے۔

تہذیبی اور ثقافتی سطح پر بھی امیر خسرو کے کارنامے کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ انہوں نے صوفیانہ زندگی کی اس روش کو عام کیا جس نے انسانی دوستی اور دنیاوی زندگی کے تقاضوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنے تخلیقی تجربات کا اظہار روحانی یا فکری سطح پر کرنے کی بجائے جمالیاتی اور جذباتی سطح پر کیا اور دوسری طرف انہوں نے سید علی ہجویری اور بابا فرید گنج شکر کی طرح ہند و مسلم ثقافت کے ملاپ کے عمل کو تیز کیا قاضی جاوید کے مطابق

" امیر خسرو ہندی مسلم تہذیب کے معاملہ میں انہوں نے شعوری طور پر اس

1۔ بحوالہ " اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام " ص 17-18
2۔ بحوالہ " شعر العجم " جلد دوم، ص 120

> ثقافتی بیگانگی کو ختم کرنے کی کوشش کی جو برصغیر کے دو بڑے ثقافتی گروہوں کے درمیان چلی آ رہی تھی۔۔۔" 1

اس تہذیبی ملاپ کے لیے انھوں نے سب سے بڑا ذریعہ زبان کو بنایا اردو زبان کی ابتدائی نشو و نما میں امیر خسرو کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ انھوں نے ایک مشترکہ زبان کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نہ صرف ہندی الفاظ و تراکیب کو بکثرت استعمال کیا بلکہ فارسی زبان کو بھی برصغیر کے مزاج اور صورت حال کے مطابق ڈھالنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی غزلیں مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں جن میں ایک مصرع فارسی کا اور ایک مصرعہ ہندی کا ہے۔

ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ز مہر آں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں

بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے دورائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں 2

امیر خسرو کے یہاں مقامی زبانوں کے الفاظ کے استعمال اور صحت میں جو تجربات ملتے ہیں ان کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ امیر خسرو کو ملتان میں پانچ سال قیام کرنے کا موقع ملا اس دوران میں انھوں نے ملتانی زبان کے الفاظ بھی سیکھے اور ان الفاظ کو اپنی شاعری میں برتا۔ مولانا محمود شیرانی نے امیرخسرو

1- بحوالہ "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" ص 53
2- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" (جلد اوّل) از ڈاکٹر جمیل جالبی ص 28

کی ایک نظم درج کی ہے۔

وہ گئے بالم وہ گئے ندیاں کنار — آپ پار اتر گئے ہم تو رہے اروار

بھائی رے ملاح ہم کو بھی پار اتار — ہاتھ کا دیوں گی مندرا گل کا دیوں گی ہار

دیکھ میں اپنے حال کو روؤں زار و زار — ہیں گنوتا بہت ہیں ہم ہیں اور گنہار

بابل بھیجی میں بیچ کی نادان کو پھول — ہو جھاڑ جھٹ وہا جانان ندھا مستول

چکنا چکیوں دو نیچے اکھیں ماروں کو — اور مان کرتار کی رب سمجھوں ہمسو

بیچ بیچتی چکھ کر روؤں دن رین — بہا کرتی میں بیچوں پلہ بھر سکھ نہ چین

سجن نائیں سو سکھ سبھی کتاں کی گل لائے — میں دکھیاری جنم کی دکھیں گل لا[1]

ناری چھوٹا دیس میں ہیے پیارے پکار — دروازے دیتے رہ گئے نکس گئے سوار

گوری سوئے پلنگ پر مکھ پر ڈارے کیس — چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چو دیس

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق

" نشان زدہ الفاظ اور ترکیبیں اصل کے لحاظ سے تو ہندی ہیں لیکن اس لحاظ سے خالص ملتانی ہیں کہ یہ دوسری زبانوں میں ان معنوں میں یا ان ترکیبوں سے استعمال نہیں ہوتیں اگرچہ ملتانی زبان میں یہ عام ہیں " دروازے دیتے رہ گئے" میں دروازہ دینا بمعنی دروازہ بند کرنا غالباً" اردو کا محاورہ ہے اور نہ کسی دوسری زبان کا " ندھا مول" یعنی اصل بھی حاصل نہ ہوا خالص ملتانی زبان ہے گل لائے بمعنی گلے ملنا یا گلے لگانا آج بھی ملتانی میں سنا جا سکتا ہے نیز یا بہا بمعنی " اور " اگرچہ پراکرت سے آیا ہے مگر جدید عہد آریائی زبانوں میں سوائے سندھی کے اور کسی زبان میں اس کی کوئی شکل موجود نہیں۔[2] "

گویا امیر خسرو کے یہاں زبانیں مخلوط کرنے کے بے شمار نمونے ملتے ہیں مثلاً" امیر خسرو کا شعر ہے۔

میں کا بر سر ہے جیا دم گئی — یار بر سر جہاد گھٹا بل

1۔ بحوالہ " پنجاب میں اردو" ص 194

2۔ بحوالہ " ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق " ص 334، مطبوعہ اردو اکادمی بہاولپور، بار اول 1967ء

یہ شعر غالباً اس موقعہ پر کہا جب مغول انہیں گرفتار کر کے ملخ لے جا رہے تھے۔ اب اس شعر میں "چُل" کا لفظ غالباً ملتانی زبان کا ہے جس کا مطلب ہے "چلو" ۔۔۔۔ اسی طرح خالق باری[1] ان کی منظوم لغت ہے جس میں عربی، فارسی الفاظ کے معنی اور مترادفات برج بھاشا، ہندوی، سرائیکی اور پنجابی میں بیان کئے گئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

طلا پیلا زرد کھیوند — تانا بانا سی ست و پود
توپ خسرو روز بل آئی — ساری زرد جھور هی جانی
تمرا بلاشم میں تنعہ کہیا — کہا باهدن تو کت رهیا
بیا بیر دور آ دیں بھائی — بنشیں مادر بیٹھ بی بھائی
خط مشاده هندوی بول جو کہیں گال — آج امروز بداں فردا راتو بکوی کال
عنا چھم آرزو چاؤ کہلیے — بدو دست هاتھ و قدم پاؤں کہلیے
ماهیه اندام آتش کام هے — هم پیمانه نام ساغر جام هے
کشتی و زهرو تو بداں ناؤ هے — زخم و جراحت تو بداں گھاؤ هے
مولوی صاحب سول پنساه — کہا بھکاری خسرو شاه[2]

غرض شاعری، موسیقی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی سطح پر امیر خسرو کے تخلیقی تجربات نے انہیں نہایت اہم معمار کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں جنہوں نے اصناف دوستی کے بیج کو اپنایا اور ذہن لطیفہ کے علاوہ زندگی کے چلن کو بھی متاثر کیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے الفاظ میں

"امیر خسرو ۔۔۔ فارسی کے ایسے با کمال شاعر تھے کہ خود اہل زبان ان کا لوہا مانتے تھے۔ موسیقی کے ایسے استاد تھے کہ ان کی ایجادات و اختراعات آج تک علم موسیقی کی [illegible] کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ اردو زبان و

1۔ بعض لوگوں نے اس کا امیر خسرو کی تصنیف ہونے پر شبہ کا اظہار کیا ہے لیکن جناب ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق یہ امیر خسرو کی لغت ہے۔ اس بحث کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "تاریخ ادب اردو" جلد اوّل، ص [illegible] تا [illegible]

2۔ بحوالہ خالق باری بہ قلم جلی مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور، بار اوّل فروری 1910ء صفحہ 1 تا 27

ادب کے وہ شاعر اوّل ہیں جن کی مٹھاس آج بھی زبان میں شہد گھول رہی ہے
امیر خسرو دو تہذیبوں کے امتزاج کے وہ گل بوٹے ہیں جو ابھرتی ہوئی
تہذیبوں کے ایسے ہی موڑ پر ظہور میں آتے ہیں اور خود تہذیب کی علامت
بن جاتے ہیں ۔ امیر خسرو ہند مسلم ثقافت کی وہ زندہ علامت ہیں کہ
جب تک دنیا ہے اس تہذیب کے اوّلین علامت کی حیثیت سے یادگار رہیں گے
ـــ ان کا اردو کلام ایک تبرک کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ امر کہ بعد میں
بہت سا کلام ان کے نام سے منسوب ہو گیا ، خود اس بات کا اشارہ ہے کہ
امیر خسرو ہمارے طرز احساس کے ایسے علامت ہیں جو تہذیبوں کے خون میں
شامل ہو کر خود ظہور بن جاتے ہیں ـــ " 1

(19) حسن دہلوی

شہزادہ سلطان محمد کے دربار میں امیر خسرو کے ساتھ ساتھ اس دور کے ایک اور بڑے شاعر اور بزرگ حسن دہلوی کا نام بھی آتا ہے شہزادہ محمد جب امیر خسرو کو دہلی سے ملتان لائے تو حسن بھی ساتھ تھے ۔ حسن 653ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں پلے ۔ حسن امیر خسرو کے ہم عصر بھی تھے اور پیر بھائی بھی کیونکہ وہ بھی نظام الدین اولیاء سے بیعت تھے۔ عبدالرحمان جامی نے انہیں " سعدی ہندوستان " کہا ہے۔[2] مولانا جامی تاریخ ہند کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

" حسن مکارم اخلاق اور لطافت و شرافت مجالس اور عقل کی استقامت اور صوفیاء
کے دستور و آداب اور قناعت کے لزوم اور پاکیزہ انتظار اور دنیاوی علائق سے
تجرید اور تفرید میں ظاہری اسباب کے بغیر خوش رہنے اور اچھی گزران کے ساتھ
رہنے میں حسن جیسا دوسرا آدمی بہت ہی کم دیکھا ہے وہ ایسی شیریں
مجلس والا با ادب اور مہذب تھا کہ جو وقت مجھے ان کے پاس بیٹھ کر
ملتی تھی وہ کسی دوسرے کی مجلس میں نہ پاتا تھا ـــ " 3

حسن دہلوی اپنے وقت کے نہایت اہم اور قادر الکلام شاعر تھے مراۃ الاسرار کے مطابق

1- " تاریخ ادب اردو " جلد اوّل ، ص 34
2- بحوالہ " تاریخ ادب اردو " از ڈاکٹر جمیل جالبی ، ص 34
3- بحوالہ " حیات صوفیہ اردو ترجمہ نفحات الانس " ص 732-753 ، مترجم محمد ادریس انصاری

"تمام شعرائے وقت میں سے فی البدیہہ کوئی آپ سے بہتر شعر نہیں کہتا تھا۔ شاہان دہلی آپ کے کلام کے عاشق تھے" ۔1

آپ فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ امیر خسرو کی طرح حسن نے بھی فارسی اور ہندی کو ملا کر شعر کہے ہیں مثلاً:

ہر لحظہ آید در دلم دیکھوں اسے ٹک جائے کر
گویم حکایت ہجر خود با آں صنم جیو لائے کر
آں سیم تن گیسو سیہ در گوشہ ما آتش جرا
ماہی صفت تڑپوں سدا جو ٹک نہ دیکھوں جائے کر
تاکے خورم خون جگر کا میں کہوں دکھ جائے کر
سوز فتادہ در تنم پیوستہ دے گئی سلگائے کر
گشتم ہمی حوں در بدر با ہم اگر حالے خبر
پوں پور رہا بے ہوش میں ظفر اچہوں کا طمہا آئے کر
بسیار گفتم ایں سخن ای دل بکس ہرگز مگو
ان کی تباہی اب کٹھن بے ہوش کہی سمجھائے کر
بس حوصلہ کر دم ای حسن بے جاں شدم از دم بدم
کیسے رہوں ہمدم حسن تم لے گئی سدلک لائے کر

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ

"ممکن ہے نقل در نقل کے سبب اس غزل کے بعض الفاظ وہ نہ رہے ہوں جو حسن نے لکھے تھے، لیکن لفظوں کے ادھر ادھر ہونے یا معمولی تبدیلی سے زبان کے مزاج اور لہجے پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ جو بات قابل توجہ ہے وہ نیا لہجہ ہے جو "ہندی ایرانی تہذیب" کا مظہر ہے جس نے مردہ لفظوں میں جان بھی ڈال دی ہے اور ایک ایسی جھنکار پیدا کر دی، جو ہندی کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے جس نے زبان کو نئے

1- بحوالہ " مرآت الاسرار " (جلد دوم) ص 254

سفر اور طی منازل کا راستہ بتا دیا ہے۔" 1

حسن دہلوی نظام الدین اولیاء کے کاتب تھے۔ شیخ اعظم نے نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو " فوائد الفواد " کے نام سے جمع کیا۔ اس کے علاوہ فارسی میں " فوائد الصحو" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ آپ نے 736ھ میں دولت آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔2

اب اگلے باب سے ہم دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کا ذکر شروع کر رہے ہیں جن میں حقہ چارہ منزل سے براہ راست عشق ہے۔

1۔ بحوالہ " تاریخ ادب اردو" جلد اوّل، ص 35
2۔ بحوالہ " تذکرہ اولیائے ہند و پاک" از مرزا محمد اختر دہلوی، ص 123، مطبوعہ شیخ آدم شیخ عبداللہ پبلشر بمبئی والے باھیر

کتابیات (تیسرا باب)

شمار	مصنف	کتاب	ناشر/ایڈیشن نمبر
1	آرنلڈ، ٹی ۔ ڈبلیو، پروفیسر عنایت اللہ شیخ، ڈاکٹر (مترجم)	دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام)	محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور طبع اول 1972ء
2	آفتاب بیگ، مرزا	تحفۃ الابرار	مطبع رضوی، دہلی، 1323ھ
3	اصغر علی چشتی	جواہر فریدی	وکٹوریہ پریس، لاہور 1301ھ
4	امام بخش، مولوی	حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار	اس کتاب کا ٹائیٹل صفحہ غائب ہے اس لئے پریس کا پتہ نہیں چلتا۔
5	امیر خسرو	خالق باری بہ قلم جلی	مطبع مفید عام لاہور، بار اول فروری 1910ء
6	بدرالدین اسحاق، خواجہ	اسرار الاولیاء	اللہ والے کی قومی دکان، لاہور
7	ایضاً	اسرار الاولیاء (فارسی)	نولکشور لاہور چھٹا ایڈیشن، 1917ء
8	بدر، کرم الٰہی	تاریخ ملتان	اعتزاز پبلیکیشنز، لاہور، بار اول 1978ء
9	برنی، ضیاء الدین سید معین الحق، ڈاکٹر (مترجم)	تاریخ فیروز شاہی	مرکزی اردو بورڈ، لاہور
10	ٹیمپل آرسی میاں عبدالرشید (مترجم)	حکایات پنجاب (حصہ سوم)	مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول 1962ء
11	جمالی، حامد بن فضل اللہ قادری، محمد ایوب (مترجم)	سیر العارفین	مرکزی اردو بورڈ لاہور
12	جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اول)	مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول 1975ء
13	جعفر قاسمی طاہر اسدی (مترجم)	بابا فریدالدین مسعود گنج شکر	"المعارف" لاہور

14	منشی رام مشتاق فریدکوٹی بدری، صابری، قادری	ارشادات فریدی یعنی سلوک فریدی	اللہ والے کی قومی دکان لاہور 1927ء
15	حسین رضا گردیزی	شاہ یوسف گردیز	کاروان ادب ملتان مبارک 1983ء
16	حکم چند	تواریخ ملتان	
17	خواجہ حسن دہلوی	فوائد الفواد (فارسی)	نولکشور 1302ھ
18	خواجہ حسن دہلوی / امیرحسن علاء سنجری / (مترجم) محمد سرور، پروفیسر	فوائد الفواد	علماء اکیڈمی، اوقاف پنجاب، لاہور 1393ھ/1973ء
19	خواجہ غریب نواز	خواجہ غریب نواز	شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم 1978ء
20	حضرت الہدایہ ابن شیخ عبدالرحیم/ردائی محمد معین الدین، پروفیسر	تذکرہ خواجگان چشت، اردو ترجمہ "سیر الاقطاب"	نفیس اکیڈمی، کراچی
21	رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر	اردو نثر کا آغاز و ارتقاء (19ویں صدی کے اوائل تک)	کوہ سنز پبلشرز، کراچی 1978ء
22	شارب، ظہورالحسن، ڈاکٹر	حس الحمد	تاج پبلشرز، دہلی
23	ایضاً	دلّی کے بائیس خواجہ	ایضاً
24	شبلی نعمانی، علامہ	شعرالعجم (جلد دوم)	مشعل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
25	شطاری، محمد غوثی، مانڈوی / فضل احمد جیوری (مترجم)	گلزار ابرار (فارسی) اردو ترجمہ "اذکار ابرار"	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور سن اشاعت 1383ھ
26	شمیم محمود زیدی، ڈاکٹر	احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین (فارسی)	انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
27	شہاب، مسعود حسن	خطۂ پاک اچ	اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اوّل 1967ء
28	صباح الدین عبدالرحمان، سید (مرتبہ)	بزم صوفیہ	"معارف" اعظم گڑھ 1374ھ/1954ء
29	عبدالعلیم سید مولانا بوشہری / محمد حسین امام خان (مترجم)	نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع و النواظر	مقبول اکیڈمی، شاہ عالم مارکیٹ لاہور طبع اوّل 1965ء
30	عبدالرحمان چشتی، مولوی	تذکرہ اولیائے ہند	لکھنؤ 1914ء
31	عبدالرحمان شیخ / سیال، واحد بخش کپتان (ترجمہ و تحقیق)	مرآۃ الاسرار (جلد دوم)	صوفی فاؤنڈیشن لاہور سن اشاعت 1982
32	عبدالرحمان، مفتی	آئینہ ملتان	مکتبہ اشرف المعارف، ملتان

33	عتیق فکری، علامہ	نقش ملتان (جلد اوّل)	فکری اکیڈمی بشراکت مجلس ثقافت و تاریخ ملتان مسی اشاعت جنوری 1982ء
34	علاؤالدین علی حسینی، مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی (مترجم)	الدرالمنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ از جامع العلوم	مطبع انصاری دہلی 1309ھ
35	غلام سرور لاہوری	خزینۃ الاصفیاء	مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
36	ایضاً	خزینۃ الاصفیاء (جلد دوم)	نولکشور پریس کانپور
37	ایضاً	حدیقۃ الاولیاء	ایضاً
38	فرحت ملتانی	اولیائے ملتان	مکتبہ تعمیر ادب ملتان، مارچ 1984ء
39	فقیر محمد اشفاق حسن	حال یوسف	مطبع البی آگرہ 1326ھ
40	فرشتہ، محمد قاسم خواجہ عبدالحئی (مترجم)	تاریخ فرشتہ (جلد دوم)	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
41	ایضاً	تاریخ فرشتہ (جلد اوّل)	ایضاً
42	فرشتہ، محمد قاسم	تذکرہ مشائخ کرام	احسن برادرز، لاہور 1965ء
43	ایضاً	ترجمہ تاریخ فرشتہ اردو جلد اوّل	نولکشور پریس لکھنؤ
44	فریدی، نور احمد (مولانا)	تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی	قصر الادب، مکھوالہ، ضلع ملتان
45	ایضاً	تذکرہ صدرالدین عارف (جلد اوّل)	ایضاً
46	ایضاً	تذکرہ بہاءالدین زکریا ملتانی	محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، طبع اوّل 1980ء
47	فیاض محمود، سیّد (مرتبہ)	تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، جلد 13	پنجاب یونیورسٹی لاہور
48	قادری، داراشکوہ شہزادہ	سفینۃ الاولیاء (فارسی)	نولکشور
49	قادری، داراشکوہ شہزادہ محمد علی لطفی (مترجم)	سفینۃ الاولیاء	نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ششم 1982ء
50	قادری، محمد ایوب	مخدوم جہانیاں جہاں گشت	ادارہ تحقیق و تصنیف کراچی بار اوّل 1963ء
51	قاسمی، جاوید	پنجاب کے صوفی دانشور	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
52	ایضاً	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء	بک ٹریڈرز، ادارہ ثقافت پاکستان، لاہور طبع اوّل 1977ء
53	قانع ٹھٹھوی، علی شیر حسن بخش خان بلوچ، ڈاکٹر (مترجم)	تحفۃ الکرام	سندھی ادبی بورڈ کراچی 1959ء
54	قدوسی، اعجاز الحق	تاریخ سندھ (دو جلدیں)	مرکزی اردو بورڈ لاہور

55	قدوسی، اعجاز الحق	اقبال کے محبوب صوفیہ	اقبال اکادمی، لاہور، طبع اوّل جنوری 1976ء
56	قصوری، محمد شاکر	خیر المجالس (اردو ترجمہ) مسطاب سراج المجالس	واحد بک ڈپو، جوتا مارکیٹ کراچی
57	کیفی جام پوری	سرائیکی شاعری	بزم ثقافت ملتان، طبع اوّل 1949ء
58	گیلانی، ابوالبرکات علی سید	مرقع ملتان	سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان نے 1938ء میں شائع کی۔
59	محمد اکرام شیخ	آب کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ساتویں بار 1975ء
60	محمد امین، پروفیسر	اشارات فلسفہ	کاروان ادب، ملتان 1978ء
61	محدث دہلوی، عبد الحق شیخ ملک محمد لطیف (مترجم)	"اذکار صوفیہ" یعنی اخبار الاخیار فی اسرار الابرار	شعاع ادب، لاہور، مارچ ستمبر 1967ء
62	محدث دہلوی، عبد الحق شیخ سبحان محمود صاحب، مولانا / محمد فاضل صاحب، مولانا (مترجمین)	اخبار الاخیار	مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
63	مسعود، وحید احمد	سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر	رحمانیہ کشمیر، لاہور، سنہ اشاعت 1981ء
64	محمد اختر دہلوی، مرزا	تذکرہ اولیائے ہند و پاک	سجاد آدم جی عبداللہ پبلشرز بمبئی والے لاہور
65	محمد بلال صاحبزادہ (مرتب)	روضۃ الاقطاب	مطبع محمد علی، طبع اوّل 1124ھ
66	محمود شیرانی، حافظ وحید قریشی، ڈاکٹر (مرتبہ)	پنجاب میں اردو	اشرف پریس، لاہور، طبع چہارم 1972ء
67	محمود شیرانی، حافظ	مقالات حافظ محمود شیرانی (جلد اوّل و دوم)	مجلس ترقی ادب، لاہور طبع اوّل 1966ء
68	محی الدین احمد	لمعات خواجہ	محب الادب، کراچی، طبع اوّل جون 78ء
69	محی الدین، مولانا	جواہر فریدی	وکٹوریہ پریس لاہور 1301ھ
70	مولوی عبد الحق، ڈاکٹر	اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام	
71	مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر	مقالات دینی و علمی (حصہ اوّل)	مزدور پرنٹنگ پریس لاہور
72	مہر عبد الحق، ڈاکٹر	سرائیکی زبان اور اسکی ہمسایہ علاقائی زبانیں	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، سن اشاعت 1977ء

73	میر خورد، سید محمد بن مبارک کرمانی بریاں، غلام احمد (مترجم)	سیر الاولیاء	الکتاب گنج بخش روڈ لاہور، سال اشاعت 1982ء
74	ہاشمی، بشیر حسین	اولیائے ملتان	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور
75	نظام الدین اولیاء (خواجہ) ملک فضل الدین نقشبندی (مترجم)	راحت القلوب	اللہ والے کی قومی دکان، لاہور
76	نظامی، خلیق احمد قاضی محمد حفیظ اللہ (مترجم)	احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر اردو ترجمہ "دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر"	العارف گنج بخش روڈ لاہور، سن اشاعت 1983ء
77		وقائع شاہ معین الدین چشتی (فارسی)	نولکشور پریس 1300ھ
78		بزم صوفیہ	معارف اعظم گڑھ 1949ء
79		ملفوظات مظہریہ و محبوب العارفین	مطبع محمدی، لاہور، 1301ھ

قلمی نسخے

1	زکریا، بہاء الدین (ملتانی)	دیوان فارسی	
2	ضیاء الدین بن حافظ مولوی عبداللہ قادری	خلاصۃ العارفین (فارسی) ملفوظات حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی	27 شعبان 1290ھ
3	شرف الدین قریشی، شیخ	منبع البرکات (تذکرہ صالحیہ) (فارسی)	
4	فرید مسعود اجودھنی	گنج الاسرار (ملفوظات بابا فرید گنج شکر)	15 جمادی الثانی 1277ھ
5	گل محمد بہشتی مولوی	گلزار فریدی (فارسی) ملفوظات بابا فرید گنج شکر	
6	محمد افضل قریشی	خلاصۃ اللباب (فارسی)	
7	یار محمد فرید خواجہ تاج محمود چشتی پاکپتن	المنتخب ملفوظ شریف (فارسی)	اس کے دو نسخے حاصل ہوئے، ایک جناب اسد نظامی سے اور دوسرا ڈاکٹر طاہر تونسوی سے
8	قادری، دارا شکوہ	سفینۃ الاولیاء (فارسی)	کاتب یار محمد مرید غلام حسن شہید 30 رمضان المبارک 1280ھ

رسائل

1	دیوانہ، موہن سنگھ، ڈاکٹر	بابا فرید الدین گنج شکر ابراہیم اور فرید ثانی	"پنجاب یونیورسٹی میگزین" فروری 1938ء
2	راشدی، حسام الدین، پیر	اردو زبان کا اصلی مولد سندھ	"اردو" انجمن ترقی اردو، کراچی اپریل 1951ء
3	عین الحق فرید کوٹی	اسماعیل بزرگ کا عارفانہ کلام	"ماہ نو" اکتوبر 1981ء

اخبارات

1	عتیق فکری، علامہ	برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات	"امروز" ملتان جمعہ، 26 جون 1978ء
2	غضنفر مہدی	ملتان کے قدیم علمی و ادبی محسن	ایضاً
3	محمد اسد، پروفیسر	تصوف اور ملتان	ایضاً
4	محمد اسلم چوہدری	حضرت پیر مخدوم عبدالرشید حقانی	روزنامہ "جنگ" لاہور، 27 جولائی 1982ء

باب چہارم

(ملتان کے صوفیاء)

دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کا احوال

اور ان کی

علمی، ادبی اور تہذیبی خدمات کے حوالے سے

چوتھا باب

دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیائے کرام

(الف) پس منظر

سابقہ باب میں جن صوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان کی وجہ سے سرزمین ملتان میں تصوف کی ایک مستقل اور پائیدار روایت قائم ہو گئی۔ ان صوفیاء کی بدولت ملتان کی تہذیبی، ثقافتی، علمی، ادبی اخلاقی اور مذہبی اقدار کی جو اصلاح ہوئی۔ اس کے واضح نتائج سامنے آئے مختلف صوفیاء کی خانقاہیں مرجع خلائق بن گئیں اور لوگوں نے اپنی مذہبی اور روحانی تشنگی کو دور کرنے کے لئے مختلف سلسلوں کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا شروع کیا۔ ملتان کے علاوہ تونسہ، اوچ، سخی سرور، کوٹ مٹھن، پاکپتن، عبدالحکیم اور خیر پور ٹامیوالی وغیرہ تصوف کے مرکز بن گئے۔

دسویں صدی ہجری کے بعد بھی تصوف اور سلوک تصوف کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا بلکہ حضرت حافظ جمال، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ غلام فرید، حضرت خواجہ خدا بخش اور غلام حسن شہید وغیرہ کی بدولت یہ سلسلہ نہ صرف قائم رہا بلکہ آگے بڑھتا رہا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء کی بدولت تعلیم و تعلّم، رشد و ہدایت اور فلسفہ و فکر کے ساتھ ساتھ زبان و ادب اور علم و فضل کو بھی فروغ ہوا۔ اس دور کے ملفوظات اگرچہ زیادہ تر فارسی ہی میں ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے تراجم ہو چکے ہیں اور بہت سے صوفیاء کا اردو کلام بھی دستیاب ہے۔

لیکن اگر ایک طرف تصوف نے تہذیبی اور علمی سطح پر اپنے دیرپا نقوش مرتسم کئے تو دوسری

جانب عالمی سطح پر مسلمانوں کے مادی اور دماغی زوال کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور انیسویں صدی میں یہ زوال اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا یوں دنیا کے مسلمان بالعموم اور برصغیر کے مسلمان بالخصوص اس زوال کی زد میں آئے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، معاشرتی اور اقتصادی اقدار میں تبدیلیاں لایا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں آزادی کی تحریکیں تیز تر ہوگئیں۔ اٹلی، فرانس اور جرمنی نے انقلاب دیکھے اور ان کے یہاں معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی سطح پر انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں لیکن اس کے برعکس ہندوستان کے مسلمان بتدریج اقتصادی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی طور پر زوال کی طرف بڑھتے گئے۔ سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی اور نئی نئی قوتیں ابھر کر سامنے آ رہی تھیں اس انحطاط کا سبب بادشاہوں کی کوتاہ اندیشی، عیش پرستی اور پست ہمتی تھی اور جب مرکزی ڈھانچہ کمزور ہو جائے تو طرح طرح کی سازشیں، گروہ بندیاں جنم لیتی ہیں پھر ہر کوئی جوڑ توڑ کرنے لگتا ہے تو بیرونی طاقتیں آپس کے انتشار کا فائدہ اٹھا کر اپنا مفاد حاصل کرنے لگتی ہیں کچھ یہی صورت حال ہندوستان میں بھی پیدا ہوئی۔ صوبوں کے گورنر، جاگیردار اور امراء خودمختار ہو گئے یہ لوگ نہ صرف مرکز سے باغی ہوئے بلکہ اپنے اقتدار اور عیش پرستی کے نشے میں غریبوں پر ظلم بھی کرنے لگے جس سے عوام میں پریشانی پھیلی اور اقتصادی بدحالی میں اضافہ ہوا ان کی دیکھا دیکھی سکھ، مرہٹے، جاٹ اور روہیلے بھی سر اٹھانے لگے اور اپنے اپنے طور پر ہر ایک نے لوٹ مچا دی۔ سکھوں کی غارت گری خصوصاً تاریخ کا ایک تاریک دور ہے۔ رنجیت سنگھ کے عہد میں ان کی حکومت بہت پھیل گئی 1234ھ/1818ء میں ملتان پر بھی اس نے قبضہ کر لیا۔[1]

اندرونی سازشوں کے علاوہ بیرونی حملہ آوروں نے برصغیر کی سیاسی اور اقتصادی بدحالی اور انتشار میں مزید اضافہ کیا۔ جس سے لوگوں میں خوف و ہراس، اضطراب اور مایوسی پیدا ہوئی۔ ان حالات میں جب کہ ملکی سیاسی، سماجی فضا اس قدر بگڑ چکی تھی، برطانوی سامراج کی یلغار کو روکا نہ جا سکا۔ یوں سیاسی، سماجی اور اقتصادی بدحالی کے ساتھ ساتھ غلامی کا طوق بھی ان کے گلے میں پڑ گیا۔ انگریزوں نے اپنی شاطرانہ چالوں سے غیر منقسم ہندوستان میں اٹھنے والی حریت پسند تحریکوں کو ناکام بنا

1- بحوالہ "انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم" از ولیم ایل لینگر ترجمہ اردو غلام رسول مہر، ص 338
مطبوعہ لاہور، 1961ء

دیا انھیں زیادہ فائدہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نا اتفاقی اور غدّاروں کی مفاد پرستی اور ضمیر فروشی نے پہنچایا۔ انگریزوں کا نشانہ زیادہ تر مسلمان تھے کیونکہ وہ تقریباً پانچ سو سال تک ہندوستان پر حکومت کر چکے تھے۔ انگریزوں کو اب بھی خطرہ انھیں سے تھا۔ ادھر مسلمان 1757ء کی جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کی شکست کے بعد پھر سیاسی طور پر مجتمع نہ ہو سکے۔ 1757ء اور 1857ء کے درمیان پوری صدی مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، اخلاقی اور مذہبی زوال کی صدی ہے۔ اکا دکا تحریکیں وجود میں آئیں لیکن ان کے کوئی خاطر خواہ اثرات مرتب نہ ہو سکے۔ بے عملی، انتشار اور طوائف الملوکی نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جو بساط الٹی تو دوبارہ بچھائی نہ جا سکی۔ ادھر احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ کے حملوں نے اقتصادی بدحالی میں اضافہ کیا۔ غیر منقسم ہندوستان ہمیشہ غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ غیر ملکیوں نے کبھی تجارت کے نام پر اور کبھی طاقت کے بل بوتے پر اس ملک کا استحصال کیا۔ اقتصادی لوٹ مار کا سلسلہ پندرھویں صدی عیسوی میں پرتگیزیوں کی آمد سے شروع ہوا پھر آئندہ صدیوں میں ولندیزی اور فرانسیسی لوٹتے رہے اور رہی سہی کسر انگریزوں نے پوری کر دی۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک کی اقتصادی بدحالی، اخلاقی اقدار کو بھی پامال کر دیتی ہے۔ یہی کچھ ہندوستان میں بسنے والی اقوام کے ساتھ ہوا لیکن اس کی زد میں مسلمان نسبتاً زیادہ آئے کیونکہ انگریزوں کے اقتدار کے بعد شعوری سطح پر مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کو ہر میدان میں آگے بڑھایا گیا اور مسلمانوں کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا گیا۔ غرض عبدالمجید سالک کے مطابق

"مرہٹوں کی بغاوت، سکھوں کی سرکشی، نادر شاہ کا حملہ، دہلی کا قتل عام، احمد شاہ ابدالی کا معرکہ پانی پت، روہیلوں کا دور، ایرانی و تورانی امراء کی کشمکش، بنگال و بہار میں انگریزوں کا تسلط اور پھر سارے ہندوستان پر چھا جانا تاریخ ہند کے ہر طالب علم کو معلوم ہے۔ سلاطین و امراء کی نالائقی، علماء کی غفلت و مداہنت، عمال حکومت کی ملک حرامی اور اخلاق باختگی نے پوری معاشرے کو عقائد فاسدہ اور اعمال شنیعہ کے گرداب میں غرق کر دیا۔" 1

1۔ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" ص 603-602

بھی شامل تھے ان کی وفات 823ھ میں اچ شریف میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند مخدوم عبدالقادر ثانی سجادہ نشین بنے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مخدوم سید عبدالرزاق سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا سن وفات 842ھ ہے۔ سید عبدالرزاق کے فرزند مخدوم سید حامد المعروف سید حامد گنج بخش[1] سجادہ نشین ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے عالم متقی بزرگ تھے۔ آپ کے مریدوں میں ہمایوں بادشاہ ہند کے علاوہ حضرت سید داؤد بندگی کرمانی، حضرت شیر شاہ ملتانی اور نواب میراں حاکم ملتان شامل تھے۔

اسی برگزیدہ انسان کے گھر میں ایک برگزیدہ تر انسان حضرت موسیٰ پاک شہید کی صورت میں 852ھ[2] میں پیدا ہوا۔ آپ کا پورا نام حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک ہے۔ اولیائے ملتان کے مطابق

"ابوالفضل تاریخی مادہ ہے، سلطان المتقین، صدر الواصلین، قطب العالم جمال الاسلام القاب ہیں، ابوالحسن کنیت ہے۔" 3

کتاب "بحرالسرائر" از سید سعداللہ رضوی میں ان کے نام کے ساتھ یہ القاب درج ہیں

"سلطان المتقین، صدر الکاملین، اسوۃ الواصلین، قطب العالم، شیخ المشائخ والاولیاء، سلطان الشہداء و غوث الدنیا والدین، جمال الاسلام و المسلمین، ابوالحسن شیخ موسیٰ شہید قدس سرہ۔" 4

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد علوم ظاہری کی تحصیل شروع کی۔ صرف و نحو، کافیہ اور جملہ علوم متداولہ نو عمری میں حاصل کر لئے۔ سلوک کے مدارج بھی والد محترم کی ہدایت میں طے کئے۔ حضرت شیخ حامد نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم اور تربیت پر خاص توجہ دی۔ "بحرالسرائر" میں خود موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے

"ـــــ حضرت والد ماجدم را مشغول خاطر بود بفکر و ہشت سالہ بودم کہ در سنہ سفر بخدمت خود همراہ کردند و از آنوقت در سفر و حضر از خود جدا نمی ساختند ـــــ شب و روز در کنار رحمت و جوار عنایت ایشان تربیت

1۔ بحرالسرائر از سید سعداللہ رضوی ص 187 پر حامد گنج بخش کی بجائے حامد جہاں بخش اور حضرت موسیٰ پاک شہید کے فرزند کا نام حامد گنج بخش لکھا ہے۔
2۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب تذکرہ نگار اس سن پر متفق ہیں۔
3۔ "اولیائے ملتان" ص 81 مکتبہ شہر ادب ملتان، بار سوم، 1984ء
4۔ "بحرالسرائر" از سید سعداللہ رضوی فارسی (قلمی نسخہ) ص 187 ـــ 1281ھ رمضان المبارک کے مہینے میں

می یافتم و هم در آں ایام طفولیت سخنان ایں طائفہ و در جان ما ریختہ
تربیت باطنی صحبہ شفقت ظاہری می خواستند۔" 1

اس تعلیم و تربیت کی بدولت حضرت موسیٰ پاک شہید شروع ہی سے ریاضت اور عبادت کے عادی ہو گئے۔ والد ماجد اپنے سامنے بٹھا کر سات سات وظائف اور اوراد پڑھواتے ، ذکر جہر اور اشغال باطنی کراتے، اسماء الہی اور ادعیہ صحیح کی تلقین کرتے اور تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے2 غلام سرور لاہوری کے مطابق

"جب باپ کے روبرو انہوں نے تکمیل ظاہری و باطنی پائی تو بخطاب جمال الدین ابوالحسن ملقب ہوئے۔" 3

جب حضرت حامد گنج بخش نے آپ کی تربیت کی طرف سے اطمینان حاصل کر لیا تو اپنے بڑے بیٹے سید عبدالقادر کی بجائے آپ کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا چنانچہ انہوں نے آپ کو اپنا خاص خرقۂ مبارک، سجادہ اور انگوٹھی عطا فرمائی حکیم چند لکھتے ہیں

"تھوڑی عمر میں ہر ایک علم تفسیر و حدیث و فقہ و معانی وغیرہ میں مرتبے اور علم باطنی بھی حاصل کیا۔ والد بزرگوار حضرت سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ بلکہ اپنی حیات میں ہی انہوں نے ان حضرت کو جانشین اپنا بنایا باوجودیکہ بڑے بھائی ان کا نظام الدین عبدالقادر موجود تھے۔" 4

"شیخ حامد در حالت حیات خود امر خلافت و سجادہ نشینی را بولد شریف خود سپرد۔" 5

بحرالسرائر میں خود حضرت موسیٰ پاک شہید کے حوالے سے لکھا ہے

"..... بعد ازاں خرقہ خاص مبارک و جائے نماز و تسبیح خود و انگشتری کہ در اصل کامل داشتند و اسناد برایں اوقات لطف متبرکہ حضرت غوث الثقلین و

1- "بحرالسرائر" فارسی (قلمی) ص 187
2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "بحرالسرائر" قلمی ، ص 168-169
3- "حدیقۃ الاولیاء" ص 41، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور
4- "تواریخ ملتان" ص 81
5- "اخبار الاخیار" ص 206

وطالب کہ دیار شاہاں شخصی کردہ بودند خط را باس سو سلطان عنایت
فرمودند۔۔۔ " 1

موسیٰ پاک کی عمر ابھی چھبیس (26) سال کی تھی کہ 378ھ میں آپ کے والد وفات پا گئے۔ والد کی وفات کے بعد بڑے بھائی سید حسام الدین عبدالقادر نے جانشینی کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ یہ جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ معاملہ دربار اکبری تک جا پہنچا۔ چنانچہ دونوں بھائیوں کو سرم قلی اور خانخاناں کے حکم کے تحت فتح پور سیکری طلب کیا گیا۔ جہاں بڑے بھائی نے ثبوت کے طور پر اپنے والد کا قرآن مجید، مجموعہ اوراد اور چند تبرکات پیش کئے جبکہ موسیٰ پاک شہید کے پاس خرقۂ مبارک اور انگوٹھی تھی۔ آخر طے پایا کہ جھگڑے کا فیصلہ قرآن مجید کی روشنی میں کیا جائے چنانچہ قرآن مجید کھولا گیا تو سورۂ القصص کی یہ آیت تھی کہ

فخرج منها خائفاً یترقب قال ربّ نجّنی من القوم الظّلمین 3

ترجمہ : پھر نکلا (موسیٰ) وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا، بولا اے رب! خلاصی کر مجھ کو اس قوم بے انصاف

چنانچہ اس آیت کے معانی کے مطابق فیصلہ موسیٰ پاک کے حق میں ہوا اور 22 ربیع الثانی 985ھ کو شاہی فیصلے کے مطابق آپ کو سجادہ نشین تسلیم کر لیا گیا۔ مولانا نور احمد خان فریدی اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں

" البتہ حضرت موسیٰ پاک شہید کو والد بزرگوار اپنی زندگی میں ہی جانشین نامزد فرما چکے تھے لیکن آپ کے بڑے بھائی سید عبدالقادر نے اس معاملہ میں نزاع پیدا کیا اور دربار شاہی تک جا پہنچا شہنشاہ اکبر نے ان بزرگوں کو فتح پور سیکری میں طلب کیا اور علماء قضاۃ اور رؤسائے دربار کو تحقیق و تفتیش پر مامور کیا۔۔۔۔۔ اراکین مجلس شوریٰ نے فیصلہ آپ کے حق میں لکھ کر دربار میں پیش کر دیا چونکہ اس واقعہ سے دونوں بھائیوں میں شکر رنجی پیدا ہونے کا امکان تھا اس لئے بادشاہ نے مصلحتاً سید عبدالقادر کو اپنے پاس رکھا اور حضرت موسیٰ پاک شہید کو لشکر کے ساتھ دکن بھیج دیا کچھ عرصہ تک سید عبدالقادر فتح پور میں رہے مگر دربار شاہی کا رنگ ڈھنگ انہیں پسند

1- بحرالسرائرہ فارسی (قلمی) ص 190

ہ آیا اور بغیر اجازت لئے اوچ کو روانہ ہوئے۔ دکن کی مہم سے فارغ ہو کر
حضرت موسیٰ پاک آگرہ آئے تو بادشاہ نے پانصدی کا منصب عطا کر کے جماعت
عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ آگرہ سے رخصت ہو کر آپ دہلی وارد ہوئے۔" 1

عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

"در دریں ایام شیخ موسیٰ بعد از زہد و عبادت و مشیخت چندیں سالہ
ارادت متعارف رسمی بہ بادشاہ آورد وصنعت سپاہگری یافتہ و تسلیم نوکری
کردہ داخل امرای پانصدی شدہ" 2

گویا حضرت موسیٰ پاک شہید صرف مذہبی اور روحانی رہنمائی تک محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے عملی طور پر سیاسیات میں بھی حصہ لیا اور یوں علم کے ساتھ عمل، دین کے ساتھ دنیا اور روحانی مدارج طے کرنے کے ساتھ ساتھ رزم گاہ حیات میں بھی سرخرو ہوئے۔ آگرہ میں آپ نے بہت عرصہ قیام فرمایا اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لے گئے جہاں آپ دینی فرائض کے ساتھ ساتھ دین کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔
شیخ محمد اکرام کے مطابق

"شیخ موسیٰ گیلانی نے ایک عرصے تک لشکر شاہی اور دارالسلطنت میں اسلام
کا بول بالا کرتے رہے اور کئی شہر شیخوں کو اس بادیہ پیما کی بدولت روحانی
تازگی اور استقامت نصیب ہوئی۔۔۔" 3

دہلی میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے متبحر عالم بھی شامل ہیں، جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بشیر حسین ناظم لکھتے ہیں کہ

"آپ کی مسجد میں وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلا اور صوفیاء جمع ہوا کرتے تھے
اور آپ بڑے بڑے نکات اور ادق مسائل بڑے لطیف انداز میں حل فرمایا کرتے تھے
جن بزرگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی ان میں سے حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔" 4

1- ضمنی عنوان "حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید" از حافظ نور احمد فریدی مطبوعہ امروز 3 جون 1983ء (موسیٰ پاک شہید کے عرس کے موقعہ پر خصوصی ایڈیشن شائع ہوا۔)
2- "منتخب التواریخ" جلد سوم از عبدالقادر بدایونی، ص 92، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ
3- "رود کوثر" از شیخ محمد اکرام، ص 386 مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، ساتویں بار 1979ء
4- "اولیائے ملتان" ص 98، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی معروف تصنیف "اخبارالاخیار" میں مرشد سے عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

"اگر دیگراں قطب اند ، او قطب الاقطاب است و اگر ایشاں سلاطین ، او سلطان السلاطین محی الدین کہ دین اسلام زندہ کردانید رفت کفر نمودہ اند" 1

یہ حقیقت ہے کہ موسیٰ پاک شہید گیلانی دین اسلام کی خاطر جس طرح کام کرتے رہے اس کا اظہار صرف عقیدت کے طور پر نہیں کیا گیا بلکہ آپ واقعی حق گو، بے باک اور نڈر انسان تھے۔ آگرہ اور دہلی میں ان کے قیام کا زمانہ وہی ہے جب اکبر "دین الٰہی" کو مروّج کئے ہوئے تھا۔ اگرچہ تاریخوں سے یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ حضرت موسیٰ پاک شہید نے عملی طور پر اس دین کے خلاف کوئی اقدام کیا یا اس کے خلاف کوئی فتویٰ دیا لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکبر کی موجودگی میں دیوان خانہ خاص و عام میں نماز کے وقت خود اذان دے کر با جماعت نماز پڑھاتے مگر کسی کو آپ کو روکنے کی جرأت نہ ہوتی

عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

"در حضور بادشاہ در ہمیں دیوان خانۂ خاص و عام اگر وقت نماز می رسید خود اذان گفتہ نماز بحضور خلیفۂ وقت بہ جماعت می گزارد۔ و ہیچ کس جرأت منع او نتوانست گفت ۔" 2

موسیٰ پاک گیلانی نے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا پھر وہاں سے اُچ کی جانب روانہ ہو گئے میر احمد فریدی کے مطابق

"شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) کی دیکھا دیکھی دہلی شہر کی ہزاروں مخلوق یوں بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی چند یوم یہاں قیام کرنے کے بعد آپ اُچ کو روانہ ہوئے اور والد ماجد کی آرام گاہ پر حاضر ہو کر مرقد اطہر کی خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا اور پھر اُن کی مسند پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔" 3

1- (1) "اخبارالاخیار فی اسرارالابرار" از عبدالحق محدث دہلوی، ص 206، در مطبع مجتبائی دہلی 1332ھ۔ (2) بحرالسرائر (قلمی) ص 195

2- منتخب التواریخ، جلد سوم، ص 92

3- مضمون بعنوان "حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید" مطبوعہ امروز، 3 مئی 1983ء

موسیٰ[1] پاک کا دور بڑی افراتفری اور بے چینی کا تھا یعنی ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ قزاقوں نے ہر طرف لوٹ مار اور راہزنی کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا جس سے لوگ بڑے خوف اور انتشار کا شکار تھے۔ موضع منگی ہٹی میں آپ کے مریدوں کی ایک بستی پر ایک مرتبہ قزاقوں نے حملہ کیا " بحرالسرائر " میں لکھا ہے کہ

> " ..... قوم لنگاهان جمع شده در شب برای غارت برآں ده افتادند آنحضرت سمع شنید شرار خادمی بپرسیدند او عرض کرد که لنگاهان ده را غارت میکنند فرمودند (اشارت) جمیع شدو زمان وصال آمد۔ حضرتش سوار براسپ شدند و خود را بجهت کس حدود میان آں ؟ رسانیدند۔ آں ده بمحض دیدن سواری حضرتش او به هزیمت نهادند و گریختند، درین اثنا از دست سلطان نام لنگاه تیری بوجود کرامت آمود بمالیٔ پہلو مبارکش رسیده بحق پیوست شد ۔ " 1

چنانچہ اسی تیر کی وجہ سے آپ نے شہادت پائی۔ آپ کی تاریخ وفات چہار شنبہ شعبان 1010ھ[2] ہے۔ پہلے آپ کو آپ کے والد کے پہلو میں اوچ میں دفن کیا گیا لیکن 15 سال بعد آپ کے صاحبزادگان سید یحییٰ الاوسط عیسیٰ[1] نے ان کی نعش کو ملتان منتقل کر دیا پھر وہاں سے ان کے فرزند سید مخدوم حامد گنج جو خود ملتان میں رہتے تھے، آپ کی نعش وہاں سے نکلوا کر ملتان میں پاک دروازے کے پاس دفن کرائی اور حضرت موسیٰ[1] پاک شہید کی نسبت سے یہ علاقہ پاک دروازہ کہلوایا۔

موسیٰ[1] پاک شہید کے چار بیٹے تھے سید حامد گنج بخش، سید یحییٰ[1]، سید عیسیٰ[1] اور سید جان محمد۔ ان میں سے بڑے صاحبزادے سید حامد گنج بخش کو اپنی زندگی میں خلافت اور سجادگی سپرد کی اور اشتغال باطنی و اوضاع ظاہر بھی ان کو تفویض کئے۔ " بحرالسرائر " کے مطابق

1۔ بحوالہ " بحرالسرائر " قلمی، ص 197

2۔ بحوالہ (1) تواریخ ملتان از حکیم چند، ص 81 (2) اولیائے ملتان از سید حسین ناظم، ص 99 جبکہ مرقع ملتان از اولاد علی گیلانی ص 217 پر وفات کے وقت ان کی عمر 58 سال بتائی گئی ہے اس طرح سن ولادت / کے مطابق سن وفات 1010ھ بنتا ہے البتہ تذکرہ از شیخ محمد اکرام میں ص 351 پر 1002ھ لکھی ہے جبکہ نوبت ملتانی نے اولیائے ملتان ص 84 پر غلام سرور لاہوری نے حدیقۃ الاولیاء میں ص 41 پر اور محمد حسن شہاب نے " خطہ پاک اوچ " میں ص 316 پر سن وفات 1001ھ لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ آپ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ وفات کے وقت عمر 58 سال تھی اور سن ولادت 952ھ تھا۔ اس کے مطابق آپ کا سن وفات 1010ھ درست ہے۔

"…. درینوقت حالت حیات خود امر خلافت و سجادگی بخلف اعظم خود یعنی شیخ الاسلام …. شیخ حامد گنج بخش سپرد و جمیع لوازم و توابع این امر شریف را از اشتغال باطن و اوضاع ظاهر بحضرت ایشان تفویض فرمودند۔" 1

آپ کا اور سید محمد کا مزار بھی پاک دروازے کے پاس ہے۔ موسیٰ پاک شہید کے چوتھے بیٹے سید جان محمد دہلی چلے گئے تھے ان کا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کی اولاد میں سے ان کے بڑے بیٹے اور خلیفہ سیّد حامد گنج بخش کے فرزند نواب سیّد موسیٰ پاک دین کو بھی پاکیزگی اور بزرگی کے لحاظ سے مرتبہ بلند حاصل ہوا۔ ان کا شمار بھی گیارھویں صدی ہجری کے بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ کا اصل نام ابوالفتح سید فتح علی تھا اور والدہ محترمہ کا نام امۃ الرزاق فاطمہ ہے۔ آپ قابل، ذہین، دلیر اور بہترین منتظم تھے۔ آپ کی قابلیت اور حسن تدبیر سے متاثر ہو کر شاہجہاں نے 1068ھ میں ملتان کی صوبیداری آپ کے سپرد کی تھی۔ بقول بشیر حسین ناظم

"آپ علم و فضل کے مرقع تھے ان کے عرفان و کمال کے پیش نظر شاہ ھند شاہجہاں نے کئی جاگیریں اور وظائف دے رکھے تھے۔ آپ کے بیٹے حضرت سید عبدالرزاق کو بھی منصب نوابی عطا ہوا لیکن انہوں نے قبول نہ فرمایا۔" 2

موسیٰ پاک دین نے 1073ھ میں وفات پائی اور موسیٰ پاک شہید کے روضے میں ہی غربی پہلو کی جانب دفن ہوئے۔

محمد مصطفیٰ رضا گیلانی از اولاد حضرت موسیٰ پاک شہید نے خود اپنے ہاتھ سے بحرالاسرار (قلمی) کے ابتدائی صفحوں پر حضرت موسیٰ پاک شہید کے حالات زندگی اور کارناموں کے بارے میں مختصر طور پر لکھا ہے، اس ضمن میں درج ہے کہ

"شیخ الکل (حضرت موسیٰ پاک شہید مراد ہے۔) نے ملتان میں سادات حسنیہ قادریہ کی ایک ایسی مسند ارشاد کی بنیاد رکھی جس نے ایک

1۔ "بحرالاسرار" ص 198

2۔ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ناظم، ص 107

> مستقل دینی، علمی اور ادبی اصلاحی تحریک ([illegible]) کی حیثیت اختیار کر لی تھی جو صرف ایک ایسی مذہبی و روحانی درس گاہ کا کام کیا جہاں دینیات خصوصاً علم الحدیث کا اہتمام کیا گیا بلکہ اہل ملتان ہی کیا ترکستان، ایران، افغانستان اور ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں سے آنے والوں کے لئے تہذیب اخلاق اور تعمیر کردار کی تربیت گاہ کا بھی فریضہ سر انجام دیا اور اس امر ثبوت کے واسطے فارغ التحصیل شاگردوں کے توسط سے ہزاروں گم گشتگان کو صراط مستقیم نصیب ہوا اور یہ سب اس ادارہ کے ناظم اعلیٰ حضرت شیخ الکل موسیٰ پاک شہید گیلانی کی علمی کرامت کا اعجاز تھا۔" [1]

لیکن کسی تاریخ یا سوانحی کتاب میں سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی کہ واقعی حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان میں قیام پذیر رہے اور انھوں نے کوئی مدرسہ قائم کیا یا تعلیمی ادارہ بنایا اس لئے اس سلسلہ میں حتمی رائے پر کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ اس میں شک نہیں کہ ملتان میں حضرت موسیٰ پاک شہید کا روحانی سلسلہ ان کی اولاد کی بدولت ابھی تک جاری ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی ایک تصنیف "تیسیر الشاغلین" کے نام سے موجود ہے، میرے پاس مطبع صدیقی جھنڈ پیر کا چھپا ہوا نسخہ (1308ھ) موجود ہے یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں چند چند فصلیں ہیں۔ ابواب کی تفصیل یوں ہے

1- باب اوّل — اس میں اذکار و ادعیہ صلوٰۃ وغیرہ کا بیان ہے۔

2- باب دوم — میں نماز ہائے سنن و غیر موکدہ کا ذکر ہے۔

3- باب سوم — آداب تلاوت قرآن و بیان بعض اذکار جہر و شغل باطنی و ذکر خفی و ذکر مراقبہ کے بارے میں ہے۔

اس کتاب میں ان باتوں کا بیان ہے جو حضرت موسیٰ پاک شہید کے آباؤ اجداد سے نسلاً چلی آتی تھیں۔ تیسیر الشاغلین تصوف پر ایک نایاب اور قابل قدر کتاب ہے جس سے سلسلہ قادریہ کے صاحب کی حیثیت ملاحظہ

1- بحوالہ طبی منشی بحر السرائر (قلمی) کے ابتدائی مقدمے میں لکھا ہوا از مصطفیٰ رضا گیلانی، ایم اے اسلامیات، دربار حضرت پیر صاحب ملتان۔

تیسیرالشاغلین ـــ در اصل عبادات اور حصول روحانیت کے طریقوں پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف اوراد اور دعائیں درج کی گئی ہیں۔ ساری باتیں آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی اطاعت کے صدہا طریقے درج ہیں مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر حق زبان پر ہونا چاہیے۔ تاکہ تجھ پر لمحہ بہ لمحہ تازہ بہ تازہ رحمتیں نازل ہوتی رہیں، الفاظ یہ ہیں

"باید کہ در آمد و رفت و برخاست و نشست و ہر طور کہ باشی زبانت بذکر
حق تر باشد تا رحمتہائے تر و تازہ بے اندازہ دم بدم بر تو نثار شود
خصوصاً نیم شب و آخر شب و وقت سحر پاسداری کہ این وقت محمود است" 1

اسی طرح شب بیداری اور عبادت گزاری کا ذکر ایک اور جگہ یوں کیا ہے۔

"نیم شب و آخر شب کو برخیزی بذکرش آمیزی کہ این وقت محمود است ـــ
ـــ باید کہ نیم شب و سحرگاہ باستغفار و دعا و بکا باشی کہ اثری
عجیب دارد ـــ" 2

ایک اور جگہ درج ہے کہ

"عملے کہ بے مواطئت دل بود پیرا نزد حق تعالیٰ محل و عطا نیز نیست و
بشاغل فائدہ ندہد" 3

یعنی وہ عمل جو دل کی رغبت سے نہ کیا جائے خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ جب کسی کو عبادت و ریاضت کا زعم ہو جائے تو وہ خود بین ہو جاتا ہے اور دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید ایسے شخص کو دائرہ اسلام سے محروم قرار دیتے ہیں، ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں

"..... پنداری کہ مقصد اعلیٰ ازین کسب این ست کہ بفریب شیطان و
مغرور او مغرور گردد و بدیگراں بنظر حقارت نگرد ـ نعوذ باللّٰہ" 4

1- تیسیرالشاغلین مصنفہ حضرت موسیٰ پاک شہید، ص 3 ـ حسب فرمائش محمد غلام محی الدین خان قادری
مطبع فیروز پور --- 1309ھ

2- ــــــ ایضاً ــــــ ص 38

3- ــــــ ایضاً ــــــ ص 26

4- ــــــ ایضاً ــــــ ص 55

آگے چل کر اسی طرح استغفار کا مشورہ دیتے ہیں۔ اقوال ادب کی تصحیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تصحیح اقوال اور تہذیب افعال کا نام ہے پھر افعال کی دو اقسام بتاتی ہیں۔ ایک کا تعلق ظاہر کے ساتھ اور دوسری کا باطن کے ساتھ اور دونوں کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں

"لفظ ادب عبارت است از تصحیح اقوال و تہذیب افعال و افعال دو قسم اند، افعال قلوب و آنرا اعمال باطنہ، و افعال قوالب و آنرا اعمال ظاہرہ و اخلاق و نیات بباطن تعلق دارد۔ و اقوال و افعال بظاہر نسبت دارد پس مرد مؤدب آنست کہ ظاہر و باطن و قول و فعل و نیت او بہ حسن اخلاق آراستہ بود۔ بہ غلطی قول جو بود و نیت موافق عمل چنانکہ صالح باشد و چنانکہ باشد صالح۔" 1

حضرت میاں باپ شہید نے حفظ آداب کو صحبت کا ثمر بھی قرار دیا اور تخم بھی فرمایا

"حفظ آداب ہم ثمرہ صحبت است و ہم تخم صحبت" 2

غرض یہ کتاب اس قسم کی خوبصورت باتوں سے پر ہے۔ دلچسپ اور مختلف لیکن سنجیدہ اسلوب میں لکھی ہوئی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کا اصل خزانہ ہے۔ ان باتوں پر عمل کر کے انسان دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتا ہے۔"

1- تیسیر الشاغلین مصنفہ حضرت میاں باپ شہید، ص 66-67

2- ایضاً ص 67

حافظ محمد جمال ملتانی

مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ

"ہم حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی[1]) دہلی گئے ہوئے تھے اور ایک دن حضرت مولانا صاحب (مولانا فخرالدین دہلوی) کی مجلس میں حافظ صاحب (حافظ محمد جمال ملتانی) کے ساتھ موجود تھے، تو یہ بات چلی کہ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرّف نہیں چلتا۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ "اے میاں نور محمد! اب شہر ملتان کی ولایت حضرت بہاء الدین زکریا کے سپرد تھی مگر اب ملتان ہمارے سپرد ہو گیا ہے لازم ہے کہ اپنے مریدوں سے ایک مرید اس جگہ بھیجیں اور کہیں کہ میں خانقاہ

1۔ اٹھارویں صدی ہجری میں پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کو پھیلانے میں سب سے اہم کردار خواجہ نور محمد مہاروی نے ادا کیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد اتنی زیادہ تھی اور ان سب کا اثر اتنا گہرا تھا کہ یہ سلسلہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا۔

شاہ نور محمد 14 رمضان المبارک 1142ھ کو قوم کھرل میں چوتالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی چھوٹے تھے کہ آپ کے والد نے چوتالہ چھوڑ کر مہار میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ مسعود صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا اس کے بعد موضع بگھراں، موضع مولانا، ڈیرہ غازی خان، لاہور اور دہلی میں تحصیل علم کیا۔ انہی دنوں آپ کی ملاقات شاہ فخرالدین دہلوی سے ہوئی جن سے آپ نے تلقین کا درس لینا شروع کیا۔ 1165ھ میں قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر آپ نے شاہ فخرالدین سے بیعت کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مرشد کے ساتھ مہار اور پھر پاک پتن رہے۔ پھر شاہ فخر جہاں نے آپ کو مہار شریف میں مستقل رہائش کا حکم دیا۔

مہار شریف میں آپ نے ایک خانقاہ قائم کی اور تلقین و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا آپ کی محفل میں دور دور سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے اور فیض پاتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کی تربیت ان کے مزاج کے مطابق کرتے تھے۔ تکملہ سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ "مریدوں کی تعلیم و تربیت کا طریقہ عجیب و غریب تھا جس طرح حکیم مرض کی تشخیص کرتا ہے دوسرے حرارت اور برودت مزاج کی مناسبت سے دوا تجویز کرتا ہے اسی طرح ذات مبارک ہر شخص کو اس کے مناسب حال اشغال کی تلقین فرماتے۔" (تکملہ سیرالاولیاء اردو ترجمہ از مولوی گل محمد احمد پوری ص 145)

آپ کے خلفاء اور مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ تقریباً سارے پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ "مناقب المحبوبین" [فارسی] ص 74 پر لکھا ہے "حضرت قبلہ عالم را بجز خلفاء مجازین دیگر مریدان کامل و صاحب صحبت هم بسیار بودند" ——— آپ نے 3 ذی الحج 1205ھ میں وفات پائی قطعہ تاریخ یہ ہے

حیف واصلا جہاں بے نور گشت

1205ھ

آپ کا مزار تاج سرور میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں حافظ محمد جمال، شاہ سلیمان تونسوی، شیخ نور محمد نارووالہ، میاں غلام حسین بخش، مولوی نور محمد بہاولپوری، قاری عزیزاللہ، قاری صبغت اللہ، نواب لطف اللہ خان،

> بہاء الدین زکریا ملتانی میں غلو کو ختم کریں۔ جب حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی) دہلی سے مہار شریف واپس آئے تو حافظ جمال اللہ الدین کو خلافت دے کر ملتان کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے مولوی خدا بخش ملتانی کو، جو ان کے نامور خلفاء میں سے تھے، شیخ حضرت بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں متعین کیا۔" 1

گویا ملتان پر صدیوں سے قائم سہروردی سلسلے کے ساتھ ساتھ پہلی بار حافظ محمد جمال کی بدولت ملتان میں چشتیہ سلسلے کی مقبولیت بھی شروع ہوئی۔ یوں حافظ محمد جمال ملتانی بارھویں صدی ہجری میں ملتان میں سلسلۂ چشتیہ کے باقاعدہ پہلے اہم بزرگ قرار پاتے ہیں۔ انہوں نے ملتان میں رو گراس سلسلے کو آگے بڑھایا اور نہ صرف اپنی علمی اور روحانی قابلیت سے دوسروں کو فیض یاب کیا بلکہ اسلام کے لئے عملی طور پر بھی جہاد کیا اور ساری زندگی سکھوں کے خلاف سینہ سپر رہے۔ آپ کے والد کا نام محمد یوسف ولد حافظ عبدالرشید تھا۔ افغان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا افغان کاری سے ہجرت کر کے ملتان شہر میں قلعہ کے مشرقی حصے میں آ کر سکونت پذیر ہوئے جہاں آج کل حافظ محمد جمال کا روضہ ہے۔ سن دس آپ کے والد ملتان ہجرت کر کے آئے اس وقت یہاں پر سلطنت دہلی کی طرف سے میاں ابوالقاسم اور ابوالہاشم حاکم تھے۔ آپ کے والد ان کے معتمد وزیر تھے چونکہ یہ دونوں حضرات بے اولاد تھے اس لئے انہوں نے محمد یوسف کو اپنی جائیداد کا وارث بنایا[2]۔ آپ کے والد کا ذریعہ آمدنی تجارت تھا۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ... مخدوم جہانیاں اوچی، شیخ جمال چشتی ہروی پوری، مولوی تاج محمود سائیں کرم حافظ عظیم پوری شاہ، خواجہ خدا بخش خیرپوری ہوں اپنے مرشد حافظ محمد جمال کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے رہے۔۔۔۔ نور محمد مہاروی کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے (1) مناقب المحبوبین (فارسی) قلمی (2) تکملہ سیرالاولیاء (فارسی) از مولوی گل محمد احمد پوری ص 121 تا 130، مطبوعہ در مطبع رضوی دہلی 1312ھ (3) مشائخ چشت، ص 530 تا 560 (4) گلشن ابرار (فارسی قلمی) (5) خلاصۃ الفوائد فارسی قلمی از قاضی محمد عمر مکرم (خواجہ نور محمد مہاروی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ صاحب اسد نظامی سے حاصل ہوا)

1۔ بحوالہ (1) "مناقب المحبوبین" از حاجی نجم الدین سلیمانی، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی ص 131-132، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور 1979ء (2) گلشن ابرار فارسی (قلمی) ص 398 پر یہ واقعہ درج ہے۔

2۔ آپ کے خاندان کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے جو تھوڑی بہت باتیں ملتی ہیں ان کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انوار جمالیہ اردو ترجمہ "انوار جمالیہ" از عبدالعزیز پرہاروی مترجم فقیر محمد بہاولپوری ص 5، مطبع ابوالعلائی آگرہ 1325ھ۔ اصل کتاب فارسی میں ہے مترجم نے فارسی اور اردو میں ترجمہ کر کے اصل عبارت کے ساتھ اسے شائع کروایا ہے۔

مفتی غلام حسن شہید کے مطابق

"قبلہ گاہ آں حضرت حافظ خود بہ تجارت بسر می برد" 1

محمد یوسف نے ساری عمر ملتان میں گزاری ۔ یہیں ان کے گھر 1160ھ[2] میں حافظ محمد جمال پیدا ہوئے۔ حافظ محمد جمال بچپن سے ہی لائق اور ذہین تھے آپ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور درسی علوم کتاب دائرۃ الاصول تک مکمل پڑھ لی تھی پھر معقولات و منقولات کی تعلیم بھی شروع کی "انوار جمالیہ" کے مطابق

"چوں ذات جامع الصفات آنحضرت از دولت حفظ کلام مجید بہرہ یاب سعادت
گشت بہ کسب علوم منقول و معقول کمر جہد محکم بست۔" 3

آپ کی ذہانت اور قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے ایک ہم مدرس مولوی محمد حسین نے آپ کو "علامۃ العصر"[4] کہا۔ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں کہ

"جماعت میں دقیق اور مشکل مسائل میں از روئے فکر آپ احسن الناس تھے
جب کبھی کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ پیش ہوتا گو وہ کسی علم کا ہو ہم
آپ کی طرف رجوع کرتے آپ اسکے حل اشکال میں ایسی واضح اور اچھی تقریر
فرماتے کہ جس سے بہتر ناممکن نہیں تو مشکل تر ضرور ہے۔ آپ تحصیل علم
کے وقت بھی طالب علمی میں علم و ذکاوت میں عام طلباء سے افضل و اکمل
سمجھے جاتے ۔ ادراک علوم میں وہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ تمام مدارس میں

1۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از مفتی غلام حسن شہید بقلم اللہ بخش مرید غلام حسن شہید (1245ھ میں لکھی گئی) ملکیہ حافظ خیر الحسن سجادہ نشین خانقاہ حضرت شہید (جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی وساطت سے دستیاب ہوئی ۔)

2۔ "نور جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالحق ص 17، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان 1974ء ۔ حافظ محمد جمال کی سنہ پیدائش کے متعلق اختلاف ہے "ظہور جمال" مرتبہ مخدوم زادہ محمد سلیم جمالی، ص 14 مطبوعہ جمال اکیڈمی ملتان میں 1162ھ درج ہے جبکہ میر کمال خان نے اپنی کتاب "نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" ص 281 مطبوعہ قاضی کتب خانہ ملتان میں سنہ پیدائش 1125ھ لکھا ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے اس لئے کہ آپ کا سن وفات 1226ھ کے مطابق، جس پر آپ کے تمام تذکرہ نگار متفق ہیں، آپ کی عمر 101 سال بنتی ہے حافظ صاحب کی اتنی طویل عمر کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

3۔ "انوار جمالیہ" قلمی فارسی ص 2

4۔ (1) گلشن ابرار (ترجمہ) ص 162 (2) مشائخ چشت از خلیق نظامی، ص 600

مستغرق خیال تھے جاتے۔ مناظرہ و مباحثہ کا یہ حال تھا کہ جو مخالف میں آتا آخر خاموش و ندامت حاصل کرتا۔ کتاب دائرۃ الاصحاب تک علم حاصل کیا تھا۔" ؛

حافظ محمد جمال نے خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت کی تھی اس بیعت کا سلسلہ حسن بصری تک پہنچتا ہے "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از حکیم غلام حسن شہید میں جو سلسلہ درج ہے وہ اس طرح ہے

- حسن بصری
- خواجہ ابوالفضل عبدالواحد ابن زیدؒ
- سلطان ابراہیم ادہم
- خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ
- خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ
- خواجہ ممشاد علو دینوریؒ
- خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی
- خواجہ قطب السرو والدین حضرت خواجہ عبدالصمد
- خواجہ ناصرالحق والدین ابی محمد بن ابی احمد الچشتیؒ
- خواجہ ابو یوسف چشتیؒ
- مودود چشتیؒ
- حاجی محمد شریف زندانی
- حضرت خواجہ عثمان ہارونی
- خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ
- حضرت قطب الدین بختیار اوشی کاکی
- حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر
- حضرت خواجہ محبوب الہی نظام الدین دہلوی
- حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی

خواجہ کمال الدین

خواجہ سراج الحق والدینؒ ـــ خواجہ علم الحق والدینؒ ـــ شیخ راجنؒ ـــ شیخ حسنؒ

حضرت شیخ حسنؒ ـــ حضرت شیخ محمد ـــ حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ

ـــ حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ ـــ حضرت خواجہ فخرالدین والدینؒ

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ

ـــ حضرت خواجہ جمال الحق والدین ملتانیؒ

ـــ حضرت مولوی خدا بخش ملتانیؒ [1]

آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر عبادت و ریاضت کی خاطر شاہ رکن عالم کے مزار کے پاس گزارتے تھے اور ایک رات میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے۔ ایک رات آپ کو خواب میں خواجہ نور محمد مہاروی کے مزار پر حاضری دینے کا اشارہ ہوا تو آپ مہار شریف خواجہ نور محمد کی خدمت میں تشریف لے گئے اور مولوی محمد حسین کی وساطت سے ان سے ملاقات کی اور ان کے دست حق پر بیعت کر لی۔[2]

خواجہ نور محمد مہاروی نے مزید تربیت دینے کے لئے کچھ عرصہ آپ کو ہر جگہ اپنے ساتھ رکھا۔

1۔ "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از مفتی غلام حسن شہید، ص 403

2۔ (1) مطلوب الطالبین (ترجمہ) ص 131 (2) مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، ص 599 (3) گلشن ابرار (ترجمہ) ص 161، 162

حافظ محمد جمال جب خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خود کو کم علم ظاہر کیا لیکن آپ کے ہم مدرس مولوی محمد حسین نے بتایا کہ آپ بہت پڑھے لکھے اور عالم شخص ہیں۔ یہ سن کر خواجہ نور محمد مہاروی نے پوچھا کہ حافظ صاحب! آپ نے اپنا علم ہم سے کیوں چھپایا۔ اس پر حافظ صاحب نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ علماء و فضلاء سے نفرت کرتے ہیں اس لئے میں نے اپنا علم ظاہر نہ کیا اس پر خواجہ نور محمد مہاروی نے فرمایا کہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ ہم تو علماء و فقراء کو چاہنے والے اور ان کی قدر کرنے والے ہیں۔ ("نور جمال" از ڈاکٹر مہر عبدالحق)

حوالہ کیلئے دیکھئے "گلشن ابرار" (ترجمہ) ص 182

سفر حضر میں بھی ساتھ لے جاتے جہاں آپ ریاضت اور مجاہدے کے ساتھ ساتھ قبلہ عالم کی دن رات خدمت کرتے جن میں آفتابہ بھرنا اور وضو کرانا بھی شامل ہے[1]۔ ساتھ ہی ساتھ حافظ محمد جمال نے قبلہ عالم کی خانقاہ کے لنگر کا اہتمام بھی سنبھال لیا تھا۔

حضرت نور محمد مہاروی رفتہ رفتہ ان کی قابلیت و اہلیت کا امتحان لیتے رہتے تھے۔ حافظ جمال اللہ ان کی خدمت اور فرمانبرداری میں کوئی کسر نہ چھوڑتے یہاں تک کہ حضرت نور محمد مہاروی کی عنایات ان پر ہونے لگیں۔ "گلشن ابرار" (قلمی) میں لکھا ہے

"... چوں آنحضرت جمال اللہ بخدمت حضرت قبلہ عالم در سفر و حضر بجان مشغول شد آنحضرت قبلہ بنا برا عطاء نعمت باطنی ـــ امتحان قابلیت و اہلیت ایں حق نمود ہر گاہ بفضلہ تعالیٰ در و لیاقت تام و کامل عیاں دیدہ با عطاء نعمت سرفراز نمود ـــ" 2

کچھ عرصہ اسی طرح آپ قبلہ نور محمد مہاروی کے ساتھ رہے اس کے بعد انہوں نے آپ کو رشد و ہدایت کی خاطر ملتان واپس جانے کا حکم دیا۔ ملتان جا کر آپ نے بہاء الدین زکریا کی خانقاہ میں بیٹھ کر سب سے پہلے ملوں خدا بخش کو مرید کیا۔ مجاہدے اور ریاضت کی بدولت روحانیت کو ترقی دی۔ خلقت جوق در جوق ان کی خدمت میں آنے لگی یہاں تک کہ بڑے بڑے علماء ان کے آستانے پر حاضری دینے لگے۔ گلشن ابرار اویسی (قلمی) میں لکھا ہے

"بمجاہدات شاقہ و ریاضات شاقہ قالب عنصری را مکلف و لطافت روحانی می افزود تا آنکہ کار بجائے رسید کہ خاص بجائے عین حیات آفتاب اعتصام کنند و خلق در سایہ رحمتش بسیار آمد .... علمائے کبار کہ فلک کرسی علو درجت ایشان بہ ساحت زمین و زمان رسیدہ بود در حضرتش کسب علوم ظاہر و باطن نمودند" 3

1- "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) میں لکھا ہے کہ "... مدت تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں لوٹا اٹھانے اور وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے رہے ـــ" (ص 131)

2- بحوالہ "گلشن ابرار" ص 229 ـــ خواجہ نور محمد مہاروی نے حافظ جمال کے صبر اور حوصلے کا امتحان کئی طرح لیا لیکن آپ ہر آزمائش میں پورے اترے۔ صبر اور حوصلے کے امتحان کے کئی واقعات گلشن ابرار (قلمی) میں صفحہ 228 تا 233 میں درج ہیں۔

3- "گلشن ابرار" اویسی قلمی، ص 234

ملتان میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کر کے خود ہی وہاں قرآن مجید، حدیث، فقہ اور تفسیر کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس مدرسے کا شمار ملتان کے اچھے مدرسوں میں ہوتا ہے۔ خواجہ گل محمد احمد پوری نے بھی کچھ عرصہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"بندہ دو سال تک ملتان میں کسب علم کرتا رہا ہے اور آپ کے فیض صحبت سے مستفید ہوا ہے۔" 1

آپ لوگوں کو قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ کے متعلق تفصیل سے بتایا کرتے تھے۔ آپ علم و ذکاوت میں برتر تھے۔ دقیق اور مشکل مسائل کو بیان کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی محفل میں علم و فلسفے کے باریک سے باریک مسائل پر بحث ہوتی اور آپ بڑی تفصیل، وضاحت اور روانی کے ساتھ آسان لفظوں میں ان کے جواب دیتے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرے میں بھی آپ کسی سے کم نہ تھے۔ مسئلہ وحدت الوجود خاص طور پر آپ کا موضوع تھا۔ "انوار جمالیہ" میں لکھا ہے کہ

"حافظ صاحب مسئلہ وحدت الوجود میں اجل الخلفاء تھے۔ آپ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ عبدالرحمن جامی قدس سرہما کی کتابوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ نیز لمعات الالہیہ، مثنوی شریف، لوائح جامی، اشعۃ اللمعات، الفترات اور فصوص الحکم طلب خاطر تھیں۔ فصوص الحکم خاص محمدی تو خصوصی طور پر پسند تھا۔ یہاں تک کہ فص محمدی کو اگر کوئی آپ کے سامنے پڑھتا تو آپ وجد میں آ کر جھومتے اور دونوں لبیں کو از راہ تلذذ چوستے۔ جب اپنے کسی مرید کو مذکورہ بالا کتب میں سے کسی ایک کتاب سے مسئلہ وحدت الوجود کا درس دیتے تو ایسے مسائل بیان فرماتے کہ عقول و افکار حیران و ششدر رہ جاتے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم کہ آپ علم کا بحر ذخار تھے اور ایک ادنیٰ سے لفظ سے بھی علوم و معانی کی کئی اقسام استنباط فرماتے۔" 2

1- بحوالہ "تکملہ سیر الاولیاء" از خواجہ گل محمد احمد پوری مترجم مسعود حسن شہاب، ص 153 مکتبہ الہام، بہاولپور

2- "انوار جمالیہ" از شیخ عبدالعزیز بخاری، مترجم محمد اعظم سعیدی، ص 27،28 ، سوانحی اردو رائٹرز گلڈ آف پاکستان، کراچی

مناقب المحبوبین کے مطابق

"حافظ صاحب اپنے زمانہ میں مسئلہ وحدت الوجود میں بزرگ ترین عالم تھے
حضرت مولانا جامی اور محی الدین ابن عربی کی تصانیف کو پسند رکھتے تھے۔" 1

وحدت الوجود پر مشتمل تصانیف کا درس دیتے وقت آپ جس طرح گفتگو فرماتے اس سے آپ کے تبحر علمی کا اظہار ہوتا۔ آپ کے طریق درس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ تفصیل، وضاحت اور تمثیل کے ذریعے مشکل چیزیں سمجھایا کرتے تھے2۔ حافظ جمال کے قائم کردہ مدرسے میں آپ کے مرید بھی شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے جس سے آپ کے مدرسے کی شہرت میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ دور دور سے بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کے در پر حاضری دینے لگے۔ آپ کی قابلیت کا شہرہ اس درجہ بلند تھا

"کہ ملک کے بڑے بڑے عالم اور فاضل بھی جن کی شہرت کا غلغلہ چار دانگ
عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے ظاہری اور باطنی علوم کے درس حاصل کرنے
میں زانوئے ادب طے کرتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے صوفی اور متقی آ کر چشمۂ
فیض سے سیراب ہوتے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق ظرف پر کرتے تھے۔" 3

"گلشن ابرار" میں میں آگے چل کر لکھا ہے

"ہر مذہب و ملت کے برگزیدہ انسان آپ کے آستان فیض نشان کی طرف رجوع
فرمانے لگے یہاں تک کہ آپ کی مجلس شاہ، علماء امراء کے لئے آفتاب جہاں
تاب کی طرح یکساں نور افروز تھی۔ فقر اور تصوف کے علاوہ ان کی مجلس
میں شعر و سخن، فصاحت اور بلاغت کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔" 4

حافظ محمد جمال نہ صرف درس دیتے تھے بلکہ آپ نے اپنے مریدوں کو جہاد کے لئے عملی تربیت بھی دی۔

کپتان جانسن لکھتے ہیں

"کہ آپ کی درسگاہ میں علم و فن کی تدریس کے ساتھ ساتھ فن سپاہ گری
بھی دی جاتی تھی۔ آپ علمی و عملی طور پر اس کے قائل تھے کہ

1۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" ص 132
2۔ "انوار جمالیہ" از عبدالعزیز پرہاری، ص 9
3۔ "گلشن ابرار" (ترجمہ) از خواجہ غلام [illegible]، ص 167 (گلشن ابرار فارسی (قلمی) ص 401)
4۔ ——— ایضاً ——— ص 168 (ایضاً ص 402)

ع   عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

چنانچہ اس درسگاہ سے ہزاروں غازیان اسلام جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر ملک ملک پھیل گئے۔" 1

آپ خود بھی فن تیر اندازی میں ماہر تھے اور یہی فن آپ نے اپنے مریدوں کو بھی سکھایا اگرچہ سلسلہ چشت کے مشائخ کے ہاں عملی جہاد کی تلقین یا ترغیب نہیں کی جاتی تھی کیونکہ ان لوگوں کا مقصد صرف عوام کی دینی و اخلاقی تربیت کرنا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ معاشرے کو سنوارا جائے اس مقصد کے لئے علمی جہاد اور لوگوں کے کردار کو سنوارنا ان کے پیش نظر تھا۔ خود خواجہ سلیمان جو کہ آپ کے مرشد نور محمد مہاروی کے خلیفہ تھے، اس بات کے قائل تھے کہ ہمیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ حاکم کون ہے یا جو حکومت ہم سے چھین لی گئی ہے اس کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے بلکہ وہ اپنے مریدوں کو حکومت اور سرکاری معاملات سے لاتعلقی اختیار کرنے کا درس دیتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم پر کافر حکمران مسلط کئے گئے ہیں تو یہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہیں کیونکہ ہم اسلامی شعائر سے دور ہو چکے ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ انہیں برا بھلا کہنے کی بجائے سب سے پہلے اپنے کردار، اعمال اور اخلاق کی اصلاح کریں۔ 2 جب کہ ان کے برعکس حافظ محمد جمال لوگوں کو اخلاق سنوارنے کا درس دینے کے ساتھ ساتھ فن تیر اندازی بھی سکھاتے تھے تاکہ وقت پڑنے پر وہ اپنے علاقے کی حفاظت کر سکیں۔ ارض ملتان کے مطابق

"آپ کے ہاں تیغ و قلم ایک ساتھ ہی تربیت پاتے تھے علم و فراست کے باوجود شمشیر و سپر سے بیگانہ نہ تھے، تیر اندازی میں ماہر تھے۔ نہ صرف وقت ضرورت کام آتے بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے۔" 3

حافظ محمد جمال کے زمانے میں پنجاب سکھوں کے زیر تسلط تھا یعنی ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور پنجاب سکھوں کے قبضے میں تھا۔ انگریز مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے درپردہ سکھوں کی امداد کر رہے تھے۔ ملتان میں اس وقت نواب مظفر خان کی حکومت تھی۔ رنجیت سنگھ نے طاقت حاصل کر

1۔ بحوالہ "سرائیکی شاعری" از کیفی جام پوری، ص 255-256
2۔ اس سلسلے میں تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "نافع السالکین" ص 34 تا 40
3۔ بحوالہ "ارض ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 239، مطبوعہ الاکرام، ملتان

کو غارت کریں۔ لوٹ مار کے ذریعے انہوں نے پنجاب میں فتوحات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ ملتان جیسا زرخیز علاقہ بھی ان کی نظر میں تھا چنانچہ انہوں نے کئی مرتبہ ملتان پر حملہ کیا کبھی تو وہ لوٹ مار کر کے واپس چلا جاتا اور کبھی بھاری تاوان لے کر ٹل جاتا تھا۔[1] حافظ جمال کے زمانے میں مسلمان سکھوں کے ہاتھوں ہمیشہ کا شکار تھے بار بار کی لوٹ مار، قتل و غارت گری سے وہ لوگ کافی پریشان تھے۔ ایسے موقع پر حافظ جمال نے صرف درس و تدریس پر اکتفا نہ کیا بلکہ انہیں عملی جہاد کے لئے بھی تیار کیا آپ انہیں تیر اندازی کی تربیت بھی دیتے تھے بلکہ بوقت ضرورت خود بھی تیر کمان لے کر میدان جنگ میں اتر آتے۔ مناقب المحبوبین میں ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جب آپ خود بھی میدان جنگ میں موجود تھے ایک موقع پر جب آپ کو سکھوں کے حملے کی اطلاع ملی تو آپ تیر کمان لے کر میدان میں آ گئے لکھا ہے کہ

> "حضرت حافظ صاحب در قلعہ تیر و کمان گرفتہ موجود می بودند .....
> می گویند کہ دراں وقت جنگ حافظ صاحب موصوف در برج قلعہ ملتان تیر و
> کمان بدست خود گرفتہ تیر بر کافراں می انداختند۔" 2

غرض آپ کے زمانے میں سکھوں نے بار بار اسلحے سے لیس ہو کر ملتان میں حملے کئے لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ ایک مرتبہ تو لوگوں نے سکھ حملے سے گھبرا کر ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ

> "... آواز حق بگوش مارسیدہ است و اکنوں سخت پانمال خواہیم کرد پس
> الحال ہجرت نمی کنیم کہ ما دو درجہ است یکے درجہ غزا، دوم شہادت۔" 3

انوار جمالیہ کے مطابق

> "حضرت حافظ جمال اللہ کا عصا مبارک شہر لوگوں میں تھا ایک رات
> خطرناک معاملہ کی طرف آپ کو بلایا گیا تو آپ تلوار ہاتھ میں پکڑے قوم
> کے دوسواروں سے بھی آگے نکل گئے ۔۔۔۔۔ اس شب قلعہ کا برج کفار کے
> کردار کی ضرب کی وجہ سے گر پڑا تو وہ ملعون کفار ابو عام کی شکل میں

1۔ ملتان پر رنجیت سنگھ کے حملوں کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) "تاریخ پنجاب" از سید محمد لطیف ص 107 تا 140 ،مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول 1982ء (2) "تاریخ پنجاب" از کنہیا لال ص 150 تا 158 ،مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور (3) "نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" از میر کالعمان ص 136 تا 233 ،مطبوعہ قومی کتب خانہ ملتان

2۔ مناقب المحبوبین (فارسی) از حاجی نجم الدین ص 124، مطبع محمد حسن رام پور

قلعہ میں داخل ہو گئے لوگ شدید خوفزدہ ہو گئے تھے کہ بہادری اور دلیری کے دعویدار بھی تھر تھر کانپنے لگے مگر جیسے ہی آپ نے سنبھالا تو دوڑ کر گرتے ہوئے برج کی جگہ پر جا پہنچے حالانکہ آپ کے سوا وہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچا تھا بلکہ آپ ہی تنہا تھے۔ 1

حافظ جمال کی زندگی میں ملتان پر سکھوں کے حملے ناکام ہوتے رہے۔ ایک دفعہ یہ بات مشہور ہو گئی کہ ملتان کفار کے ہاتھوں مسخر ہو گیا ہے۔ یہ بات حضرت قاضی محمد عاقل تک احمد پور میں پہنچی کیونکہ وہاں کے رئیس الملک محمد صادق خان عباسی نے انہیں اپنے پاس پشت پناہی کے لئے بلا بھیجا تھا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ

"کفار ظفر یاب شدہ اند"

تو آپ نے فوراً کہا

"دروغ ست"

پھر فرمایا "تحقیق کردہ اند کہ آیا حضرت حافظ جمال در عین حیات مستحضر باشند، نمی گوید کہ در حیات ہستند، خود بدولت فرمود تا آنکہ آنجناب در عین حیات می باشند ہرگز قلعہ ملتان مسخر کفار نخواہد شد القصہ بعد ساعتی دیگر خبرے آن در رسید کہ ملتان مسخر کفار نشود کہ اہل اسلام ظفریاب شدند و کفار رو بفرار نہاد" 2

گویا حافظ صاحب کی موجودگی مسلمانوں کے لئے باعث فرحت و ظفریابی تھی۔ البتہ حافظ صاحب کی وفات کے بعد ملتان سکھوں کے قبضے میں آ گیا۔3 یہ حقیقت ہے کہ آپ کی شجاعت اور بہادری ہی تھی جس سے لوگ حوصلہ نہیں ہارتے تھے اور اسی دلیری کا درس آپ لوگوں کو بھی دیتے تھے۔ خلیق نظامی کے مطابق

"ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے مسلمانوں کے مضمحل اعضاء میں نئی روح پھونک دی تھی۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ انہی نے اجتماعی

1- "انوار جمالیہ" از عبدالعزیز پرہاروی مترجم محمد اعظم سعیدی، ص 42
2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "کشف ابرار" فارسی (قلمی) ص 259 تا 261
3- خاتم سلیمانی ص 102 پر لکھا ہے کہ "نواب مظفر والی ملتان کے عہد حکومت میں ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کئی دفعہ ملتان پر حملہ کیا مگر چونکہ حافظ جمال اللہ ملتانی صاحب قلعہ میں موجود تھے اس واسطے ان کی برکت سے سکھوں کا قبضہ نہ ہو سکا مگر ان کی وفات کے بعد بہت جلد سکھوں نے ملتان تسخیر کیا

مردانگی اور عالی ہمتی سے کیا جب حالات بہت خراب ہو گئے تو خود میدان
جنگ میں اتر آئے۔" 1

حافظ صاحب صرف بہترین عالم، استاد اور مجاہد ہی نہ تھے بلکہ بحیثیت انسان بھی آپ
دلبھوئی کرنے والے ایسے شخص تھے کہ ان کا اخلاق دوسروں کے لئے مثال تھا۔ "مناقب فخریہ" میں
لکھا ہے کہ

" .... حافظ محمد جمال ملتانی علیٰ ھذالقیاس کمال باطن و تہذیب اخلاق و
بکمالات آراستہ" 2

اچھے اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ ایک صوفی بزرگ کے لئے جو چیز اہم ہے وہ اس کی گفتگو کا انداز ہے۔
حافظ جمال حسن و اخلاق کے ساتھ ساتھ شیریں گفتار بھی تھے اور عالمانہ سطح پر گفتگو کرنے اور ہر شخص
کے مزاج کے مطابق اس سے بات کرتے اور کبھی کبھی حاضرین کی خوشی کی خاطر ظرافت اور خوش طبعی کا
انداز بھی اختیار کر لیتے تھے لیکن اس میں بھی حق کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ عبدالعزیز پرہاروی
لکھتے ہیں کہ

"آپ شیریں گفتار تھے۔ آپ مختصر اور ایسی جامع کلام کرتے جو حکمت اور
معرفت کے چشموں پر مشتمل ہوتی۔ آپ مخاطب کے مزاج و ذوق مذاق کے
موافق کلام فرماتے۔" 3

آپ اپنی گفتار اور عمل میں شریعت کا خاص خیال رکھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ ایک مرتبہ
اپنے خلیفہ زاھدشاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کی جہاں جی چاہے۔ مگر
ایک تو وہ لوگ سادات سے نہیں ہیں اور دوسرے ھمارے برادری کے کچھ سہوآلودہ لوگ [illegible] مخالفت
کر رہے ہیں، اس پر آپ نے فرمایا

"کہ ہر دو غلط است زیرا کہ نکاح سادات با غیر سادات در شرع جائز
است و گفتہ جاھلاں راچہ اعتبار می کنی۔" 4

1۔ "تاریخ مشائخ چشت" از علامہ خلیق نظامی، ص 603
2۔ "مناقب فخریہ" قلمی (قلمی) بہ حالات حضرت خواجہ فخرالدین دہلوی، ص 46 (جناب اسد نظامی کی
ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)
3۔ بحوالہ "گلزار جمالیہ" مترجم [illegible] ملتانی، ص 19

حافظ صاحب اکثر لوگوں کو تصوف و سلوک کی باتیں بتاتے رہتے تھے۔ آپ کے چند ارشادات یہ ہیں

فرمایا کہ درویشی کیا ہے؟ اس سے نہ کسی کے کان یا کو درد ہو اور نہ ہاتھ یا کو گرد لگے۔ پھر یہ کہ درویشی عجز و خاکساری میں استواری کا اور تحلیل و مدّ جاری میں کمال حاصل کرنے کا نام ہے ان کے مطابق اصول سلوک چار چیزوں سے عبارت[2] قلت طعام، قلت منام، قلت کلام، قلت صحبت مع الانام

اسی طرح فرمایا عرفان حق کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ کرنا اور باطن کو رجحانات ذمیمہ سے پاک کرنا، خواہشات نفس کو مجاہدہ یا خاموشی کے ذریعہ کم کرنا۔

اسی طرح ارشاد ہے طبیب کا ایمان ضعیف ہوتا ہے کیونکہ وہ مریض کی شفا اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر اس وہم سے سلامت رہے تو پھر مشکور ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں بہت اچھا شغل ندا و صدا کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی امر وجود میں ظہور پذیر ہو فرمایا کہ حدیث صحیح مرفوع میں آیا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے اخلاص و خواہش کرے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے تو اسے دیکھنے تو یہ اعتقاد تو ہو کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔[1]

حافظ محمد جمال کے بہت سے ملفوظات ملتے ہیں جن میں سے یہ مجموعے زیادہ مشہور ہیں

"انوار جمالیہ" کے نام سے حافظ جمال کے بارے میں دو کتابیں ملتی ہیں ان میں ایک آپ کے خلیفہ مفتی غلام حسن شہید نے آپ کی حیات اور ملفوظات پر فارسی میں تحریر کی۔ یہ قلمی ہے جو آپ کے سجادہ نشین جناب خیر الحسن کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ اور 1245ھ میں غلام حسن شہید نے اپنے مرید اللہ بخش کاتب سے اسے لکھوایا تھا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے

مقدمہ در صفت محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم و ذکر اسمائے متبرکہ خواجگان سلسلہ علیہ چشتیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و بیان بعضی القاب مخصوصۂ ایشان

باب اوّل ــ مشتملہ مناقب خدام حضرت خواجہ محبوب اللہ کہ خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ جمال الحق

1۔ آپ کے ارشادات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) تکملہ سیرالاولیاء از خواجہ گل محمد احمد پوری، ص 155-156 (2) انوار جمالیہ از عبدالعزیز پرہاروی اردو ترجمہ "گلزار جمالیہ" ص 25 تا 30 (3) ارض ملتان از شیخ محمد اکرام، ص 240

والدین است رضی اللہ تعالیٰ عنہما و خاتمۃ الکتاب مشتمل است بر ذکر اولاد و امجاد حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ، و ذکر خلفاء باصفاء ایشان و بر انکشاف از اسرار توحید و فوائد سلوک و اشعار و عبارات نثر و دیگر فوائد کہ ارباب سلوک را بکار آید و اصحاب ارادت را قوت باطنی افزاید

حافظ محمد جمال کی حیات پر عبدالعزیز پرہاروی نے بھی " انوار جمالیہ " کے نام سے ایک کتاب عربی میں لکھی 1۔ اس کتاب کے دو ترجمے ملتے ہیں ایک فقیر محمد برخوردار نے " گلزار جمالیہ " کے نام سے اردو اور فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کی ترتیب یوں رکھی ہے کہ ہر صفحے پر تین کالم بنائے ہیں۔ پہلے کالم میں اردو ترجمہ دیا ہے دوسرے میں فارسی ترجمہ درج کیا ہے اور تیسرے کالم میں " انوار جمالیہ کا اصل متن (عربی) دیا ہے یہ کتاب مطبع ابو العلائی آگرہ سے 1325ھ میں شائع ہوئی۔ اسی طرح علامہ محمد اعظم سعیدی نے انوار جمالیہ (عربی) کو سرائیکی اور اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کتاب کا نام " انوار جمالیہ " ہے اس میں پہلے سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے پھر اردو اور نیچے دو کالم بنا کر ایک میں اردو ترجمہ اور دوسرے میں عربی متن دیا ہے۔ یہ کتابچہ سرائیکی رائٹرز گلڈ کراچی نے پہلی بار ستمبر 1983ء میں شائع کیا۔۔۔۔۔۔ ان کے علاوہ آپ کے ملفوظات کے یہ دو مجموعے ہیں

(1) فضائل رحیمیہ از مولوی عبدالعزیز پرہاروی

(2) " اسرار الجمالیہ " ۔۔۔ یہ مخدوم سید زاہد شاہ (المتوفی 1245ھ) کی تصنیف ہے۔ مخدوم زاہد شاہ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ کتاب حضرت جمال اللہ ملتانی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ قلمی ہے جو 46 صفحوں پر مشتمل ہے دو باب ہیں۔ باب اوّل میں سب سے پہلے وضو اور طہارت کے بارے میں ہدایات درج ہیں۔ پھر حضرت جمال اللہ ملتانی کے اقوال و احوال کا بیان ہے۔ یہ سب کچھ ص 1 سے ص 20 تک ہے۔

باب دوم میں توحید کی تشریح کی گئی ہے جو ص 20 سے شروع ہو کر ص 46 تک جاتی ہے۔ یہ نایاب مخطوطہ پیر محمد اجمل چشتی ساکن چشتیاں کی ملکیت ہے جس کی فوٹو سٹیٹ کاپی جناب اسد نظامی سے مجھے دستیاب ہوئی ہے۔

1۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب جناب مولوی عبدالعزیز پرہاروی نے حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کی وفات کے تین روز بعد لکھنا شروع کر دی تھی۔
(حوالے کیلئے دیکھئے " گلزار جمالیہ، ص 1)

حافظ محمد جمال کے شعری سرمائے میں سے ایک نظم " سی حرفی " (سرائیکی) دستیاب ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کے پاس تھا۔ اوراق بہت بوسیدہ تھے محفوظ نہ رہ سکتے تھے لہذا اس کا فوٹو سٹیٹ نسخہ تیار کر لیا گیا۔ اسی کو کسی زمانے میں آگرہ کے ایک چھاپہ خانے سے شائع کیا گیا تھا لیکن غلط کتابت اور ناقص طباعت کی وجہ سے نایاب ہو گیا ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ سیٹھ عبدالرحمان (ملتان) کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔[1]

مزار کے دروازے پر لکھے ہوئے عربی و فارسی کے اشعار ان کے اپنے ہیں

(1) حافظ بہ کنج میکدہ دارد قرار گاہ

کالطیر فی الحدیقہ واللیث فی الاجام

(2) این جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست

روزے رخش ببینم و تسلیم وے کنم [2]

کئی عام لوگوں نے بھی بعض اشعار آپ سے منسوب کئے ہیں

ڈٹھی نہ کر سہاگ دا تے بیہہ نہ بادشہ در فقیر

جیویں ڈالی کتھی جتھی باہیسی جتھاں ڈھیر

اعمال یا نہ کیتا ای اتھاں منگسی مہر

آوں نہ ڈلیسی بخش کنش دے ڈلیسی بخیر

بعض بعض میں نہاں جاواں ہکی ہلے بہس مروند

کام عدا دے بار بھاؤں ونجے جھوک خسیوا [3]

حافظ محمد جمال کو محفل سماع بھی بہت پسند تھی اور اکثر شوقیہ سماعت فرماتے تھے۔ گلشن ابرار کے مطابق ---- " آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی اور شوقیہ سنا کرتے تھے۔ مولانا جامی کی

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں " مہر جمال " از ڈاکٹر مہر عبدالحق ، ص 42

2۔ " مہر جمال " از ڈاکٹر مہر عبدالحق ص 41-42 3۔ بحوالہ سرائیکی شاعری از کیفی جامپوری ص 237

فرائض زیادہ مرغوب تھیں۔" 1

حافظ محمد جمال کا انتقال عرق مثرابی کی وجہ سے 5 جمادی الاوّل 1226ھ/1811ء[2] کو ہوا۔ آپ کے مریدوں میں ایک میاں عبداللہ بردار بھی تھے، جب انہیں حضرت کے وصال کی خبر ملی تو بے حد افسردہ ہوا اور فوراً حضرت سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس قدر رویا کہ بات بھی نہ کر سکا۔ حضرت سلیمان نے انہیں تسلی دی اور فرمایا

"ای عبداللہ چندیں گریہ مکن کہ مردان خدا ہرگز نمیرند" 3

(اے عبداللہ اس قدر نہ رو کیونکہ ایسے مردان خدا ہرگز نہیں مرتے۔)

آپ کے خلیفہ مفتی غلام حسن شہید نے تاریخ وصال ان الفاظ میں لکھی ہے

آہ الشمس فی حجاب

1226ھ

آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ نے وفات پائی۔

آپ نے دو شادیاں کی تھیں لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ کی پہلی شادی موضع ٹانگہ کے بزرگ میاں محمد موسیٰ المعروف میاں پہلوان صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی لیکن ان سے اولاد پیدا نہ ہوئی۔ آپ کے خلیفہ مولوی محمد خدا بخش نے آپ کی دوسری شادی کروائی جن سے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں لیکن کچھ عرصے کے بعد دوسری بیوی اور ان کی اولاد فوت ہو گئی۔ آپ نے اپنے برادر نسبتی مخدوم میاں نور علی کو اپنا بیٹا اور جانشین مقرر فرمایا جو آپ کے پہلے سجادہ نشین بنے اور مولانا خدا بخش صاحب آپ کی راہنمائی کرتے تھے۔

حضرت حافظ محمد جمال کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں چار خلفاء کا ذکر یوں لکھا ہے

"خلیفہ اوّل مولانا حضرت محمد خدا بخش ملتانی ثم خیرپوری نوراللہ مرقدہ
کہ خلیفہ کامل و سجادہ نشین سرحلقہ اصحاب است .... خلیفہ دوم ...

1۔ بحوالہ "گلشن ابرار" (اردو ترجمہ) ، ص 163
2۔ آپ کی تاریخ وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے آپ کے تمام سوانح نگار اسی تاریخ وصال پر متفق ہیں۔
3۔ بحوالہ "المنتخب ملفوظ شہید حضرت سلیمان تونسوی" مرتبہ پا محمد (فارسی قلمی) ص 461 – 465

"مولوی عبدالرزاق ... کہ درحین حیات آنحضرت مظہر جمال اللہ از دارالفنا
رفت الآخرت بدار البقا کشید ... خلیفہ سوم ... مولوی حامد ... خلیفہ
چہارم ... سید زاہد شاہ ... خلیفہ پنجم سید بلند شاہ۔" 1

کچھ ایسے خلفاء ہیں جنھیں بیعت تو حضرت نور محمد مہاروی سے تھی لیکن خرقۂ خلافت اور اجازت حضرت حافظ جمال سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح چند وہ ہیں کہ جنھیں بیعت تو حضرت حافظ جمال سے تھی لیکن انھیں اجازت حضرت خواجہ خدا بخش سے حاصل ہوئی جیساکہ گلشن ابرار فارسی (قلمی) کے مطابق

"خلفائے دیگر آنحضرت بسیار اند مگر بعض کسانند کہ بیعت بخدمت حضرت
قبلۂ عالم (حضرت نور محمد مہاروی) نموداشتند و خرقۂ خلافت و اجازت از
آنحضرت یافتہ بودند و بعض کسانند کہ شرف بیعت آنحضرت مشرف گشتند و
اجازت از حضرت محبوب اللہ مولانا محمد خدا بخش وصول کردہ اند۔" 2

ایسے لوگوں میں مولوی عبداللہ ملتانی، منشی غلام حسن شہید، قاضی محمد عیسیٰ خان پوری اور شجاع آباد، صاحبزادہ غلام فرید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حافظ محمد جمال کا مقبرہ بیرون دہلی دروازہ عام خاص باغ کے مشرق کی طرف ہے جہاں قلعہ کا فصیل کے اندر 27 فٹ مربع کا مقبرہ ہے جو تقریباً سوا سو سال پہلے کا بنا ہوا ہے لیکن وقتاً فوقتاً اس کی مرمت اور اس میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا فرش ہے اور شمالی و مشرقی دروازے بھی سنگ مرمر کے ہیں۔ چھتوں پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ ایک طرف مجلس خانہ ہے جس کی چھت منقش ہے۔ مقبرے کی تعمیر کے بارے میں ایک روایت شیخ محمد اکرام نے درج کی ہے

"کہ تعمیر کے وقت ایک کڑی کی ذات صحیح نہیں آتی تھی، معمار اس کی
بجائے لکڑی کے مضبوط تختے پر جس کو ہماری اصطلاح میں "چھتی" کہا جاتا
ہے دیوار اٹھانا چاہتے تھے۔ آپ کے مرید اور خلیفہ اول خواجہ خدا بخش
خیرپوری کو جو مقبرہ بنوا رہے تھے، خبر ہوئی تو باوجود ضعف پیری کے خود
آئے اور کہا بابا میرے پیر کے مکان کو عیب نہ لگاؤ، مشکل سے ذات پر چڑھ

1،2- مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے گلشن ابرار فارسی (قلمی) ص 268 تا 271 مصنفہ مولانا امام بخش (المتوفی 1300ھ) اس کتاب کا اصل نسخہ حضرت حافظ کریم بخش مہاروی ساکن مہار شریف از مضافات چشتیاں موجود ہے۔ اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی جناب اسد نظامی سے حاصل ہوئی۔

یہ شعر کہا

از زمین خشک رویاند گیاہ ۔۔۔ آسمان را بے ستون دارد نگاہ

ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ کو خشک زمین سے سبزہ اگانے کی قدرت ہے اور آسمان کو بغیر ستون کے سنبھالے ہوئے ہے۔

پھر اپنے ہاتھ سے محراب کی ایک لکیر کھینچی جو صحیح سمت تھی، اور ثاث مکمل ہو گئی ۔۔۔" 1

حافظ محمد جمال ۔۔۔ بحیثیت شاعر

اگرچہ حافظ محمد جمال ملتانی کے تمام ملفوظات فارسی زبان میں محفوظ کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بلند مرتبہ خلیفہ اور شاگرد حضرت غلام حسن شہید نے بھی، جو سرائیکی اور اردو زبان کے شاعر تھے، ان کی تعلیمات اور حالات کے بیان کے لئے "انوار جمالیہ" میں فارسی کو ذریعہ اظہار بنایا۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ان کی مادری زبان سرائیکی تھی اور وہ اردو زبان سے بھی بخوبی طرح واقف تھے چنانچہ ان کے فارسی اور شعری سرمایے میں جہاں عربی اور فارسی کے کچھ اشعار شامل ہیں وہاں سرائیکی زبان میں کہی گئی "سی حرفی" بھی پائی جاتی ہے۔ حضرت حافظ جمال کا فارسی، عربی اور سرائیکی کلام ایک قلمی دیوان کی صورت میں موجود تھا اور یہ حضرت مولانا عبدالرشید خالق قسم کی تحویل میں تھا لیکن ان کی ناگہانی وفات کے بعد ان کے لواحقین نے جہاں ان کے سرمایہ کتب کو ضائع کر دیا وہاں یہ دیوان بھی باقی نہ رہا۔2 قیاس کہتا ہے کہ اس قلمی دیوان میں اردو کے کچھ جملے بھی یقیناً شامل ہوں گے کیونکہ "سی حرفی" میں اردو الفاظ و تراکیب کا کثرت اور بے دریغ استعمال اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ حضرت حافظ جمال اردو زبان کی باریکیوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ [illegible] بھی انھوں نے حضرت فخرالدین دہلوی اور نور محمد مہاروی کی محفلیں اور صحبتیں دیکھی تھیں۔ اس لئے وہ اردو زبان و ادب سے ناواقف کیسے رہ سکتے تھے۔ تاہم اردو زبان کی ایسی کوئی چیز دستیاب نہیں ہو سکی جس سے ان کی اردو شعر گوئی یا زبان دانی کا ثبوت مل سکتا۔

1۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" ص 142

2۔ بحوالہ "سی حرفی جمال" (سرائیکی) از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص 42–43

حضرت حافظ جمال کی سرائیکی سی حرفی کو جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق نے " نور جمال " کے عنوان سے ایک کتابچے میں درج کیا ہے۔ یہ نظم 29 بندوں پر مشتمل ہے ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ ہر بند کے چوتھے مصرعے میں حافظ صاحب اپنا تخلص " جمال " باندھتے ہیں۔ اس نظم میں جو بحر استعمال کی گئی ہے وہ سرائیکی زبان کے ڈوہڑے کی مشہور بحر متدارک ہے جو فعلن فعلن کے وزن[1] سادہ یا تکرار سے وجود میں آتی ہے۔۔۔ اس نظم کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ انتیس (29) بندوں میں پہلا حرف حروف ابجد کے بالترتیب استعمال سے بنتا ہے مثلاً الف سے " الٰہی " ب سے بند (باندھ) ت سے تلطاف، ج سے " جواں " ح سے حلیمی، خ سے خصوصی، د سے دھاتی، ط سے طمع علی الہذا علی قیاس ۔۔۔۔ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر کرسٹوفر شیکل نے اس کتاب (نور جمال) کو انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ (NURE-JAMAL) اسے بزم ثقافت ملتان نے شائع کیا ہے۔

اس نظم سی حرفی کا موضوع تصوّف کے حوالے سے متعین کیا جا سکتا ہے یعنی مرکزی موضوع زندگی کی بے ثباتی، دنیا اور عارضی پن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فانی اور عارضی دنیا سے کوچ ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ دنیا ایک میدان عمل ہے جس میں ہر انسان کو ایک مخصوص امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگلی دنیا کے لئے زادِ راہ کا حصول اعمال صالح کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اس نظم میں جہاں زندگی کی بے ثباتی کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ وہاں نیک اعمال کی تلقین بھی بڑی شدومد کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس نظم کا مخاطب مرد نہیں عورت ہے اور وہ بھی بیٹی جو ماں باپ کے گھر میں پرورش پاتی ہے لیکن بالآخر اپنے سسرال چلی جاتی ہے۔ بیٹی کی نصیحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال سے نہ صرف اپنے ماں باپ کے نیک نام کی لاج رکھ سکتی ہے بلکہ سسرال والوں کے دل بھی موہ سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی عاقبت بھی سنوار سکتی ہے۔ اسی لئے اس نظم میں حضرت حافظ جمال کا تخاطب بیٹی کے ساتھ ہے جس کو صبح سویرے اٹھ کر چرخا کاتنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پہلا بند اس طرح شروع ہوتا ہے

الٰہی اٹھی دھیا جھٹ جاگ سویلے تیں سڑ دھی ساڑیں
کتیں چرکھا، پاکتڑ کتوی، لمبیں رات دھساریں

1- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " نور جمال " (سرائیکی) ص 43 تا 50

اٹھو چلا متھ ہنسلے ہاں آس دھی ملیاشیں
اکھ مال سہاگیا سو ہے ، جوشوولےمیں بھاگیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے سہاگن اور عقل مند بیٹی ! اب اٹھ جا چرخا لے کر بیٹھ۔ آرام کی لمبی رات گزر چکی ۔ عمل اور حرکت کا وقت آن پہنچا۔ مزید وقت ضائع نہ کر کہ وقت لوٹ کر کبھی نہیں آئے گا۔ اگر عاقبت نیک اور انعام پانا چاہتی ہے تو اپنے خداوند حقیقی کو راضی کر (اور ظاہر ہے وہ نیک عمل سے راضی ہوتا ہے۔)

دراصل حافظ جمال نے تصوف کے نکات کو علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ چرخا اور اس کے لوازم کو فرائض کی ادائیگی سمجھئے۔ حرکت اور نیک اعمال کے مضمون کا اشارہ ، میکے گھر کو مادّی دنیا کی ، سسرال کو عاقبت اور زندگی بعد موت کی ، شوہ (شوہر) کو خداوند حقیقی کی علامت بنایا ہے اور یہی اس نظم کے ذریعے کردار کی تعمیر کا فرض ادا کیا ہے۔ ہر ہر بند میں خوش اخلاقی ، نیک سیرتی ، دیانت داری ، حلیمی ، نرم مزاجی ، سلیقہ شعاری اور روحانی ترقی کی تلقین کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تصوف کی عملی تعلیمات کا ناگزیر حصہ ہے۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ پہلے بند میں بیدار ہونے اور کام میں جت جانے کی تلقین کی ہے اس کے بعد ہر بند میں کوئی نہ کوئی نصیحت کی گئی ہے۔ مثلاً دوسرے بند میں کاہلی اور سستی کو چھوڑنے اور سوت کاتنے(فرائض کی ادائیگی) کا مشورہ ہے۔ تیسرے بند میں بدمزاجی ترک کرنے اور عجز و انکساری اختیار کرنے کی نصیحت ہے۔ چوتھے اور پانچویں بند میں اعمال نیک کی تشہیر کی گئی ہے۔ چھٹے بند میں حلیمی ، نرم مزاجی اور خوش خلقی کی صفات کو سراہا گیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں بند میں غرور اور مکرو فریب سے اجتناب کی تلقین ہے۔ نویں اور دسویں بند میں بے پرواہی چھوڑ کر اعمال نیک کے ذریعے عاقبت سنوارنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ گیارھویں اور بارھویں بند میں مال و دولت کے لالچ کو ترک کرنے کا مشورہ ہے۔ سکھڑ کی تلمیح کے حوالے سے زندگی کی بے ثباتی کا ذکر ہے۔

ز زر دولت، مال غنیمت کر کر کالی سیا لے
لاکھی رہی اکھی اتھاں کہیں تمہ جتی جالے

کس گیا سلطان سکندر جس ملک زمین بھر تالے
ڈیکھ حال احوال تنہاں دا موت مٹی وچ گالے

بعض لوگ سونے چاندی کے خزانے زر و دولت تو جمع کرتے ہیں لیکن یہ سب کے سب یہیں رہ جاتے ہیں اور کوئی بھی انہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ سکندر جیسے سلطان نے ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھے دنیا جہان کے ملکوں کو اس نے زیر و زبر کر دیا لیکن ذرا ان لوگوں کا انجام دیکھو کہ اب سب مٹی میں گل سڑ چکے ہیں۔

تیرھویں اور چودھویں بند میں اللہ کی محبت اور عشق کا درس دیا ہے۔ پندرھویں بند میں بری صحبت سے بچنے اور سولھویں بند میں سلیقہ شعاری اور سگھڑاپا اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ سترھویں بند میں موت کے برحق ہونے کا اعلان ہے تو اٹھارویں اور انیسویں بند میں یکسوئی کے ساتھ خداوند کریم محبت کرنے کی نصیحت ہے۔ بیسویں بند میں حسن اور جوانی کے عارضی اور گزراں ہونے کا اور اگلے تین بندوں میں زندگی کی بے ثباتی اور فنا کا ذکر ہے۔ چوبیسویں، پچیسویں اور چھبیسویں بند میں شوق اور جذبے سے کام کرنے کی تلقین ہے۔ ستائیسویں اور اٹھائیسویں بند میں حسن اور جوانی کی گریز پائی اور بڑھاپے کی آمد کا اعلان ہے اور آخری بند میں الوداعی دعا کی گئی ہے۔

ی یاری رب ڈیوی دعا گھر ور ہوسیں سکھنی
طالع بخت سوتے ہو وس رات نہ ڈیکھیں دکھنی
شوہ دے نال محبت دل دی شالا ہووی ڈھکنی
ہت حال دعا کرے، سیاں ہتھیں رہیں نہ سکھنی

یعنی اے سکھی! آخر میں میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ گھر میں سکھی رہو۔ تمہارا مقدر چمکے۔ تمہیں دکھوں بھری رات سے واسطہ نہ پڑے۔ خدا کی خاوند حقیقی کے ساتھ تمہاری محبت ہر آزمائش پر پوری اترے اور اللہ تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت خوشی اور بھوک ننگ سے محفوظ رکھے۔ ڈاکٹر میر عبدالحق سی حرفی کے موضوع کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس نظم دا ماحصل اے ہے جو عمر اٹھارہ سال وقت گزاریا جیسے فوہد
تے فکر نال ہنڑ نہ آیوڑ ڈیکھے، نے جو وس لگے نیکی دے کم کر کے خوش

اخلاق ہوت کے تے دعا اتے صحیح عمل کر کے آوناں آ کیہاں دے سفر دا
زاد راہ بنایا ونجے۔" 1

(اس نظم کا ماحصل یہ ہے کہ عجز اور انکساری کے ساتھ وقت گزار دیا جائے۔ غرور اور فخر کے قریب نہ پھٹکا جائے۔ جتنا ہو سکے نیکی کے کام کریں، خوش اخلاقی سے کام لیں اور دعا میں صحیح عمل کر کے عاقبت کے سفر کے لئے زادِ راہ بنایا جائے۔)

حافظ محمد جمال کا اسلوب نہایت سادہ، رواں دواں اور دلکش ہے۔ موضوع کے ساتھ میل کھاتے الفاظ، با محاورہ زبان، اور علامتوں کا استعمال اس نظم کے عام خصائص ہیں۔ جہاں ایک طرف سرائیکی ڈکشن کی شدابی پائی جاتی ہے تو دوسری طرف عام فہم اور مانوس اردو الفاظ و تراکیب کے ذخیرے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہاں ایسے چند الفاظ کی فہرست دی جاتی ہے جو اردو اور سرائیکی میں مشترک طور پر مستعمل ہیں۔ ان سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ سرائیکی اور اردو ڈکشن میں کتنی مشابہت، مناسبت اور اشتراک پایا جاتا ہے۔

لمبی راہ، جان، غفلت، برائی، بدکردار، نگہبان، بدیاں، حملہ، برائی، وکیل کریں لفافہ مخصوص، علم، کسر (زعفران)، عمل، دغا، احوال، عجز، ذکر و فکر، ابتر، شرم، عقائد (آخری الوداع)، کمایا، دعا (دعویٰ)، قبیلہ، زر و دولت، مال خزینہ، سلطان، ملک، زمین، سوداگر، بیمار (بیمار)، لعل، صد ہزار، بیمارطا، شرم، سہیلیاں، رل مل، ناز نخرے البطان، سہیلیاں، ستر (سوت) حلقہ (دعا)، مجلس قاعدہ، ازل، ظلم، حسن قبیلہ، سخت مشکل، مسحورکی، فضل، میل (دوستی) غیرہ غریبی، مجور، مغرور، دوری، وسیلہ، پاک کمائی، صورت، حسن جوانی، راج، داغ، غفلت، عیب دار، ہار، رحمت، تھک، وداع، شانی، ہوش، پلک، طالع بخت، عقل۔

ایک سو سولہ (116) مصرعوں پر مشتمل مختصر سی نظم میں اردو الفاظ کا یہ ذخیرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت حافظ جمال اردو زبان سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے اور اگر ان کا دیوان دستیاب ہو جاتا تو یقیناً اس میں اردو کلام بھی شامل ہوتا۔ تاہم سرزمین ملتان میں اردو شعر و ادب کی ترویج کے سلسلے میں حافظ محمد جمال کا حصہ قابل ذکر بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔

1- " نور جمال " ص 48

خواجہ خدا بخش

حضرت خواجہ خدا بخش بارھویں صدی ہجری کی ایک اہم روحانی اور علمی شخصیت ہیں۔ جنھیں حافظ محمد جمال ملتانی سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا۔ حافظ محمد جمال نے انھیں خانقاہ بہاء الحق زکریا کے سامنے بیٹھ کر سلسلہ چشتیہ کے حق میں بیعت لینے کا حکم دیا اور مرشد کے حکم سے انھوں نے ملتان میں سلسلہ چشتیہ کی تجدید کا حق ادا کیا اور یوں حافظ محمد جمال ملتانی اور خواجہ خدا بخش کی بدولت ملتان میں سلسلۂ سہروردیہ کے ساتھ ساتھ سلسلہ چشتیہ کا اثر و رسوخ بھی قائم ہوا۔ خواجہ خدا بخش حافظ جمال ملتانی کے جملہ نامور خلفاء میں سے ایک تھے بلکہ گلشن ابرار کے مطابق

"خلیفہ اوّل ذات ملکی صفات، سراج الواصلین، فخر العاشقین، سعد العارفین، محبوب اللّٰہ سیدنا و مولانا حضرت محمد خدا بخش ملتانی ثم خیرپوری نوراللّٰہ مرقدہ، کہ خلیفۂ مطلق و سجادہ نشین بود آنحضرت (حضرت خواجہ حافظ جمال اللّٰہ) بود" 1

اس کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے

"چوں در اواخر عمر حضرت محبوب اللّٰہ محمد جمال کہ مزاج شریف عارضہ مرض الموت لاحق شد بحضور فقراء خاص و عام خود بآواز بلند بلفظ وعظ فرمود کہ ماکہ ... ہر دو جہاں حضرت مولوی صاحب (خواجہ خدا بخش) تعہد کردہ ایم" 2

خواجہ خدا بخش کے آباؤ اجداد محمد بن قاسم کے عہد میں عرب سے ہجرت کر کے سندھ میں سکونت پذیر ہوئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد ملتان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ اپنی روحانی اور علمی قابلیت کی بنا پر اس خاندان کے لوگوں کا دخل حکومت کے معاملات میں ہر زمانے میں کسی نہ کسی طور رہا۔ یہ لوگ کبھی تو کسی فتنے کو ختم کرنے کے لئے حکومت کا ساتھ دیتے تو کبھی اپنی قابلیت کی

1- گلشن ابرار فارسی (قلمی) از خواجہ امام بخش، ص 268

2- ـــــ ایضاً ـــــ ص 410

پناہ پر کس اعلیٰ عہدے پر فائز رہتے۔ مسعود حسن شہاب ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> "یہ خاندان خاندانی اپنی شجاعت و شرافت اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر دور حکومت میں ممتاز و مقتدر رہا ہے شیر شاہ سوری نے اس خاندان کے بعض افراد کو جلیل القدر عہدے دے رکھے تھے۔ جب سلطان ناصرالدین قباچہ نے قطب الدین ایبک سے سرکشی کی اور ملتان و سندھ پر اپنا تسلط قائم کیا تو اس خاندان نے اس کے خلاف احتجاج کیا جس کی پاداش میں قباچہ نے اس خاندان کی تمام جائیداد ضبط کر لی اور مجبوراً اس خاندان کو ترک سکونت کر کے ضلع ہزارہ میں پناہ لینی پڑی۔ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں یہ خاندان ضلع ہزارہ سے ملتان آ گیا۔ جہانگیر نے قضا کا عہدہ اسی خاندان کے ایک بزرگ قاضی علاؤ الدین کے سپرد کیا اور انہیں دس ہزاری کا منصب دیا یہ منصب شاہ عالم ثانی کے عہد تک اس خاندان میں رہا۔ مولوی عنایت اللہ اس سلسلے کے آخری منصب دار تھے جو 1151ھ میں اس سے دستکش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔" [1]

اسی خاندان میں خواجہ خدا بخش 1150ھ میں مولانا قاضی جان محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔[2] آپ قریشی النسل تھے۔[3] آپ کے والد مولانا جان محمد متقی، پرہیزگار اور باعمل عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے

1- اطبائے بہاولپور از مسعود حسن شہاب، ص 168، مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور، بار دوم

2- ——— ایضاً ——— ص 169

جبکہ عمر کمال خان نے اپنی کتاب "نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" ص 282 مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان اور محمد الیاس قیصر نے "خیر البلاد" ص 12، مطبوعہ قصر الادب، عمر پور ناصرالی (بہاولپور) میں آپ کا سن ولادت 1155ھ لکھا ہے۔

3- آپ کے سن ولادت کی طرح نسل کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اطبائے بہاولپور ص 168 میں احوال و آثار (قلمی) کے حوالے سے بتایا ہے کہ آپ قریشی نسل سے تھے۔ آپ کی والدہ کا تعلق قوم خلجیاں سے تھا جو ملتان کی رہنے والی تھیں۔ اس لئے آپ کا مادری سلسلہ قوم خلجیاں سے ملتا ہے لیکن والد کی طرف سے آپ قریشی نسب سے تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (1) "تذکرہ کرام" از مولوی حفیظ الرحمان، ص 47، مطبوعہ دہلی رجب المرجب 1332ھ اس کتاب کا پہلا صفحہ غائب ہے اس لئے مطبع کا نام پتہ نہیں چلتا صرف دہلی کا نام رہ گیا ہے۔ (2) گلشن ابرار (اردو ترجمہ حدیقۃ الاولیاء) از خواجہ امام بخش مترجم صالح محمد شوشتری ص 279، مطبع صدیقیہ (3) خیر البلاد از الیاس قیصر، ص 12

انہیں سے حاصل کی۔ محمود شاہ حسینی شمیم اپنی کتاب انوار سالکہ فارسی (قلمی) کے باب دوم میں حضرت علامہ عبداللہ شاکی ثم مسعود طلب بہ محبوب اللہ کی منقبت میں لکھتے ہیں

"پدر بزرگوار آنحضرت از علمائے عالی و اتقیائے روزگار بود چون این اختر سعادت کاشانہ عزلتش را بہ پرتو ضیائے وجود مسعود نورانی ساخت بدید او مسرت داشت و می گفت و الامر این کار رسانید تا آنکہ مقدمات علم عربیہ و معانی ... از کتب سابقہ ... برداخت و از عقول و معقول و فروع و اصول آنچنان کمال بہم رسانید کہ از فحول علمائے دہر سر آورد و در فضائے مصر ... بہ انتہائے والا ... طلب بتدریس علوم متداولہ و تعلیم فنون متعارفہ از تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد و علم ہیئت و صرف و نحو و منطق و معانی و بدیع و بیان وغیرہ ذالک من العلوم المتعارفہ ... جد بلیغ ... و بمقتضائے ... مرکز بیان داد و موجب ... بر السنہ افاضل و ادانی اشتہار یافت ۔"[1]

والد گرامی سے حصول تعلیم کے بعد آپ دہلی گئے جہاں رحیمیہ میں مزید علم کے حصول کی خاطر تشریف لے گئے اور حضرت شاہ ولی اللہ کی اکبر زادے ... عہد عبداللہ دہلی میں رہ کر آپ نے بہت سے مشائخ سے مستفیض حاصل کی اور فیض اٹھایا ... وہاں رہ کر علم حاصل کیا پھر آپ واپس ٹھٹھہ تشریف لے آئے۔ اور والد کی حیات تک وہیں رہے اور ان کی وفات کے بعد آپ نے ملتان کے محلے کمہار پورہ میں رہائش اختیار کر لی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ملتان میں آپ جس مسجد میں درس دیتے تھے وہ آج تک قائم ہے اور درس والی مسجد کے نام سے مشہور ہے جو دولت دروازہ کے اندر واقع ہے۔ مولوی عبدالشکور اصفہانی (متوفی 1117ھ) کی ایک منظوم فارسی کتاب "در تعریف علامہ عبدا ... " (سوانحی) حضرت امام ... کی دارالکتب میں مخطوطات موجود ہے اس میں علماء میں علامہ عبدا ... ملتان کے درس و تدریس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں انہوں نے اپنی آبائی مسجد میں اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ملتان کی شہرت میں طالب علم آتے تھے اور ہر ایک کا حسن عقیدت عام ہو گیا۔[2]

1۔ مخطوطہ "انوار سالکہ" فارسی (قلمی) از محمود شاہ حسینی شمیم، ص 307

2۔ ... پر لکھا ہوا ہے کہ "معدن ... علم کہ ... عالم را از علم ... " ... از مولانا عبداللہ شاکی، ص 5، مطبوعہ ... لاہور ماہ صفر 1326ھ

اور تمام شہر والوں نے اپنے اپنے حسب کے مطابق فیضان حاصل کیا اشعار یوں ہیں

جو ہک مسجد اوچیاں اینہیں بنائی	پڑھن کیتے بہوں مخلوق آئی
اوں وچ درس شروع کیتو نے	ہزاراں طالباں کیتی وجھ لیونے
مسے طالب اوجہاں تو سبق گھندا	جیوے کوئی عجب اس فیض لیندا
گئی جاسے بہرہ ازل کیتوسی	بیٹا اس نے پیالہ فضل کولوں
تمام شہر فیض اوہاں ونڈایا	حسب قسمت ہمیا اوجہاں پایا 1

لیکن ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے کہ مولوی خدا بخش صاحب

"حافظ جمال اللہ کے قائم کردہ مدرسہ عالیہ کے اولین مدرس اور مہتمم و منصرم تھے ۔ ۔ ۔ آپ نے ملتان میں سالہا سال رشد و ہدایت کے سلسلے کو نہایت کامیابی سے چلایا پھر جب ملکی حالات خراب اور بدامنی انتہا کو پہنچ گئی تو حافظ صاحب نے انہیں نقل مکانی کا حکم دیا چنانچہ آپ بہاولپور کے بے آب و گیاہ ریگزاروں کی طرف شمع ہدایت و تبلیغ لے کر چل پڑے اور خیر پور ٹامیوالی میں متمکن ہو گئے جہاں انہوں نے مدرسہ قائم کر لیا۔" 2

اپنے طریق تدریس کی بنیاد پر بہت جلد آپ کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی سید عبدالحئی حسنی آپ کے درس کے بارے متعلق لکھتے ہیں کہ

"الشیخ العالم خدا بخش الحنفی الملتانی احد من کبار المشائخ فی عصرہ ولد و نشاء "بملتان" و قرأ العلم علی من بھا من العلماء ثم تصدر بالتدریس و درس بمدرسۃ العلم "ملتان" اربعین سنۃ" 3

گلشن ابرار کے مطابق

"مولانا صاحب اپنے بزرگوں کی ہدایت کے مطابق علوم ظاہری کی تدریس میں

1۔ "در تعریف خواجہ خدا بخش" (قلمی سرائیکی منظوم) از مولوی عبدالقادر انصاری المتخلص عبداللہ ص 6 مرقومہ 1305ھ (50 صفحے پر مشتمل کتابچہ ہے۔)
2۔ "ملتان کے اسلامی دور حکومت کے انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں" ص 6 مطبوعہ ادبی ملتان 1978ء
3۔ "نزہۃ الخواطر" جلد ششم از سید عبدالحئی حسنی ص 368 مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن

منقول، معقول، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف و نحو، منطق و معانی، بدیع و بیان وغیرہ جملہ علوم متداولہ کی تعلیم دیتے تھے اور لوگوں کے افادے میں مشغول رہے اور آپ کے علمی کمالات کے چرچے خاص و عام میں پھیل گئے۔ عنفوان شباب سے لے کر آخر زمانے تک لوگوں کو افادہ و مستفیض اور لوگوں کے فیض دینے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہمیشہ رضائے الٰہی کے طالب رہے ان لوگوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہے جنہوں نے آپ کے مدرسہ سے فارغ ہو کر دستار فضیلت باندھی۔ عام طالب علموں کا تو شمار نہیں۔ آپ جود و کرم اور فیض اتم کے ایک سمندر بے کنار تھے جس کے علوم کے سحاب سے ہزاروں پیاسوں نے اپنی طلب اور شوق کی پیاس بجھائی۔ ان کے دل کا ایک ایک قطرہ دُر نایاب اور ان کے سینے سے ایک ایک علم بحر قلزم تھا۔" 1

ڈاکٹر میر عبدالصمد کے مطابق

"آپ علم ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے تھے، علوم دینیہ و باطنیہ کے بہت بڑے فضلا میں شمار ہوتے تھے۔" 2

یہ علوم جن کا شمار آج سائنسی علوم میں ہوتا ہے خواجہ خدا بخش ان میں مہارت رکھتے تھے، دین اور دنیا کا یہ ملاپ بہت کم مولویوں میں دکھائی دیتا ہے۔ اس لحاظ سے خواجہ خدا بخش کی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ وہ ہر خاص و عام کو حساب، رسالہ عامل اسطرلاب کرہ، سکت اور اقلیدس وغیرہ کی تعلیم دیتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ علوم خشک ہو گئے تھے اور لوگ ان علوم کے حصول میں سستی سے کام لیتے تھے اور چونکہ حضرت خواجہ خدا بخش کو یہ علوم بڑی دشواری سے حاصل ہوئے تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ دوسرے ان سے حاصل کریں۔ اکثر فرماتے سکار ملاتی کہہ کیا کرہ علوی دل عاشقاں پیدا کرے 3

------ اس بات کی تصدیق مولانا عبداللہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو سیر دلبراں ص 9 پر موجود ہے اس کا ترجمہ کیپٹن واحد بخش سیال کے الفاظ میں لکھتی ہیں کہ

1۔ کشف اسرار (اردو ترجمہ) از خواجہ امام بخش، ص 884

2۔ ملتان کے لسانی دور حکومت کے اسقاط کی بہار عظیم المحصص، ص 6 مطبوعہ امرتسر

3۔ تفصیل کیلئے خانقاہ مہاروی "کشف اسرار" فارسی (الف) ص 439، دوسرا مصرعہ بھی مشہور ہے کہ "کہہ جنہیں تو کھنی بھاڑ کے سیا کر" لیکن خواجہ صاحب کے تصرف سے شعر میں زیادہ گہرائی پیدا

"حضرت اقدس نے علوم اسلامیہ کے علاوہ مختلف فنون (دنیاوی علوم) کی بھی تعلیم دی مثلاً ریاضی، جغرافیہ، ہیئت، عروض، طب، علم نجوم، اقلیدس وغیرہ ——" 1

دوران درس و تدریس کے دوران آپ روحانیت کی طرف مائل ہوئے تو مرشد کی تلاش میں مختلف خانقاہوں کا سفر کیا بہت سے بزرگوں سے ملاقات بھی ہوئی اور آخر حافظ جمال کی شکل میں مرشد میسر آیا تو حضرت بہاء الدین زکریا کے مزار کے سامنے بیٹھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور سلوک کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔ "ثمر عارفاں" میں لکھا ہے کہ

"در ملتان مولوی خدا بخش از مریدان ایشان (حضرت حافظ جمال) می باشند" 2

حافظ محمد جمال کے ساتھ آپ کئی مرتبہ ان کے مرشد خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں مہار شریف تشریف لے گئے۔ وہ آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور اکثر حافظ جمال سے فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے ایک شیر کو جال میں پھنسایا ہے۔ اس کے علاوہ بارہا اپنی زبان سے خواجہ خدا بخش کے اوصاف، فطری صلاحیت اور قابلیت کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ "انوار جمالیہ" میں لکھا ہے کہ

"باوجود کمالات علمی ظاہر شوق تحصیل علوم باطنی نیز دامن گیر خاطر مبارک بود. باقتضای ہدایت ازلی بشرف بیعت جناب مقدس قدس اللہ سرہ العزیز (حضرت حافظ جمال) مشرف گشتند و نہی بلند و انوار ارجمند یافتند بلکہ در جناب قبلۂ عالم رضی اللہ عنہ (خواجہ نور محمد مہاروی) ہم مرغوب و مقبول شدند چنانکہ نقل است کہ در ایامی کہ جناب مقدس بہ قصد زیارت حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کہ دران زمان بمرتبہ حیات صوری در بودہ اند ہمراہ بودند در آنجا صحبت مورد فیض و منظور قبول آنحضرت گردیدند چنانچہ حضرت قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر زبان مبارک خود ایشان را صحبتگاہی سلسلۂ دانند فرمودند و نیز بہ حضرت جناب مقدس مبارک باد دادند کہ شیر عظیم بہ چنگال تو در آمدہ و بارہا ذکر کمالات اوصاف ایشان بر زبان کرامت ترجمان حضرت قبلہ عالم رفتہ و بہ کرامت

1- سود لیران (اردو ترجمہ) ص 52 مطبوعہ ... اشاعت ... محرم الحرام 1400ھ

2- "ثمر عارفاں" (فارسی) جلد دوم ص 12، مؤلفہ ملک علاؤ الدین ... لاہور مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور

برآں قابلیت جبلی و استعداد فطری ایشاں موجب جناب قبلۂ عالم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتاد " 1

خواجہ خدا بخش نے خواجہ نور محمد مہاروی سے بھی بیعت فیض حاصل کیا حافظ جمال فرماتے تھے کہ

" خواجہ خدا بخش کو میرے ساتھ تو فقط بیعت کا تعلق ہے ان کو جو
بلند مرتبے حاصل ہوئے ہیں خود قبلہ عالم سے ملے ہیں۔" 2

تحفۃ الابرار میں لکھا ہے کہ

" آپ کامل تین خلیفہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانی تھے۔ آپ عالم متبحر
اور رموز تصوف کے اعلیٰ درجے کے ماہر تھے۔" 3

آپ کو اگرچہ حافظ محمد جمال سے بیعت کرنے کی اجازت مل چکی تھی لیکن آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے
اس لئے کہ آپ مرشد کے ہوتے ہوئے براہ راست لوگوں کو بیعت کرنا درست خیال نہیں کرتے تھے۔

خواجہ خدا بخش نور محمد مہاروی کے خلیفہ خواجہ سلیمان تونسوی کے ہم عصر تھے اور اکثر عرس
وغیرہ کے موقع پر اکٹھے ہوتے تھے جیسا کہ " منتخب ملفوظ شریف " میں لکھا ہے کہ

" ... مولف صاحب شجرہ در این جای آرد کہ یکے مرتبہ حضرت فخرالاولیاء
قدس سرہٗ(حضرت سلیمان تونسوی) بر عرس حضرت قبلۂ عالم بر خانقاہ متبرکہ
ایشاں تشریف فرما بودند کہ کس عالم چند سوال از مسائل بخدمت آں
فخرالاولیاء قدس سرہ عرض نمودہ جواب با صواب یافتہ بود و در آں مجلس
حضرت مولوی صاحب مولوی خدا بخش خیرپوری کہ خلیفہ اعظم حضرت
حافظ صاحب حافظ محمد جمال ملتانی بود موجود بودند۔" 4

خواجہ خدا بخش، خواجہ سلیمان تونسوی کا بے حد احترام کرتے تھے ایک دفعہ حضرت سلیمان نے ایک
سفارشی چٹھی ان کے نام لکھی جس میں خواجہ خدا بخش کے ایک مرید سے کام تھا۔ خواجہ صاحب اس خط
کے ملتے ہی بذات خود اپنے مرید کے مکان پر پہنچے وہ حیران رہ گیا کہ حضور نے خود کیوں زحمت کی لکھنا

1- " انوار صابریہ " فارسی (قلمی) از مفتی غلام حسن شہید، ص 8-9
2- " الہامی بہاولپور " از مسعود حسن شہاب، ص 173
3- " تحفۃ الابرار " جدول ثانی، ص 152، مطبوعہ مطبع رضوی، دہلی
4- منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ حضرت خواجہ یار محمد بن تاج محمود چشتی بہاولپوری، ص 73— بہ قلمی

خواجہ صاحب، حضرت سلیمان کی خوشنودی چاہتے تھے اس لئے اس کو ملتانی کی بجائے خود جانا مناسب سمجھا۔1

خواجہ خدا بخش بہت عرصہ ملتان میں رہ کر درس و تدریس کا کام سر انجام دیتے رہے۔ ملتان پر جب سکھوں نے رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں بار بار حملے کئے تو دوسرے علماء کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی یہاں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب تک ملتان میں رہے حافظ محمد جمال اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے رہے کیا بقول مولوی حفیظ الرحمان

"آپ علم و عمل کے دونوں زیوروں سے بہترین طریق پر آراستہ تھے۔" 2

سکھوں نے جب قلعہ ملتان کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو آپ بھی حافظ جمال کے شانہ بشانہ لڑتے رہے۔ جیسا کہ حافظ جمال کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب سکھ قلعہ کا محاصرہ کرنے کے باوجود فتح نہ کر سکے اور ہزیمت کھا کر پسپا ہو گئے تو منجمین کے حوالے سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ ملتان میں ایک قطب ہے اور جب تک وہ موجود ہے اس کی زندگی میں قلعہ تسخیر نہیں کیا جا سکتا حالانکہ یہ بات حضرت حافظ جمال کے بارے میں کہی گئی تھی لیکن انھوں نے خواجہ خدا بخش کو قطب قرار دیا۔ حضرت غلام حسن شہید لکھتے ہیں

"بزبان کرامت بیان رفت کہ بے شک ذات حضرت مولوی صاحب (خواجہ خدا بخش) قطب زمانہ است پس رفتہ قطبیت ایشان بدلیل قاطع و برہان صادق با ثبات رسیدہ است" 3

گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"در ایام کہ قلعہ دارالامان ملتان محصور کفار مقہور گشت دراں ایام خدام کرام جناب حضرت حافظ صاحب محمد جمال نوراللہ مرقدہ نیز دراں قلعہ محصور موجود بودند القصہ بعد رفع مقامہ محاصرہ بر السنہ عوام شہرت یافت کہ بعض منجمان لشکر کفار گفتہ اند وہم بعض رمالان خبر دادہ کہ در ملتان قطبی است از اقطاب

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے کتاب "مناقب سلیمانی" فارسی (قلمی) ص 54، 55 کاتب محمد بخش ذولی
2- "ذکر کرام" از مولوی حفیظ الرحمان، ص 47
3- "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از منشی غلام حسن شہید، ص 9

"اللہ کہ ملتان در ظل حمایت او مامن بست خاص حیات او تسخیر قلعہ دشوار بست چنانچہ این سخن بگوش ہوش آنجناب حضرت حافظ صاحب قدس سرہ در رسید الیہہ بالمعنی اشارت قلب بہ نفس نفیس آنجناب بود لیکن بر زبان کرامت بیان چنان رفت کہ بیشک ذات حضرت مولوی صاحب (خواجہ خدا بخش) قلب زمانہ بست پس رفتہ قلعیست آنحضرت بدلیل قاطع و برہان صادق بہ اثبات رسید" 1

جب آپ نے ملتان چھوڑا تو پہلے موضع دھاپور المعروف راہی والا میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ گلشن ابرار کے مطابق

"جناب حافظ صاحب (حافظ جمال) نے حافظ غلام حسن بخش کو ایک خط لکھا کہ جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ پر واضح ہو کہ جناب مولانا صاحب ملتان سے چلے گئے اور کوثر و سلسبیل کی طرح وہاں کے لوگوں کو سیراب کر رہے ہیں آپ پر واجب ہے کہ جو کچھ ہو سکے ان کی نذر گزاریں ان کو اپنے مکان پر لے آئیں اور اپنے تئیں بھی ان کے چشمۂ رحمت سے سیراب کریں۔ نیز اس موقع کو غنیمت سمجھیں جب یہ خط ان کی خدمت میں پہنچا تو تھیلا جو کچھ بھی گھر میں موجود تھا از قسم زیورات و پارچات وغیرہ جناب مولانا صاحب کی خدمت میں لے گئے نذر دی۔ آپ بہت ہی التجا اور آرزو کے ساتھ ان کو اپنے ڈیرہ چھٹا بھی میں لے گئے اور ان کی صحبت سے مستفید ہوئے۔" 2

وہاں سے آپ بہاولپور کی طرف گئے تو وہاں کے والی ریاست محمد صادق خان نے آپ کو خیرپور میں ٹھہرایا آپ کے متعلقین کا وظیفہ مقرر کیا اور لنگر کا تمام خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ اس کے بعد آپ تمام عمر خیرپور میں رہے جہاں آپ نے ایک مؤثر مسجد، ایک مضبوط کنواں، مہمان سرائے، فقراء کے حجرے اور دیگر لوگوں کے لئے عمارتیں تعمیر کرائیں۔3

خواجہ خدا بخش نے خیرپور میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کیا، مسعود حسن شہاب کے مطابق

1۔ "گلشن ابرار" فارسی (قلمی)، ص 409—410

2۔ "گلشن ابرار" (اردو ترجمہ) ص 293 (گلشن ابرار فارسی (قلمی) میں ص 416 پر یہ واقعہ درج ہے)

3۔ حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) گلشن ابرار، ص 295 (2) خیرالبلاد، ص 31

"آپ کی تمام عمر درس و تدریس میں صرف ہوئی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، علم ہیئت، صرف و نحو اور منطق و معانی آپ کے درس کے خاص موضوعات تھے آخری عمر میں تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری کیا۔ اس دور کی ایک مشہور کتاب توفیقیہ آپ کی یادگار ہے اس میں شریعت کے احکام طریقت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کرنے کے علاوہ وحدت الوجود کے مسئلے کو بھی بڑے عالمانہ اور عارفانہ انداز میں حل فرمایا ہے۔" 1

مولوی امام بخش لکھتے ہیں کہ

"ضعف پیری کے باعث جب آپ میں درس و تدریس کی طاقت نہ رہی تو ورد و وظائف سے جو وقت بچ رہتا اپنی مشہور تصنیف توفیقیہ کے لکھنے میں مصروف رہتے یہ وہ کتاب ہے جس میں کہ شریعت کے احکام، طریقت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کئے ہیں۔ اس رسالہ میں توحید کے ایسے دقیق مسئلے بیان کئے گئے ہیں کہ راز داران معرفت نے کم لکھے ہوں گے۔ جو بھی صاحب مذاق آپ کے پاس آتا اسے اس کے مسودہ دکھاتے اور فرماتے کہ ان کی تصحیح کرو بعض کو تو در مقصود حاصل لگ جاتا اور بعض کا انکار اہل اللہ کے کمالات پر ٹوٹ جاتا اور بعض بیابانِ گمراہی اور ضلالت میں رہ کر محروم رہ جاتے۔۔۔" 2

خواجہ خدا بخش تمام عمر درس دیتے رہے پہلے ملتان میں اور پھر خیرپور میں اس موقع پر آپ نے ہر طرح کے موضوع پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ آپ علم کا دریا تھے ہر موضوع پر بے تکان بولتے اور حدیث و فقہ کے حوالے دے کر بات کرتے تھے۔ لوگوں نے کسی مسئلے کے متعلق آپ کی رائے پوچھی آپ باقاعدہ حوالے دے کر بات کرتے اور آپ کی یہ بات فتویٰ کی صورت اختیار کر جاتی چنانچہ آپ نکاح، طلاق، قبر پر اذان دینے جیسے مسئلوں پر بھی فتویٰ جاری کر چکے تھے۔ آپ کی خاص شیریں اور انداز شگفتہ ہوتا جو سننے والے کے دل پر اثر کرتا موقع بہ موقع اشعار بھی پڑھتے تھے، مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں کہ

"آپ کی مجلس میں ہمیشہ اسرار و معارف کا بیان ہوتا تھا اور خاص باتیں

1- "اولیائے بہاولپور" از مسعود حسن شہاب، ص 175

2- "گلشن ابرار" (اردو ترجمہ) ص 284، 285

میں آپ ایسے نکتے حل فرما دیتے تھے جس کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے اکثر برمحل اشعار سے خشک موضوع کو بھی شگفتہ بنا دیتے تھے صبح دم یہ اشعار زبان مبارک پر ہوتے تھے

سحر ہر روز ذکر بے بہا کن — بدان درگاہ خود را آشنا کن
اگر گوئی کہ من درویش حالم — نظر بر خاندان مصطفیٰ کن[1]
اگر گوئی کہ بس ظلم رفتہ است — نظر بر کشتگان کربلا کن[*1]

چشتیہ سلسلے کے صوفیاء کی سماع سے دلچسپی بے مثال ہے۔ عشق کی حد تک سماع میں دلچسپی رکھتے تھے۔ خواجہ خدا بخش کو بھی سماع سے دلچسپی تھی اور سماع کی محفل میں سب سے پہلے ان پر ذوق طاری ہوتا تھا۔ بہرحال موقعہ ہوتا تو سن لیتے لیکن فرمائش کر کے کسی کو گانے بجانے کی تکلیف نہیں دیتے تھے "انوار جمالیہ" کے مطابق

"باوجود استیلائے ذوق و تعطش سماع گاہے کسے را تکلیف قول [illegible] و سماع نفرمودہ "[2]

"سر دلبران" میں لکھا ہے کہ قوالی کی خواہش خود نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی شخص اشعار یا قوالی سننے کا آرزو مند ہوتا تو سن لیتے[3]۔ اسی طرح آپ سماع کی سریلی آواز یا لے کی حاجت مند نہ تھے کیونکہ سماع کے بغیر بھی الحان اور سر آپ کے ذوق لطیفہ کا حصہ تھے۔ چنانچہ آپ دوستوں کی خوشی اور خوشنودی کی خاطر سماع سنتے تھے اور بس۔ کسی نے انہیں کبھی سکر یا وجد کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ "سر دلبران" میں لکھا ہے کہ

"آنحضرت را با سماع الحانات حاجت نبود چہ بے سماع الحانات حاجت نبود چہ بے سماع الحانات در ذوق می بود و اگر می شنود برائے موافقت یاران و خوشی دوستداران می شنود۔ از دیدن سکر و وجد او خلق در دیدن رسوم رسوم و عادات محتجب بودند"[4]

2- "انوار جمالیہ" فارسی (قلمی) از مفتی غلام حسن شہید ص 9، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "گلشن ابرار" فارسی خطی، ص 411 تا 412

3- "سر دلبران" (فارسی) از حضرت عبداللہ ملتانی ص 26، مطبع عام پریس لاہور، ماہ صفر 1324ھ

4- ——— ایضاً ——— ص 4

*1- "ادبیاتِ بہاولپور" ص 177-78

آپ کے حلیہ مبارک کے بارے میں حافظ غلام حسن بخش فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حضرت غوث بہاء الدین زکریا کی زیارت نہ کی ہو تو وہ حضرت مولانا محبوب اللہ کو دیکھ لے کہ دونوں شخصیتوں کے درمیان صوری اور معنوی طور پر بال برابر کا بھی فرق نہیں ہے۔[1]

خواجہ خدا بخش خیرپور میں تقریباً 15،20 برس تک درس و تدریس کی خدمات سر انجام دیتے رہے البتہ آخری عمر میں ضعف کی وجہ سے تمام شغل ترک ہو گئے اور زبان پر صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد جاری رہا۔ آخر غرہ ماہ صفر 1250ھ[2] میں آپ نے وفات پائی اور خیرپور میں ہی آپ کا مزار بنا جو آج تک مرجع خلائق ہے۔ مولوی عبدالقادر انصاری لکھتے ہیں

ڈھاڑی عرس عجب مشغول آندی	جو اس دربار عالی نہ سماندی
بزرگاں ستاریاں دے عرس تھیندے	مثل عرس اوہناں ہرگز نہ ڈسیندے
سماع ہوندا عجب مجلس وچالے	دل آندا جذبے جو از حد خالی۔[3]

(ترجمہ: یعنی عرس کے دن اتنے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ اس دربار عالی مرتبت میں سما بھی نہیں سکتے۔ میں نے تمام بزرگوں کے عرس دیکھے ہیں لیکن ان جیسا عرس کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اس مجلس میں ایسا سماع ہوتا ہے کہ دل جذبات سے مملو ہو جاتا ہے۔)

خواجہ خدا بخش کے ہاں صرف ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں کچھ مشہور یہ ہیں۔ قاضی محمد عبداللہ ملتانی، مفتی غلام حسن شہید، مولوی عظیم بخش احمد پوری، مولوی محمد موسیٰ ملتانی، مولوی خدا بخش ملتانی، قاضی محمد عیسیٰ خانپوری، مولوی محمد حسن بخاری، میر شاہ احمد پوری، مولوی نور اللہ خیرپوری، مخدوم حامد شاہ گیلانی اور مولوی نور محمد بخاری وغیرہ۔

1۔ اصل عبارت یوں ہے " اگر کسے زیارت حضرت غوث بہاء الدین زکریا نکردہ باشد زیارت حضرت محبوب اللہ (خواجہ خدا بخش) مشرف شود کہ فی مابین ہر دو شخصیت صوریاً و معنیً مقدار تار مو فرق نیست" (گلشن ابرار فارسی (قلمی) ص 416-417)

2۔ (1) گلشن ابرار اردو ترجمہ ص 332 (2) اطائب بہاولپور، ص 179 ـــ لیکن میر کمال خان نے اپنی کتاب "نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد" ص 283 اور مولوی عبدالقادر انصاری نے اپنی کتاب "در تعریف خواجہ خدا بخش" میں ص 46 پر آپ کا سن وفات 1231ھ لکھا ہے۔

3۔ بحوالہ "در تعریف خواجہ خدا بخش" قلمی منظوم سرائیکی، ص 7

آپ کی تصانیف توفیقیہ، توحیدیہ اور ذوقیہ آپ کے خیالات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان میں سے توفیقیہ بہت عرصے پہلے چھپی تھی جو اب نایاب ہے البتہ اس کے قلمی نسخے کئی لوگوں کے پاس ہیں۔ آپ کی دوسری تصنیف ذوقیہ نایاب ہے۔ آپ کی ان کتابوں سے حقیقت و معرفت کے اسرار، شریعت کے احکام، طریقت کے آداب اور توحید سے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ ان تینوں کتابوں کے قلمی نسخے جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ خدا بخش جب گفتگو فرماتے تھے تو اس میں علمیت کے علاوہ ادبیت کا رنگ بھی ہوتا تھا۔ اشاروں اور کنایوں میں بات کرنے سے نہ صرف بات میں حسن پیدا ہو جاتا تھا بلکہ اس میں گہرائی بھی آ جاتی تھی مثلاً ایک بار فرمایا

"نخواہد این چمن از سرو لالہ خالی ماند یکے ہمے رود و دیگرے ہمے آید
مراد از سرو مرشد است کہ از اوست و مراد از لالہ عاشق است کہ بداغ ہجران
متلاشی است یعنی جہان از طالبان و مطلوبان خالی نماند۔" 1

ایک اور موقع پر فرمایا

"عاشقاں ہرچند مشتاق جمال دلبرند، دلبراں بر عاشقاں عاشق تراند" 2

حضرت خواجہ خدا بخش جب کوئی تلقین کرتے یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت فرماتے تو اس کے لئے براہ راست قرآن و حدیث کے حوالے سے بات کرنے کی بجائے قصوں، شعروں یا حکایتوں کے ذریعے بالواسطہ طور پر اظہار فرماتے تاکہ کم علم اور جاہل لوگوں تک بات کو آسان طریقہ سے پہنچایا جا سکے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو مولانا روم نے اختیار کیا تھا وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

آپ کے ملفوظات پر مبنی ایک کتاب کا نام بھی "سر دلبراں" ہے جسے آپ کے خلیفہ اوّل مولانا عبداللہ ملتانی نے مرتب کیا۔ حضرت عبداللہ ملتانی کے مطابق آپ بڑے دردمند انسان تھے۔ دوسروں کے دکھ میں دکھ محسوس کرتے اور دوسروں کو راحت میں دیکھ کر راحت پاتے گویا سارا عالم آپ کے اجزا تھے لکھا ہے

1- "گلشن ابرار" فارسی (قلمی)، ص 441-442
2- --- ایضاً --- ص 443

" ..... بقصور دیگر مقصور مشد و قطع مشد کہا ہمہ عالم اجزائے اویست ـــ " 1

یہ عقیدہ حیات وحدت الوجود کی بنیاد اور روح ہے۔ آپ خلق عظیم کے حامل تھے اس کے باوجود کہ کوئی شخص آپ سے بے ادبی کرتا یا غصہ دکھاتا آپ درشتی سے منہ کر اس پر شفقت اور کرم فرماتے آپ ہمیشہ یہ تلقین کرتے

" اگر مردی احسن الی من اسا "

یعنی اگر تو مرد ہے تو اس کے ساتھ نیکی کر جس نے تیرے ساتھ برائی کی 2

آپ کے مرید آپ سے ملنے کے لئے آتے تو آپ شعلہ کھڑے ہو جاتے اس سے راہ کی ساری کلفتیں مخول ہو جاتیں۔ مولوی عبداللہ ملتانی لکھتے ہیں کہ جب کبھی زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوتے تو آپ مرحبا مرحبا فرمانے کے بعد یہ شعر پڑھتے

آمدن و آمدنت بس خوش است — دیدن روئے تو عجب دلکش است 3

ان کے اخلاق، انکساری، شفقت اور محبت کے کتنے واقعات مولانا عبداللہ ملتانی نے " سر دلبراں " میں قلم بند کئے ہیں۔ 4

حضرت خواجہ خدا بخش اپنی گفتگو میں موقع محل کے مطابق فارسی اشعار پڑھتے تھے کبھی کبھی خود بھی فارسی شعر کہتے تھے۔ اسی طرح اردو اور سرائیکی اشعار بھی استعمال کرتے تھے اور ان میں تصرف بھی فرماتے تھے۔ مثلاً

بیسکار ساز کچھ کیا کر — خوش دل عاشقاں ہوا کر 5

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا

1- " سر دلبراں " از مولانا عبداللہ ملتانی ، ص 4، مفید عام پریس لاہور ماہ صفر 1324ھ (مطلب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوئی۔) اس کا اردو ترجمہ کپٹن واحد بخش سیال نے کیا ہے جسے صوفی فاؤنڈیشن بہاولپور نے محرم الحرام 1400ھ میں پہلی بار شائع کیا (یہ کتاب سعید احمد سے ملی۔)

2- سر دلبراں از عبداللہ ملتانی، ص 17 — 3- سر دلبراں از عبداللہ ملتانی، ص 6

4- ملاحظہ فرمائیے، ایضاً ص 6 تا 8 — 5- ایضاً ، ص 9

وقت سحر وقت مناجات ہے

خیز درآں دم کہ یہ برکات ہے

نفس ہمارا کہ اُٹھیو ذرا

قسم ہے خیزی کہ ابھی رات ہے ۔۔1

ایک دفعہ عجیب استعارہ فرمایا

در کوچۂ وحدت خدا کہتا سمجھو مجاز ہے

تم بھی کفر کفر کی آنکھ [illegible] چشم ۔۔2

پھر فرمایا

خدا از مطلبی دو خوک رمتی   مستغنی [illegible] رہا ۔۔3

اسی طرح ایک موقع پر یہ بیان کیا

دیں دنیا لگی لعنت رہتا تمہیں جوتی داماں

تجے لگی بادشاہ دی [illegible] دی [illegible]

(اس کا معنی ہے کہ [illegible] چار چیز است آتش و بادی و [illegible] و خاک) ۔۔4

ایک موقع کیسے [illegible] کی تعریف [illegible] فرمایا

لگاں جس کی آو [illegible] کی صفت اور [illegible] کہا

یہ محبوب [illegible] ہے [illegible] کی دو [illegible] ۔۔5

فیروز [illegible] اور [illegible] کو [illegible] کی [illegible] فرمایا

[illegible]   [illegible] ۔۔6

وحدت اور کثرت کے مسئلے پر فرمایا

چل چلا [illegible]

[illegible] ۔۔7

1- "سر دلبراں" از عبداللہ ملتانی ، ص 11

2- [illegible] ایضاً ، ص 13 [illegible] اس شعر کو یوں لکھا ہے

در کوچۂ وحدت خدا کی ہے [illegible] ، تم بھی کفر کفر کی آنکھ [illegible] (سر دلبراں (اردو ترجمہ) ص 68)

3- "سر دلبراں" (فارسی) از عبداللہ ملتانی ص 13 ، 4-5-6- "سر دلبراں" (فارسی) ص 14

7- "سر دلبراں" (فارسی) ، ص 15

ان اشعار میں ایک طرف تو اخلاق کی تعلیم ہے دوسری طرف اردو اور سرائیکی اشعار اور اقوال کا بے دریغ استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اپنی گفتگو میں خواص کے لئے عربی و فارسی اشعار اور عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے اردو اور سرائیکی اشعار و اقوال سے کام لیتے تھے۔ نزاکت طبع اور لطافت ذہن کی یہ حالت تھی ایک دفعہ فرمایا کہ ابو سعید ابوالخیر سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے مزار کے مواجہہ پر کونسی آیت پڑھی جائے تو انہوں نے کہا قرآن پڑھنا تو بڑی بات ہے یہ شعر پڑھا جائے

چیست خوب تر در ہمہ آفاق کار

دوست رسد نزد دوست یار بر یار

پھر فرمایا کہ میرے مزار پر یہ شعر پڑھا جائے

مطلبا ہم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمال روئے تو [1]

[illegible]

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی

ہندوستان میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کے جن بزرگوں نے ارشاد و تلقین کی بیش بہا خدمات انجام دیں ان میں سب سے نمایاں خواجہ سلیمان تونسوی کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کا تعلق پٹھانوں کے قبیلہ جعفر خیل سے تھا۔ اس قبیلے کو جداں (جمع جدانی) بھی کہتے تھے گویا یہ جدانی قبیلہ کی شاخ تھا۔[2] جعفر خیل قبیلہ کے مورث اعلیٰ جعفر خان تھے جو ابتداء میں درابہ (کوہستان شیراں) کے مقام پر رہتے تھے۔ کوہستان سلیمان کی دو بلند چوٹیاں "تخت سلیمان" اور "کوٹ سرو" کا درمیانی علاقہ "لا کوس" کے شمال مشرق میں درگ کا وسیع و شاداب علاقہ تھا۔ جعفر خان نے جداں کے ساتھ

1۔ "میر دلبران" فارسی، ص 15

2۔ (1) "مناقب سلیمانی" از حافظ اللہ بخش خان بلوچ، ص 13، مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور 1325ھ
(2) "مناقب المحبوبین" از نجم الدین سلیمانی ترجمہ و تلخیص پروفیسر افتخار احمد چشتی ص 137، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، 978ء

حکمراں کہنہ کو شکست دے کر وہاں قبضہ کر لیا تھا۔ جعفر خاں کی تیسری نسل سے رحیم داد خان خود جو کہتی کا سپوت تھا۔ بعد ازاں لاگوس پر بھی قبضہ کر لیا۔ رحیم داد خان کی مناسبت سے اس قبیلے کا نام رحیمانی پڑ گیا۔ اسی رحیم داد خاں کی نسل سے آگے جا کر 1183ھ/1769ء[2] میں کوہستان " لاگوس " کے مقام پر خواجہ شاہ سلیمان تونسوی پیدا ہوئے۔ آپ اپنی جائے پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں کہ

> " خانہ خود کہ در کوہ است و اسم آں لاگوس ست کہ مسافت آں از تونسہ سی کروہ مشہور است " 3

آپ کے والد کا نام زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خاں اور والدہ کا نام زلیخا تھا۔ آپ کا خاندانی نام " محمد سلیمان " تھا بعد میں آپ حضرت " خواجہ محمد سلیمان تونسوی " کے نام سے مشہور ہوئے۔[4]
حضرت سلیمان تونسوی کی ابتدائی تعلیم آپ کی والدہ محترمہ کی زیر نگرانی ہوئی کیونکہ والد بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ چار سال کی عمر میں والدہ نے حفظ قرآن کے واسطے حافظ ملا یوسف قاضی جعفر غزنوی کے پاس بھیجا۔ سلیمان تونسوی نے وہاں رہ کر پندرہ سپارے حفظ کئے بعد میں ایک اور بزرگ حاجی صاحب سے کلام اللہ ختم کیا اور انہیں سے دو تین کتابیں فارسی و عربی پڑھیں۔[5] اور اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کو مزید علم حاصل کرنے کے لئے تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) جانے کا حکم دیا چنانچہ آپ استاد کے حکم سے کوہ گرگ سے تونسہ شریف لے گئے جہاں تونسہ کے بازار میں واقع مسجد المعروف " بگی مسجد "

1- " سیرت سلیمانی " از مولوی صالح محمد، ص 9-10، مطبوعہ لاہور 1935ء
2- " حیات سلیمانی تونسوی " (حصہ اول) از مولوی صالح محمد، ص 7، مطبوعہ چشتیہ کتاب گھر، لاہور 1956ء
خواجہ سلیمان تونسوی کی صحیح تاریخ ولادت کہیں نہیں ملتی البتہ یہ معلوم ہے کہ آپ نے 84 سال کی عمر میں 1267ھ/1851ء میں وفات پائی تھی چنانچہ اس تاریخ وفات کے مطابق آپ کا سن پیدائش 1183ھ/1768ء بنتا ہے۔ (بحوالہ مناقب المحبوبین صفحہ 199) جبکہ خاتم سلیمانی (حاشیہ) ص 15، سیرت سلیمانی ص 15، تاریخ مشائخ چشت ص 611، پنجاب کے صوفی دانشور ص 240 اور حدیقۃ الاولیاء ص 11، تذکرہ اکابر اہل سنت مرتب محمد عبدالحکیم شرف قادری، ص 470، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور میں آپ کا سنہ ولادت 1184ھ/1770ء اور خلاصہ تونسہ ص 5 کے مطابق 1188ھ/1774ء درج ہے جو کہ تاریخ وفات کے مطابق درست نہیں ہے۔
3- بحوالہ " نافع السالکین " (فارسی) مولفہ فقیر امام الدین، ص 10، مطبع مرتضوی دہلی، 1310ھ/1892ء (جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل کی گئی۔)
4- بحوالہ " مناقب المحبوبین " (اردو ترجمہ) ص 137
5- بحوالہ " مناقب المحبوبین سلیمانی " (فارسی) قلمی نسخہ، کاتب عبدالبخش ذوقی (جناب اسد نظامی، مکتبہ 114/آر، ص 10 جہانیاں کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

میں میاں حسن علی صاحب سے فارسی کی چند کتابوں کی تعلیم حاصل کی جن میں پندنامہ عطار اور گلستان و بوستان سعدی شامل ہیں[1]۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ تونسہ سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع موضع ناکھند میں میاں ولی محمد کے پاس گئے میاں ولی محمد سے آپ نے فارسی درسیات کی تعلیم حاصل کی پھر عربی تعلیم حاصل کرنے کے متمنی ہوئے تو کوٹ مٹھن تشریف لے گئے جہاں قاضی محمد عاقل نے علوم عربیہ اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم قائم کیا تھا ان دنوں اس مدرسے کے صدر مدرس قاضی احمد علی تھے۔ خواجہ سلیمان تونسوی نے کوٹ مٹھن میں رہ کر اس مدرسے سے درسی کتابیں پڑھیں جن میں منطق کی کتاب قطبی بھی شامل تھی۔ علامہ خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ

" در مبادی حال در کوٹ مٹھن بہ مدرسہ قاضی محمد عاقل صاحب بہ تحصیل
علم کتب درسیہ توجہ می فرمودند " 2

انہی دنوں میں جبکہ آپ وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے ایک مرتبہ خواجہ نور محمد مہاروی ان کے علاقہ پر تشریف لائے تو کوٹ مٹھن سے قاضی محمد عاقل اور ان کے فرزند قاضی احمد علی مدرسے کے طالب علموں اور عالموں کو ساتھ لے کر خواجہ نور محمد مہاروی صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے خواجہ سلیمان تونسوی بھی ہمراہ تھے دراصل وہ " خواجہ مہاروی سے مسئلہ سماع پر بحث کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے غیر اسلامی ثابت کیا جائے لیکن جب خواجہ کے حضور پہنچے تو کایا ہی پلٹ گئی۔ قدموں میں گر گئے اور مرید ہونے کی درخواست کی[3]۔" جسے خواجہ مہاروی صاحب نے قبول فرمایا اور بیعت لینے کے بعد سلیمان تونسوی سے کہا کہ

" اے میاں! میرا جی ہے کہ علم پیچواں ہو جائے
اے میاں! جس جگہ علم پڑھ رہے ہو وہیں جا کر مزید علم حاصل کرو" 4

گویا حضرت قبلہ عالم نور محمد مہاروی نے اس شہباز کو اپنے دام میں شکار کر لیا[5]۔ اس وقت سلیمان تونسوی

1- (1) مناقب المحبوبین (ترجمہ) ص 140 (2) مناقب سلیمانی ص 25، 26 (3) حیات سلیمانی تونسوی (حصہ اوّل) ص 9
2- " مشائخ چشت " ص 513
3- " پنجاب کے صوفی دانشور " از [illegible] ص 241، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اوّل 1970ء
4- بحوالہ " خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء " تحقیق و ترتیب ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی ص 127 مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، سنہ اشاعت 1979ء
5- بحوالہ کتاب " مناقب سلیمانی " (فارسی) قلمی نسخہ، ص 4، کاتب عبدالحفیظ [illegible]

کی عمر صرف پندرہ برس تھی۔ خواجہ مہاروی کے حکم سے سلیمان تونسوی کوٹ مٹھن تشریف لائے لیکن مرشد کے عشق نے بے چین کر دیا اور آپ دوبارہ مہار شریف لے گئے۔ جہاں خواجہ نور محمد کا قیام تھا۔ مگر خواجہ مہاروی نے آپ کو واپس بھجوا دیا کہ مزید علم حاصل کریں چنانچہ آپ دوبارہ کوٹ مٹھن تشریف لے آئے اور مزید علم حاصل کرنے کے بعد نور محمد مہاروی کے مرشد خواجہ فخرالدین دہلوی کی زیارت کے لئے جمادی الثانی 1100ھ/1784ء میں دہلی روانہ ہوئے[1]۔ اوچ، بیکانیر اور اجمیر کے راستے سے دہلی پہنچے لیکن آپ کے دہلی پہنچنے سے دو روز قبل خواجہ فخرالدین وصال پا چکے تھے۔ چالیس دن تک ان کے مزار پر معتکف رہنے کے بعد آپ نے خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی، حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی، شیخ کمال الدین، امیر خسرو اور شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مزارات پر بھی اعتکاف کیا۔ پھر بیکانیر و بھٹنیر سے ہوتے ہوئے اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے رمضان 1199ھ میں مہار شریف پہنچے[2]۔ مہار شریف میں آپ کا قیام حافظ خدا بخش مہار کی مسجد میں تھا۔ آپ یہاں سے اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ چشتیہ روایات کے مطابق درویشی کے درجے تک پہنچانے کے لئے آپ کو ریاضت و مجاہدے اور ذکر و فکر کی تلقین کی۔ خاص علم الدین سلیمانی کے مطابق

> "آپ رات دن ذکرِ پاس انفاس اور وقوف قلبی میں مصروف رہتے تھے۔ رات کو ذکر جہر بلند آواز سے کرتے۔ آپ کا زیادہ تر وقت مسجد میں گزرتا۔ صرف کھانے کے وقت زیارت اور سبق کے لئے حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر۔ آپ نے سلوک کی کتابیں مثلاً "آداب الطالبین، عوارف، لوائح، مشکوٰۃ کاملہ فصوص الحکم وغیرہ اپنے پیرو مرشد سے پڑھیں۔ حضرت قبلہ عالم نے آپ پر خاص توجہ فرمائی چنانچہ کبھی کبھی حضرت قبلہ عالم خود بہ نفس نفیس خدا بخش مہار کی مسجد میں آپ کو ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔" 3

یہاں صرف باطنی و روحانی ریاضت پر ہی زور نہیں دیا گیا بلکہ خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے لنگر کے منتظم غلام رسول کو حکم دیا کہ محمد سلیمان کو کھانا کم دیا جائے اور سردیوں کا بستر بھی معمولی ہو۔

1۔ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) ص 144 کے مطابق "قبلہ عالم اپنے وطن مہار شریف کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت موج زماں کو فرمایا کہ آپ یہاں سے دہلی جائیں اور حضرت مولانا فخرالدین صاحب کی ملاقات و زیارت کے بعد میرے پاس مہار شریف آئیں۔"

2۔ بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" از ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی ص 128

3۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) ص 148

تاکہ خواب غفلت کا شکار ہو کر اصل مقصد سے غافل نہ ہو جائیں۔ خواجہ مہاروی نے محمد سلیمان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال رکھا آپ دوسرے مریدوں کی نسبت ان پر زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اس لئے اکثر ان کی خبرگیری کے لئے تشریف لے آتے۔ ایک مرتبہ خواجہ مہاروی تشریف لائے تو خواجہ سلیمان "دیوان حافظ" میں سے کچھ اشعار خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے مرشد کے سوال پر کہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ عرض کیا "اشعار دیوان حافظ" انہوں نے فرمایا کہ ہمیں بھی سناؤ" اس پر خواجہ سلیمان نے یہ شعر پڑھا

کمال صحبت مشاطہ شاید　　　کہ روی زشت را زیبا نماید

یہ سن کر خواجہ مہاروی خوش ہوئے اور خود بھی یہ شعر پڑھا

تو کہ پیر شدی دعوی عاشقی خاموش　　　شراب کہنہ با معشوق دگر دارد مزہ[1]

تقریباً چھ[2] سال تک آپ نور محمد مہاروی کی صحبت میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے اور روحانی کمالات حاصل کئے۔ خاتم سلیمانی کے مطابق

"خواجہ صاحب نے آداب الطالبین، عوارف، لوائح، عشرہ کاملہ، فصوص الحکم وغیرہ سلوک و تصوف کی کتابیں سب اپنے پیر سے ہی پڑھیں۔"[3]

ان چھ سالوں میں صرف تین مرتبہ آپ اپنی والدہ کو ملنے گڑگوجی گئے لیکن مرشد کے عشق میں بے قرار ہو کر فوراً واپس چلے آتے۔ ان کی والدہ اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت پریشان رہا کرتی تھیں مجتبیٰ ملفوظ شریف فارسی (قلمی) کے مطابق ان کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ

"پسرو فرزند مرا کسی فقیر مہاراں والا جادو سحر کردہ کہ ہرچہ او مضبوط شدہ می ماند"

بلکہ ایک بار انہوں نے ایک شخص کے ذریعے حضرت نور محمد مہاروی کو پیغام بھجوایا کہ

"ای میاں فقیرا یک پسر من فلاں نام بود کہ از مدتی جدا شدہ باطرف شما و سابق انس مرا عوض بود حالاً معلوم شد کہ نزد شما است و من از فراق

1- بحوالہ "خاتم سلیمانی" از مولوی اللہ بخش خاں بلوچ، ص 148

2- بحوالہ "مجتبیٰ ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ خواجہ یار محمد بن تاج محمود چشتی پاکپتنی ص 42 (ملکیہ اسد نظامی بہاولپور) اس کتاب کی ایک نقل لیکن جو کسی دوسرے کاتب احمد الدین کی لکھی ہوئی جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ قلمی نسخہ (فارسی) 14 محرم 1316ھ کو مکمل ہوا۔ اسی طرح ایک نسخہ قلمی جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق کے پاس بھی ہے، اس کا کاتب میاں غلام محمد ہے۔ (یہ نسخہ

او کدام بی غم بنام خدا عز و جل پسرم را از خود رخصت داده باشی
طرف پدر بفرستد "

حضرت نور محمد مہاروی نے حضرت سلیمان تونسوی کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ

" حافظا حق والدہ بسیار است برو ملاقات کردہ بیائید "

اس پر حضرت سلیمان تونسوی دو چار روز خاموش رہے آخر ایک دن حضرت مہاروی نے پھر طلب کیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا کہ

" ای حافظ برائے رفتن وطن خود دل می خواہد ؟ "

حضرت سلیمان تونسوی نے دست بستہ یہ شعر پڑھا

ز آستان منزل الطاف تو جاناں　　　　غریب زدگان را نشود میل وطن ها ہرگز[1]

آخری مرتبہ جب آپ اپنی والدہ کو ملنے تشریف لے گئے تو اس وقت خواجہ نور محمد مہاروی مرض الموت میں مبتلا تھے۔ تمام علاج معالجے بیکار ہو چکے تھے۔ اس موقع پر آپ بار بار خواجہ سلیمان کو دیکھنے کے نام سے یاد کرتے رہے۔ آپ کے صاحبزادے نور الصمد اور حافظ جمال ملتانی نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ جا کر آپ کو لے آتے ہیں لیکن خواجہ مہاروی نے منع فرما دیا۔ آخر یکم ذی الحجہ کو خواجہ سلیمان خود ہی بے قرار ہو کر تشریف لے آئے۔ خواجہ نور محمد نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور یکم ذی الحجہ سے دو ذی الحجہ 1205ھ کی نماز عصر تک سامنے بٹھائے رکھا اس کے بعد فرمایا

" ای فلان اگرچہ برای جدائی تو دل می خواہد لیکن بسبب آنکہ پیران کبار چون خواجہ معین الدین از خواجہ عثمان و خواجہ قطب الدین از خواجہ معین الدین و خواجہ فرید الدین از خواجہ قطب الدین و خواجہ نظام الدین از خواجہ فرید الدین تا آخر یعنی قبلہ عالم (خواجہ نور محمد) از مولانا صاحب (خواجہ فخرالدین) رضوان اللہ تعالی علیہم پیشتر از وصال رخصت شدند ، این قرار ما نیز شما را از خود رخصت نمایم ، و اگرچہ تو خواستہ و علمی (باشد) الہی ہستی مگر آنچہ از ما پیران الہی ، خاندان رسول اللہ و اصحاب و پیران خواجگان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و شطاریہ وغیرہ تمامی سلاسل متوجہ بودہ..

1۔ بحوالہ " منتخب ملفوظ شریف " فارسی (قلمی) ، ص 41

انشاء اللہ تعالیٰ بما حصول آں مقبول الحق و منظور الرسول گشتہ و خواہید ماند "1

(ترجمہ اے سلیمان! اگرچہ تمہاری جدائی کو دل نہیں چاہتا لیکن بزرگان سلسلہ کے مطابق کہ جیسے خواجہ معین الدین، خواجہ عثمان ہارونی سے اور خواجہ قطب الدین، خواجہ معین الدین سے اور خواجہ فرید الدین خواجہ قطب الدین سے اور خواجہ نظام الدین خواجہ فرید الدین سے اور آخر تک یعنی خواجہ نور محمد خواجہ فخرالدین سے ان کے وصال سے پہلے رخصت ہوئے۔ اسی طریقہ سے ہم (اپنی حیات میں) تم کو رخصت کرتے ہیں اور اگرچہ تم حق تعالیٰ کے قبول یافتہ اور برگزیدہ ہو لیکن ہماری طرف سے جو فرمان الٰہی اور حاملہ رسول اللہ و اصحاب رسول اللہ کے مطابق تمام سلسلوں کے بزرگوں یعنی خواجگان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و شطاریہ کا فیض تم کو پہنچا ہے۔ انشاء اللہ اس کے حصول کے بعد تم خدا اور رسول کے منظور نظر ہو گئے ہو اور ہمیشہ منظور نظر خدا و رسول رہو گے۔)

اس طرح انھوں نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اس کے بعد چند نصیحتیں ارشاد فرمائیں اور تونسہ شریف میں قیام کی ہدایت فرمائی۔ خلافت کے وقت خواجہ سلیمان کی عمر تقریباً اکیس یا بائیس سال کی تھی۔ تین ذی الحجہ 1205ھ کو خواجہ نور محمد مہاروی نے وفات پائی۔ خواجہ سلیمان نو ماہ تک مرشد کے مزار پر معتکف رہے۔2 پھر آبائی وطن گڑگوجی چلے آئے۔ یہاں سے اکثر مہار شریف جاتے رہے۔ اسی دوران میں آپ نے والدہ کے اصرار پر اپنے خاندان میں میر خان جعفر خانی کی بیٹی سے شادی کی۔3

1214ھ میں آپ ضلع ڈیرہ غازی خان کے علاقہ تونسہ میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ جہاں آپ نے آخری دم تک زندگی گزاری آپ کی نسبت سے یہ علاقہ "تونسہ شریف"4 کہلوایا۔ آپ جب تونسہ منتقل ہوئے تو یہاں کی آبادی بمشکل سو گھروں پر مشتمل تھی۔ ابتداء میں سرکنڈوں کی جھونپڑی بنا کر

1- بحوالہ "حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" از محمد حسین للہی ص 134، 135

2- حوالے کیلئے دیکھئے "گلشن ابرار اردو ترجمہ حدیقۃ الاسرار" از خواجہ امام بخش، مترجم صالح محمد، ص 225، مطبوعہ مدینہ پریس ملتان۔

3- بحوالہ "خاتم سلیمانی" ص 64

4- بحوالہ "تذکرہ حبیب" از محمد الدین، ص 262، مطبوعہ لاہور 1342ھ

رہنے لگے اور عبادت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس علاقے کی صورت حال بدلنے لگی۔ آپ کے آنے کے بعد جب طالبان علم دور دور سے یہاں آ کر آباد ہونے لگے تو آپ کی رہائش کے اردگرد والی زمین بھی آباد ہونے لگی اور اس میں نئی نئی عمارتوں کا اضافہ ہونے لگا۔ نجم الدین سلیمانی نے لکھا ہے کہ

> "آپ کی والدہ محترمہ، ہمشیرہ محترمہ اور زوجہ محترمہ تونسہ شریف آ گئے تو آپ نے سب سے پہلے اپنے دولت خانہ کے لیے ایک کمرہ، ایک دالان اور چاروں طرف بڑی دیوار کا احاطہ تعمیر کرایا اور ساتھ ہی اپنے لئے ایک حجرۂ عبادت ہزارہ کی مجلس کے لئے ایک دالان اور باجماعت نماز کے لئے مٹی چھت کی مسجد تعمیر کرائی۔ بعد ازاں ایک بنگلہ حضرت صاحبزادہ گل محمد کی شادی کے وقت تیار کیا پھر مدت بعد ایک اصطبل مہمانوں کے گھوڑوں کے لیے تیار کرایا، جس میں ایک دو گھوڑے لنگر کے بھی تھے کچھ عرصہ بعد خلیفہ محمد یاران نے تین حجرے اور ایک دالان لنگر خانے کے لئے تعمیر کرائے مزید کچھ عرصہ بعد میر مہردار چاکی نے سادہ مٹی سے چھت والی مسجد تعمیر کرائی پھر کچھ مدت کے بعد نواب بہاول خان نے اس کچی مسجد کی جگہ پختہ مسجد تعمیر کرانی شروع کی۔۔۔" 1

یہ تبدیلی تو صرف اس جگہ کی تھی جہاں آپ کا قیام تھا۔ اس جگہ نے خانقاہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جب تونسہ شریف کی آبادی بڑھنی ہوئی اور حول مریدین اور طالبان علم نے آنا شروع کیا تو خواجہ سلیمان تونسوی نے مشائخ چشت کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس مقصد کے لئے آپ نے اپنی خانقاہ کے ساتھ دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس دور میں مسلمان عموماً سیاسی معاشی اقتصادی اور ثقافتی طور پر پسماندہ زندگی گزار رہے تھے اور ایسے موقع پر ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے دینی مدارس قائم کئے جائیں جہاں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو برقرار رکھنے اور مسلمانوں کے مزید زوال کو روکنے کے لئے اسلامی علوم کا احیاء کیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسی درسگاہیں قائم ہو چکی تھیں۔ تونسہ شریف میں یہ خدمت خواجہ سلیمان تونسوی نے انجام دی۔ ڈاکٹر محمد حسین للہی کے مطابق

> "خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے تونسہ شریف میں ایک بڑی درسگاہ قائم کی

1- بحوالہ "مناقب المحبوبین (ترجمہ)"، ص 158۔۔۔ مزید حوالے کیلئے "خاتم سلیمانی" ص 65،66

جس میں سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے علم دین حاصل کر کے جگہ جگہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی۔ تونسہ کا غیر معروف اور علم و معرفت سے محروم علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا یہاں تک کہ اس نور علم و معرفت کی کرنیں سابق خطۂ پاکستان سے باہر کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئیں۔" 1

سلیمان تونسوی نے تونسہ میں کئی مدارس قائم کیے جن کی سرپرستی وہ خود تھے ان مدرسوں کے لئے آپ نے ایسے علماء اور اساتذہ رکھے جو طالبان علم کی پیاس بجھاتے تھے عمومی طور پر ان مدرسوں میں پچاس استاد تھے جو مختلف علوم کی تدریس پر ماہر تھے۔ ان مدارس میں مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی چیزیں کپڑے اور کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی تھیں۔ مناقب سلیمانی میں لکھا ہے کہ

"چندین از علما نامدار و از فضلای ذوی الاقتدار که مستفیض از حاشیه نشینان بساط فیض مناط اند، ارشاد فیض بنیاد حضرت خواجه به تعلیم علوم شریفه و فنون لطیفه است، پس صدها طالب علم به خانقاه تونسه شریف زیر دامن عاطفت حضرت آمده و از حوائج خود فارغ البال بوده تحصیل مطالب ارجمند و اکتساب مآرب دلپذیر مینمایند، زیرا که کتب تحصیل از آنحضرت خواجه عطا شده اند و برای طالب علمان روغن چراغ جهت مطالعه کتب مقرر است" 2

خواجہ سلیمان تونسوی کے مدرسے کے اردگرد ان علماء کے مکانات تھے جو مدرسے میں درس دیا کرتے تھے اور یہ مکان ان کے نام سے موسوم تھے ان مکانوں کی حیثیت بھی ایک لحاظ سے چھوٹے چھوٹے مدرسوں کی تھی جو کہ سلیمان تونسوی کے مدرسے سے وابستہ تھے یہ اس مدرسے کے الگ الگ حلقے کہلاتے تھے جہاں مختلف علوم کا درس دیا جاتا تھا۔ ان کے بارے میں کچھ تفصیل مسٹر ایچ۔ ایچ۔ فاریس، ڈسٹرکٹ جج ملتان نے اپنے ایک مقدمے کے فیصلے میں دی ہے جو کہ خواجہ حامد اور خواجہ محمود کے درمیان تھا۔ مسٹر ایچ ایچ فاریس نے اپنے ایک فیصلے میں خواجہ سلیمان تونسوی کے مدرسوں کے بارے میں لکھا ہے کہ

"انھوں نے (یعنی خواجہ محمد سلیمان) اغراض مذہبی کے لئے مدارس جاری کئے اور وہ لوگ جو زیارت کے لئے اور مذہب پڑھنے کے لئے آتے تھے ان کو مذہبی تعلیم دیتے تھے اور ان کے لئے سہولتیں مہیا کرتے تھے۔ یہ تمام کارروائی زیر نگرانی شاہ

1- بحوالہ "خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" از ڈاکٹر محمد حسین للٰہی، ص 990

2- بحوالہ "مناقب سلیمانی" (فارسی) از غلام محمد خان بہان ص 34، مطبوعہ در مطبع احمدی دہلی سنہ اشاعت 1288

> محمد سلیمان صاحب ہوتی تھی۔ اندر کمرہ کان ان کے خلفاء تھے۔۔۔۔ یہ نئے خلفاء کے نام سے اب تک وہ مکانات جو مسجد کے اردگرد ہیں موسوم ہیں کو اصلی مکانات سب شہید ہو چکے ہیں۔ احمد یہ بیان کرتا ہے کہ خواجہ اللہ بخش صاحب کے مکانات بنانے سے پہلے یہ زمین خالی تھی اور وہاں فقیروں کی جھگیاں (جھونپڑیاں) تھیں۔ مکھڈی بنگلہ، محمد علی شاہ کا بنگلہ اور ہم اور بہت سے خاص سے مکانات تازہ ہیں مثلاً مدرسہ مولوی محمد عمر، مولوی احمد صاحب کا بنگلہ، مدرسہ مولوی الہی بخش یہ تمام صاحب خواجہ سلیمان صاحب کے خلفاء تھے۔۔۔۔ پھر حافظہ جو بیان نور محمد کا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دادا یہاں آیا اور پندرہ سال خواجہ محمد سلیمان صاحب اور پندرہ سال خواجہ اللہ بخش صاحب کی خدمت کرتا رہا۔ اس کو مولوی شیخ احمد کہتے تھے اس کا ایک مدرسہ تھا اس نے مجھے بتایا [50] کہ خواجہ محمد سلیمان صاحب کے زمانہ میں پچاس استاد تھے۔ ان کے تکالیف تھے خواجہ صاحب کے لنگر سے ان کو کھانا ملتا تھا۔[1]

خواجہ سلیمان کے ایک خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی، جنھوں نے اس مدرسے میں آپ سے صوت کا درس لیا تھا، لکھتے ہیں کہ

> [23] "بیست و سہ هشتای کامل در توسه شریف تدریس میکردند و بیست زیادہ بر سبق درنگ خواجہ میشد و دیگر طلبائے باعداد از طرف مشرق و مغرب و جنوب و شمال بیشتر می آمدند اکثر نوع کتب توحید مثل لوائح و لمعات دخل داشتہ بحضور حضرت حاضر شدی چون نظر مبارک برمن افتادی باشارہ دست مبارک هر خود خواجہ سبق شطیم هوتے و اکثر اوقات دریاب خواهیں سبل سعی بلیغ فرمودے۔[2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

> "۔۔۔ بعد ازاں چند کتب توحید مثل لوائح مولوی جامی و لمعات فخرالدین

1۔ بحوالہ "ترجمہ فیصلہ عدالت دیوانی مقدمہ اپیل مابین سٹریکٹ جج ملتان مورخہ 12۔1۔ مقدمہ نمبر 109 1911ء (خواجہ حامد و محمود) مطبوعہ مجلس بورڈ ورکس لدھیانہ 1913ء

2۔ مراۃ العاشقین (فارسی) از شمس الحق سیالوی، ص 48، مطبوعہ مصطفائی لاہور 1302ھ/1885ء اس کتاب کا ترجمہ صاحبزادہ غلام نظام الدین نے کیا ہے جو کہ اسلامک بک فاؤنڈیشن سے 1981ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس عبارت کا ترجمہ ص 69 پر ہے۔

عراقی و شرح لمعات مولوی جامی و سواد السبیل و کشکول و مرقعہ شریف می
مصنفات خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی در قبضہ سو تونسہ شریف بخدمت
حضرت خواجہ تونسوی رضی اللہ عنہ خوادم" 1

خواجہ سلیمان تونسوی کے قائم کردہ مدارس میں صرف تعلیم ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ تربیت کا بھی خاص اہتمام تھا کیونکہ خواجہ صاحب تعلیم کے ساتھ تربیت اور ہدایت کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ ملفوظ شریف فارسی قلمی میں علم کے بارے میں ان کا یہ فرمان درج ہے کہ

" ..... علم جز بہ ہدایت ہیچکو چیز نیست و اگر ہدایت ہمراہ ماندہ شود
علم سبب وبال ... شود۔ " 2

پھر آگے لکھا ہے کہ علم کی مثال ایک تلوار کی ہے جس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہو اور اس کا دل مکہ پر ہو اور دشمن سے یہ دل نہ ہو وہ دشمن کا سر کاٹ لے گا لیکن اگر دل ہاتھ میں نہ رہے اور بزدلی غالب آ جائے پھر اس کا دشمن اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لے گا گویا علم کا تعلق تربیت اور دل سے ہے 3۔ مولانا روم کا شعر ہے

علم را برتن زنی ماری بود
علم را بر دل زنی یاری بود

آپ اپنے مریدوں اور طلبہ کو بار بار علم حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے اور اس سلسلے میں تساہل نہ کرنے کی تنبیہ کرتے۔ ملفوظ شریف کے مطابق

" ..... روز و شب بندگان را از حضور انور این تاکید صادر می شود کہ
در خواندن علم و در مطالعہ آں ہیچ تساہل نسازند۔" 4

1- مراۃ العاشقین (فارسی)، ص 46 اردو ترجمے میں یہ ص 67 پر ہے۔
2- بحوالہ (1) منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ یار محمد بن تاج محمد چشتی، ص 118
(2) یہی عبارت ڈاکٹر طاہر تونسوی والے نسخے میں ص 362 پر درج ہے۔
3- (1) ایضاً، ص 118
(2) ایضاً، ص 363
4- بحوالہ (1) منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) مرتبہ یار محمد بن تاج محمد چشتی ص 119 (2) اس کتاب کے ڈاکٹر طاہر تونسوی والے فارسی قلمی نسخے میں بھی یہی عبارت ص 365 پر درج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں آنے والے طلبہ کی تہذیبی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی ہر طرح سے تربیت کی جاتی تاکہ یہ لوگ اپنے علم اور اخلاق سے دوسروں کو متاثر کریں کیونکہ انہی مدارس کے تربیت یافتہ لوگ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں جا کر مسلمانوں کے علم و اخلاق کی تربیت کرتے جس طرح بہاءالدین زکریا کے مدرسے میں طالب علموں کی ذہنی، اخلاقی اور تنظیمی تربیت پر زور دیا جاتا تھا بالکل اسی طرح سلیمان تونسوی کے مدارس میں بھی ان باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور اس کے لئے سب سے پہلے ان علماء اور اساتذہ کا کردار ان کے سامنے مثالی نمونہ ہوتا جو ان کو تربیت دیتے تھے۔ ان مدارس میں طالب علموں کی تعلیم و تربیت کے لئے وہ تمام علوم سکھائے جاتے جن کی ضرورت انہیں دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی موقع پر پیش آ سکتی تھی۔ ان علوم کے نصاب زمانے کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر وضع کئے جاتے تھے۔ اسی لئے آپ کی خانقاہ اور مدارس برصغیر پاک و ہند کے صوفیاء کی خانقاہوں کے مقابلے میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں ظاہری و باطنی ہر طرح کی تربیت کا خیال رکھا جاتا۔ اس علمی تعلیم میں پیشہ وارانہ (Vocational Training) تربیت بھی شامل تھی مثلاً لکڑی کا کام سکھایا جاتا تھا جس میں ہل اور کلہاڑی بنانا شامل تھا۔ سرمہ دانی کی سلائیاں بنانے کا کام بھی سکھایا جاتا تھا۔ پارچہ بافی اور طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس علمی اور عملی تربیت کی خاطر دور دور سے لوگ یہاں فیض حاصل کرنے کے لئے آتے۔ فیض اللہ خان قصوری خواجہ سلیمان کے مدرسے کی عظمت اور علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "جب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسہ میں مقیم ہوئے تب تونسہ "تونسہ شریف" کہلانے لگا اور آبادی اس جگہ رفتہ رفتہ بڑھنی شروع ہوئی دور دراز سے لوگ ہجوم در ہجوم حاضر حضور خواجہ شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہونے لگے۔ پنجاب، ہندوستان، بلوچستان، کشمیر، قندھار، عرب، فارس، افغانستان جمیع اطراف/اکناف کا ورود ہونے لگا۔[1] صرف، نحو، حدیث، تفسیر، فقہ، معانی (ادب)، فلسفہ اور ہندسہ وغیرہ کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر دی جانے لگی مشہور و

1۔ تذکرہ اکابر اہل سنت، ص 472 میں لکھا ہے کہ "آپ کے روحانی فیض سے نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ کابل، ایران، بغداد، مصر اور ترکستان کے عوام و خواص مستفید ہوئے۔" ــ اسی طرح مرآۃ العاشقین ص 113 کے مطابق "بلخ، بخارا، ایران، ہرات، ہند، سندھ اور حرمین شریفین کے لوگ اپنی استعداد کے مطابق ان سے مستفیض ہوئے۔"

معروف علماء دور دراز سے آ کر اس جگہ مقیم ہوتے اور یوں بھاری درسگاہ
تونسہ میں قائم ہو گئی جہاں ہر دو تعلیم ظاہری و باطنی دی جاتی تھی۔
حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحب نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر فرمایا
کرتے تھے۔ اور ان کے دربار ذی وقار میں امیر و فقیر ہر دو کے ساتھ یکساں
سلوک ہوتا جاتا تھا۔ آپ شریعت کے عامل اور احکام محمدی کے پابند تھے۔" 1

خواجہ سلیمان تونسوی خود بھی طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کو تمام علوم پر کامل دسترس حاصل تھی اس کی وجہ وسعت مطالعہ تھی۔ خلیق نظامی کے مطابق

"شاہ محمد سلیمان صاحب کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر بہت گہری تھی، قرآن، حدیث اور فقہ پر ان کو بڑا عبور تھا۔ ملفوظات میں جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی نقل کرتے ہیں۔ تصوف کی اعلی کتابوں کا مطالعہ نہایت بالغ نظری سے کیا تھا۔ عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ نوک زبان پر تھیں اور شیخ سہروردی اور امام اکبر کے بنیادی خیالات پر کافی غور و فکر کیا تھا۔
حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔" 2

عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ کے علاوہ بھی کئی کتابیں آپ کے درس میں شامل رہیں نجم الدین سلیمانی نے ان کتابوں کے نام بتائے ہیں ان کے مطابق

"مختلف درویش اور طلبہ درج ذیل کتب میں سے کوئی کتاب آپ سے پڑھتے، آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ، فصوص الحکم، نقد نصوص، اسماء العلوم، فوائد الفواد، سواء السبیل، ہو تسمم، فتوحات مکیہ، نفحات الانس" 3

خواجہ سلیمان تونسوی کے مدارس میں زائرین، طالبین، علماء اور طلباء کی بڑی تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی جن کی رہائش و طعام کا بندوبست آپ نے کر رکھا تھا۔ البتہ آپ کی باقاعدہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لیکن جو کچھ بھی ان کو حاصل ہوتا آپ اسے فوراً خرچ کر دیتے "المکتب ملفوظ شریف فارسی

---

1 ـ بحوالہ "مقدمہ تونسہ شریف" از عبد اللہ خان اسعدی، ص 6، مطبوعہ لاہور 1927ء
2 ـ بحوالہ "مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص 623
3 ـ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) ص 160

(قلمی) کے مطابق ایک دفعہ ایک شخص حافظ نور احمد افغان نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں بارہ ہزار روپے پیش کئے بعد از مغرب کا وقت تھا فرمایا یہ روپے فی الحال اسی شخص کے پاس رکھے رہیں کل اشراق کو فقراء اور طلباء میں تقسیم کرنے کی تدبیر کی جائے گی۔ چنانچہ دوسرے روز بعد اشراق اور وظائف وغیرہ سے فارغ ہو کر قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھے اور سب رقم طلباء، ملازمین اور علاقے میں بانٹ دی اور خود اپنے لنگر کے لئے بھی کچھ نہ رکھا۔ بعد میں فرمایا کہ اس بلا کے بوجھ سے ساری رات نہ تو سو سکے اور نہ آرام و قرار حاصل کر سکے۔[1] آپ جس جگہ بھی رہے آپ کا یہی وطیرہ رہا آپ نے لنگر خانے کے مختلف حصے بنا رکھے تھے اور وہاں ہر کام کے لئے الگ سے آدمی مقرر تھا۔ ہر کوئی اپنا اپنا کام سر انجام دیتا۔ نجم الدین سلیمانی آپ کے لنگر خانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"جب تونسہ شریف میں مستقل رہائش اختیار کی اور ولایت سلیمانی کا شہرہ اطراف عالم میں پھیلا اور طالبان حق افغانستان، ہندوستان، عرب، عجم، روم، اور شام سے فوج در فوج آنے شروع ہوئے تو آپ نے یہاں لنگر کے نظام کی از سر نو باقاعدہ تشکیل فرمائی۔ سارا نظام کا نظم و نسق بحال تھا۔ اسے اپنے لنگر کا مہتمم مقرر کیا۔ فقرا کے امور کے لئے اخراجات پہنچانے کا کام میاں علی محمد حجام کے سپرد فرمایا اور مستقل حساب میاں برخوردار جاکی کو کمال سرکار اور عنبر صلاح کار دہر خان گھیبان کو مقرر کیا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد میاں گل محمد علیہ دامان کو مستقل یہ عہدہ مقرر کیا۔ بخشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسی کو عطا فرمایا۔ نیز حجام، ترکھان، لوہار، موچی، ماشکی خارکش، کلال، دھوبی اور کوزہ گر مستقل طور پر لنگر کے ملازم یا خادم تھے۔ انہیں ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ بیماروں کے علاج کے لئے طبیب بھی مقرر تھے۔ ناظروں کے عہدہ پر پہلے محمود کا تقرر فرمایا ان کے بعد قبول کو ناظر مقرر کیا اور پھر خدا بخش ناظر مقرر ہوئے۔"[2]

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مدرسے میں رہنے والے تمام علماء، طلباء اور خانقاہ پر آنے والے زائرین کو کھانا لنگر سے ملتا تھا۔ بعض اوقات کھانے والوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچ جاتی تھی اور اکثر ایک مہاجن کی دکان سے ادھار لینا پڑتا اور یہ قرض کبھی کبھی کئی ہزار تک پہنچ جاتا۔[3] لیکن اللہ تعالیٰ

1۔ المنتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) ص 403 (مکتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی)
2۔ بحوالہ "مناقب المحبوبین" (ترجمہ) ص 159 ؛ ۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "خاتم سلیمانی" ص 66

کے قفل سے لنگر کا منہ کسی نہ کسی صورت کھلتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت سے موجود آیا چلا اور ان کے بھائیوں کی شکایت کی کہ وہ حضرت سے سینکڑوں ہزاروں روپے لیتے ہیں اور ہزاروں گندم، جوار اور باجرہ وغیرہ لنگر کے لئے دے دیتے ہیں حضرت قبلہ نے ہندی میں فرمایا

دودھ کا دودھ پانی کا پانی   کبھی سچ کے سمجھتا نسے

یعنی اگر کوئی کسی کے ساتھ دغا اور فریب کرتا ہے تو اپنی عاقبت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

مناقب چشت میں لکھا ہے کہ

" لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو فی پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا ان مدرسین کے لئے جو وقت دینی درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کو اس کے علاوہ بھی کچھ مراعات ہوتی تھیں ان کا کام چونکہ دماغی محنت کا تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ، سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔ لباس ان کو بھی چھ مہینے میں ہی ملتا تھا لیکن ایک سفید لنگی اور ایک گوشہ بھی ملا ہوتا تھا۔ " 2

غرض خواجہ سلیمان تونسوی کی درسگاہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت اور تربیت کے ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا تھا۔ اس طرح ان لوگوں کی بعد توجہ صرف درس و تدریس کے ساتھ وابستہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی محنت کی وجہ سے یہاں سے ایسے ایسے عالم اور طلباء علم حاصل کر کے دنیا کے مختلف حصوں میں گئے جنہوں نے اس درسگاہ کا نام روشن کیا۔

اس باب کے پہلے حصے میں ہم ہندوستان میں سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی کے سیاسی ، معاشی ، معاشرتی ، اخلاقی اور مذہبی حالات کا تفصیل سے جائزہ لے چکے ہیں کہ مسلمانوں کو کن حالات کا سامنا تھا۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے زوال کو روکنے کے لئے چھوٹی چھوٹی کئی اصلاحی تحریکیں ابھریں اور دم توڑتی رہیں۔ مختلف مسلمین نے مختلف طریقے سے حالات کو سنبھالنے اور مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی۔ ایسے ہی حالات میں صوفیائے کرام نے بھی [illegible] اپنا مثبت رول ادا کیا۔ شاہ سلیمان

1– بحوالہ " نافع السالکین " (فارسی) مولفہ فقیر امام الدین ہو ساں تاج محمود ص 129 ، مطبوعہ رضوی دہلی 1310ھ/1892ء

2– بحوالہ (1) مناقب چشت از خلیق احمد نظامی ص 626 (2) خواجہ سلیمان ص 67

دوسری بار سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارہویں صدی کے شروع کے زمانے کے مصلحین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں مغلیہ سلطنت زوال کی زد میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا غلبہ اور تسلط بڑھتا جا رہا تھا۔ پنجاب پر سکھوں کی حکومت تھی۔ ان حالات میں آپ نے مسلمانوں کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ آپ سلسلہ مشائخ چشت سے وابستہ تھے جنھوں نے جہاد اور تیغ و سنان کی بجائے مسلمانوں میں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو از سر نو بیدار کرنے کا کام شروع کیا۔ اس لئے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں حصول آزادی کی خاطر کئی ایسی تحریکیں شروع کی گئی تھیں کہ جنھوں نے تلوار اور جہاد کا ذریعہ اپنایا لیکن وہ اتنی کامیاب نہ ہوئیں۔ 1831ء کے زمانے میں رائے بریلی (اودھ) میں سید احمد شہید نے مسلمانوں کی آزادی اور عظمت رفتہ کے احیاء کے لئے جہاد کیا اور بالآخر شہید ہوئے لیکن یہ تحریک کسی واضح کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔

اس دور میں مسلمانوں میں تیزی سے بڑھتے ہوئے تنزل کو روکنے کے لئے کئی ایسی شخصیات بھی سامنے آئی ہیں جنھوں نے کتاب و سنت کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور اس سلسلے میں خود بھی کتابیں لکھیں۔ شاہ ولی اللہ (متوفی 1176ھ/1762ء) نے اسرار علوم دین، اصلاح معاشرہ، تنظیم، معیشت و سیاست وغیرہ موضوعات پر کئی کتابیں لکھیں۔ مرزا مظہر جان جاناں (متوفی 1195ھ/ 1780ء) بھی ایک مصلح کے روپ میں سامنے آئے۔ پھر خود خواجہ فخرالدین دہلوی (متوفی 1199ھ/ 1784ء) جو کہ مشائخ چشت میں سے تھے اس فکری جہاد میں شریک ہوئے۔ انھوں نے فکری سطح پر لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا کیونکہ مشائخ چشت کا خیال تھا کہ جب تک مسلمانوں کی دینی، اخلاقی، روحانی، معاشرتی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک ان کے زوال کو روکا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت انھوں نے مدارس بھی قائم کئے۔ ڈاکٹر محمد حسین للہی کے مطابق

> "ان حالات میں علماء و مشائخ کی دونوں شاخوں (سلسلہ چشتیہ نظامیہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ) نے اقدام کے بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کی۔ انھوں نے اس امر کی فکر کی کہ دینی جذبہ، اسلامی روح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے منے بچے کھچے آثار باقی رہ گئے ہیں ان کو محفوظ کیا جائے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لئے قلعہ بندیاں کر لی جائیں۔

> خانقاہ مذکورہ بالا دینی شاخوں کی مرکزیت نے پاک و ہند میں ایک طرف جگہ جگہ دینی مدارس قائم کئے ہیں جن میں ہزاروں مسلمانوں نے اسلامی علوم کی تحصیل کی اور مسلمانوں میں دین کی محبت، شریعت کا احترام اور استقامت پیدا کی۔" 1

سلیمان تونسوی جانتے تھے کہ مسلمانوں کی پستی اور زوال کا سبب مذہب اور اسلامی شعائر سے بیگانگی ہے "نافع السالکین" کے مطابق

> "درین زمان چون مسلمانان متابعت حبیب صاحب صلی اللہ علیہ وسلم گذاشتہ اند حق سبحانہ تعالیٰ کفار را برین مسلط کردہ است ۔" 2

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی نے انہی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی اصلاح اور ان میں صحیح اسلامی شعائر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے تونسے کے علاقے کو منتخب کیا۔ جہاں آپ نے سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر صرف درس و تدریس اور دین اسلام کی تبلیغ اور طلباء کی علمی تربیت کی طرف توجہ دی۔

خواجہ سلیمان تونسوی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مصائب خود ان کے پیدا کردہ ہیں اور اس کا بڑا سبب مذہب اور اسلامی شعائر سے بیگانگی ہے۔ اسی سبب سے ان سے حکومت چھن گئی ہے اور ان پر کافر مسلط ہو گئے ہیں۔ مناقب سلیمانی میں داور بخش کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے کہ وہ مولوی خدا بخش صاحب علیہ حضرت حافظ جمال ملتانی کے پاس تعلیم حاصل کرتا تھا اور اس وقت بچہ تھا ایک مرتبہ مولوی خدا بخش صاحب حضرت سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت اگرچہ حضرت مرشدی حافظ صاحب (حافظ جمال ملتانی مراد ہے۔) کا سایہ اب ہمارے سروں سے اٹھ گیا ہے لیکن آپ کا مبارک سایہ تو ہم خاکساروں پر باقی ہے پھر آخر کیوں ہمارے شہر ملتان پر بے دین سکھوں کی حکومت ہے، آپ نے فرمایا

> "مولوی تم ملتان کی یاد کرتے ہو۔ ڈیرہ غازی خاں، ڈیرہ اسماعیل خاں اور پشاور، سکھر وغیرہ پر بھی رنجیت سنگھ کا قبضہ ہے۔ اگر اللہ کی مرضی اور

1۔ بحوالہ "خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء" ص 283،288

2۔ بحوالہ "نافع السالکین" ص 5

حکم میں ہے تو پھر اس کے سامنے کیا چارہ ہے۔" 1

کہا جب کسی ملک کے لوگ بد اعمال اور اپنے دین سے بیگانہ ہو جائیں تو قدرت کی طرف سے ان کو سزا دینے کے لئے ان پر ظالم حکمران مسلط کیا جاتا ہے۔ یہی اللہ کی مرضی اور یہی اس کا حکم ہے چنانچہ وہ یہ شعر پڑھتے تھے

چو خواہد کہ ویران کند عالمی

کند ملک در پنجۂ ظالمی

سگالند کہ نیکی پسندد خدای

دہد خسرو عادل و نیک رای

آپ کا خیال تھا کہ چونکہ ہم خود بد اعمال ہیں اور غیر مسلم، ظالم حکمران ہمارے اپنے کردار کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر مقرر کیا گیا ہے اس لئے بجائے اس کے کہ ہم اس کو برا بھلا کہیں ہمیں چاہئیے کہ ہم پہلے اپنے کردار کی خبر لیں اور اپنے اعمال کو درست کریں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے کہ

"سالک را باید کہ اعمال صالح کند و از معاصی محترز بودہ باشد زیراکہ
ہر بلاد مصیبت کہ بر مردمان نزول شود از سبب شومی اعمال ناشائستہ
باشد۔ چنانچہ در حدیث شریف واقع امدہ انما عملکم عمالکم یعنی کردار
ہائے شما حاکمان شما است۔ اگر اعمال شما نیک باشد پس حاکم شما اہل
اسلام و عادل باشند، و اگر بالعکس باشد پس حاکم شما نیز کافر و جابر
باشند" 2

اس کے ساتھ ہی وہ اپنے مریدوں کو حکومت اور سرکاری ملازمت سے لاتعلق اختیار کرنے کا درس بھی دیتے تھے کیونکہ قاضی جاوید کے مطابق

"غیر ملکی حکمرانوں سے انہیں شدید نفرت تھی اس کے بارے میں شاہ (شاہ سلیمان) کا رویہ حب الوطنی اور قوم پرستی کے سچے جذبے پر مبنی تھا وہ اپنے مریدوں اور دوستوں کو جو آمادہ تھے ملازمت کرنے سے منع کرتے تھے۔" 3

1۔ بحوالہ "مناقب سلیمانی" (فارسی) مولفہ نظام محمد غلام، ص 39-40، مطبع احمدی دہلی 1288ھ

2۔ بحوالہ "نافع السالکین" ص 33 3۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" از قاضی جاوید ص 246-247

چنانچہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح سے صحیح دینی خدمت انجام نہیں دی جا سکتی۔ سرکاری معاملات میں پڑ کر تو فرشتہ بھی شیطان ہو جاتا ہے جبکہ عہدہ کا کام صرف لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ ان کی اخلاقی و روحانی تربیت کرنا ہے۔ نافع السالکین میں ایک جگہ مریدین کو سرکاری ملازمت سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> "نوکری و ملازمت نمودن بہ اہل دنیا بدایست، و داخل شدن در جماعہ اہل دنیا ازاں بدتر ست چنانچہ کسیکہ حاکم شود از جانب اہل دنیا بر مخلوقات جبر بر مخلوقات حکم کند۔ پاس خاطر اہل دنیا باید و رعایت امر اللہ و رسول خدا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم را فراموش کردہ بر مخلوق اللہ ظلم و تعدی کند و مال خلق اللہ را بہ ظلم و جبر بگیرد۔" 1

خواجہ صاحب کی علمی خدمات کا ذکر تو ان کے مدارس کے حوالے سے ہو چکا ہے ان کی دینی خدمات بھی کچھ کم نہیں ہیں آپ کے زمانے میں انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے عیسائی مشنریاں بڑے زور شور سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہی تھیں۔ پادری اس مقصد کے لئے مختلف حربے استعمال کرتے تھے کسی کو وہ ملازمت کا لالچ دیتے تھے اور کہیں وہ اپنی تعلیمات کے ذریعے اثر پیدا کرتے پھر انھوں نے انگریزی تعلیم دینے کے لئے سکول کھول رکھے تھے جہاں ہندوستان کے لوگ جدید علوم سے روشناس ہوتے اور لوگ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ وہاں بھی عیسائی پادری طالب علموں کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے۔ سلیمان تونسوی ان باتوں سے آزردہ ہوتے، کوشش کرتے کہ مسلمان غیرمسلم اثرات سے دور رہیں وہ فرماتے تھے کہ

> "بہ گرسنگی مردن بہ کہ در صحبت بد مذہباں نعیم یافتن کہ در چنیں صحبت زوال ایمان باشد۔" 2

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خواجہ سلیمان تونسوی تنگ نظر یا کٹھ ملا قسم کے عالم تھے بلکہ وہ نہایت وسیع المشرب، وسیع القلب اور وسیع النظر بزرگ تھے، حتی کہ تعلقات غیر مسلموں سے بھی تھے۔ آپ کے دوستوں میں ہندو بھی شامل تھے، قاضی جاوید کے مطابق

1- بحوالہ "نافع السالکین" ص 73
2- -- ایضاً -- ص 14

"برصغیر کے دو بڑے مذہبی گروہوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کو وہ اپنے روحانی سلسلے کا اہم اصول قرار دیتے تھے۔" 1

چنانچہ خواجہ سلیمان ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے مذہب کے معاملے میں اس قدر سخت ہوں کہ ان کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے نفرت کریں بلکہ آپ کا خیال تھا کہ اپنے مذہبی، تمدنی معاشرت اور شریعت اپنی شناخت کو قائم رکھتے ہوئے ہم غیر مسلموں سے بھی ملیں ان سے اچھا برتاؤ کریں۔ صلح و محبت رکھیں آپ یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

خواجہ سلیمان تونسوی نے مسلمانوں کے علمی، دینی، معاشرتی، تمدنی ہر طرح کے زوال کو روکنے کے لئے اقدامات کئے۔ معاشرتی سطح پر وہ دیکھتے تھے کہ ان کے افکار و اعمال، عادات و اطوار، اخلاق سب زوال پذیر تھے اور اس کا واحد حل انہیں دین اسلام پر عمل پیرا ہونے میں نظر آتا تھا کیونکہ خواجہ سلیمان اچھی طرح جانتے تھے کہ دین اسلام ایک فطری مذہب ہے جس میں ہماری تمام مسائل اور دکھوں کا حل موجود ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم اس کی صحیح روح کو پا لیں۔ اس میں اپنے مفاد، مقاصد اور ضروریات کے لئے خود سے کوئی مطلب نہ نکالیں بلکہ اس کی اصل روح تک پہنچیں اور جب کوئی مسلم معاشرہ اس سے ہٹتا ہے تو وہ زوال کی طرف جاتا ہے۔ سلیمان تونسوی کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن و سنت سے ہی صحیح راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ دینی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی معاشرتی خدمات بھی کچھ کم نہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ حکومت کے حصول کی بجائے معاشرے کو سدھارنے کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک معاشرہ نہیں سدھرے گا تب تک حکومت حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور لوگوں کے سدھرنے سے حکومت خودبخود حاصل ہو جائے گی۔

سہروردی سلسلے کے برعکس مشائخ چشت کا اصول تھا کہ وہ سلاطین اور امراء کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے۔ سلیمان تونسوی بھی اسی اصول پر قائم تھے کیونکہ آپ کے نزدیک یہ حکمران طبقے کے لوگ

1۔ بحوالہ "پنجاب کے صوفی دانشور" ص 246

"سفید چشم" اور "بے وفا" ہوتے ہیں۔ آپ نہ صرف خود ان کی صحبت سے دور رہتے بلکہ مریدوں کو بھی پرہیز کی تلقین فرماتے لیکن آپ امراء اور حکمران طبقے کی رہنمائی سے بھی غافل نہیں تھے۔[1] اور ان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں ہچکچاتے تھے۔ آپ کے حلقۂ مریدین میں کئی امراء اور حکام کے نام شامل ہیں جو آپ کے عقیدت مند تھے۔ کئی ریاستوں کے حکمرانوں کا ذکر بھی ملتا ہے جنہوں نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کے پاس قیام کیا۔ ان میں نواب مبارک خان اول، نواب مبارک خان ثالث، شاہ شجاع، امیر دوست محمد خان، میر احمد خاکوانی وغیرہ سے آپ کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ نواب مبارک خان ثالث کی دستار بندی کے لئے آپ احمد پور تشریف لے گئے تھے یہ لوگ نذرانے کے طور پر جو کچھ خواجہ صاحب کی خدمت میں بھجواتے وہ آپ فوراً غریب مریدوں میں تقسیم فرما دیتے۔ ان لوگوں سے تعلقات اس لئے رکھتے کہ جب کوئی مظلوم ان میں سے کسی کے ظلم کا شکار ہوتا یا کہیں کوئی غیر شرعی کام ہوتا یا لوگوں کو کوئی مسائل درپیش ہوتے تو آپ ان سے ملاقات کرتے۔ کبھی کبھی آپ خود بھی کسی مسئلے کے حل کے لئے یہ طویل سفر طے کر جاتے۔ سنگھڑ کے حاکم لعل خان نے جب ایک بلوچ لڑکی سے زبردستی نکاح کر لیا تو لوگ آپ کے پاس فریاد لے کر آئے آپ نے اسے تنبیہ کے لئے خط لکھ کر بھیجا کہ

"تو بر مسلماناں ظلم مکن و از خدا بترس"

لعل خان نے گستاخانہ جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ

"ملک بدست درویش است ہر کہ خواہد بدہد"

علاقہ سنگھڑ پر افغانستان کے بادشاہ نے قبضہ کر لیا اور لعل خان بارہ سال تک ان کی قید میں رہا اور حکومت اسد خان کے پاس آ گئی۔[2]

امراء و سلاطین کے علاوہ سلیمان تونسوی نے صوفیاء و علماء کی تربیت پر بھی زور دیا کیونکہ عالم دین اور معرفت کی خاص اہمیت تھی۔ اگر یہ لوگ اعلیٰ انسانی اقدار، اچھے اخلاق اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باکردار ہوں تو لوگوں کی بھی صحیح اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ان کا لوگوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ آپ کے زمانے میں کچھ ایسے نام نہاد مذہبی رہنما پیدا ہو گئے تھے جو لوگوں کی عقیدت کا غلط

1- (1) مناقب المحبوبین (ترجمہ) ص 188 تا 190 (2) خاتم سلیمانی، ص 17
2- مناقب المحبوبین (ترجمہ)، ص 183 تا 191

فائدہ اٹھاتے وہ لوگوں کو قبر پرستی، تعویذ گنڈے، توہمات و کرامات کے چکروں میں پھنسا کر کاہلی، بے عملی اور ضعیف الاعتقادی سکھا رہے تھے۔ جس سے معاشرہ صحیح دین کی بجائے جمود کا شکار تھا۔ دراصل اس قسم کے علمائے سوء اپنی کم علمی اور کم فہمی کے باعث تصوف اور اس کی اصطلاحات کا غلط مفہوم لیتے تھے۔ جس سے معاشرے کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ لوگ عام زندگی اور اس کے مسائل سے نظریں چرا کر خانقاہوں میں پناہ لینے لگے۔

ایسے حالات کے پیش نظر آپ نے علماء کی تربیت و اصلاح پر زور دیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر عالم باعمل ہو گا اس میں اطاعت میں اور دین کا صحیح جذبہ ہو گا تو اس کا لوگوں پر اچھا اثر پڑے گا۔ آپ کے مدرسے میں جو طالب علم زیادہ قابل ہوتا اسے مزید حصول علم کی خاطر تونسے سے باہر بھیجا جاتا۔ سیرت سلیمانی میں لکھا ہے کہ

"آپ (خواجہ سلیمان تونسوی) کی سیرت میں جو سب سے زیادہ مشکور اور جو بات سب سے زیادہ ممتاز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جتنے عالم پیدا کئے وہ عملی زندگی کا اعلیٰ نمونہ اور روحانیت کا مجسمہ تھے۔" 1

آپ علماء کے لئے فقہ و تفسیر کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"علم فقہ و تفسیر ضروریہ است کہ بلفظہ دانستن فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ موقوف بر علم فقہ است و باقی ہمہ علوم سر دردی است۔" 2

اور کہتے ہیں کہ عالم زاہد خشک نہ ہو بلکہ عشق حقیقی کی مستی سے لبریز ہو کر روحانی منازل طے کرے اور یہ عشق کیا ہے؟ اس کے متعلق مجمع ملفوظ شریف فارسی (قلمی) میں لکھا ہے کہ

"استقامت عشق شریعت است و استقامت شریعت خود عشق است ہرگاہ کہ شریعت استقامت یابد عشق پیدا خود گشت" 3

آپ نے معاشرے کی اصلاح کے لئے صرف علماء کی اصلاح پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عام لوگوں کی تربیت کو بھی ضروری سمجھا کیونکہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے فرد کی تربیت ضروری تھی چنانچہ مدارس کے علاوہ آپ

1- بحوالہ "سیرت سلیمانی" از مولوی صالح محمد ص 157، مطبوعہ لاہور 1935ء
2- بحوالہ "نافع السالکین" ص 135
3- بحوالہ "ملفوظ شریف فارسی" (قلمی) ص 45

محفل میں یہی بھی لوگوں کو درس دیا کرتے آپ کے خیال میں لوگ اس لئے راستے سے بھٹک گئے ہیں کہ وہ سنت رسول کی پیروی نہیں کر رہے اور یہ آپ کے نزدیک

"مایحتاج مباح از دو چیز است آنچہ خدا و رسول خدا او امر کردہ اند
باید کرد و از آنچہ منع فرمودہ اند نہ باید کرد۔" 1

اور اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین رکھیں اور اپنی حاجت اسی سے طلب کریں "نافع السالکین" کے مطابق

"سالک را باید کہ سوال حاجات جز حق عز و جل نکند کہ خود نہ بندہ
شدہ باشد" 2

اس زوال اور انحطاط کے دور میں لوگوں میں ہر طرح کی اخلاقی و سماجی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کا سدباب کیا جائے۔ خواجہ سلیمان نے ہر ممکن کوشش کی کہ لوگوں میں ان برائیوں کا خاتمہ ہو جائے چنانچہ آپ کے ملفوظات میں جابجا ایسی نصیحتیں ملتی ہیں جن میں مریدوں اور محفل میں آنے والے لوگوں کو نیکی کی تلقین اور برائی سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ان میں شریعت کی پابندی، بری صحبت سے اجتناب، غیبت اور جھوٹ سے پرہیز، غرور و تکبر سے بچنے، حرام خوری، رشوت، ذخیرہ اندوزی سے دور رہنے کی تلقین، والدین کے ساتھ پیار محبت سے پیش آنے، بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے پیار، [illegible] اور دوسروں کے ساتھ باہم پیار و محبت کے ساتھ رہنے کا درس دیا ہے۔ ہمارے یہاں یہ بدعت عام ہے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے دوسروں پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں اس فتنے کی زد سے بڑے علماء، فقہا، صلحاء اور اکابرین بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ حضرت سلیمان تونسوی نے اس بدعت کے خلاف آواز بلند کی۔ منتخب ملفوظ شریف کے مطابق کسی مسلمان کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں بلکہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔3

چشتیہ سلسلے کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ موسیقی (سماع) میں

1- بحوالہ "نافع السالکین" ص 97
2- ۔۔۔ ایضاً ۔۔۔ ص 123
3- اصل الفاظ یہ ہیں "مسلمان را کافر داشتن و اطلاق کفر بر مسلمان کردن جائز نیست اگر شخصی کسی مسلمان را کافر اعتقاد کند، اعتقاد کنندہ خود کافر شود" (بحوالہ منتخب ملفوظ شریف فارسی (قلمی) ص 78

بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ سماع کی محفلوں میں آپ پر کئی بار وجد طاری ہوا۔ محفلوں پر جوش اور بے خودی کی کیفیت میں رہتے۔ مختلف کتابوں میں سماع کی ایسی بہت سی محفلوں کا ذکر ہے جن میں حضرت سلیمان تونسوی نے شرکت فرمائی اور آپ پر وجد طاری ہوا۔ حاجی پور شہر میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے عرس کے موقع پر جب قوالوں نے ہندی اشعار گا کر سنائے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ مجروح ہو گئے۔ اسی طرح ایک بار قبلہ مہاروی کے عرس سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں احمد نامی قوال جو آپ کی سواری میں تھا حافظ کا یہ شعر گنگنانے لگا

مصلحت مر ایں دیدم جز الله کاسہ دیدن
چہ کنم صرف دگر یاد خدائے استادم

حضرت سلیمان تونسوی کی زبان پر یہی شعر جاری ہو گیا وجد طاری ہو گیا اور آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے[2]
نافع السالکین میں کئی ایسے واقعات درج ہیں کہ حضرت سلیمان تونسوی سماع اور قوالی میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ خواجہ اکثر اوقات مختلف قوال احمد گانوں اور دیگر متعلقہ نافع السالکین، ص 138 میں درج ہے کہ

" وقت قبلہ میاں احمد قوال در جوش این کافی شروع کرد

کریں سائیں دو بھیجو

رمضنیاں

کہ تا کی جانی دی ڈکھ ڈھیو

جو اسد کتا ایہاں انھاں ہو

رمضنیاں

کریں سائیں دو بھیجو

رمضنیاں "

پھر آگے چل کر لکھا ہے

" روزے در مجلس حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پیر بخش قوال کہ صاحب وجد و

سوز بود این کافی شروع کرد و خواند

کریں سائیں دو بھیجو

رمضنیاں

2۔ بحوالہ " مناقب سلیمانی" تونسوی (قلمی) ، ص 23-24

خواجہ سلیمان تونسوی کے شاعر یا نثر نگار ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملتا لیکن مجھے جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری میں "تحفہ فقیر" (مسمی بہ ہدیہ فقیر) کتاب ملی ہے جسے فقیراللہ نامی شخص نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب اردو نعتوں کا مجموعہ ہے اس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ انھوں نے خواجہ سلیمان تونسوی کی فارسی نعت دی ہے جس کا ساتھ ہی عربی ترجمہ بھی دیا ہوا ہے لیکن اس نعت کا خواجہ صاحب کے کسی تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا یہ کتاب خواجہ صاحب کی وفات کے تقریباً اڑتیس (38) سال بعد 1888ء میں شائع ہوئی ہے۔ نعت یہ ہے

از کلام حضرت علام شاہ سلیمان صاحب تونسوی[1]

ای سرور دو عالم یک جلوۂ رہ نما — صلی علیک اعلیٰ علیہا
از روح صبح مشرب نورے یک طلوع — حتی تراک عینا کا شمس فی الضحی
بحر ام سر فلک کہ بدرید قرار شو — حسبک یا طاقتہ بکل مجلس النسا
درد مرا وصال تو در ماست ای طبیب — یشفی لنا لقائک لی و بحبک الشفا
نطقت بہر بیان در وحی خداست بس — یہدی لنا الیہ و ما ینطق الھوی
شد از طفیل ذات تو ابصار کائنات — بالجملہ اُخذ عمہ کرمی لشُہدا
سجدہ ملی کہ ماہ فلک از تو شد دو نیم — یا مظہر العجائب اعلیٰ قلیمہا
یوسف بدین جمال ز حسن صورتہ — اَنّی کمال حسنک لم یدر مصطفیٰ
از نور حق و آدم شد حل مشکلات — نار الخلیل بار کمَا مُسک سیّدا
شاہی و فقر یافت سلیمان ز مہر تو — سبحان من اسریٰ یا مظہر العلا ۔1۔

اس نعت سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت سلیمان تونسوی فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ آپ کا سرائیکی، اردو کلام موجود نہیں ہے تاہم ملفوظات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ شعر و شاعری کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اپنی گفتگو کے دوران حافظ، سعدی اور دیگر فارسی شعراء کے اشعار پڑھتے

1۔ بحوالہ تحفہ فقیر (مسمی بہ ہدیہ فقیر) از فقیراللہ، ص 11، مطبع محمدی لاہور، طبع شدہ۔
اس کتاب میں فقیراللہ کی اردو نعتیں شائع ہوئی ہیں آخر میں کچھ دوسرے لوگوں کی بھی نعتیں ہیں مثلاً حافظ محسن مرحوم کی اردو نعت، حضرت شاہ سلیمان کی فارسی نعت، حضرت مولانا عبدالرحمان جامی کی فارسی نعت مولانا مولوی غلام رسول مرحوم کی پنجابی نعت بھی شامل ہیں۔

[illegible] طالع السالکین [illegible] مثلاً

[illegible]

[illegible] [1] [illegible] (ص 15)

[illegible] [2]

[illegible] (ص 19)

[illegible]

[illegible]

[illegible] [3] [illegible] (ص 26)

[illegible] [4] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [ص 22]

ترجمہ: [illegible]

نقطہ: 1۔ [illegible]

سمجھے کم جھوڑ کے ڈھوڈ محمودا مہجوال کی (ص 37)

سس جتھے[1] نہ مرشی سے جتھے جیھی[2] مول نہ مڑی (ص 84)

جتھے حاکم آدی ھـــــدا

وساندا[3] کہیں نسل دا (ص 84)

مڑ نہ سکیساں مڑ لکھیا لیں قلم دا (ص 96 :

هابیل قابیل آدم کے سالے گندم کس کا جایا (ص 109)

ہیکس تومیں، اتی تومیں، ظاہر تومیں باطن تومیں (ص 110)

ہیکس کسے نہ کھس[4] (ص 116)

عشق ہمیں ہمیں تیں آہے

تاں حیاں[5] واجبے کی بلائے

عاجباں کوں[6] بحرات آتے (ص 117)

سر عشق دا مارما ہے

ہمز[7] مہر باہو کہ کہھ ہمز ہے

کہہ اُن میں سد جدھاں[8] وچوں ہے (ص 124)

کوئی مہر کوئی حسن ستھرا[9] حقول بتاسے بھیرے (ص 125)

جسے جوڑاں منعا سا مضمیرا تاں مہر مثنے (ص 128)

اس کی تشریح عہد " دائع السالکین " میں اس طرح کی گئی ہے کہ " اگر نیک کار کردہ باشد برائے خود کردہ و اگر کسے کار بد کند برائے خود کردہ باشد۔ " 10

لغت = 1- الار بیباس میں بداملا -2- موکر -3- بغیرنہ -4- چھیمنا -5- بھاڑا مہجید کرنا -6- بیاھیر آکر -7- بدر، کلیف -8- بہت زیادہ، ڈھیر -9- کھیل کے

توجہ کا [illegible] پانی کا پانی (ص 129)

کیہڑی [illegible] کی [illegible] عباس

"یعنی اگر کسی نے [illegible] مار کر [illegible] او را [illegible] " 1

[illegible] تیری [illegible] توجہ دی [illegible] حال

سو کوں رہے [illegible] دور ہوسی او خوشحال [illegible] (ص 132)

اسم عشق [illegible] سال [illegible] 1931 [illegible] (ص 135)

ترجمہ (عشق ہے تو صحبت لیکن [illegible] ہمارا واسطہ اس سے پڑ گیا ہے)

[illegible] صحبت دے [illegible] صحبت (ص 144)

ترجمہ (صحبت [illegible] ہے اور صحبت ہی [illegible] ہے)

خواجہ سلیمان کے ملفوظات آپ کے [illegible] میں [illegible] کئی [illegible] کچھ مطبوعہ ہیں اور

کچھ قلمی صورت میں ہیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

1) راحت العاشقین مرتبہ مولوی محمد

2) بیانات در مسائل [illegible] مرتبہ مولوی عبدالغفار

3) ملفوظات خواجہ محمد سلیمان مرتبہ مولوی غلام حیدر

4) مناقب شریف مرتبہ حافظ احمد یار [illegible]

5) مخزن المناقب مرتبہ یار محمد [illegible]

6) نافع السالکین مرتبہ مولانا امام الدین [3]

ان ملفوظات کے علاوہ [illegible] ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

1) [illegible] شریف [illegible] خواجہ سلیمان تونسوی قاری (فارسی) مؤلفہ حافظ احمد یار [illegible]

از یار محمد [illegible] [illegible] (یہ نسخہ [illegible]

[illegible] 114/ [illegible] 10 [illegible] ہے)

---

1 - [illegible] " نافع السالکین " ص 129 2 - [illegible]

3 - [illegible] خواجہ محمد سلیمان تونسوی [illegible] 149-[illegible]

(یہ کتاب " انتخاب مناقب سلیمانیہ " کے عنوان سے محمدیہ اسٹیم پریس لاہور سے 12 صفر 1325ھ کو طبع ہوئی۔ یہ کتاب بھی محترم جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی سے حاصل ہوئی جیسا کہ اس کے آخری صفحے پر تصریح کی گئی ہے کہ یہ کتاب دراصل حافظ احمد یار متوطن پاک پتن کی تالیف ہے۔ مناقب سلیمانیہ سے انتخاب کی گئی ہے اور اس کے مرتب مولوی یار محمد بن تاج محمد جو حافظ احمد یار کے بھائی تھے۔)

2) کتاب مناقب سلیمانی فارسی مرقوم است مرتبہ حضرت میاں دوزی تونسوی

(یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے۔)

3) " المنتخب " ملفوظ فارسی۔ مرتبہ یار محمد بن تاج محمد پاکپتنی۔ یہ نسخہ منتخب ملفوظ شریف (نمبر) ہی کا دوسرا قلمی نسخہ ہے لیکن دونوں کے کاتب الگ الگ ہیں۔ اس نسخے کی کتابت 14 محرم 1316ھ کو مکمل ہوئی اور اس کا کاتب احمد الدین ہے۔ اس کتاب کے 471 صفحات ہیں۔ 26x17 سینٹی میٹر کی تقطیع پر ہے۔

4) انوار سلیمانیہ (فارسی) مرتبہ یار محمد ابن تاج محمد۔ یہ نسخہ بھی (1) اور (3) کا تیسرا قلمی نسخہ ہے۔ اس کا کاتب میاں غلام محمد ولد حافظ محمد مختیار ہے۔ یہ نسخہ مجھے جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوا۔ 25x16 سینٹی میٹر کی تقطیع پر ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنی تمام عمر رشد و ہدایت میں گزاری آپ نے تقریباً 68[1] سال تونسہ میں رہ کر عوام کی خدمت کی۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشائخ چشت میں ان کی تعداد ستتر لکھی ہے۔[2] حدیقۃ الاولیاء کے مطابق

" تمام عمر حضرت نے ہدایت و ارشاد میں گزاری اور ایک لاکھ سے زیادہ حضرت کے مرید اور سینکڑوں کفار و فجار نے توبہ کی۔" 3

ساری عمر لوگوں کی خدمت کرنے کے بعد آخر 84 سال کی عمر میں 1267ھ/1850ء میں وفات پائی۔ حدیقۃ الاولیاء کے مطابق

" وفات حضرت بیچ ماہ صفر روز پنج شنبہ سنہ ایک ہزار دو سو سڑسٹھ

1- بحوالہ " نافع السالکین " فارسی ، ص 155
2- بحوالہ " مشائخ چشت " ص 664
3- بحوالہ " حدیقۃ الاولیاء " از غلام سرور لاہوری ، ص 54

(1267ھ) میں واقع ہوئی۔" 1

مناقب سلیمانی (فارسی) میں لکھا ہے کہ

"... وصال مبارک حضرت خواجہ کہ بتاریخ 7 صفر 1267 ھجری
واقع آمد۔" 2

گلشن ابرار کے مطابق

"بتاریخ ہفتم ماہ صفر المظفر بہ صبح خمیس در سن یکہزار و دو صد و
شصت و ہفت از حضرت طائر روح پر فتوح آنجناب از قفس عنصری پرواز نمودہ۔" 3

آپ کی وفات پر کئی شعراء نے قطعات کہے حدیقۃ الاولیاء میں یہ قطعہ درج ہے۔

شہ چو از دنیا بفردوس برین	شاہ والا شان سلیمان اہل دین
سرتاریخش سرور گفتست دل	ای بگو سلطان سلیمان اہل دین 4 1267ھ

مولوی حسن علی خیرپوری نے یہ قطعہ لکھا ہے

سلیمان زمان رحلت چو فرمود	کہ یک در جہاں خلقت بیفزود
پس سال وصالش هاتف غیب	بگفت" از آفتاب چشتیاں بود" 5

مولوی محمد حسن نے تاریخ وصال یوں بیان کی

خواجۂ ما آں امام العارفین	شہ سلیمان رحمۃ اللعالمین
ہفتم ماہ صفر صبح خمیس	جان بجاناں دادآں حق حق بیں 6

خواجہ سلیمان تونسوی کے تین فرزند تھے۔ خواجہ گل محمد، خواجہ درویش محمد اور خواجہ عبداللہ ان میں
سے خواجہ گل محمد جو بڑے صاحبزادے تھے وہ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

1۔ بحوالہ "حدیقۃ الاولیاء" از غلام سرور لاہوری ص 54 ۔۔ خاتم سلیمانی ص 148 کے مطابق " وفات بہ
شب سحرات ہفتم ماہ صفر 1267ھ ہوئی۔" آپ کے سنہ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگاران متفق ہیں
صرف قاضی جاوید کی کتاب" پنجاب کے صوفی دانشور" ص 243 کے مطابق آپ کا وصال 1851ء میں ہوا۔
2۔ بحوالہ مناقب سلیمانی مؤلفہ غلام محمد خان، ص 63
3۔ بحوالہ گلشن ابرار فارسی (قلمی) از مولانا امام بخش، ص 352-353
4۔ بحوالہ "حدیقۃ الاولیاء" ص 54
5۔ (1) خاتم سلیمانی، ص 149 (2) مناقب المحبوبین (ترجمہ) ص 199
6۔ بحوالہ "گلشن ابرار" (قلمی)، ص 353

خواجہ سلیمان تونسوی کو ان کے حجرۂ خاص میں دفن کیا گیا۔ بعد میں نواب بہاول خان ثالث نے جو آپ کے مرید تھے، آپ کی قبر پر سنگ مرمر کا مقبرہ تعمیر کرایا " خاتم سلیمانی " کے مطابق

" پہلے معمولی سا مقبرہ تھا۔ نواب صاحب بہاولپور نے قریباً 70 ہزار روپیہ خرچ کر کے ایک سنگ مرمر کا عالیشان روضہ تعمیر کرایا ہے اور حضرت ثانی خواجہ اللہ بخش صاحب کے وقت میں اس روضہ کے اندر نہایت عمدہ نقش و نگار سنگ مرمر (ابلق) سے بنایا گیا ہے اور مزار مبارک کے اوپر روضہ شریف کے اندر ایک چوکھٹ میں بارہ دری بنائی گئی ہے جو سنگ مرمر کی ہے اور نقش بطرز شیشہ وغیرہ سے مزین ہے اور اندر سونے کا کام کیا گیا ہوا ہے۔" 1

1۔ بحوالہ خاتم سلیمانی، ص 149

حضرت منشی غلام حسن شہید

مدینۃ الاولیاء ملتان میں تیرھویں صدی ہجری کے نہایت اہم اور سربرآوردہ صوفیاء میں ایک نام منشی غلام حسن شہید کا ہے جو حافظ محمد جمال ملتانی اور خواجہ خدا بخش کے نامور خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت بطور ایک صوفی صافی، ایک عاشقِ صادق اور ایک شاعر کے مسلّم اور معتبر ہے۔ آپ کا وجود مسعود سرزمین ملتان کے لئے باعث برکت اور وجۂ حفظ و امان تھا۔ جب تک آپ زندہ رہے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جما سکے بلکہ ملتان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے انگریزوں نے حضرت غلام حسن کو شہید کیا۔ آپ ایک ماہر خطاط اور خوشنویس تھے۔ کئی منظوم اور نثری کتابوں کے مصنف تھے۔ عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ سرائیکی ان کی مادری زبان تھی چنانچہ ان سب زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سرزمین ملتان سے تعلق رکھنے والے قدیم ترین صوفی شاعروں میں غلام حسن شہید کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اردو میں باقاعدہ شاعری کی۔ ان سے پہلے کے صوفی شاعروں کے یہاں ہندی، فارسی اور اردو کے مخلوط نمونے تو مل جاتے ہیں یعنی اردو کا ایک آدھ مصرعہ، ایک آدھ شعر یا ایک آدھ قول لیکن اردو شاعری پر باقاعدہ طور پر طبع آزمائی نہیں ملتی۔ غلام حسن شہید سرزمین ملتان کے وہ پہلے صوفی شاعر ہیں، جن کے یہاں خالصتاً اردو کا کلام ملتا ہے۔ پھر انہوں نے مسائل تصوف کو نہایت عام فہم اور دلکش انداز میں پیش کیا اور تمثیلوں کے ذریعے افکار کی وضاحت کی۔ ان کا عالمانہ لیکن عام فہم اسلوب بڑا دلکش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محض ایک صوفی کی حیثیت سے نہیں ایک عالم، ایک شاعر، ایک ادیب، ایک خوشنویس، ایک عاشق اور ایک معلمِ اخلاق کے طور پر زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔

غلام حسن شہید 1202ھ/1782ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش اس شعر سے[1]

---

(1) "ملتان میں اردو شاعری" از ڈاکٹر طاہر تونسوی ص 52 (2) منتخبات از دیوان حضرت حسن (قلمی) ص 68 (اسکی فوٹو سٹیٹ میرے پاس ہے) ـــ البتہ "اولیائے ملتان" از عرفت ملتانی ص 133 اور "ارض ملتان" از شیخ محمد اکرام ص 242 میں آپ کا سن پیدائش 1302ھ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے اس لئے کہ آپ حافظ محمد جمال کے خلیفہ تھے اور ان سے تعلیم حاصل کی تھی جن کا سن وفات 1226ھ ہے۔

قطعہ:

سال تولیدش ز خاصیت طالعش آمد سخت
1202ھ
هم نظاره ماه قلبی خلافت سعید شد سلک[1]

آپ کے والد کا نام منشی خان محمد اور دادا کا نام منشی فاضل محمد تھا۔ جن کا تعلق ذات عباسی قوم راجپوت سے تھا۔ منشی غلام حسن شہید چھوٹے سے تھے تو حافظ محمد جمال آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور آپ نے ان کے مکتب میں تمام علوم متداولہ پر عبور حاصل کیا۔[2] اور حافظ محمد جمال ہی سے بیعت کی۔ منشی غلام حسن وحدت الوجودی فلسفے کے قائل تھے اور اس سلسلے میں منصور حلاج کے فلسفے سے متاثر تھے۔ اس کا اظہار ان کی صوفیانہ شاعری میں بھی ہوا ہے۔ آپ ماہر خوشخط تھے اس بنا پر لوگ آپ سے تبرکاً کتابیں لکھوانے آتے تھے۔ آپ کے والد ملتان کے سکھ گورنر دیوان ساون مل کے منشی تھے۔ آپ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور ہے کہ آپ

"دیوان ساون مل اور اس کے لڑکے دیوان مولراج کے میر منشی تھے۔" 3

امداد علی کیلانی کے مطابق

"چونکہ آپ کو خوشخطی میں ید طولیٰ حاصل تھا اور دور دراز سے لوگ تبرکاً آپ سے کتابیں لکھوانے کی خاطر آتے تھے اس لئے منشی صاحب، آپ کا لقب ہو گیا۔" 4

جبکہ عمر کمال خان لکھتے ہیں کہ

"آپ نواب مظفر خان کے منشی خانہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ملازم تھے اسی ملازمت اور اس پیشہ کی وجہ سے منشی کہلاتے تھے۔" 5

1۔ مضمون بعنوان "حضرت منشی غلام حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ" از محمد اقبال عاصی، مطبوعہ امروز، 21 اکتوبر 1983

2۔ محمد اقبال عاصی اپنے مضمون "حضرت منشی غلام حسن شہید" میں حافظ محمد جمال سے آپ کے حصول تعلیم کے بارے میں یہ روایت درج کرتے ہیں کہ "بچپن میں حضرت (غلام حسن شہید) کو تعلیم کی طرف رغبت کم تھی۔ استاد صبح و شام پڑھایا کرتے تھے ایک دن اسی حالت میں استاد کے سامنے رو رہے تھے کہ حضرت خواجہ حافظ محمد جمال کا گزر ہوا بچے کی حالت دیکھ کر حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ خان جی یہ بچہ آپ سے نہیں پڑھتا تو اس کو میرے حوالے کر دیں میں اس کی تعلیم و تربیت کروں گا۔ چنانچہ آپ اس وقت سے حافظ صاحب علیہ الرحمۃ سے وابستہ ہو گئے۔"

3۔ "ارض ملتان" از شیخ محمد اکرام، ص 242

4۔ "اولیائے ملتان" از امداد علی کیلانی، ص 262، مسلک سنز پبلیکیشنز لاہور، بار اول، جنوری 1964ء

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہ خطاب آپ کے علم و فضل کی وجہ سے عطا ہوا۔ بہرحال آپ کے باپ، دادا کے نام کے ساتھ بھی مخلص کا لقب شامل تھا۔

غلام حسن شہید نے نواب مظفر خاں شہید کا زمانہ پایا ہے جو کہ اٹھارویں صدی عیسوی کا آخر اور انیسویں صدی عیسوی کا آغاز ہے۔ یہ زمانہ سیاسی انتشار اور بدامنی کا دور ہے۔ اس سے پہلے بھی حافظ محمد جمال کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں برصغیر پر انگریزوں کی حکومت قائم تھی، ملتان میں نواب مظفر خاں شہید حکومت کرتے تھے جبکہ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی طاقت کے بل بوتے پر مختلف علاقوں میں قبضے کی خاطر مسلسل فوجی کارروائیاں کر رہا تھا۔ چنانچہ ملتان کا زرخیز خطہ بھی اس کی نظر میں تھا۔ آخر کار 1818ء میں اس نے نواب مظفر خاں کی شہادت کے بعد ملتان پر اپنی عملداری قائم کر کے دیوان ساون مل کو ملتان کا گورنر بنایا پھر اس کے بعد اس کے بیٹے دیوان مولراج نے یہاں کی گورنری سنبھالی۔ ملتان پر سکھوں کو انگریزوں نے آسانی سے حکومت نہ کرنے دی اور انھوں نے ملتان فتح کرنے کی کوشش شروع کر دیں۔ اس عہد میں مخلص غلام حسن زندہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے انگریز ملتان پر قبضہ نہ جما سکے۔ آخر ایک انگریز سپاہی نے 29 محرم 1265ھ/1845ء[1] میں آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر 63 برس کی تھی۔ آپ کے بارے میں حافظ محمد جمال اور خواجہ خدا بخش [illegible] کی طرح سکھوں کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کا ذکر تو کہیں نہیں ملتا البتہ انگریز سپاہی کی گولی سے شہادت کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔ حکم چند لکھتے ہیں کہ

> "باطنی حاکم ملتان کا جو قطبیت سے ہوتا رہا وہ میدان حضرت سے ہوتا ہے۔ ہر وقت تسخیر و عدل سلطنت کی مدد وہ باطنی حاکم وصال کرتا تھا تب دوسرا حاکم انتخاب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب سرکار انگریز نے ملتان فتح کیا جب تک مخلص غلام حسن صاحب نے وصال نہیں پایا، ملتان فتح

1-(1) "ملتان میں اردو شاعری" از ڈاکٹر طاہر تونسوی، ص 52 (2) منتخبات از دیوان حسن، ص 69 (قلمی) سن ولادت کی طرح تحقیقات ملتان اور شیخ محمد اکرام نے آپ کا سن وفات بھی 1365ھ بتایا ہے جبکہ حکم چند نے "تواریخ ملتان" ص 88 میں آپ کا سن وفات 1228ھ اور عمر کمال خان نے "نواب مظفر خاں شہید اور اس کا عہد" میں ص 267 پر 1848ء بتایا ہے جو درست نہیں ہے۔

ہوئی تھا۔ تھا بھر ایک تیرہ تیر سرکار کے حکم غلام حسین کو گولی سے مار دیا اسی روز ملتان فتح ہو گیا۔" 1

اس سلسلہ میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ

"ملتان کے ظاہری حکام تو تسخیر و تعمیل امر رب میں مصروف تھے لیکن باطنی حاکم جو حضرت [illegible] اللہ کے مریدان خاص میں سے ہوتا تھا۔ جناب [illegible] انگریزی افواج نے جب شہر پر حملہ کیا تو [illegible] کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کسی طریقہ سے پتہ چلایا گیا کہ شہر فتح نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ جب تک حضرت غلام حسین زندہ ہیں تب تک ظاہری حکومت کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا چنانچہ انگریز نے [illegible] صاحب کو [illegible] کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔" 2

ان کا [illegible] حضرت غلام حسین شہید کے سجادہ نشین کے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے [illegible] صاحبزادے خواجہ مقبول غلام حسن ملتانی ہوئے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ غلام حسین شہید بڑے عالم فاضل، درویش، ادیب اور شاعر تھے اور انہیں اردو، سرائیکی، فارسی اور عربی زبان پر یکساں عبور حاصل تھا۔ شیخ اکرام لکھتے ہیں کہ:

"عربی اور فارسی پر عالمانہ عبور تھا۔ آپ نے فارسی، عربی اور ملتانی زبانوں میں [illegible] چھوڑی ہیں" 3

شاعری میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ فارسی، سرائیکی اور اردو میں یکساں مہارت اور پختگی کے ساتھ شاعری کی ہے۔ حضرت غلام حسین شہید کا کلام [illegible] ہوا کہ مختلف [illegible] میں قوال ان کی کافیاں اور [illegible] گاتے ہیں۔ [illegible] جامع [illegible] السالکین (ملفوظات حضرت سلطان [illegible] امام الدین) ص 112 پر ایک [illegible] درج ہے جو حضرت غلام حسین شہید

1- "تواریخ ملتان" از حکیم [illegible] ص 88
مزید حوالے کے لئے دیکھئے "اولیائے ملتان" از اولاد علی گیلانی، ص 263
2- "اولیائے ملتان" از [illegible] ص 113
3- "[illegible] ملتان" ص [illegible]

کی ہے اور "ظہور جمال" (مقدمہ ...) میں بھی موجود ہے۔ اسے میاں احمد قوال نے گایا "طالع السالکین" میں لکھا ہے

"بیتے در حضور قبلہ من ابراہیم خان سرود کرد
.... اجے جیہا چمکدا یار
سجاں ول ... حسن کمال
ہجوئے ... سجاں دی اج ... آیا"[1]

آپ کی بہت سی تصانیف ملتی ہیں جو نثر اور شاعری کے مختلف موضوعات پر ہیں ان میں زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں۔ ان کتابوں میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ قلمی صورت میں ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تفصیل اس طرح ہے

1) دیوان حسن (فارسی) مطبوعہ (اس کے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ میرے پاس موجود ہے۔)
2) انشائے گلزار حسن در انشائے عبارت سادہ (یہ کتاب ضائع ہو گئی، سکھا شاہی فسادات میں)
3) رسالہ موج دریا (فارسی) | در باب کشف حقائق و حل دقائق مسئلہ توحید
4) بحرالامواج (عربی) | (یہ دونوں نایاب ہیں۔)
5) مسئلہ در بیان مصطلحات صوفیا (یہ بھی نایاب ہے۔)
6) کلمات الاصحاب (عربی) (اس کی نقل موجود ہے۔)
7) نور الہدایت (مثنوی فارسی) یہ 1885ء میں مرغوب پریس ملتان سے شائع ہوئی تھی۔
8) رسالہ نور الہدیٰ (فارسی) (ان دونوں قلمی نسخوں کی فوٹو سٹیٹ میرے پاس ہے۔)
(یہ دونوں کتابیں آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے مخدوم غلام حسن کے لئے لکھیں۔)
9) رموز العارفین (یہ نایاب ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے رکن الدین کے لئے لکھی تھی۔)
10) انوار جمالیہ (فارسی) (حافظ محمد جمال کی سوانح عمری ہے جو کہ مطبوعہ ہے لیکن میرے پاس قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ بھی ہے۔)
11) دیوان متفرقات (اردو، سرائیکی، ہندی اور پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف) 69 صفحات قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ میرے پاس موجود ہے۔

1۔ "طالع السالکین" ص 112

12) تذکرہ حضرت محبوب ذوالمنن ـــــ چار اوراق پر مشتمل تذکرہ از یار محمد خلیفہ خاص حضرت غلام حسن شہید ـ یہ اردو میں لکھا ہوا ہے۔ تاریخ یکم شعبان 1310ھ ہے۔ (قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ میرے پاس موجود ہے۔)

13) شمائل حسنیہ از نظام الدین رنگپوری (فارسی) قلمی ـــ اس رسالے کے اقتباسات کی نقل میرے پاس موجود ہے۔

ذیل میں غلام حسن شہید کی کچھ اہم دستیاب تصانیف کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

1) نور الہدیٰ (فارسی) ـــــ یہ رسالہ حضرت غلام حسن شہید نے اپنے فرزند غلام محسن کے لئے لکھا جیسا کہ رسالے کے شروع میں تصریح موجود ہے۔

> "این رسالہ ایست مختصر مسمیٰ بہ نور الہدیٰ برائے فرزند ارجمند سعادت آئین غلام محسن مظہر اسم الہادی است صورت تحریر یافت و از عالم عدم بر فراز درجۂ ظہور شتافت ـ مشتمل است بر نصائح سود مند کہ سعادت مندان ازل بآں در خور مدار جا کہ کہ اہلِ ارادت ازاں بہرہ داں برند ـ اللہ تعالیٰ این درویش نیاز کیش و جمیع مسلمین حق اندیش را توفیق علم و عمل کرامت کناد و از علم و عمل مقصود رساناد و بہ حرمت [illegible] و کمال کبریہ" 1

اس کے بعد الف الف نظم میں نصائح درج ہیں۔ ہر عبارت کے آغاز میں "اے جانی بابا!" کے عنوان سے مخاطب کیا گیا ہے اور ہر نظم میں ایک نصیحت درج کی گئی ہے۔ سب سے پہلی نصیحت تحصیل علم کے بارے میں ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، کتب تواریخ و تذکرہ وغیرہ پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ حصول مقصد کے لئے تحریص و ترغیب پیدا ہو۔ آداب و معاملات اور معاش و عبادات کے بارے میں اطلاع حاصل ہو اور سلوک کی راہ کے لئے دستورالعمل میسر آئے۔ دوسری عبارت میں صدق و اخلاص اور ارادت و عقیدت کی صفات پیدا کرنے کی ہدایت نصیحت ہے اور حضور رسالت مآب کی متابعت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تکمیل ذات کے لئے علوم ظاہری ہی کافی نہیں علوم باطنی بھی ضروری ہیں۔ تیسری نصیحت حفظ توحید کے سلسلے میں ہے لیکن اس کے لئے عقل سلیم اور طبع مستقیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس سے اگلے نظم میں وحدت و کثرت کی تشریح دریا اور موجوں کے حوالے سے کی ہے۔ جس طرح امواج کی کثرت دریا کی

1۔ نور الہدیٰ (فارسی) قلمی، ص 1

یکتائی کے منافی نہیں ہے اسی طرح مظاہر کی فراوانی اور کثرت بھی وحدت ذات مطلق کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح دریا موج و حباب، کف و قطرہ، ابر باراں اور برف و ژالہ میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح وجود مطلق ممکنات کی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح دریا کو موج یا موج کو دریا نہیں کہہ سکتے اسی طرح حق کو عبد اور عبد کو حق بھی نہیں کہتے حالانکہ موج کا وجود دریا سے اور وجود خلق حق تعالیٰ سے ہے تاہم دریا اپنی ذات میں موج کا محتاج نہیں جبکہ موج کا وجود دریا کا مرہون منت ہے۔ اسی طرح حق اپنی ذات میں خلق کا محتاج نہیں جبکہ خلق اپنے وجود کے لئے حق کی محتاج ہے۔ جس طرح موج کی نسبت دریا سے قبل از ظہور بھی ہوتی ہے اور بعد از ظہور بھی قائم رہتی ہے اسی طرح خلق کی نسبت حق سے قبل از ظہور بھی تھی اور بعد از ظہور بھی ہے۔ غلام حسن شہید نہایت عالمانہ لیکن عام فہم انداز میں مختلف مثالوں اور حوالوں سے اپنی بات کی وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں لیکن تمام مسائل کی تفہیم کے لئے سب سے پہلا مرحلہ معرفت نفس کو قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

" ترا باید کہ اولاً معرفت نفس پیدا کنی کہ کُنہ و حقیقت کا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ " 1

وحدت اور کثرت کے مسئلے کی تشریح کے بعد سلوک کی راہ پر چلنے کے لئے مختلف تعالیم کا ذکر کیا ہے۔ پھر طریقت کی وضاحت کی ہے۔ اللہ کے دوست کی خاص یہ نشانی ہے کہ اس کی سخاوت دریا کی سخاوت، اس کی شفقت آفتاب کی شفقت اور اس کی تواضع زمین کی تواضع کی مانند ہے۔ طہارت کی دو قسمیں بتائی ہیں ایک ظاہری طہارت اور دوسری طہارت باطنی لیکن دونوں ضروری ہیں پھر ارکان اسلام کی تشریح الگ الگ کی ہے۔ آخری حصے میں خدا دوستی، مہمان نوازی، خدمت خلق، صلۂ رحمی، یتیموں اور مسکینوں کی مدد، بیماروں کی عیادت، نماز جنازہ میں حاضری، باہمی شفاعت، عاجزی تواضع، فروتنی و مروّت، ایثار و تسلیم، غسل، مسواک، طہارت، کسب حلال، گمراہوں کی اصلاح، بزرگوں کی عزت، اہل و عیال کے حق نفقہ کا خیال، مزارات پر حاضری اور نیکی کی طرف رجوع کرنے کی نہ صرف تلقین کی ہے بلکہ دنیاوی زندگی میں اس کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔

1- نور الہدیٰ (فارسی) قلمی، ص 8-9

اختتام میں حضرت مولوی خدا بخش ملتانی کو اس آخری دور کا شیخ المشائخ ، حجۃ الاسلام و المسلمین ، سید الموحدین ، سلطان العاشقین ، شمس العارفین ، طریق المجاهده ، فریق المشاهده ، غوث الانام ، قطب الاسلام ، حامیٔ شریعت ، ہادیٔ طریقت ، کشاف اسرار حقیقت ، بحار معرفت ، صوفی صاف مشرب ، وجود مستغرق ، وجد بحر شہود و قدوۃ علمائے کرام ـــ مظہر تام جمال اللہ الملقب بہ محبوب اللہ تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کا بیعت یافتہ اور ان کے خوان نعمت کا خوشہ چیں قرار دیا ہے۔

اس رسالے کا کاتب اللہ بخش ہے جس نے 27 ماہ صفر 1330ھ کو اس کی کتابت مکمل کی۔ رسالے کے کل اوراق گیارہ اور صفحات 23 ہیں۔ اسلوب سادہ ، دلچسپ اور دلکش ہے۔ مختلف مسائل تصوف کی تشریح نہایت عام فہم انداز میں کی گئی ہے۔ اور تمثیلوں کے ذریعے وضاحت کی گئی ہے۔ زبان اگرچہ فارسی ہے لیکن اردو خواندہ لوگ اس کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

منشی غلام حسن شہید بحیثیت شاعر

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ منشی غلام حسن شہید صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند گو ، قادرالکلام اور خوش فکر شاعر بھی تھے۔ ان کا فارسی ، سرائیکی اور اردو کلام دستیاب ہے ۔ ہم سب سے پہلے ان کے فارسی کلام کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں ایک تو مثنوی نور ہدایت ہے اور دوسرا دیوان حسن۔ ہم یہاں دونوں کا جائزہ الگ الگ پیش کرتے ہیں۔

منشی غلام حسن شہید کی منظوم تصنیف " نور ہدایت " ایک مثنوی ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے اس کے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے جو مجھے میرے مقالے کے نگران اور رہنما جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ کتاب میاں بلال بخش مجاور خانقاہ حضرت غلام حسن شہید کے فرزند یار محمد نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور جیسا کہ اس کتاب کے ص 85 پر درج ہے کہ یہ 29 محرم 1304ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ سجادہ نشین خانقاہ حضرت شہید ، فیض الحسن صاحب کی ملکیت ہے۔ جناب ڈاکٹر مہر عبدالحق نے یکم ستمبر 1974ء کو لفظ بلفظ نقل کی ، احقر سے مجھے حاصل ہوئی۔ یہ کتاب 85 صفحات پر مشتمل ہے۔

مثنوی کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے جس میں نہایت دلکش اور شاعرانہ انداز میں سوز عشق، جرأت پروانہ، آتش طور اور شراب دلنواز کے ساتھ ساتھ ایک ایسے دل کی طلب کی ہے جو منبع سرّ ولایت، مطلع نور ہدایت، غواص بحر راز اور محرم خلوت خاص ہو۔ ایک ایسا دل جو

دلی در درد و حسرت پروردۂ عشق
چو طفلان شیر رحمت خوردۂ عشق
دلی از وادیٔ ایمن رسیدہ
چو موسیٰ شعلۂ آتش چشیدہ

دوسرا عنوان "حمد" کا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کا حق ادا کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ حضورؐ کی مدحت پر مشتمل ہے۔ حضورؐ سے کس آرزو کا اظہار کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے

بیا در حلقۂ رندان گذر کن　　　خرد را رخصت از مجلس بدر کن
گرو کن خرقۂ زہد ریا را　　　بگردان دور جام کبریا را

گویا غلام حسن شہید کے نزدیک رندان، زہد ریا سے بہتر ہے اور عشق و مستی کی دنیا میں عقل و خرد کا گزر نہیں۔ اس کے بعد معراج کا ذکر ہے۔ پانچواں عنوان "در مدح پیر دستگیر روشن ضمیر سید حضرت محمد جمال اللہ" ہے جس کے تحت اپنے مرشد اور پیر حضرت جمال اللہ ملتانی کی تعریف کی ہے، کچھ اشعار یہ ہیں

زہی پیری بہ ہمت دستگیری　　　ز نور معرفت روشن ضمیری
بظاہر ہادیٔ راہ طریقت　　　بباطن واقف سرّ حقیقت
فنا ہر لحظہ جویائی رضایش　　　اطاعت چشم بر راہ دعایش
بپیش آئینہ دار نور مطلق　　　دلش گوہر شمار حکمت حق
جمالش را کمال دلستانی　　　کمالش را جمال جاودانی
زہی حسن و زہی معموری او　　　ہمہ جا ہے مشتاق خوبی او

مثنوی کے چھٹے عنوان کے تحت "ایجاد آدم" کا مضمون باندھا گیا ہے۔ پھر نزول سلطان عشق ہوا ــــ وہ عشق جو سریر آرائے اقلیم قدس اور شہ خوبان دو آفاق ہے۔ اس کے ظہور میں آتے ہی فرہاد نے پہاڑ کھودا، زلیخا ادب سے اس کے آگے جھک گئی۔ بلبل نے اس کی ثنا خوانی شروع کی۔

ضرور شرط تسلیم بجا لائی۔ پروانہ آہ جگر سوز کے ساتھ شمع کا طواف کرنے لگا۔ شمس نے اپنی شگفتگی سے اس کے چمن کو شہرت عطا فرمایا۔ سرو آزاد اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور شمشاد نے اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ ایک طرف خیل عشاق جلوہ نما ہوا تو دوسری طرف عاشقان ہنگامہ آرا جمع ہو گئے۔ ایک طرف ساقی نے شراب سے جام بھرا اور دوسری طرف ہوش جاتا رہا۔ نالہ و فریاد اور آہ و زاری کا بازار گرم ہوا۔ ایک طرف ایک بوسے کے لئے پیغام بھیجا تو دوسری طرف ہونٹوں سے دشنام کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک طرف وصل کی خواہش کا اظہار ہوا تو دوسری طرف اجابت نے کانوں میں نطق خاموش لی۔ خرد اور جنوں کی جنگ چھڑ گئی۔ خرد نے دانش کے مسئلوں کا دفتر کھول لیا تو جنوں نے اس کا ایک ایک ورق برباد کرنا شروع کیا۔ خرد نے چارہ سازی شروع کی تو جنوں نے گریبان چاک کر دیا۔

آٹھویں بند میں اپنی جوانی سے پیری تک کا احوال اور اس مثنوی کا سبب تصنیف بیان کیا ہے کہ عہد طفلی سے عشق فسوں ساز کا شکار رہے۔ کبھی کبھی سوز نے نے اور کبھی سوز نغمہ نے خراش کی صورت پیدا کی۔ کبھی نالہ و فریاد سے واسطہ رہا اور کبھی گریہ ہائے پیہم سے۔ کبھی دل سے صبر و قرار چھین لیا اور کبھی دل کا افسردہ آنکھوں کے ذریعے بہہ گیا۔ کبھی شوق نے دامن کھینچا تو کبھی وحشت کے ہاتھوں گریبان چاک ہوا۔ القصہ سوائے عشق و جنوں کے کوئی کام نہ تھا کہ اچانک ایک حسین جبیں نے جلوہ گرائی اور کا چہرہ غیرت ماہ تھا کہ سورج کی آنکھ نے خواب میں بھی ایسا چہرہ نہ دیکھا ہو گا۔ خلاصہ یہ تھا کہ

ز عشق آن جمال دل نوازم   حقیقت جلوہ گر شد در مجازم
رہ اندر عالم تشبیہ بستم   مئی از خمخانۂ توحید خوردم
حساب از روز ہستی بر گرفتم   حساب زندگی از سر گرفتم (ص 24)

اس نے افسردہ دلوں کو نئی گرم جوشی بخشی۔ مردوں کو حیات تازہ دی۔ اس نے ایک ایسا نغمہ سرمدی عطا کیا جس نے بے نواؤں کو نوا، گم راہوں کو راہ، بیماروں کو شفا اور دردمندوں کو دوا دی۔

نویں بند میں شیخ منصور حلاج کے حوالے سے حدیث عشق بیان کی ہے۔ دیوان شمع سوز تھی اور شمع پروانہ کی تمثیل سے عشق میں صبر و قرار، برداشت اور حوصلہ مندی کی تلقین پر مشتمل ہے۔

گیارھویں بند میں لیلیٰ مجنوں کی حکایت بیان کی ہے ۔ دونوں کے سوال و جواب بڑے دلچسپ ہیں ۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے

چنین آشفته و درهم چرایی — به زلفت گفت دارم آشنایی
بگفتا چیستی ای صاحب بند — بگفتا خسته ره گم کرده از چند
بگفتا از چه کردی پیرهن چاک — بگفت از دست خود عشق بی باک
بگفتا چیست خمیده پشت زین سان — بگفت ای جان من از بار هجران
بگفتا از چه ای زین گونه بیمار — بگفت از چشم مست چون تو دلدار (ص 31)

بارھویں بند میں ایک نوجوان کی محبت کا حال بیان کیا ہے۔ پھر تیرھویں اور چودھویں بند میں حکایت مجنوں بمطابق مضمون سابق " منظوم کی ہے۔ پندرھویں بند میں شیخ صنعان ، سولھویں بند میں زلیخا ، سترھویں حصے میں ابراھیم بن شماس اعرابی میں ایک زاھد ، انیسویں میں مجنوں اور بیسویں میں فرھاد کی حکایت کے حوالے سے عشق و جنوں کے مختلف مراحل اور تصوف کے مختلف مسائل کی وضاحت کی ہے [۲۵] پچیسواں بند پھر مجنوں کی حکایت پر مشتمل ہے۔ چھبیسواں[۲۶] بند " شاہ شجاع کرمانی کہ باختیار دولت جاودانی ترک سلطنت فانی کرده بود " کے عنوان سے حکایت بیان کی ہے۔ اگلے سات بندوں میں مجنوں ہی کے حوالے سے دانائی و نادانی ، مستی و ہشیاری ، طالب و مطلوب ، عشق و عزت ، بیباکشانی و ناتوانی وغیرہ کے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ چونتیسویں حصے میں شیخ ... کی حکایت بیان کی ہے۔ اگلے تین بندوں میں پھر حکایت مجنوں کے بند کھولے ہیں۔ اڑتیسویں بند میں حضرت خواجہ غریب نواز کی حکایت کے حوالے سے سلوک کی راہ میں ترک دنیا و عقبیٰ کا مضمون باندھا ہے۔ اگلے دو بند پھر مجنوں کے ذکر کے حامل ہیں۔ مجنوں کا انجام حیات جاودانی ہے اس لئے کہ اس کا عشق صادق تھا یعنی تو ہر کمال کو زوال ہے لیکن کمال عشق کو زوال نہیں ہوتا۔ غلام حسین شہید فرماتے ہیں

زوالی می پذیرد هر کمالی — کمال عشق را نبود زوالی
خضر این عشق آب زندگانی است — که تا عمرش حیات جاودانی است
چه باک از عاشق از غم جان سپارد — که عشقش زندۀ جاوید دارد
شهید عشق الحق زنده جان است — که مرگ او حیات جاودان است (ص 82)

آخری بند میں اس مجموعۂ اسرار کی قبولیت کی دعا کی ہے کیونکہ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ سحر آفریں گرامی

خامہ ہے جو کہ آتش اپنے اندر رکھتا ہے اور شعلۂ ملتان ہے۔

ازاں خامۂ سحر آفریں است | کہ آتش شعلۂ ملتاں زمیں است (ص 83)

انھیں یہ اعتبار بھی ہے کہ

جہاں صد معنی اندر ہر عبارت | بہ ہر حرفے نہفتہ صد اشارت

سوادش دادہ از عنبر سرشتے | مثال از زلف حوراں بہشتے

سطورش رشتۂ از زلف سنبل | حروفش حلقۂ از تار کاکل

اس مثنوی کے اشعار کی کل تعداد 1260 ہے۔ ان اشعار میں تصوف اور عشق کے مسائل حکایات اور تمثیلوں کے حوالے سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔ پوری مثنوی کا اسلوب بے حد سادہ لیکن شاعرانہ ہے۔ تشبیہہ و استعارہ اور علامتوں کے ذریعے مختلف موضوعات کی وضاحت بڑے دلنشیں انداز میں کی گئی ہے۔ پوری نظم رواں دواں، مربوط اور دلکش آہنگ کی حامل ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حضرت غلام حسن شہید شاعرانہ صلاحیتوں سے پوری طرح متصف تھے اور مختلف زبانوں میں شعر کہنے کی انھیں پوری قدرت حاصل تھی ---

دیوان حسن (فارسی) --- یہ دیوان مطبوعہ ہے لیکن میرے پاس دیوان حسن (فارسی) کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ کاپی بھی ہے جو مجھے جناب اسد خان کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہے۔ 162 صفحات کا یہ دیوان فقیر یار محمد ولد میاں جمال بخش ساکن خانقاہ حضرت غلام حسن شہید کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے آخر میں اس کی تاریخ تحریر 23 شعبان المعظم 1303ھ بروز جمعہ درج ہے۔ گویا یہ دیوان مثنوی نور ہدایت سے ایک سال پہلے تحریر کیا جا چکا تھا۔ اس دیوان کا آغاز اسی نعت سے ہوا ہے جو مثنوی نور ہدایت میں بھی شامل ہے لیکن مثنوی نور ہدایت اور "دیوان حسن" میں درج شدہ ایک ہی نعت کے بعض شعروں میں تبدیلی کی گئی ہے جہاں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ دیوان حسن میں یہ شعر یوں درج ہے۔

جمالش مظہر اسرار حقی | جبینش مطلع نور تجلی

مثنوی نور ہدایت میں اس شعر میں معمولی تبدیلی کر دی گئی ہے اور اس کی صورت یوں ہو گئی

کمالش مظہر اسرار حق | جمالش مطلع انوار حق

اسی طرح

به مستی کرد چون چشمش اشارت	بغمزہ ملک دل را کرد غارت (دیوان حسن)
دو چشم مست او با یک اشارت	متاع کشور دل کرد غارت (مثنوی نور ہدایت)
سرود گر آدم خاکی سرشتے	دہد بر داغ خالش بہشتے (دیوان حسن)
بخالش چونکہ آدم دیدہ بکشاد	بدام عشق او زین داغ افتاد (مثنوی نور ہدایت)
چو بر کف ساغر صہبا روان کرد	کلیم اللہ بہ بیضا نہان کرد (دیوان حسن)
چو دست خویش را گوہر فشان کرد	کلیم اللہ ید بیضا نہان کرد (مثنوی نور ہدایت)
جمالش را کہ مہ شرمندۂ اوست	ہزاران ہم چو یوسف بندۂ اوست (دیوان حسن)
زہی حسنی کہ مہ شرمندۂ اوست	ہزاران ہمچو یوسف بندۂ اوست (مثنوی نور ہدایت)
حیات جان بسر خمس عیانش	خضر لب تشنۂ آب حیاتش (دیوان حسن)
دوای جان ولب خمس حیاتش	خضر لب تشنۂ آب حیاتش (مثنوی نور ہدایت)

بعض مصرعوں میں یکسانی اور بعض میں تبدیلی محض پہلے بند میں ہے۔ اس بند کے بعد باقی اشعار بالکل مختلف ہیں۔ نعت کے بعد ص 11 سے غزلیات شروع ہوتی ہیں۔

حسن کے یہاں زیادہ تر حقیقت اور معرفت کے شعر ملتے ہیں بظاہر ان کا مفہوم مجازی معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا سا غور کریں تو اس کی دوسری سطح ظاہر ہونے لگتی ہے۔ گویا حسن کے یہاں مجاز اور حقیقت کا امتزاج اور ملاپ ہے۔ اس میں ایک سطح مجازی مفہوم کی ہوتی ہے اور دوسری تہہ حقیقت کی۔ حسن کے یہاں معاشرتی موضوعات یا سیاسی مناسبتیں نہیں ہیں۔ نہ مروّجہ نظام پر تنقید یا تبصرہ ہے۔ شاعر کی زندگی کے حوالے بھی بہت کم ہیں۔ یہ شاعری تو سیدھے سادے عشق و محبت کے مسائل، صوفیانہ حقائق، عارفانہ مضامین اور مجاز کے پردے میں حقیقت کے بیان پر مبنی ہے۔ حسن کی شاعری کا نقطۂ ماسکہ (NUCLEUS) عشق کا توانا جذبہ ہے جو کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا محور ہے۔ سارا نظام اسی کے گرد گھوم رہا ہے۔ حسن عشق کے حوالے سے عاشق اور اس کی واردات کا اور

عشق کے حوالے سے اس کے سارے متعلقات کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں۔ چنانچہ دیوان حسن کا بیشتر حصہ ان تینوں موضوعات کے گرد گھومتا ہے۔ حمد و ثناء، منقبتہ غزلیات اور اہل بیت کی تعریف میں لکھے گئے اشعار کا محرک بھی یہی جذبۂ عشق ہے۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے کہ حسن کی شاعری کا مرکز جذبۂ عشق ہے جو سارے جذبوں کا سرتاج اور صدرنشین ہے۔ اس جذبے کا جس جس نے بھی لیا وہ کیف سرمدی کا مالک بن گیا۔ جو شراب حقیقت کے مست الست ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی بعنوان دیگر ہوتی ہے وہ بظاہر مٹے ہوئے ہوتے ہیں لیکن زندگی کا حسن انہی کی بدولت قائم ہوتا ہے۔ یہی کائنات کے متحرک اور محرک ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر خاک کی پستیوں میں گرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کا مقام بلند عرش کی رفعتوں سے بھی اونچا اور بالا ہوتا ہے۔ دراصل وہ اپنا دل "یار" کی زلفوں کے خم و پیچ میں اسیر کر کے باقی ساری دنیا سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی نگاہ میں عام دکھائی دینے والے یہ "رند مے پرست" "لا مے عرفان" کے بلانوش اور خوش مشرب ہوتے ہیں

ما مست ز بادۂ الستیم	ہر چند کہ بظاہر شکستیم
از عرش بلند تر نشستیم	ہر چند کہ ہمچو خاک پستیم
دل در خم زلف یار بستیم	از ہر دو زمانہ باز رستیم
اے محتسب از حسن چہ خواہی	بگذار کہ رند مے پرستیم (ص 92-93)

اور ان کی اس بلند نظری، رفعت، عظمت کا باعث وہ عشق ہے جس نے حیات کو بیکراں بنایا۔ زندگی کا سارا حسن، ساری ہنگامہ آرائی عشق کی بدولت ہیں۔ اسی لئے تو حسن فرماتے ہیں کہ ہم نے عبادت اور اطاعت کا منصب فرشتوں کے ذمے لگا دیا اور اپنے آپ کو عشق کے لئے وقف کر دیا۔ کیونکہ عشق کا گداگر کونین کا شہنشاہ ہوتا ہے۔ جو عشق کے کام میں لگ گیا اس کے لئے باقی سارے کاروبار بیکار ہو گئے۔ اقلیم عشق میں عقل کا گزر نہیں ہوتا۔ جو عشق کا راز دار بن جاتا ہے اس کے سامنے سارے اسرار حق کھل جاتے ہیں۔ عشق کی لذت اور خوشگوار شراب دیوانہ و مست کر دیتی ہے۔

ما از دل و جان فدائے عشقیم	قربان سر وفائے عشقیم
طاعت بفرشتگاں سپردیم	ما سر زدہ از ہوائے عشقیم

عجب جلوه کشور دو کونینم | زین روشنی که مائدهٔ مشتهیم
از هر همه کاروبار بیکار | مشغول بکار خویشتنیم
بگذار سخن ز عقل بگذار | از ما که سخن بکار خویشتنیم
دیوانه و رند مست سرشار | از بادهٔ خونخوار خویشتنیم
اسرار حقائق از حسن پوش | زین روشنی که راز دار خویشتنیم (ص 93-94)

حضرت غلام حسن شہید عشق و محبت کی منزل میں سرشار ہو چکے تھے اور انہوں نے جام محبت مطلق بارہا میں چکھایا اور سب کو صلاح دی کہ کوئی تو "صورت ہی مرد افگن عشق" ثابت ہوئے خود کو تو انہوں نے عشق کے ساتھ باندھ ہی لیا تھا

کافر عشق ز خود وابسته ام
سر گیسو زنار زلفش بسته ام (ص 101)

جب عاشق اپنی ذات کو محبوب کی ذات میں فنا کر دیتا ہے یا مقام فنا فی اللہ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پھر دوئی کا تصور مٹ جاتا ہے۔ کثرت وحدت میں گم ہو جاتی ہے۔ پھر ہر صورت زیبا اس کی ہی صورت بن جاتی ہے۔ اشیاء کے ظاہر اور باطن میں وہ سرایت کر جاتا ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے میں اس کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ خورشید کی تجلی میں بھی وہی ہوتا ہے۔

معنیٔ هر صورت زیبا منم | جان نکوی صورت و معنی منم
کثرت اسماء و صفات از منست | وحدت موصوف و مسمّیٰ منم
ظاهر من این همه اشیاء بود | باطن این جملهٔ اشیاء منم
در همه ذرات ظهور منست | کرده چو خورشید تجلی منم (ص 102)

عشق کی یہ لذت جب ملتی ہے تو پھر لامکاں تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔ زمان و مکان کی گرفت سے آزادی مل جاتی ہے پھر عین حجاب میں حضوری اور عین حضوری میں غیاب کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ عشق کی بدولت وہ کمال حق حاصل ہوتا ہے کہ زمین و آسمان پر نور ہو جاتے ہیں۔

ما طائر اوج لامکانیم | وارسته ز بند آشیانیم
برتر ز مکان و در مکانیم | بیرون ز جهان و در جهانیم
در عین بطون خود عیانیم | در عین ظهور خود نهانیم
ظهور حسن از جمال حق | ما نور زمین و آسمانیم (ص 104-105)

یہ عشق بوالہوسی کا نہیں حقیقت اور صداقت کا عشق ہے۔ اس عشق میں من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے۔ پھر سارا جہان آئینہ بن جاتا ہے جس میں ایک ہی چہرہ منعکس دکھائی دیتا ہے۔

من ز خود بر خود تجلی میکنم — خویش را بر خویش شیدا می کنم
این جہان آئینہ روی منست — صورت خود را تماشا می کنم
آں قدر کز خویش پنہاں می شوم — راز خود را آشکارا می کنم
می شوم در پردہ پنہاں ای عجب — ہر قدر بی پردہ خود را می کنم
این ظہور و این بطون و سرّ من است — سرّ خود بر خود ہویدا می کنم
خود منم حسن عطا ہم حسن — پس چرا خود را فدا می کنم (ص 106)

عشق کا آغاز ملنا اور اس کا انجام موت ہے لیکن یہ موت وصال جاناں کی تمہید ہے۔ اس کی ابتداء بھی عجیب ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی عجیب ہوتی ہے۔ عشق میں قدم رکھنا آسان بھی نہیں ۔ یہ راہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز دھار ہوتی ہے لیکن چلنے والے اس راہ پر چلتے ہیں اور جان ہتھیلی پر رکھ کر چلتے ہیں اور پار بھی اترتے ہیں۔

درحقیقت یہ جذبہ کوئی نیا جذبہ نہیں ہے۔ یہ جذبہ انسان کو ازل سے ودیعت ہوا تھا شراب کہنہ کی طرح عشق کہنہ کی تاثیر بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ما عاشقیم و در ازل از عشق زادہ ایم
روئے تو دیدہ ایم و دل از دست دادہ ایم
ما مشکلات عشق بہ آساں شمردہ ایم
سر دادہ ایم تا بہ رہش پا نہادہ ایم (ص 108)

آغاز عشق سوختن انجام مردن است
جان دادہ ایم تاکہ بجاناں رسیدہ ایم (ص 108)

لیکن عشق کا اجر ہر بوالہوس کے لئے نہیں ہوتا۔ دار و رسن کی آزمائش سے گزرنے والے ہی حیات جاوداں کے مالک بنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نہ تو ہر شخص وہ بلانوش ہو سکتا ہے اور نہ ہر روز وہ منصور پیدا ہوتا ہے جو تختۂ دار پر کھڑے ہو کر بھی انا الحق کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ جس اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ

چکے ہیں کہ حلاوتِ لبِ شیریں ـــــ کے ذائقے سے وہی شاد کام اور بہرہ مند ہو سکتا ہے جو فرہاد کی طرح کوہِ بے ستوں کا سینہ چیر کر جوئے شیر بہاتا ہے نہ کہ وہ خسروانِ بے نصیب کہ جو تاج کے لئے نہ تو جستجو کرتے ہیں اور نہ ہی اس جذبے سے آشنا ہوتے ہیں۔

حلاوتِ لبِ شیریں نہ برد از فرہاد　　　　کہ خسروانِ جہاں کم چشیدہ اند آں را (ص 18)

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اہلِ دل اور اہلِ ذوق ہی غم کے خریدار ہو سکتے ہیں کہ غم خریدنا عام کا سودا نہیں لیکن اس گوہرِ یکتا کی قدر و قیمت ایک جوہری ہی جان سکتا ہے۔ حتیٰ کہ سودا کرنے والے شکست سے دوچار ضرور ہوتے ہیں لیکن اس شکست پر ہزاروں بے رنج فتوحات قربان کی جا سکتی ہیں۔ حسن نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے "غم" کے وجود پر اظہارِ حیرت کیا ہے کہ آخر اس کو پیدا کرنے کا سبب کیا تھا لیکن انہیں یہ عرفان حاصل ہے کہ "غم" کے خریدار اہلِ محبت ہوتے ہیں جو اس متاعِ عزیز کے حصول کے لئے سب کچھ لٹا دیتے ہیں

غمے کہ اہلِ محبت خریدہ اند آں را　　　　ندانم از چہ سبب آفریدہ اند آں را (ص 18)

دورِ جدید کے ایک شاعر نے غم کی اہمیت کو غالباً تمام حسن شہید ایسے حوالے سے سمجھا ہو گا وہ کہتا ہے

دل گیا رونقِ حیات گئی　　　　غم گیا ساری کائنات گئی

لیکن جب اہلِ دل اور اہلِ ذوق کو ظلمتِ شب میں منزل کا نشان نہیں ملتا تو وہ عکسِ گفتارِ محبوب کے ستاروں کی روشنی سے نشانِ راہ پاتا ہے۔ اور جب سالک کو سلوک کی راہ میں مقامِ حیرت سے واسطہ پڑتا ہے جب تجلیات کا سلسلہ معطل ہو کر اس کی پریشانی اور مایوسی کا سبب بنتا ہے تو وہ محبوبِ حقیقی کے حسنِ مطلق کی جوت دل میں جگا کر استقامت پاتا اور اپنی منزلِ مراد کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ عاشقِ شب رو بھی ظلمتِ شب میں محبوب کے گل گفتاری کے ستارے چمکا کر راہ پاتے ہیں۔

در حلقہ ہائے طرہ ز عکسِ گفتار تو　　　　در ظلمتِ شب است نمایاں ستارہ ہا (ص 20)

عشق کا محرک محبوب کا وجود ہے جو حقیقی اور ابدی ہے اور اس کا پرتو محبوبِ مجازی میں بھی جلوہ نما ہوتا ہے اسی لئے محبوب کے سراپا کی تعریف اردو اور فارسی شاعری میں عام ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں حسن اور جدت کا وصف ابھارنا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اکثر صورتوں میں تکرار اور یکسانیت کا بھی

خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ حسن کے یہاں محبوب کے لئے شیریں دہن، گلبدن، سیمیں ذقن، گل پیرہن سنبل و یاسمین، جان حسن ـــ جیسی ترکیبیں نہ صرف بلحاظ قوافی ایک مترنم کیفیت پیدا کر دیتی ہیں بلکہ پوری غزل میں ایک مخصوص صوتی نظام کی فضا ابھار کر چمن گل کے تلازمات کے ساتھ سراپانگاری کے فن کو حسن اور جاذبیت کا رنگ عطا کر دیتی ہیں۔ ایک ہی غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ حرف ندا کے ساتھ ان حسین ترکیبوں کا استعمال غزل میں ایک کیف سا پیدا کر دیتا ہے۔

شیریں دہنا، طوطیٔ شکر شکنا   شمشاد قدا، سیمیں برا، گلبدنا
ماہ وشا، پری زادا، کشنا   زریں کلہا، دلبر سیمیں ذقنا
از قامت و زلف عارض چو فریب   خجلت دہ سرو سنبل و یاسمنا
چوں غنچہ بہ عرض لب کشایم اکنوں   رشک چمنا، نگار گل پیرہنا
یک شب چہ شود اگر در آئی بہ برم   چوں جان بہ ہزار لطف جانی حسنا (ص 32)

آخر ایسے شعر کیوں نہ ہوں جب تخلیقی محرک اتنا شدید ہو کیونکہ محبوب کا سراپا دلربائی کے اتنے انداز رکھتا ہے کہ انسان تو انسان حسن بھی اس کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہے

چندیں کہ زلف و خط و خال دلربا است ترا
شکار مرغ دل قدسیان روا است ترا (ص 14)

احساس حسن کی وجہ سے محبوب اپنے انداز دلربائی آزماتا بھی ہے اور غرور حسن اسے رحم اور لطف و کرم کا آشنا بھی نہیں ہونے دیتا۔ اسی لئے تو عاشق پکار اٹھتا ہے

چہ سخت سنگدلی اے صنما ماشاء اللہ   نہ بیم خلق نہ اندیشۂ خدا ست ترا (ص 14)

محبوب کی رفتار اور وہ بھی ناز و ادا کے ساتھ عاشق پر قیامت ڈھا دیتی ہے۔ حسن نے اس خرام ناز کی قیامتوں کا مشاہدہ بھی کیا ہے اور اسے تخلیقی سطح پر محسوس بھی کیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب کی چال شاعر کے لئے ایک تخلیقی تحریک بن گئی۔

گاہی ز خرام خود رعنا   صد محشر ناز کردہ برپا (ص 12)

خرام کا یہ تلازمہ گل اور تلازمات کا محرک بنا۔ محبوب کی چال کے ساتھ ساتھ اس کے رخ زیبا کا خیال چشمان سخن دلنواز اور لب شکر خا کا غنچہ یاد آیا پھر کرشمہ جادو اثر اور غمزۂ محبوب ابھرا اور یہی

خوبصورت شعر تخلیق ہوتے گئے

گہہ در خم طرۂ دلآویز — بہ صد جمال رونق زیبا
گہہ درفشاں از دہن نمک ریخت — گہہ خندہ زد از لب شکر خا
گہہ شد بکرشمۂ جادو انگیز — گہہ داد ز غمزہ دل بہ یغما (ص 13)

محبوب کے ناز سے کتنے پہلو حسن کے بیان سامنے آ جاتے ہیں۔ کبھی صنم کے چہرے سے نقاب ہٹ جائے تو کلیسا بھی کعبہ کا سا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور کبھی اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ محبوب جو پردے میں ہے اور پھر بھی اس کے حسن پر شور قیامت برپا ہے اگر وہ نقاب الٹ دے تو کیا کیا قیامتیں برپا نہ ہو جائیں گی۔ کبھی اس ساغر بادہ کی خاطر، جو ساقی ازل کا عطا کردہ ہے۔ خرقۂ زہد گروی رکھ دیا جاتا ہے اور کبھی عشق کی پردہ داری کے باعث محبوب کی بدگمانی کا یقین پختہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی حسن محبوب کا چرچا ہے جو کتابی کے حسن سے کہیں حسین تر ہے

اگر تو اے صنم از رخ نقاب برداری — جو کعبہ قبلۂ عالم کنی کلیسا را (ص 22)
حسنت بہ پردہ شور قیامت فگندہ است — ای وائے زاں زماں کہ براُفتد نقاب ہا (ص 23)
بہ پردہ حسن تو صد شور در جہاں انگیخت — چہ فتنہ خیزد اگر پردہ برداری استاج (ص 31)
خرقۂ زہد نہادم بگرو — ساغر بادہ خریدم یارا (ص 24)
عشق ہر چند نہاں داشتم از یار ولی — شد یقینم کہ بمن بدگمان است او را (ص 23)
ای محتسب نہ بینی ہمہ احتساب تا — وصف جمال شد فزوں از کتاب ہا (ص 25)

عشق محبوب کے حوالے سے عاشق پر ظلم و ستم کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ لا متناہی ہے۔ عشق کی کلفتوں کے ماتحت عاشق کا خانہ ہی خراب نہیں ہوتا اشک پیہم کی رواں کشتی سیلاباں بھی لاتی ہے جو خانہ گریۂ شوق کی تباہ کاریاں دیکھنے کا دل خستہ و خراب کو بہا کر لے جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سیل رواں حباب کو خانہ بدوش کر دیتا ہے۔ ایسا خوبصورت مضمون بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اس مضمون میں جدت بھی ہے اور حسن و اغراق بھی۔ بالکل نیا خیال ہے اور نہایت دلکش انداز میں

1۔ دہن کے ساتھ ہمیشہ شیریں کا ذکر آیا ہے یعنی شیریں دہن وغیرہ۔ لیکن غلام حسین شہید کی جدت طبع نے دہن سے نمک ٹپکایا ہے کہ شیرینی کے ذائقے میں جلد بیزاری ہے جبکہ نمک کے ذائقے میں پائیداری ہے۔

باندھا گیا ہے۔ شعر دیکھئے

گریۂ شوق می برد قالب خستہ را زجا
خانہ بدوش می کند سیل روان حباب را (ص 14)

عاشق، معشوق اور محبت کے ساتھ مے و میخانہ کا ذکر لازمی ہے۔ شراب و میخانہ اہل عیش کے لئے تحرک کا باعث بھی ہے اور آرام و سکون کا موجب بھی لیکن اہل صفا میخانۂ وحدت اور مے عرفان سے " نور صفا " اور " سیر غذا " حاصل کرتے ہیں چنانچہ حسنی زاہد خشک کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ میکدے میں جا کر بادۂ معرفت سے اپنے باطن کو پاکیزہ کریں اور اس سجادۂ ریائی کو[3] جو کثافت کی بو دے رہا ہے اس شراب سے دھو ڈالیں۔

ساقی ز بادہ نور صفا میدهد مرا　　مطرب غیر ز سیر غذا می دهد مرا
زاہد بیو بہ میکدہ و ز بادہ پاک کن　　این سجادہ کہ بوئی ریا میدهد مرا (ص 30)

یوں تو " دیوان حسنی " کے بیشتر اشعار حقیقت اور معرفت کے مضامین کے حامل ہیں لیکن بہت سی غزلیں ایسی ہیں جو خالصتاً نعتیہ ہیں اور حضور سے حسنی کی عقیدت اور محبت کا ثبوت ہیں۔ اسی طرح " دیوان حسنی " میں اہل بیت اور واقعہ کربلا کے بارے میں بھی اشعار کا اچھا خاصا خزانہ موجود ہے۔ حضرت حسین کی شہادت پر یہ اشعار اپنی مثال آپ ہیں

در ماتم حسین کہ ارض و سما گریست　　ماہی بآب و مرغ بہ شاخ و ہوا گریست
تنہا نہ اہل از حرم آل عبا گریست　　هم مرتضیٰ و فاطمہ هم مصطفیٰ گریست
میدان خاک تیرہ شد و آسمان سیاہ　　آں دم کہ ابر شد و جابجا گریست
اندیشہ کن کہ شور قیامت شود بپا　　بہر رسول چونکہ روز جزا گریست (ص 35 تا 39)

حسنی کو اپنے مرشد (حافظ جمال اللہ) سے جو عقیدت اور محبت تھی اس کا اظہار انہوں نے نہ صرف سرائیکی شاعری میں کیا جس کا ذکر بعد میں آئے گا بلکہ فارسی غزلوں کے اشعار میں بھی کیا ہے۔ دیوان حسنی، ص 80 پر ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے

تا کہاں موسیٰ تجلی کرد عشق　　شور محشر تازہ برپا کرد عشق

اسی غزل کا مقطع حضرت جمال اللہ کے بارے میں ہے۔

جز جمال اللہ ندیدیم ای حسن — تا کہ چشم باطنم وا کرد عشق (ص 81)

اس کے فوراً بعد والی غزل میں جو اسی بحر میں ہے اور جس کا مطلع پہلی غزل کے مطلع سے ملتا جلتا ہے یعنی

جلوۂ از نا گہاں چوں کرد عشق — صد دل و صد دیدہ پرخوں کرد عشق (ص 81)

مقطع دیکھئے

چوں حسن صد عاشق شوریدہ را — پر جمال اللہ مفتوں کرد عشق

حسن کی شاعری پاکیزہ مضامین تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس میں فن کی پاکیزگی اور حسن بھی موجود ہے۔ شاعرانہ حسن مضمون کی عظمت اور بلندی کے ساتھ ساتھ لفظوں کے موزوں استعمال، تشبیہ و استعارہ اور علامتوں کے موزوں اور مناسب برتاؤ، صنائع لفظی کے حسن کا مرہون منت بھی ہوتا ہے کیونکہ بنیادی طور پر شاعری کا تعلق لفظوں کے فنکارانہ استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ حسن کے یہاں فنی لطافتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ تجنیس، تکرار لفظی، صوتی حسن، مترنم بحریں، رواں دواں دلکش اور خوبصورت قوافی اور قریب الفہم تشبیہ و استعارات کا استعمال غلام حسن شہید کے کلام میں عام ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے یہ ساری فنی خوبیاں اس میں نظر آ جائیں گی۔

قطرہ قطرہ از سر اشکم شدہ دریا دریا — داغ دلم ہمہ گل گل شدہ صحرا صحرا
دی و امروز بہ امید وصالت بگذشت — بعد ازیں نیست مرا طاقت فردا فردا
دل جدا، عقل جدا، ہوش جدا ای ظالم — گشتہ آوارہ بکویت ہمہ تنہا تنہا
دل چرا شہرۂ بازار ملامت نشود — کردہ بی خود بہ عشق این صنم سودا سودا
جز تو بر حاشیۂ دل نکشم نقش دگر — من و وابستگی غیر تو حاشا حاشا (ص 27)

اسی طرح غزل کے یہ اشعار دیکھئے

ترک خونخوار من این است این است — آفت او رہزن دین است این است
آنکہ چون سرمہ اندر چشمم — روز و شب بودہ نشین است این است
آنکہ چون زلف خود از روی نقاب — بہ حسن چون بہ چین است این است (ص 46-47)

صنعت تضاد کی مثال دیکھئے

ما مشکلات عشق بہ آسان شمردہ ایم — سر دادہ ایم تابہ رہش پا نہادہ ایم (ص 105)

یا
ظاهر من این همه اشیاء بود ... باطن این جمله اشیاء منم
کثرت اسماء و صفات از منست ... وحدت موصوف و معنی منم (ص 102)

لف و نشر کی مثال ملاحظہ فرمائیے

از قامت و زلف و عارض چو قمر ... خجلت ده سرو سنبل و ماه سما (ص 32)

یا
ای لب و چشم و دهانت شکر و بادام و قند ... وان رخ و قد هر دو دشت گل سرو و سمن
خط مشکین و رخ زیبا و زلف دل کشت ... نافهٔ چین آفتاب خاور مشکِ ختن (ص 118)

یا
وجهش از روضهٔ رضوان بهاری ... قدش در باغ جان سرو روان است
حسن را زلف او عمر دراز است ... لب لعلش حیات جاودان است (ص 35)

تشبیہ کی مثال دیکھئے

قد رعنای آن سرو دل آرا ... قیامت بود قامت نام کردند (ص 37)

ایک شعر میں دیدہ کو حباب کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو نادر ہے۔ آنکھ کے ساتھ رونے کا تصور یا دریا کا تلازمہ عام ہے لیکن آنکھ کو حباب کہہ کر دریا کو اس میں اسیر کرنے کا خیال بالکل نیا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیے

حسن ز دیدهٔ گریان خویش حیرانم
که در حباب نهان کرده اند دریا را (ص 23)

بلاشبہ کہنہ چشم کو شراب کی تاثیر کے ساتھ مشابہت دینا کوئی نئی بات نہیں لیکن اس عام مضمون کو حسن نے جس خوبصورت انداز میں باندھا ہے وہ ان کی جدت فکر اور جودت طبع کا بین ثبوت ہے فرماتے ہیں

کیفیتی که در نگه چشم ساقی است
هرگز نیافت باده فروش از شراب ها (ص 26)

اس گفتگو کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حضرت غلام حسن شہید فارسی زبان پر کامل دسترس رکھتے تھے انھوں نے مضمون آفرینی کو فارسی شعر میں اہل زبان کی سی مہارت اور پختگی کے ساتھ ادا کیا۔

منتخبات دیوان حضرت مخفی غلام حسن شہید

حضرت مخفی غلام حسن شہید کا ایک ایسا قلمی دیوان صاحب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی معرفت دستیاب ہوا ہے جس میں منظومات شامل ہیں جن میں اردو، پنجابی، سرائیکی اور ہندی زبان کے شعری نمونے موجود ہیں۔ ان میں خالصتاً سرائیکی کی نظمیں بھی ہیں اور خالصتاً اردو کی بھی لیکن سرائیکی، پنجابی، ہندی اور اردو کی مخلوط نظمیں زیادہ موجود ہیں مثلاً پہلی ہی غزل جو اس دیوان میں درج ہے اس مخلوط زبان کا نمونہ ہے جس میں پنجابی، سرائیکی، ہندی اور اردو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن اردو کا رنگ غالب ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

حضرت عشق دا اپنو نظارا ہر ہر شان میں روپ تمہارا
ساری خلق کا روپ سنوارا ہم [illegible] وہ صاحب [illegible] سارا

جس کو کہتی ہیں ذات الٰہی وہ انسان تمام کیا ہی
سن اے یار یہ دعوی کوئی احمد ہو کر کیسا پسارا

احمد ہو معراج [illegible] جبرائیل [illegible] لیسا
آپ کو دیکھا آپ کو پایا آپ سے آپ [illegible] ابھارا

کدی کیتا کدی شاہ کیتا کدی اصغر [illegible]
کدی جمال اللہ کیتا [illegible] وہ [illegible] سارا (ص 3)

اسی طرح کی کئی مثالیں ہیں جو شاعر کے سارے دیوان میں درج کی جاسکتی ہیں۔

اس دیوان سے منتخبات میں جو نظمیں شامل ہیں ان کا ایک اجمالی جائزہ درج کیا جاتا ہے تاکہ ایک نظر میں مندرجات کی تفصیل سامنے آ جائے

اشاریہ (منتخبات از دیوان غلام حسن شہید)

مطلع

1- ص 1 ہر ہر شان میں روپ تمہارا (اردو مرکب لیکن مخلوط ڈکشن) یہ اشعار (وحدت الوجود)/

2- ص 2 کیا کیا کہتی ہیں [illegible] (سرائیکی ہندی الفاظ والے اور [illegible] اردو ایک مصرعہ غالب ہے) ترکیب

3- ص 3 ہیں ہر طرف بہار [illegible] عجب بہارا (ایک مخلوط نظم جس میں اردو سرائیکی امتزاج ہے اس

ترجمہ سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کی نقل غلط انداز میں تیار کی گئی ہے، مصرعوں کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔)

4- ص 6 پر " ایضاً " غلط لکھا گیا ہے۔ یہ سرائیکی غزل ہے جس میں ہندی، پنجابی اور اردو ڈکشن کا امتزاج ہے۔ پانچ اشعار ہیں۔ وحدت الوجود کا فلسفہ، دعوتی روایت کا اثر

5- ص 7 " ہوکی " نظم سرائیکی ۔ اشعار آٹھ

6- ص 8 " ہوکی " نظم سرائیکی ۔ اشعار گیارہ

7- ص 8 صنعت اردو، سعدی شیرازی کی صنعت کا تتبع، اردو صنعت گوئی میں نیا تجربہ، سرائیکی حروف و اضافات سب سوتیلی لگی۔ صنعت صنع شمالہ ۔ ایک مصرع اردو اور دوسرا ٹکڑا سعدی کی صنعت کا ہے یا اس کا اردو ترجمہ ہے (اشعار گیارہ)

8- ص 11 غزل اس صنم کسی صنم نے بنایا ہے تمھی (اردو) پانچ اشعار ، تغزل کا رنگ، عشق مجازی کے مضامین۔

9- ص 12 غزل ۔ اردو ہم جدھر جا کے دیکھا ادھر تو ہی تو ہے (پانچ اشعار)
وحدت الوجود کا فلسفہ، تصوف، میر درد کا رنگ

10- ص 13 کیھ سمجھے درد میں دل کی خبر ہے کہ نہیں ـــ غزل اردو (اشعار پانچ) میر درد کا انداز

11- ص 14 مرثیہ (بحوالہ جناب امام حسین علیہ السلام بطور مرثیہ) (اردو) گیارہ اشعار
ع مری بحالی اسے جا کہو جس پہ شامیں نے ستم کیا
سرائیکی الفاظ، میں، ڈاہی، تیں اونہیں کا استعمال ملتا ہے۔

12- ص 16 تا ص 20، مرثیہ ۔ اردو، سرائیکی الفاظ کا استعمال موجود ہے (تیس اشعار)

13- ص 21 راجھنے دا حسن کمال ہی آکھاں ، گیت سرائیکی

14- ص 22 کافی (سرائیکی) دس اشعار

15- ص 23، 24 گھٹیلی (سرائیکی)

16- ص 25، 26 ہوکی (سرائیکی) گیارہ اشعار راجھنا سارے جگ دا ساجھنا ماہی (
(Colla-pink) رنگ وحدت الوجود کا فلسفہ راجھنا محبوب حقیقی کا استعارہ ہے۔

17- ص 27 تا 30 ڈھولا (سرائیکی) انیس اشعار

18- ص 31، 32 ایضاً لکھا ہوا لیکن یہ ڈھولا نہیں بلکہ مستزاد ہے سرائیکی میں ہے (چند اشعار)

19- ص 33 تا 38 سی حرفی (سرائیکی) الف سے ط تک ہے اگلے صفحات خالی ہیں۔

20- ص 42 بیت کبت (سرائیکی)

21- ص 44 مہندی (سرائیکی) شادی اشارہ

22- ص 45 تا 50 نظم مرزا صاحباں (سرائیکی) مرزا صاحباں کا قصہ منظوم کیا ہے اور شوخ جذبات کی کیفیت بیان کی ہے۔ سوچانہ ملامتیں اور رنگیں موجود ہیں۔ چونتیس (34) اشعار ہیں۔

23- ص 51 جھوک سی سرائیکی نظم ہے۔ (حضرت جمال اللہ کے لیے)

24- ص 52 خیال ـــ سرائیکی نظم ہے۔

25- ص 53 تا 54 دو کافیاں ۔ سرائیکی

26- ص 54 مصرا اردو سرائیکی مخلوط (تین سطریں)

27- ص 55 دوہڑے (ملتانی) ـــ معرفت کا رنگ

28- ص 56 خیال جوگ، خیال راگنی پیلو

29- ص 57 تا 65 ۔ اندازہ دوہڑے ملتانی زبان میں

30- ص 66 تا 68 کافی (راگنی جوگ)

اس ساری تفصیل کا خلاصہ بنایا جائے تو اردو کی یہ چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اردو غزلیں	پانچ	چھبیس اشعار
اردو مرثیے	دو	اکتالیس اشعار
اردو نعت	ایک	گیارہ اشعار

باقی چیزوں میں کافیاں، گیت، ڈھولڑے، مستزاد، سی حرفی، جوگ، ملتانی نظمیں وغیرہ شامل ہیں اور ان تمام اصناف میں "ملتان میں اردو" کے اولیں آثار کا پتہ ملتا ہے۔

اردو شاعری

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ غلام حسن شہید عربی، فارسی، ہندی، سرائیکی اور اردو کے پختہ گو شاعر تھے۔ ان کی فارسی شاعری کا جائزہ تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے فارسی زبان اور اصناف کا عمل دخل جتنا اردو پر رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مغلوں کی آمد سے بھی پہلے عربی فارسی کا اثر برصغیر کی مقامی بولیوں پر پڑنا شروع ہو گیا تھا لیکن مغلوں کے ہاتھوں غیر منقسم ہندوستان کی تسخیر نے زبانوں کے اختلاط کے عمل کو تیز تر کر دیا چنانچہ سب سے پہلے زیادہ تر جس زبان کا اثر اردو پر مرتب ہوا وہ مغلوں کی زبان فارسی تھی۔ فارسی الفاظ، تراکیب، علامتیں، اصناف شعر اردو زبان و ادب میں اس قدر دخیل ہوئیں کہ اردو زبان و ادب نے ایک مخصوص رنگ اختیار کر لیا اور اس رنگ کو "عجمی لے" کا نام دیا جانے لگا۔ اردو کے بے شمار نامور شعراء کے یہاں اس عجمی لے کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ان شعراء میں سودا، غالب، ذوق، داغ اور پھر دور جدید میں اقبال قابل ذکر ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سرزمین ملتان کے بیشتر صوفی شعراء کے یہاں فارسی کلام موجود ہے ان کے ملفوظات فارسی میں ہیں لیکن جب وہ اردو میں شعر کہتے ہیں تو ان کے کلام میں "عجمی لے" کم سے کم ہوتی ہے۔ اس میں ہندی یا مقامی زبانوں کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکر، شمس تبریزی، امیر خسرو، حسن سجزی، حافظ جمال اللہ وغیرہ کی شاعری کے نمونے گزشتہ صفحات میں درج کئے جا چکے ہیں۔ ان سے اس موقف کی تائید ہو جاتی ہے۔ حضرت غلام حسن شہید کے یہاں بھی یہی صورت ہے کہ ان کے فارسی کلام سے قطع نظر کر لیا جائے اور صرف اردو کلام سامنے رکھا جائے تو اس میں "عجمی لے" کی بجائے مقامی رنگ زیادہ ہے۔ زیادہ تر ڈکشن ہندی، سرائیکی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں سے ماخوذ ہے۔ اس کی مثالیں آگے چل کر نظر آتی ہیں۔

منشی غلام حسن شہید اردو اور فارسی کلام میں حسن تخلص کرتے ہیں اور سرائیکی اور اردو شاعری میں کاظم۔ ان کا یہ تخلص اتنا مقبول اور مشہور ہوا کہ کچھ عرصے بعد اس کے معنی ایک خاص صنف سخن کے ہو گئے۔ جہاں کہیں دو چار دوست مل بیٹھتے تو فرمائش کی جاتی کہ "کاظمی سناؤ" یعنی دوہڑے سنائے جائیں۔ اضلاع ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے مقامی ادب کے مجموعے جب [illegible]

نے گزشتہ کی صورت میں جمع کئے تو انہوں نے ان دوہوں کو " کافی " کہہ کر پکارا۔ سرائیکی اور اردو شاعروں کے موضوعات بھی کم و بیش وہی ہیں جو فارسی کلام کے ہیں۔ یعنی معرفت، حقیقت، عشق اور معاملات عشق، وحدت الوجود، معرفت نظر، حسن محبوب کی تشبیہ و توصیف وغیرہ۔ مشی صاحب کا خیال ہے کہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں محبوب حقیقی کا جلوہ موجود ہے۔ اس کا روپ رنگ فطرت کے مظاہر میں بسا ہوا ہے۔ فطرت کا حسن دراصل محبوب کے حسن کا پرتو ہے۔ ساری دنیا میں اسی کا روپ عیاں ہے۔ انسان اور خدا کا رشتہ باپ بیٹے کا رشتہ ہے۔ اس کے وجود نے حسن جنم دیا لیکن تمام کائنات کا حاصل حضورؐ کی ذات اقدس تھی جس کو خدا نے اپنے پاس بلایا۔ ان کو معراج کی رفعت نصیب ہوئی۔ حضرت جبرائیل براق پر ان کو لے کر گئے۔ حضور نے خدا کو دیکھا اس کی ذات کا عرفان حاصل کیا۔ سب حجاب اتر گئے گویا حضور نے اوائل میں زندگی کی معراج پائی ان کا ارشاد " الفقر فخری " اساسیت کو درویشی اور قلندری کا درس تھا۔ فزوات میں حضور امیر سپاہ بھی رہے یعنی ایک طرف درویشی ہے تو دوسری طرف سروری، حقیقت میں وہ خدا کے حسن کا مظہر ہیں۔ غلام حسین شہید کافی ان حقائق کو ان اشعار میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت عشق دا کرو نظارہ ہر ہر شان میں روپ تمہارا
ساری خلقت کا روپ محمدارا ہم بیٹے وہ باپ ہمارا

احمد ہو معراج مدعایا جبرائیل براق لیایا
آپ کو دیکھا آپ کو پایا آپ سے آپ حجاب اتارا

کبھی خدا کبھی شاہ کہایا کبھی امیر سپاہ کہایا
کبھی غلام اللہ کہایا کافی کا وہ حسنت پیارا ۔1۔

جب معرفت حق دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور چشم بینا مجاز کے پردے میں بھی محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہے تو پھر کثرت وحدت میں سمٹ جاتی ہے اور شش جہت میں اس کا جلوہ منعکس نظر آنے لگتا ہے۔ خواجہ میر درد نے اس مضمون کو اس طرح باندھا تھا کہ

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

1 – بحوالہ منتخبات از دیوان حضرت مشی غلام حسین شہید (غزلیات متفرقات بزبان ہندی و بزبان پنجابی و ملتانی)

حسن نے بھی یہی کیفیت محسوس کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں

تجلّی تیری ذات کا سو بسو ہے
جدھر جا کے دیکھا ادھر تو ہی تو ہے (ص 12)

اور جب وحدت کا جلوہ ہر طرف بکھرا ہوا ہو، تو پھر نہ تو دیر و حرم کی تفریق باقی رہتی ہے اور نہ شیخ و برہمن کا اختلاف ـــ اس وقت سالک کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی نصب العین ہوتا ہے اور وہ ہے محبوب حقیقی کے دیدار کی آرزو بقول حسن

نہیں کچھ غرض مجھکو دیر و حرم سے
فقط تیری دیدار کی آرزو ہے (ص 12)

اب کانوں کو ایک ہی آواز کی لگن ہے اور آنکھوں کو اضطراب اور جستجو ہے تو وہ بھی اسی ذات یکتا و بے مثال کی

جہاں سنتے ہیں اور جہاں دیکھتے ہیں
تیری گفتگو ہے تیری جستجو ہے

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس ذات لطیف کو کس نے دیکھا ہے اور پھر ظاہری آنکھ کے حوالے سے ـــ؟ اب "جمال خدا" کا مشاہدہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے اس کے مظہر کو دیکھنا جو حضور کی ذات اقدس کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ بعض صوفیاء اور متکلمین نے انسان کو خدا کا خارجی مظہر قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور کی ذات اس مظہر کا کامل ترین نمونہ ہے۔ اس لئے حسن یوں تعلّی کے ساتھ فرماتے ہیں

جمال خدا گر نہیں تم نے دیکھا
محمد کو دیکھو وہی ہو بہو ہے (ص 12)

سلوک کی راہ پر چلنے والوں کو انہیں کٹھنائیوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ایک عاشق زار کو آرزوئے وصال یار میں پیش آتی ہیں۔ اس لئے کہ اگرچہ محبوب حقیقی شہ رگ کے بھی قریب ہے اور ہم خود اپنے دل میں اس کا جلوہ دیکھ سکتے ہیں لیکن اس کی وسعتوں اور پہنائیوں کا یہ عالم ہے کہ سدرۃ المنتہا کے آگے تو فرشتوں کے بھی پر جلنے لگتے ہیں چنانچہ وہاں تک رسائی تو کیا پیغام کا پہنچنا بھی مشکل ہے۔ عام طور پر عاشق کو صبا کے ہاتھ اپنا حال دل محبوب کو بھجوانا پڑتا ہے خواجہ میر درد نے کہا

یہی پیغام درد کا کہنا
گر صبا کوئے یار سے گزرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گزرے

لیکن یہ ایک خواہش کا اظہار ہے ضروری نہیں کہ بر آئے۔ حسن کی عطا تو ہے کہ محبوب کو ان کے درد کی خبر ہو جائے

کچھ تجھے درد بھرے دل کی خبر ہے کہ نہیں
آہ و صد آہ محبت کا اثر ہے کہ نہیں (ص 13)

لیکن انہیں اپنی نارسائی اور مجبوری کا احساس بھی ہے اس لئے وہ پکار اٹھتے ہیں

کوئی ایسا بھی نہیں تجھ کو خبر پہنچا دے
تیرے کوچے میں صبا کا بھی گزر ہے کہ نہیں (ص 13)

چونکہ محبوب کو میرے حالِ دل کا پتہ نہیں اس لئے وہ اس کے علاج سے بھی غافل ہے دل کی شاخ تو محبوب کی توجہ سے ہری ہوتی ہے جب اس پر کوئی توجہ نہیں ہوتی اور نہ سیرابی ہوتی ہے تو وہ پھل کیسے لا سکتی ہے حالانکہ موسموں کے تغیر سے ہر ایک نہال بار آور ہوتا ہے لیکن شاخِ دل کسی موسم میں بھی ثمر نہیں لاتی۔

بار ور ہوتا ہے موسم سے تو ہر ایک نہال
شاخِ دل کا بھی خدا جانے ثمر ہے کہ نہیں (ص 13)

حسن کے یہاں تصوف کے جو مسائل ادا ہوئے ہیں ان میں وحدت الوجود کا تصوّر ہی زیادہ نمایاں ہے جیسا کہ ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت غلام حسن شہید وحدت الوجود کے نظریے سے بے حد متاثر تھے۔ " نور الہدیٰ " میں زیادہ تر اسی مسئلے کو زیرِ بحث لائے ہیں اور منظوم مثالوں سے اس کی وضاحت کی ہے اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ بنیادی طور پر محبت اور عشق کا مسئلہ ہے۔ سب کچھ ایک ہی وجود ہے۔ دوسرے کو تکلیف دینا خود کو عذاب میں ڈالنا ہے اور دوسروں سے محبت خود اپنے آپ سے محبت ہے۔ اس لئے وحدت الوجود کے مسئلے میں محبت اور اخلاص ہی سب سے ابھرتا ہوا اور نمایاں جذبہ ہے۔ محبوب کے ناز و ادا ہوں یا حسن و جمال یہ سب وجودِ واحد کا پرتو ہیں اس کو دلربائی کے انداز جس نے سکھائے ہیں وہ بھی وہی ذات کی عطا ہے۔ اس لئے جب حسن محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہیں تو دراصل اس مصوّر کو خراجِ تحسین ادا کر رہے ہوتے ہیں جس نے اس تصویر کا خاکہ تیار کیا، اس میں رنگ بھرے اور نقش و نگار بنائے حالانکہ

حسن فرماتے ہیں

اے صنم کیسے مصوّر نے بنایا ہے تجھے
شیوۂ ناز و ادا کس نے سکھایا ہے تجھے

جان و دل تیرے مقدّم پہ کروں قربان میں
دلربائی کا سبق کس نے پڑھایا ہے تجھے (ص 11)

جہاں عاشق صادق کے پاس سب سے بڑی متاع اس کا محبت بھرا دل ہے وہاں محبوب کے پیکر جمال میں حسین ترین جز اس کی آنکھیں ہیں اور عشق کا مرکز یہی دو رقیق الاعضاء ہیں کسی شاعر نے کہا

بے واسطۂ گوش و لب از راہ چشم و دل
بسیار سخن بود کہ گفتیم و شنیدیم

حضرت حسن کی فارسی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے نگاہوں کے حسن کا بیان کیا گیا ہے۔ اردو غزل میں بھی انھوں نے اس جادو کا تذکرہ ڈوب کر کیا ہے بلکہ ایک پوری غزل جس کو غزل مربوط کہا چاہئیے " نینن" کی تعریف میں کہی ہے اور ان نینن کے مختلف اثرات اور اوصاف کی تشریح کی ہے۔ اس غزل میں اردو ہندی کا مخلوط دلکش عجب لطف پیدا کرتا ہے۔

نین سیں جب میں ملیں پیاری کیا کیا کرتی ہیں رنج ادا
نین کی گت میں پچھانیں یہ نین کے کہیو نہ جتا

نین پیاری نین ستمگاری رنگ بھری اور بیچ سنواری
متھسائی مدوالی کارے کیسا کہیے کچھ کہا نہ جتا

نین سوال نین جواب نین کتابیں نین شرابیں
نین حکمت سیں کریں خرابی نین کا بچن سدا

نین فرنگی نین پلنگی نین دو رنگی نین ترنگی
کاتھیں نین بہادر جنگی سب کھولیں پھند رکھا (ص 4)

اس دیوان مخطوطہ میں دو مرثیے بھی شامل ہیں، جن میں سے ایک گیارہ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسرا تین اشعار پر۔ گیارہ اشعار پر مشتمل پہلا مرثیہ صفحہ 14 اور 15 پر درج ہے۔ غزل کی ہئیت میں ہے۔ جس میں ستم، قلم، مجسم، شکم، حرم، صنم، قدم، غم، الم، کرم، رقم، وغیرہ کا قافیہ استعمال کیا گیا

ہے۔ مرثیہ نہایت رواں، سادہ لیکن تمام فنی محاسن کا حامل ہے۔ اگرچہ اس کی ہیئت مرثیے جیسی نہیں ہے کہ جس میں چہرہ، رخصت، رجز، شہادت اور بین وغیرہ کا التزام کیا جاتا ہے لیکن اس غزل نما مرثیے میں بلا کی تاثیر موجود ہے۔ شدت جذبات، مرقع نگاری اور الفاظ کے انتخاب کی داد دینی پڑتی ہے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

عجب طرح کی اسیر جفا کبھو جس پہ شامیوں نے ستم کیا
قلم ہوا کوئی بھی نہ کسی شہ دیں کے سر کو قلم کیا

کبھی آہ سرد کا زور ہے کبھی نالۂ گرم کا شور ہے
میں دل سے ایسی اگن اٹھی کہ جلا جلا کے بھسم کیا

دیکھو کیسی امت بے وفا کہ جو شاہزادے حسین کو
کیا اس طرح سے جدا وطن کہ حرم سے رو بہ عدم کیا

کسی خیرہ چشمی ہے دیکھیو کہ مضطر تشنہ دہن کے تئیں
نہ دیا جو قطرہ آب کا نہ تو ایک ذرہ رحم کیا

حسن شکستہ وجود کو نہیں کچھ تحمل درد کا
یہ جیسی دل کی ہے مصیبت سے یہ دو سہ حرف غم کا رقم کیا (ص 14-15)

دوسرا مرثیہ ترجیع بند کی ہیئت میں ہے یعنی ہر بند میں چار مصرعے ہیں پہلے بند کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہیں۔ قافیہ بلا، جفا، وفا، ریا کا ہے جبکہ ردیف ہائے ہا ہے اس کے بعد ہر بند کے پہلے تین مصرعے مختلف قوافی کے حامل ہیں اور آخری مصرعہ ٹیپ کا ہے جس میں ردیف ہائے ہا اور قافیہ اسی طرح یعنی جفا، خدا، سپاہ، دغا، بلا، بے نوا، حیا، مبتلا، ماجرہ وغیرہ آیا ہے۔ اس طرح یہ مرثیے کے مجموعی طور پر پانچ بند ہیں اور پندرہ مصرعے ہیں۔ تین اشعار ہیں پہلے مرثیے کی نسبت یہ مرثیہ فنی لحاظ سے زیادہ پختہ اور مہارت کا نمونہ ہے۔ اس میں خالصتاً اردو دکنی کا استعمال ہے۔ سادگی کے ساتھ حسن بھی ہے جذبوں بھر ہے لیکن پر اثر اور شدت احساس کی حامل۔ مرثیے میں اہل بیت پر کوفیوں اور شامیوں کے ظلم و ستم پر اظہار افسوس ہے اور مظلومین کرب و بلا کی بے بسی اور بے چارگی کا بیان جذبات کی شدت کے ساتھ کیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ عالم میں بھی ایک

ایسے عالم الغیب کی حیثیت رکھتا ہے جس کی مثال ایثار و قربانی اور خیر و شر کی کسی آمیزش کی کسی داستان میں نہیں ملتی اسی لئے حسن فرماتے ہیں

ہیں اسی حیرت میں سب جن و ملک
آدم و حوّا سے لیکر اب تلک
یا ستم کس نے کیا ہے اے فلک
کچھ سمجھ نہیں خدا ہی جانی ہا (ص 16)

حضرت حسین کی پیاس کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم سے ان کی مدد کے لئے التماس کیا ہے

یا رسول اللہ قدم رنجہ کرو
حال فرزندوں کا دیکھو رو برو
ہاتھ سے اپنے ذرا پانی دو تم
شاہ بہت پیاسا پڑا ہے جانی ہا (ص 17)

شامیوں کی سنگدلی اور بے مروتی کا بیان کس سادہ لیکن پر اثر انداز میں کیا ہے۔

شامیوں کا دل نہیں ہوتا ہے نرم
دل سے بہت اٹھ گئی آنکھوں سے شرم
موت کا بازار ہے اب بہت گرم
قتل کا محشر بپا ہے جانی ہا (ص 17)

حضرت حسین کی مرتبے کا احساس کرتے ہوئے ان کی عبادت کا ذکر کس غم انگیز انداز میں کیا ہے۔

دودھ جس پالا ہے خیر النساء
جنکی زلفوں کو علی نے شانہ کیا
جس کو پیغمبر نے جگر گوشہ کہا
آج پانی میں پڑا ہے جانی ہا (ص 18)

اسی طرح

جس کے تئیں کہتے ہیں سب اہل صفا
قرۃ العین علی المرتضیٰ
اب تو جا کر دیکھو بن میں پڑا
شامیوں نے سر کٹا ہے جانی ہا (ص 18)

آخری بند میں حسن اس حادثۂ عظیم پر اپنے دکھ کا اظہار یوں کرتے ہیں

اے حسن اس درد کا میں کیا کہوں
دل پگھلتا ہے جگر ہوتا ہے خوں
جس سخن کہنے کی طاقت کیا کہوں
سخت خوں ماجرا ہے حالے ما (ص 20)

جیسا کہ پہلے درج کیا جا چکا ہے کہ اس دیوان متفرقات میں ایک اور نعت بھی ہے جس میں ایک نیا تجربہ کیا گیا ہے یعنی حضرت سعدی کی مشہور زمانہ نعت "بلغ العلیٰ بکمالہ" کی تضمین کی گئی ہے۔ ایک مصرعہ اردو کا اپنا اور دوسرا مصرعہ شیخ سعدی کا لگایا ہے۔ یا آدھا مصرعہ اپنا اور آدھا شیخ سعدی کا استعمال کیا ہے جیسے

سوجھی ڈھلک میں یار کی بلغ العلیٰ بکمالہ
چمک چمک رخسار کی کشف الدجیٰ بجمالہ

صاحب منزہ پاک ہے از عیب و ہر نقصان ہنر
افعال سب سوہنڑ میں لگی حسنت جمیع خصالہ

صورت شمس وجہ جس واللیل وصف مشک زلف
حیران یوسف از حسن عیسیٰ خجل از قامتہ

شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ لولاک وصف ذات او
یا نور و نوری سر سر منیر است از حالہ (ص 9-10)

جس طرح اردو اشعار میں سرائیکی، ہندی اور پنجابی الفاظ کا استعمال عام ہے اسی طرح سرائیکی شعروں میں اردو الفاظ و تراکیب بھی شامل ہیں۔ زبان کا یہ مخلوط تجربہ بڑے دوررس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ آج پھر اس قسم کے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ جھنگ کے شاعر شیر افضل جعفری کے یہاں اس قسم کی مثالیں عام ہیں۔ غلام حسین شہید کے یہاں اردو کا رنگ سرائیکی اشعار میں بھی موجود ہے بلکہ کہیں کہیں غالب ہے کچھ مثالیں دیکھئے

اماں نی میرا دلبر رانجھا — رانجھا ساری جگ دا سانجھا
رانجھے دا مینوں وطن پیارا — وحدت جس دی تخت ہزارا

رانجھا طالب مقصد کس دا — جنہی ڈٹھاں تس دسدا
عرش اتے جس پاک سدائے — گھر چوچک دے چاک سدائے
رانجھا میرا لا مکانی — جاں کوئی اس دا نام نشانی
رانجھا مکاں اسے دا — ہر ہر نام نشان اسے دا (ص 25)

ت شہباز قدم دا کہیں عشق شکارا مارا اے
کھلے دیاں جیہاں جتھ کے جیہاں باز دا لشکر چاڑھیا اے
اساں تی ہتا کیا کہیں ظالم جیہاں کس کس مارا اے
کاسٹو جیہاں چاہ صدقے دیہاں ان رانجھا اے (ص 34)

لگ تراں تیری جاں لگ جھب معاشیاں پاندے ہو
جس حال دکھا کر ماں کاس کس تیاندے ہو (ص 54)

ہادی ہیر جمال عمرا ہادی ہیر جمال عمرا لیمو
غوث جہاں قطب ربانی گنج شکر دے لال عمرا لیمو (ص 54)

مطلق ذات رحمت والی مسکین عجب کی رپ اکھایا
بالسماں شہں والا مسکین جس کسے آیا
سر سوہا تے کل حسب مالا رنگ بھبھوت رمایا
لادسی بلد ہنے کھیڑے سہتی مکس رانجھڑا رب ملایا (ص 58)

سیر طبعی اوس جہا وچ لساں بشر دے
جاں عشق ہوئے لکھیا جس جادس دے ہوئے
سٹدی صورت ڈیکھ کے ہوندی لوک زیارت کردے
لاکس نام دھرا کے ہو یا ظاہر چ سطر دے (ص 62)

لوکاں کہندے جان مہیس دا
میں لکھے حق بیان دی اماں
جان ہیں کوئی دور حقیقی
صورت شمس افلاک دی اماں
گل گلزار دے باغ بہشتی
جان جہاں خاشاک دس اماں   (ص 67)

ان مثالوں میں اردو ذخیرہ الفاظ کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں اس میں جا بجا اردو ڈکشن ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ساری گفتگو کے بعد یہ کہنا مناسب ہو گا کہ سر زمین ملتان کے صوفیا میں سب سے پہلے حضرت غلام حسن شہید نے اردو زبان میں باقاعدہ طور پر شاعری کی اور شعوری سطح پر اردو اور علاقائی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ کو مخلوط کر کے اردو زبان کی وسعت کا باعث بنے اس طرح وہ روایت قائم ہوئی جس نے آگے چل کر اردو زبان کے دامن کو دیگر پاکستانی زبانوں کے الفاظ سے پر ثروت اور وسیع کیا

مفتی غلام حسن شہید کے اردو شعر گوئی کے اس پہلے لیکن کامیاب تجربے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لسانی ، ادبی ، مذہبی روایات اور سوچ کے مشترکہ سرچشمے نے ایسی ہم آہنگی پیدا کر دی تھی کہ " اردو " زبان نے یہاں پہنچتے ہی عوام الناس کے دلوں میں گھر کر لیا اور مقبولیت کا تاج سر پر رکھ لیا۔ چنانچہ غلام حسن شہید کے ابتدائی کارناموں کے چند ہی سال بعد اردو کی ترویج میں کوئی دقت پیش نہ آئی اور یہ درس و تدریس کے ذریعے کے طور پر مدارس میں رائج ہو گئی اور ادب و شعر کی زبان بن گئی۔

خواجہ غلام فرید

سرائیکی شاعری میں خواجہ غلام فرید کو وہی درجہ اور مرتبہ حاصل ہے جو عربی میں امراؤ القیس، فارسی میں حافظ اور رومی، انگریزی میں ورڈز ورتھ، کیٹس اور شیلے، اردو میں خواجہ میر درد، غالب، اقبال، بنگلہ میں نذرالاسلام، پنجابی میں شاہ حسین اور وارث شاہ، پشتو میں رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک اور سندھی میں سچل سرمست اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کو حاصل ہے۔ جس طرح سرائیکی شعر و ادب کی تاریخ خواجہ فرید کے ذکر کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے ۔ اسی طرح صوفیانہ شاعری کی تاریخ بھی ان کے ذکر کے بغیر نا مکمل رہتی ہے۔ سرائیکی کے یہ عظیم المرتبت شاعر برصغیر پاک و ہند کی ایک نہایت اہم روحانی شخصیت بھی ہیں جن کے سرمایہ علم و ادب میں سرائیکی کے علاوہ پنجابی، اردو شاعری، اخلاق، مذہب، رشد و ہدایت اور صوفیانہ مسلک کے بارے میں ملفوظات کا قابل قدر خزانہ موجود ہے۔

سرائیکی اور اردو کے اس مشہور صوفی شاعر کے آباؤ اجداد کئی سو سال پہلے عرب سے آئے تھے مالک بن یحیٰی اس خاندان کے وہ بزرگ تھے جو سب سے پہلے سندھ میں آئے اور یہاں آباد ہوئے۔ مقابیس المجالس کے مطابق مالک بن یحیٰی کا نسب حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔1 لیکن "مناقب محبوبیہ" میں لکھا ہے کہ

> "محبوب الٰہی قدس سرہ کا نام مبارک خواجہ خدا بخش ہے بن حضرت خواجہ احمد علی بن غوث الغیوث شیخ حضرت خواجہ عاقل محمد بن حضرت خواجہ مخدوم شریف محمد بن حضرت مخدوم محمد یعقوب بن حضرت مخدوم نور محمد بن مخدوم ذکریا قوم قریش از اولاد سیدالکل بعد الانبیاء حضرت ابا بکر الصدیق ہوتے ہوئے پہنچتا ہیں۔" 2

1- کیپٹن واحد بخش سیال نے "مقدمہ" میں مالک بن یحیٰی کا سلسلہ نسب دیا ہے وہ اس طرح ہے "مالک بن یحیٰی بن محمد بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" بحوالہ "مقابیس المجالس" مترجم کیپٹن واحد بخش سیال ص 40، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور 1979ء

2- بحوالہ "مناقب محبوبیہ" تصنیف حضرت خواجہ غلام فرید مترجم شیخ احمد محمد بخش ص 19، مطبوعہ انجمن لشکر فرید کوٹ مٹھن، بار اول، جنوری 1983ء

گویا حیات خواجہ فرید کے مطابق ان کا خاندان صدیقی ہے۔ مثلاً خواجہ فرید کوریجہ قوم سے بیان کئے جاتے ہیں البتہ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق عرب سے تھا کوریجہ سندھی کا لفظ ہے۔ دراصل سندھ میں آباد ہونے کے بعد ان کا خاندان کوریجہ کہلانے لگا ہو گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کے ساتھ کوریجہ کیوں استعمال ہوا اس کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ

"جب اس خاندان کے بزرگوں نے حکومت کے عہدوں کو خیر باد کہہ کر سندھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی تو وہاں کی سرزمین سے اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ انہوں نے سندھیوں کی طرز پر اپنی اولاد کے نام بھی مالکہ اور بھنبی کے بجائے شیخ بہا، شیخ بھی، شیخ کوڑا اور شیخ ناز رکھ لئے تھے۔" 1

"مناقب فریدی" کے مطابق

"کوریجہ اصل میں "کوراجا" تھا جو "کوڑا" کا سندھی تلفظ ہے اور کوڑا مزا کی طرح ہے جس کے معنی ہیں اولاد کے" 2

چنانچہ آپ کے خاندان کے بزرگ کوریجہ کہلوانے لگے۔ شاہجہان کے عہد کے ایک بزرگ شاہ نور محمد کوریجہ کا ذکر ملتا ہے جنھیں شاہجہان کے عہد میں حکومت کی طرف سے کچھ اراضی دی گئی تھی جس کا ذکر "مناقب فریدی" میں اس طرح ہے۔

"مورخہ بیست و پنجم شہر ربیع الاول 7 جلوس مطابق 1044ھ جاری شدی کہ

1- بحوالہ "خواجہ غلام فرید حیات و شاعری" از مسعود حسن شہاب، ص 28، 30 مکتبہ جدید پریس لاہور
مزید حوالے کیلئے دیکھئے (1) "دیوان فرید" (اردو) مرتبہ صدیق طاہر، ص 15 مکتبہ جدید پریس لاہور
(2) پیر مہد از ابن عبداللہ شاہ، ص 7، مطبوعہ تاج کلچر لاہور، بار اول (اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے استفادہ کیا گیا۔)

2- بحوالہ "مناقب فریدی" از شہزادہ محمد اختر، ص 46، مطبع احمد دہلی
کہ اس خاندان کے ایک بزرگ صاحب کمال تھے۔ ایک دفعہ مؤذن نے اذان کہ دن میں زیادہ ہو گیا تو مسجد پہنچے۔ کسی سے پوچھا اذان ہوئی یا نہیں۔ اس جواب پر کہ نہیں ہوئی مؤذن سے ناراض ہوئے اور کوڑے سے کہا "کور ہو" یعنی کوڑہ بکو) اور کوڑہ اذان دینے لگا۔ گلشن ابرار میں اصل عبارت یوں ہے
-- "روزے روشن گردیدہ بود کہ بر در مسجد شریف آمدہ از کے پرسید کہ اذان شدہ است یا نے بعدہ جواب گفت کہ نے اذان بر مؤذن رحمش شودہ و کوزہ کہ بر سر مسجد افتادہ بود او را فرمود "کوہو" کور در زبان سندھی کوزہ را گویند و لفظ ہو بہ ضم عربی صیغہ امر بمعنی بگو ۔۔۔۔ چوں از زبانش لفظ کوہو صدور یافت از ہماں آفتابہ گلی او از اذان بر آمد"
(بحوالہ "گلشن ابرار" قلمی فارسی، ص 271-272)

درین زمان فرمان سعادت نشان فرخنده عنوان بخریر اینکه موازی پنج هزار بیگه زمین قابل زراعت از پرگنه سکلوٹ سرکار صوبه دار الامان ملتان در وجه مدد معاش بنام خادمان کرامت نشان پیر و مرشد طریقت هادی راه حقیقت راهبر راه شریعت و معرفت، غواص بحر عرفان، زبدهٔ خدا پرستان حضرت قبله میاں صاحب مخدوم نور محمد کوریجه دام الله ذاته و شرفه سعده فرزندان از ابتدائے فصل خریف بارزشت اری بیشت 999 فصلی مقرر است ۔" 1

شاہ نور محمد کوریجہ سے شجرۂ نسب آگے مرتبط ہوا خواجہ فرید تک پہنچتا ہے نقشے کے ذریعے اس کو یوں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

2

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ خواجہ فرید کے جداامجد محمس بن مالک عرب لشکر کے ساتھ آئے اور پھر سندھ میں آباد ہو گئے ان کی اولاد کئی سالوں تک سندھ میں رہی بعد میں انہی سے ایک بزرگ

---

1 - بحوالہ " مناقب فریدی " ص 47

2 - یہ شجرہ میں مختلف کتابوں کے حوالے سے خود تیار کیا ہے۔

مخدوم زکریا سندھ سے ملتان کے نزدیک بستی "سکلوٹ" آ گئے۔ کپتان واحد بخش سیال کے مطابق

> "شیخ زکریا کے بیٹے شیخ حسن سندھ کے علاقہ ٹھٹھہ میں حکومت وقت کی طرف سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لیکن انھوں نے آخر عمر میں ملازمت ترک کر کے درویشی اختیار کی۔ ان کی بیعت سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں تھی۔ شیخ حسن کے بیٹے مخدوم زکریا سندھ سے ترک سکونت کر کے ملتان کے قریب بستی سکلوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔" 1

انھیں مخدوم زکریا کے بیٹے اور سجادہ نشین مخدوم نور محمد کوبھی بڑے صاحب کمال صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے بیٹے مخدوم محمد شریف سکلوٹ سے سمت پور کی بستی ماڑوالی میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں آپ کے ایک مرید نے آپ کے کہنے پر ایک شہر کوٹ مٹھن آباد کیا "مشائخ چشت" میں لکھا ہے کہ

> "مخدوم محمد شریف صاحب، ماڑا والی میں آ کر آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس ماڑا والی آپ کا مرید و معتقد ہو گیا۔ ایک دن آپ کا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے۔ دریا کے کنارہ پر یہ پر فضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور یہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان نے اس جگہ شہر بسانا قبول کر لیا اور مخدوم سے گزارش کی کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں اس طرح "کوٹ مٹھن" وجود میں آیا۔" 2

کوٹ مٹھن شریف میں مخدوم محمد شریف اور ان کی اولاد بہت عرصہ تک قیام پذیر رہی۔ یہ لوگ اپنے فیوض و برکات اور علم و عمل سے کافی عرصہ تک لوگوں کو نوازتے رہے۔ مخدوم محمد شریف سے آگے ان کی اولاد میں مسند خلافت کا سلسلہ چلتا رہا اور وہ لوگوں کی فلاح و بہبود کا کام انجام دیتے رہے۔ مخدوم محمد شریف کے بعد ان کے فرزند قاضی محمد عاقل مسند خلافت پر متمکن ہوئے وہ ایک بہت بڑے صوفی بزرگ تھے آپ کی تعلیم و تربیت پر آپ کے والد نے خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اپنے والد کے علاوہ شاہ فخر اور خواجہ نور محمد مہاروی سے بھی پڑھا۔ شاہ فخر سے آپ نے شرح عبدالغفور اور سواد السبیل کا درس لیا تھا۔ آخری مرتبہ جب آپ کی ملاقات خواجہ فخرالدین سے ہوئی تو انھوں نے آپ کو چار کتابیں عنایت فرمائیں جن میں

1- بحوالہ "خاصیص المعالی" ص 67
2- بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" ص 578-579

(1) مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی (2) کتاب مطول (3) سواء السبیل

(4) ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی اور اس کی شرح ، قصیدہ خمریہ اور شرح رباعیات مولانا جامی اور لوامع وغیرہ شامل تھیں۔[1]

خواجہ نور محمد مہاروی سے آپ اوچ میں بیعت ہوئے۔[2] اور ان سے آپ نے خدمت کی سند لی شروع میں آپ لوگوں کو بیعت نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں خواجہ مہاروی کے کہنے پر آپ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔ تو ہزاروں عقیدت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔[3]

خواجہ محمد عاقل نے علم حاصل کرنے کے بعد کوٹ مٹھن شریف میں مدرسہ قائم کیا جہاں بڑے بڑے عالم درس و تدریس کا اہم کام انجام دیتے تھے۔ خود خواجہ صاحب بھی سو سے زیادہ طلبا کو درس دیا کرتے ۔ صاحب تکملہ سیرالاولیاء کے مطابق

" درس و تدریس سے آپ کو (خواجہ محمدعاقل) خاص دلچسپی تھی تدریس کے لئے آپ نے متبحر عالم مقرر کر رکھے تھے جو طلباء تعلیم پاتے تھے ان کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور انہیں کھانا لنگر سے دیا جاتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے چاچڑاں منتقل ہوئے تو دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم رہے اور لنگر بھی دونوں جگہ جاری رکھا۔ طلباء کو ایک دو سبق خود بھی پڑھاتے تھے۔ جن کتابوں میں سے آپ کا درس سننے کا اتفاق راقم کو ہوا ان میں شرح ہدایہ، حکمت میر ہاشم، شرح عقائد، معانی مطول بر خیالی ، مطول و تلویح و توضیح ، شیخ الاسلام و نور محمد مدقق بر مقدمات اربع و شرح وقایہ مع حواشی و ہدایہ و شرح مواقف حد مطول و ز واحد ثلاثہ ۔ حدیث شریف میں مشکوٰۃ و احیاء العلوم و بعض صحیح بخاری اور تصوف میں لوائح و شرح قصیدہ فارضیہ خمریہ و سواء السبیل و تسنیم و فصوص الحکم ۔ کتب حدیث اور تصوف میں راقم یا تو سامع ہوتا یا قاری ۔ " 4

---

1 ـ بحوالہ " مناقب المحبوبین " ص 129

2 ـ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں " مشائخ چشت " از خلیق احمد نظامی ، ص 382

3 ـ ایضاً ، ص 386

4 ـ بحوالہ " تکملہ سیرالاولیاء " از خواجہ گل محمد احمدپوری ، مترجم سید حسن شہاب ، ص 162 مکتبہ الہام بہاولپور ، 1978ء

آپ نے 8 رجب 1229ھ کو وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے میاں احمد علی سجادہ نشین ہوئے جو بڑے عالم و فاضل تھے اور علم جفر میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ آپ بھی خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت تھے۔ میاں احمد علی بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور ہر عام خاص کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے آپ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور والد کی وفات کے ایک سال ایک ماہ اور چند دن کے بعد یعنی 9 شعبان 1231ھ کو وفات پا گئے۔

خواجہ احمد علی کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے خواجہ خدا بخش مسند نشین ہوئے آپ نے اپنے دادا خواجہ محمد عاقل سے خلافت حاصل کی تھی۔ آپ نے اپنے باپ دادا کے مشن کو اسی طرح جاری رکھا۔ مدرسہ اور لنگر پہلے ہی جاری رہا۔ بلکہ آپ نے ایک دوا خانے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ مشائخ چشت میں لکھا ہے کہ

" بیماروں کی دیکھ بھال کے لئے ایک طبیب ملازم تھا۔ دوا خانہ کا بڑا اہتمام تھا۔ خود مریضوں کی دیکھ بھال اور عیادت فرمایا کرتے تھے۔" 1

آپ کے آستانے پر لوگوں کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا آپ کے لنگر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

" ان کا لنگر اتنا وسیع تھا کہ صرف مہمانوں کے گھوڑوں کے لئے بارہ من غلہ روزانہ آتا تھا۔" 2

خواجہ خدا بخش کافی عرصہ تک کوٹ مٹھن شریف میں قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں سکھوں کے مظالم سے تنگ آ کر سابق ریاست بہاولپور کی تحصیل خان پور میں چاچڑاں کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ چاچڑاں کی طرف ہجرت اور وہاں قیام کے سلسلے میں نواب بہاولپور صادق محمد خان کی خواہش بھی شامل تھی۔

چاچڑاں شریف میں ہی مخدوم خدا بخش کے ہاں اس عظیم شاعر نے 26 ذی الحجہ 1261ھ (1845ء) کو جنم لیا۔ خواجہ غلام فرید سے کسی نے آپ کی تاریخ ولادت عمر دریافت کی تو آپ نے فرمایا

1۔ بحوالہ " مشائخ چشت " از خلیق احمد نظامی ، ص 593
2۔ بحوالہ " خواجہ غلام فرید ۔ حیات و شاعری " از مسعود حسن شہاب ، ص 37

"میری ولادت روز سہ شنبہ ماہ ذی الحجہ کے آخری عشرہ اور ماہ ہو کے
پہلے عشرہ میں ساعت مشتری میں قبل طلوع آفتاب ہوئی۔" 1

آپ کا تاریخی نام خورشید عالم رکھا گیا۔ لیکن بعد میں فریدالدین گنج شکر کے نام پر آپ کا نام غلام فرید رکھا گیا۔ خود خواجہ فرید فرماتے ہیں کہ

"جب میں پیدا ہوا تو حضرت محبوب الہی نے مشورہ کیا کہ اس بچے کا نام کیا رکھنا چاہئے اس پر میاں حمد و خادم نے دست بستہ عرض کی کہ حضور حضرت شیخ العالم گنج شکر بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے پس ان کا نام "غلام فرید" رکھا جائے تو بہتر ہو گا اس سے حضرت محبوب الہی بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ اچھا نام ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے تھے۔" 2

خواجہ فرید کی ولادت پر مختلف شعراء نے قطعات لکھ کر آپ کے والد گرامی کو پیش کئے صدیق طاہر نے جہاں بیلہ کے مولانا محمد خان کے تین اشعار ہفت اقطاب کے حوالے سے لکھے ہیں

شکر للہ کہ گوہر زانا
از خدا بخش شد غلام فرید
دوش ہرگوش من سروش خروش
مختلم داد طبعہ مژدہ رسید
طول اللہ عمرہ، طمرا
سعلہ اللہ کالفرید فرید 3

1۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ چہارم ص 704 مترجم کپتان واحد بخش سیال، تاریخ ولادت کے سلسلے میں مزید حوالے کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) مقدمہ "دیوان فرید" از علامہ نسیم طالوت مرتبہ مولانا عزیزالرحمان ص 20 (2) سرائیکی شاعری از کیفی جامپوری ص 265 مطبوعہ سرائیکی بزم ملتان 1969ء (3) "دیوان غلام فرید" مرتب خواجہ احمد فریدی ص 23 ان سب نے "مقابیس المجالس" کے حوالے سے اس تاریخ پیدائش کو مستند مانا ہے کیونکہ مولانا رکن الدین مرتب "مقابیس المجالس" کا خواجہ غلام فرید کے ہاں آنا جانا تھا جبکہ خواجہ فرید کے کئی سوانح نگاروں نے 25 ذی الحجہ کی بجائے 26 ذیقعد 1261ھ خواجہ صاحب کی تاریخ ولادت لکھی ہے ان میں (1) دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مرتبہ صدیق طاہر، ص 18 (2) پنجابی ادب دی کہانی از عبدالغفور قریشی ص 386 (3) پنجابی کے پانچ قدیم شاعر از شفیع عقیل ص 156 مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی اشاعت اول 1970ء (4) اوجھر شب چراغ از محمد انور فیروز ص 3 مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور بار اول 1919ء (5) پنجابی ادب کی مختصر تاریخ از محمد حسین قریشی ص 100 قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے خواجہ فرید کی تاریخ پیدائش 1846ء لکھی ہے (ملاحظہ فرمائیں "بہت بہار" ص 28)

مسعود حسن شہاب نے مناقب فریدی کے حوالے سے ایک قصیدے کا یہ مطلع درج کیا ہے۔

زہے گوہر خاندان فرید
دہد با مہی قدر و عرش مزید [1]

خواجہ فرید چار برس کے تھے تو والدہ فوت ہو گئیں آٹھ برس کی عمر میں والد وفات پا گئے[2]۔ آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ذمہ آپ کے بڑے بھائی خواجہ فخرالدین نے اٹھایا۔ والد کی وفات کے وقت جبکہ خواجہ فرید کی عمر آٹھ سال تھی ان کے بھائی خواجہ فخرالدین 35 سال کے ہو چکے تھے[3]۔ آپ حضرت خواجہ فخرالدین 1234ھ میں پیدا ہوئے اور تعلیم اپنے والد ماجد خواجہ خدا بخش سے حاصل کی " مطابیب المعالی" حصہ پنجم (قلمی) میں لکھا ہے

" مولانا غلام فخرالدین اوحدی جواز والد ماجد خود در قلیل مدت قرآن کریم و کریما ، نام حق ، پند نامہ ، تحفہ صالح ، گلستان ، بوستان ، بہار دانش ، انوار سہیلی ، سکندر نامہ بوی ، بحیی ، رسائل قشریہ ، کشف المحجوب عوارف المعارف و کتب صیغہ دینیہ ، صرف و نحو ، منطق ، اصول ، معانی و ادب تفسیر و احادیث ، فقہ و علم الکلام و کتب تصوف را آموختند " [4]

حصول علم کے بعد خواجہ فخرالدین نے اپنی زندگی درس و تدریس اور دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تدریس کے سلسلے میں ان کی ساری عادتیں اپنے والد محترم جیسی تھیں سوائے اس کے کہ خواجہ خدا بخش تو زیادہ تر مروجہ درسی کتابوں کی تعلیم دیتے تھے جبکہ حضرت فخرالدین اوحدی زیادہ تر احادیث فقہ اور تفسیر کا درس دینا پسند کرتے تھے۔ مطابیب المعالی میں لکھا ہے

" حضور خواجہ الاہ اللہ تعالی بہاقہ فرمودند کہ عادات و عبادات و اشغال اوقات آنحضرت صاحب الوصال مثل حضرت خواجہ محبوب الٰہی بودند صرف در

---

1 - " خواجہ غلام فرید حیات و شاعری " از مسعود حسن شہاب ، ص 35

2 - لیکن ڈاکٹر شکیل لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ خدا بخش کی وفات کے وقت خواجہ غلام فرید کی عمر نو سال تھی الفاظ یہ ہیں [illegible]

3 - اشارات فریدی (فارسی) حصہ دوم ص 71 مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ 1321ھ کے مطابق " وقتیکہ حضرت محبوب الٰہی وفات یافتند حضرت صاحب الوصال سی و پنج[35] سالہ بودند و من هشت سالہ بودم "

4 - " مطابیب المعالی " فارسی (قلمی) حصہ پنجم ص 106 (یہ نسخہ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے حاصل ہوا۔)

"چند احوال لائق بے نمود۔ آں در وظیفہ درس طلبا کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمیع کتب متداولہ درسیہ را درس میداد و درس ایشاں کتب قواعد درسیہ کم و کتب احادیث شریف مثل صحیح بخاری و مشکوٰۃ و غیر ہما و کتب فقہ و تفاسیر بکثرت متداول بودند و سبق حدیث شریف فرض بودی۔" 1

اشارات فریدی میں بھی لکھا ہے کہ حضرت فخرالدین شاعری بھی کرتے تھے لیکن والد محترم کے خوف سے چھپاتے تھے حالانکہ انھوں نے ان مشاہیر شعراء کے تخلص پر اپنا تخلص رکھا جن کے نام تو بہت مشہور تھے لیکن ان کے دیوان یہاں غائب تھے۔ حضرت فخرالدین نے شیخ اوحدی اصفہانی کے تخلص پر اپنا تخلص اوحدی رکھا۔ ایک روز جبکہ عرس کی ایک مجلس میں قوال فخرالدین کی یہ غزل گا رہے تھے

شعلہ عشقت چو از آتش دل ما سوختہ ✻
زد علم عشق ز دل کسی و کافرا سوختہ

تو آپ کے والد حضرت قبلہ محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش نے ان سے دریافت کیا کہ یہ غزل کس کی ہے۔ چونکہ حضرت فخرالدین نے قوالوں کو نام بتانے سے منع کر رکھا تھا اس لئے انھوں نے اوحدی اصفہانی کا نام بتایا اس پر حضرت نے فرمایا

"بیشک کلام شیخ کامل است و من در حق خود دعائے برکت دانستم" 2

ظاہر ہے کہ اس طرح تحسین کے سزاوار دراصل حضرت فخرالدین تھے کیونکہ یہ غزل شیخ اوحدی اصفہانی کی نہیں فخرالدین اوحدی کی تھی۔ اوحدی کا دیوان بہت عرصے تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اسی لئے ان کے بہت سے تذکرہ نگاروں نے ان کے کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نایاب ہے۔[3] لیکن اسد نظامی نے مکتبۃ الجمال حیاتاں ملتان کے زیر اہتمام اسے "دیوان اوحدی" کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ دیوان فارسی میں ہے اور کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فخرالدین اوحدی کو شعر گوئی پر دسترس

1۔ بحوالہ "اشارات فریدی" حصہ دوم، ص 72
2۔ بحوالہ " ــ ایضاً ــ " ص 75
3۔ (1) "مظاہر المعالم" ص 72 کے مطابق آپ کا دیوان موجود ہے لیکن ملتا نہیں (2) "ذکر فرید" از محمد بشیر احمد ص 46، مطبوعہ علوی پریس لاہور میں لکھا ہے کہ ان کا مجموعہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے اس میں نمونے کے طور پر ایک شعر دیا گیا ہے۔

حاصل تھی۔ حقیقت اور مجاز دونوں قسم کے موضوعات ان کے کلام میں موجود ہیں فارسی زبان و بیان پر انہیں قدرت حاصل تھی مثلاً یہ اشعار دیکھئے، جملہ محاسن شعری ان میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں

ای حسن جهانسوز تو غارتگر جانها	حیران جمال تو همه پیر و جوان است (دیوان احمدی
از نرگس مستانۀ تو در شور و فغان اند	گر ساقی و گر ساغر و گر پیر مغان است ص 25)

نقاب زلف چو از رخ کشود عالم سوخت	چو برق عشق درخشید جان آدم سوخت
فغان ز نرگس مخمور و فتنه انگیزت	که یک کرشمۀ او رخت شادی و غم سوخت
چو شعلۀ جمال تو در جنت افتاد	گل و صنوبر و سنبل جان شبنم سوخت (ص 32)

ز سودای سیه زلف تو من دیوانه خواهم شد	ز افسون دو چشم مست تو افسانه خواهم شد
نقاب زلف گر از روی آتشناک بگشائی	ز دیدارت ز خود و ز دو جهان بیگانه خواهم شد
چو زاهد دید چشم مست تو گفتا که من آخر	خراب از بادۀ آن نرگس مستانه خواهم شد (ص 56)

همه عالم شده حیران و مدهوش	چو قدر حسن خود را عام کردند
جمال شاهد و ساقیست آنجا	بمستی باده را بدنام کردند (ص 57)

نه سروی چون قد رعنای تو در بوستان خیزد	نه ماهی چون رخ زیبای تو بر آسمان خیزد
نقاب زلف را واکن که از شوق جمال تو	فغان و ناله در هر لحظه از پیر و جوان خیزد (ص 58)

باشد ناز دلبرم چون بحسن خرام کرد	سرو میان سجده ها از پی احترام کرد
ای جان سوخته من کافر چشم مست تو	محو جفا مسلمان از مه علی الدوام کرد (ص 67)

زروی بر مکن زلف دو تارا	بمشتاقان نما حسن دل آرا
کشی این پردۀ پوشیده چه باشد	ز حسنت هر طرف افتاد غوغا
فغان زین نرگس جادو فریبت	ربوده دل ز مشتاقان به یغما (ص 6)

چه تاثیر است یارب آن جمال دلبر ما	هر آنکو بنظر بیند شود آشفته و شیدا
فغان زین نرگس مخمور و خیال آلوده جادو که	بیک غمزه بران جنگ صد خانه دلها (ص 13)

ببکشی پردۀ زلفت کنی بر عارض رخشان	چو افتاد است از حسنت نگارا هر طرف غوغا (ص 14)

دلبرا سوی فدا جلوه گر اشبه ما	مشکی که کند در صد ما بحر خدا (ص 15)

نسیم زلف او عطف و حد عدالت چین / گل با غنچه چشمش لاف ... دل و دین
[illegible]

الصحبة عالم افروز ... و ...
[illegible] (ص 15)

ما که آتش عشق ... سوخته جان مرا / شراب ... عاشقان مرا
[illegible]
[illegible] (ص 20)

عشق ... در دلم ... پیدا کند / ... در آشنا ... کند
[illegible]
[illegible] (ص 74)

حضرت علامہ نبی نے اپنے بھائی کی ساتھ بھی عقیدت اور محبت تھی۔ خاص الخاص میں جا بجا بھائی کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ ان کے کلام میں بھی شعراء میں اوحدی سے عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اردو دیوان سے چند مثالیں دیکھئے

[illegible] (ص 33)
[illegible] (ص 44)
[illegible] (ص 52)

شعراء میں سے عقیدت و محبت کا اظہار صرف اردو کلام میں ہی نہیں ہے بلکہ سرائیکی شاعری میں بھی جا بجا ملتا ہے۔ چند مثالیں یہ ہیں

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

چشماں فخرالدین مٹھل دیاں — نیں مینں کیتا چیر

کھول کھتاں میں فخر جہاں کی — مصحف حسن تفسیر

فخرالدین مٹھل دے شوقوں — دم دم شکلم درد

حسن پرستی کھات اساڈی — راز حقائق بات اساڈی

رمز حقائق عادت اساڈی — فخر جہاں ایہا ریت سکھائی

اپنی ایک مشہور کافی

مٹھل دلبر شکل جہاں آیا — ہر صورت حسن عیاں آیا

میں خواجہ فرید نے اصحاب اور شہدا کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا وہاں بھی خواجہ فرید اپنے مرشد فخر الدین کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں

کتھے حسن حسین شہید بنیا — کتھے مرشد فخر جہاں آیا

جب خواجہ فرید کی عمر ساڑھے تین سال کی ہوئی تو آپ کے والد نے خواجہ تاج محمود، جو کہ آپ کے چچا تھے آپ کی رسم بسم اللہ خوانی کرائی۔[1] خواجہ غلام فرید بچپن سے ہی ذہین تھے چنانچہ آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ مناقب المحالس کے مطابق

"حفظ قرآن حکیم میاں جی صدرالدین نے شروع کرایا لیکن ان کی وفات کے بعد میاں جی محمد بخش نے ختم کرایا۔" 2

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد عربی اور فارسی تعلیم کے علاوہ درس نظامی کی تکمیل بھی کی۔[3] اسی دوران والی ریاست بہاولپور نواب صادق محمد خان آپ کے ہاں سے آپ کو لے کر تعلیم و تربیت کی غرض سے شاہی محل احمد پور شرقیہ لے گئے آپ کے ساتھ آپ کے ماموں ملک غلام محمد اور استاد مولانا قائم الدین بھی گئے۔ شکلہ نے ان کی مختلف علوم کی تحصیل کے متعلق یوں لکھا ہے

1- آپ کی رسم بسم اللہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب آپ کے چچا خواجہ تاج محمود نے رسم ادا کرتے ہوئے کہا "الحمد فرید الف" آپ نے اسی طرح یہ الفاظ دہرائے کہ "الحمد فرید الف" چچا نے پھر وہی الفاظ دہرائے آپ نے جب دوسری تیسری مرتبہ بھی وہی الفاظ دہرائے تو خواجہ تاج محمود پر وجد طاری ہو گیا اور وہ زانو پر ہاتھ مار کر وجد میں وہی فقرہ دہرانے لگے۔ خواجہ خدا بخش کے کہنے پر قوالوں نے یہ مصرع قوالی کی صورت میں پیش کیا شروع کر دیا۔ حاضرین محفل پر کافی دیر وجد طاری رہی۔

2- "مناقب المحالس" ص 74 — 3- بحوالہ "پیر فرید" ص 12

"He received his formal education from several teachers in the Holy Quran from Miyan Badr-ud-Din and Miyan Muhammad Bakhsh Bhoja, in works of poetry from Maulavi Khwaja Hafiz, Miyan Ahmad Yar Bhoja, and Miyan Barkhurdar Muttaqi and in Arabic instructional books from Maulavi Qaim-ud-Din." 1

سولہ سال کی عمر تک آپ تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ علامہ نسیم طالوت کا بیان ہے کہ

"تھوڑی ہی مدت میں علوم مروجہ سے فارغ ہو گئے تھے۔ بچپن ہی سے مجاہدات و ریاضات میں لگا دئیے گئے تھے۔ طلب علم اور مطالعہ کتب بھی اگرچہ ایک بہت بڑی ریاضت تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ اوراد و وظائف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔" 2

خواجہ فرید نے تیرہ برس کی عمر میں اپنے بڑے بھائی خواجہ فخرالدین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ محمد بشیر اختر لکھتے ہیں

"حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ جب علم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تو روحانیت کا وہ مادہ جو بچپن ہی سے آپ کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا یک دم ابھرا اور آپ کو حضرت فخر جہاں علیہ رحمۃ جو آپ کے برادر کلاں بھی تھے سے بیعت ہونے کا شوق غالب ہوا۔ اس شوق نے مجلس و بیقراری کی صورت اختیار کر لی۔ جب عمر بھی مہاروی و سجادہ امام بخش صاحب مہر والہ کے شیخ اسعد ... گزار گئی تو حضرت فخر جہاں علیہ رحمۃ نے شوق ملاحظہ فرما کر حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دست حق پرست پر بیعت فرما لیا۔" 3

اس طرح آپ نے تمام ظاہری و باطنی علوم ان سے حاصل کئے علامہ طالوت کے مطابق

"بیعت کی گود میں آپ نے آنکھ کھولی اور محبت حق کے گہوارے میں ہوش

1-"The Teachings of Khwaja Farid" by C.Shackle, P-6,7 published by Bazme Saqafat, Multan, in 1978.

2- اشارات فرید مرتبہ عزیز الرحمان، ص 20

3- [illegible]، ص 40

پائی۔ بادۂ عرفان آپ کا محبوب مال تھا اور حقیقت و ایقان شاہد حال۔
ابھی آپ سولہ سترہ سال ہی کے تھے کہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں کمال
حاصل ہو گیا۔" 1

بیعت ہونے کے بعد آپ نے مرشد سے تعلق کو عشق و محبت کی وارفتگی میں بدل دیا چنانچہ خود خواجہ صاحب کے کلام سے اس والہانہ عقیدت و محبت کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ جب خواجہ صاحب نے تعلیم مکمل کر لی تو خواجہ فخرالدین کے ساتھ مل کر علوم ظاہری و باطنی کی تدریس شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے یہاں علوم دینیہ کے شائقین کا دن رات ہجوم رہتا۔ آپ اعلیٰ کتب حدیث، فقہ اور تصوف کا درس دیتے۔ آپ کو ہر موضوع اور ہر مسئلے پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ کسی بھی موضوع پر گفتگو بغیر کسی تیاری کے بڑی فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے "فقر فرید" کے مطابق

"عوارف المعارف، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، سہ مراتب، تحفۂ مرسلہ،
لوائح شرح، فصوص الحکم، جواہر جلالی، جامع العلوم، کشکول کلیمی جیسی
اعلیٰ کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتیں اور ان کے خواص بیان کرتے وقت
علمائے عصر کو دنگ کر دیتے۔" 2

خواجہ فرید تقریباً دس سال تک اپنے بھائی کی زندگی میں درس دیتے رہے جب آپ ستائیس سال کے ہوئے تو 5 جمادی الاوّل 1266ھ میں آپ کے بھائی کا انتقال ہو گیا چنانچہ مرشد کے انتقال کے بعد آپ مسند نشین ہوئے اس موقع پر نواب صادق محمد خاں عباسی نے آپ کی دستار بندی کی رسم ادا کی۔ مسند نشینی سے پہلے ہی آپ اپنے تبحر علمی اور درس و تدریس کے باعث اس قدر شہرت حاصل کر چکے تھے کہ لوگ دھڑا دھڑا آ کر بیعت کرنے لگے اور آپ کی درسگاہ میں شائقین علوم کا ہر وقت تانتا بندھا رہنے لگا۔ علامہ طالوت کے مطابق

"آپ کا آستانہ عالیہ جہاں ایک طرف طالبان علوم دینی کا مرجع تھا وہاں
دوسری طرف تشنگان طریقت کے لئے سرچشمۂ فیوض و برکات تھا۔ بے شمار مخلوق
آپ کی ذات قدسی آیات سے اکتساب انوار کرتی رہی اور عوام و خواص آپ کی

1۔ مقدمہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیز الرحمان، ص 22
2۔ بحوالہ "فقر فرید" از محمد بشیر اختر، ص 48، ہوش پریس لاہور

نظر شفقت اثر سے عشق و محبت حقیقی کے درس لیتے رہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں بندگان خدا حلقہ ارادت میں داخل ہو ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوتے رہے اور ہند و سندھ کے عامۃ الناس کا رجوع آپ کے کی عتبہ عالیہ کی طرف ہو گیا۔" 1

نور احمد فریدی خواجہ غلام فرید کے وقت میں مذہبی جوش و خروش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"حضرت خواجہ عاقل محمد صاحب نے کوٹ مٹھن میں جس دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی اس وقت یہ پورے بہار پر تھا جانشینان اقوات و اقطاب کا شہر تھا۔ اس کے ہر محلے کے کوچے اور ہر کوچے کے سرے پر کوئی نہ کوئی مسجد ضرور تھی۔ جس میں باجماعت نماز ادا ہوتی تھی۔ فرید محلہ کی مسجد میں علماء اور طلباء مل کر نماز پڑھتے تھے۔ جامع مسجد معینیہ، فقریہ مسجد، ناز کی مسجد اور فریدیہ مسجد پانچوں وقت نمازیوں سے بھر جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور مسجد حضرت مولانا قاضی خان محمد صاحب کی تھی۔ دوسری [illegible] حسن شاہ سائیں کی تھی ان میں نماز کے وقت اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی ہر مسجد میں طلباء درس نظامی کے مطابق تعلیم پاتے تھے۔ اس سب کو فریدی لنگر سے دونوں وقت کا کھانا ملتا تھا۔ جامع مسجد کے ساتھ مدرسے کی عمارت تھی جس میں مولانا اللہ رکھا صاحب پڑھاتے تھے۔" 2

خواجہ صاحب کی خدمت میں لوگ دور دور سے بیعت کرنے آتے جن میں دیار عرب اور دیگر ممالک بھی شامل ہیں اس طرح آپ کے سلسلہ نظامیہ چشتیہ میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی۔ آپ خاص طور پر غریب لوگوں کو جلدی بیعت سے سرفراز فرماتے جبکہ امیر لوگوں کو بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح پرکھتے تھے۔ "نظر فرید" میں لکھا ہے

"نواب قیصر خان مگسی والی علاقہ جھل اسی زمانہ میں باریاب خدمت ہو کر استدعائے بیعت کرتا ہے مگر حضور انکار فرما دیتے ہیں آخر چند بار اصرار کے بعد وہ طے کرتا ہے کہ اگر حضور نے مجھے شرف بیعت نہ بخشا تو میں خودکشی

1۔ مقدمہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیزالرحمان، ص 23
2۔ "دیوان فرید" از نور احمد فریدی، ص 119-120

کر لیں گا جب اس کی عقیدت اس حد کو پہنچ گئی تو پھر کہیں جا کر
حضرت نے اسے بیعت سے سرفراز کیا۔ اس کے برعکس حضرت فرید علیہ رحمتہ
غریبا طبقہ کو فوراً اپنے سلسلہ ارادت میں قبول فرما لیتے تھے۔" 1

مسجد شمس تعمیر ہونے کے چار سال بعد (1292ھ میں) آپ نے زیارت بیت اللہ شریف کا ارادہ کیا چنانچہ آپ 21 شوال 1292ھ کو چاچڑاں سے سو افراد کے ہمراہ حج کی نیت سے بمبئی کے راستے روانہ ہوئے۔ آپ کے سفر حج کی تفصیل جو سید عبدالرحمان نے نور احمد فریدی کو فراہم کی ہیں وہ تاریخ وار اس طرح ہیں۔

(1) 21 شوال 1292ھ ، حضرت 80 رفقاء کے ہمراہ چاچڑاں شریف سے روانہ ہوئے (2) 23، 24 شوال دو یوم ملتان میں قیام رہا اور تمام اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر رفقاء سمیت حاضری دی (3) 27 شوال لاہور پہنچے۔ نماز جمعہ داتا صاحب کی مسجد شریف میں ادا فرمائی (4) یکم ذیقعدہ دہلی پہنچے۔ جامع مسجد میں قیام فرمایا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء اور دوسرے اولیاء اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے مہرولی کی جانب تشریف لے گئے (5) 4 ذیقعدہ مہرولی سے دہلی واپس آ گئے (6) 5 ذیقعدہ جے پور پہنچے۔ وہاں سے اجمیر تشریف لے گئے (7) 14 ذیقعدہ بمبئی پہنچے (8) 21 ذیقعدہ جہاز پر سوار ہوئے (9) یکم ذی الحجہ جدہ پہنچے اور پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے (21 ذی الحجہ تک قیام مکہ مکرمہ اور منیٰ و عرفات میں مناسک حج کی ادائیگی) (10) 22 ذی الحجہ مدینہ شریف کو روانہ ہوئے (11) 3 محرم الحرام 1293ھ کو مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت شمس آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ مبارکہ پر حاضری کا شرف حاصل کیا۔ (12) 19 صفر المظفر جدہ سے وطن کو روانگی عمل میں آئی۔ (13) 14 ربیع الاوّل کو چاچڑاں شریف واپس تشریف لے آئے ۔[2]

حج کے موقعے پر عام طور سے لوگ درود و سلام اور عبادات میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ان کے مشاہدے میں نہیں آتیں لیکن خواجہ صاحب کی حس مشاہدہ اس قدر تیز تھی کہ انھیں

1- بحوالہ "فکر فرید" ص 52
2- ملاحظہ فرمائیے "دیوان فرید" مترجم و شارح نور احمد فریدی ص 37، 38 مطبوعہ "قصر الادب" ملتان۔

نے اس موقع پر بھی اس سے بھرپور کام لیا اور کعبہ مشرفہ کے المراد و میزاب اور دیگر تفصیلات و جزئیات کا مشاہدہ بنظر عمیق کیا۔ مطالعہ حرم کعبہ کے اکتالیس دروازوں کا مشاہدہ کرکے یہ انکشاف کیا کہ ہر دروازہ کسی مخصوص شیخ اور صوفی کا مسکن رہا ہے۔ "مقابیس المجالس" میں لکھا ہے

"... فرمودند کہ ہر ایک مشائخ عظام را یک یک باب و مسکن دراں مقرر است و بر اسطوانات نام آں مشائخ کرام کہ آنجا ساکن بودہ اند نوشتہ شدہ [illegible] است ۔۔" 1

خواجہ فرید سیر و سیاحت کے بھی بے حد شوقین تھے۔ آپ نے کئی شہروں میں اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دی اور کئی بزرگان دین سے ملاقات کی محمد انور فیروز کے مطابق

"آپ نے سات بار زیارت روضہ مطہرہ حضرت خواجہ بزرگ کا شرف حاصل کیا۔ تین بار میاں محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ احمدآبادی سے ملاقات کی۔ جو بڑی عمر کے درویش تھے اور خواجہ کمال الدین صاحب علامہ قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد سے تھے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں کی سیر کی اور ہر ایک جگہ کے بزرگان دین سے ملے۔ سلسلہ مزارات اولیاء اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی و حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہم کی روحانیت سے احسن طور پر فیضان حاصل کیا۔ سو آدمیوں کے ہمراہ حج بیت اللہ و زیارت روضۂ رسول اللہ سے مشرف ہوئے۔" 2

خواجہ غلام فرید لکھنؤ بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپ نے مولوی عبدالحئی اور مسجد احمدخانی دیکھی کو دیکھا تھا۔ "مقابیس المجالس" میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔

"جب ہم (خواجہ فرید) لکھنؤ گئے تو دل میں خیال آیا کہ مولوی عبدالحئی کو جو بڑے متبحر عالم تھے دیکھنا چاہئیے جب ہم سلسلہ ترقی مکان پہنچے تو دیکھا کہ اپنے مکان میں سوئے ہیں۔ ہم نے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسی طرح دیکھ کر واپس آ گئے۔ تیس چالیس سال عمر کے جوان عالم ہوتے تھے۔

1۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" جلد سوم، ص 54
2۔ بحوالہ "گوہر شب چراغ" از محمد انور فیروز ، ص 22-23

داڑھی سیاہ تھی اور قد کوتاہ۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے سید احمد خاں نیچری کو دیکھا ہے لیکن ان دونوں آدمیوں کو ہم نے بطور اجنبی اور غیر متعارف ہو کر دیکھا ہے اس کے بعد راقم نے عرض کیا کہ حضور مولوی عبدالحئی اور سید احمد خاں نیچری کے رتبہ علمی میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا سید احمد خاں صرف ایک دانا اور عقلمند آدمی ہے اور مولوی عبدالحئی صاحب عالم متبحر اور فاضل جلیل تھے جو تمام علوم خواہ صرف ہو یا نحو، بدیع ہو یا بیان، منطق ہو یا معقول، تفسیر ہو یا حدیث، تمام میں ماہر تھے۔۔۔[1] "

یہاں تو خواجہ فرید نے سرسید احمد خاں کو دیکھنے کی بات کی ہے لیکن بعد میں ایک اور محفل میں آپ نے سرسید احمد خاں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی محفل میں نواب نصر خاں مگسی نے سرسید احمد خاں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ

" صاحب ہی اچھے آدمی تھے اور ان کے چہرے سے برکت ٹپکتی تھی۔ ان کا اسلام کے کسی فرقے سے اختلاف نہیں تھا اور ہر فرقے کو اچھا کہتے تھے ان کے والد شاہ ابوسعید دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ شاہ ابوسعید شاہ غلام علی دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید و خلیفہ تھے۔ میں نے سید احمد خاں سے پوچھا کہ آپ نے بھی کسی بزرگ کے ساتھ بیعت کی ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ بیعت نہیں کی اگر کسی سے بیعت کی ہے تو ان کے ساتھ کی ہے (یعنی ابو سعید کے ساتھ) جن کی شکل و صورت فراموش نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب میں نے ان سے ملاقات کی تو انھوں نے مجھے کرسی پر بٹھایا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے اسی اثنا میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر خیر اور اصحاب کبار کرام کی محبت کا ذکر ہوا تو بات کرتے ہوئے وہ رو رہے تھے اور آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری تھے کہ ریش تر ہو گئی تھی اور قطرے نیچے ٹپک رہے تھے اور کمال شوق اور جوش سے ہائے نعرے بھی اس طرح مارتے تھے کہ جیسے کوئی وطن کی بات مارتا ہے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی اس کے بعد فرمایا

1۔ بحوالہ " مقابیس المجالس" اردو ترجمہ از کپتان واحد بخش سیال، ص 525

کہ سید احمد کا 1315ء میں میں انتقال ہوا۔"[1]

میر احمد فیضی کے مطابق خواجہ فرید ہر سال بہار کے موسم میں اپنے خاص خاص اسباب کے ساتھ چاچڑاں شریف سے ملتان بڑی شان کے ساتھ آیا کرتے۔ خواجہ فرید 1314ھ میں ربیع الثانی کے مہینے میں بھی ملتان تشریف لائے تھے اور 17 ربیع الثانی کو اپنے خادمین اور متعلقین کے ہمراہ تین بگھیوں پر سوار ہو کر شاہ رکن عالم کے مزار پر حاضری دی اور 23 ربیع الثانی کو بھی اپنے متعلقین اور خدام کے ہمراہ تین بگھیوں پر سوار ہو کر حرم دروازہ، پاک دروازہ، دہلی دروازہ اور باغ عام و خاص سے ہوتے ہوئے بہاء الدین زکریا کے مزار پر حاضری دی اس کے بعد پاک دروازے جا کر موسیٰ پاک شہید کے مزار پر حاضری دی اور وہاں کے سجادہ نشین مخدوم صدر الدین سے ملاقات کی۔[2]

بہت سی کتابوں کے مطالعے، ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت اور سفر حج کی بدولت آپ کی معلومات میں بھی کافی اضافہ ہوا تھا۔ مقابیس المجالس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی معلومات عامہ وسیع تھیں مثلاً ایک دفعہ قدیم شہروں کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ

> "شہرا[3] مراو زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تعمیر ہوا۔ شہر جیسلمیر (جو اب بھارت میں ہے۔) بھی قریب آٹھ سو سال ہوئے تعمیر ہوا تھا۔ پتن[4] بھی قدیم شہر ہے۔"[5]

خواجہ صاحب کی تاریخی اور جغرافیائی معلومات اتنی وسیع تھیں کہ اکثر موقعوں پر فی البدیہہ گفتگو کرتے تھے کہ دینی علماء و مشائخ حیران رہ جاتے۔ پھر موقع بہ موقع دنیا کی مختلف اقوام، مذاہب اور جگہوں کے بارے میں تفصیل سے بتاتے۔ اس سے آپ کی ذہانت اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ

> "مغل بھی ترک ہیں اور چنگیز خان کی اولاد میں پھر فرمایا کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان بڑے ظالم بادشاہ تھے۔ انہوں نے ماوراء النہر، سمرقند، بخارا،

1۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ چہارم، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 795

2۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "مقابیس المجالس" حصہ دوم مترجم واحد بخش سیال ص 424، 428 تا 630

3، 4۔ یہ دونوں شہر بہاولپور کے علاقہ پاکستان میں واقع ہیں۔

5۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ دوم مترجم واحد بخش سیال، ص 312، 313

غزنی، بغداد وغیرہ کو ظلم و ستم سے تاراج کیا اور لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے اس کے بعد سلطان احمد مسلمان ہوا۔ اس کے بعد تیمور آیا تو ساری دنیا میں ترک مذہب سے زیادہ کثیر تعداد میں ہیں۔ مشرقی ممالک یعنی چین اور صحرائے تبتال اور ہند، تاتار اور دیار خطا میں سب کے سب ترک ہیں اور یہی مذہب رکھتے ہیں۔ یہ سب کافر ہیں۔ حلال و حرام میں تمیز نہیں رکھتے جو کچھ ہاتھ لگتا کھا جاتے ہیں۔ یاجوج ماجوج بھی انہیں میں سے ہیں۔ سلطان سکندر نے ان کے خلاف دیوار بنائی تھی یہ ممالک عرب سے مشرق کی جانب ہیں وہاں سے نکل کر انہوں نے اسلامی ممالک پر قبضہ کر لیا۔" 1

آپ کی مجالس کے بارے میں محمد امیر خورد لکھتے ہیں کہ

"آپ کا حلقہ کچھ ایسا تھا کہ جس میں ہر مذاق کے آدمی اپنی چاہت کا سامان موجود پاتے تھے۔ ایک وقت اس میں اگر علم و حکمت کے دفتر کھلے ہوتے تھے تو دوسرے وقت تصوف اور عشق و محبت کی داستانیں بھی پڑھی جاتی ہوتی تھیں۔" 2

علامہ فہد کی اس قدر معلومات کا سبب وسیع مطالعہ ہے انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے علماء کرام اور مصنفین کی کتابوں کو پڑھ رکھا تھا نہ صرف پڑھا تھا بلکہ انہیں حافظے میں محفوظ بھی رکھا تھا اسی طرح موقع بہ موقع حسب ضرورت جس قسم کی بات ہو رہی ہوتی علامہ فہد اسی مناسبت سے کتب کا حوالہ دے کر بات کو تحقیقی اور مدلل انداز میں پیش کرتے۔ آپ کی مجالس میں بے شمار مسائل زیر بحث رہتے اور حضرت علامہ نظام فہد ان موضوعات پر عبارات کاملہ سے گفتگو فرماتے۔ آپ کی مجلس میں دینی و دنیاوی، شرعی، تاریخی ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے اور آپ اہل علم و فضل کی ضرورت کسی موضوع کو تشنہ نہ رہنے دیتے۔ آپ کی مجالس جن کا ذکر مولوی رکن الدین نے "نفائس المآثر" کی صورت میں محفوظ کیا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ایک وسیع المطالعہ شخص تھے۔ ملفوظات اکابر کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ فہد ان کی کتابوں اور ان کی تعلیمات کے حوالے سے بات کرتے۔ ان میں علماء، صوفیاء اور متکلمین کا ذکر ہے کچھ بیان کیا ہے ان میں حضرت حلاج، ابن العربی، عبدالکریم الجیلی، جامی، فلسفیہ الثانیہ، ارسطو،

1۔ بحوالہ "نفائس المآثر" حصہ چہارم، مترجم واحد بخش سیال، ص 343

2۔ بحوالہ "[illegible]" ص 29

امام غزالی ، عبدالرحمان جامی ، معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی ، اور فرید الدین گنج شکر وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی مجلسوں کے حوالے سے بہت سی کتابوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جنھیں پڑھ کر آپ شرکاء کو مسائل سمجھاتے یا انھیں ان کتابوں کے متعلق بتایا کرتے۔ یہ کتابیں زیادہ تر تصوف کے موضوع پر ہیں جن میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔۔۔ دلیل العارفین، عزیمۃ الاسفیاد، مراۃ الاسرار، اخبارالاخیار، اقتباس الانوار، نفحات الانس، سواد السبیل، شرح گلشن راز(مثنوی) ، کلمۃ الحق، مصباح الہدایہ، کتاب تفریحۃ النظام، مراۃ العارفین، کتاب ہدایہ، سراجی ، فتح الغیب، کشف المحجوب، اصول کافی ، اسرار الرحمانی، کتاب مطلع العلوم وغیرہ۔

آپ صرف کتابیں پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ انھیں جمع بھی کرتے تھے۔ آپ کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ تھا جو صدیوں پہلے آپ کے آباؤ اجداد نے قائم کیا تھا اور اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس میں مطبوعہ اور قلمی نسخے بہت زیادہ تھے۔ خواجہ فرید نے ان کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کر رکھے تھے۔ نور احمد فریدی، خواجہ فرید کے کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> "حضور کو کتابیں دنیا کی ہر چیز سے محبوب تر تھیں اس لئے جب فرید محل بن کر تیار ہوا تو بالائی منزل کو کتب خانے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ ایک عالم دین لائبریرین اور ایک ماہر جلدساز تھے جو مستقل طور پر کتابوں کی جلدیں بناتے اور انھیں درست کرتے تھے۔ کتب خانے سے متصل صاحب خوب وسیع و عریض برآمدہ تھا جس میں حضور قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ یہ کتب خانہ حضرت خواجہ قطب الدین تک بھی عروج پر تھا اور اس میں مصحف اور ہر موضوع کی ہزاروں کتابیں تھیں لیکن افسوس اب کتب خانہ تو بجائے خود رہا، لوگ فرید محل کے دروازے اور کھڑکیاں تک چرا لے گئے ہیں۔۔" 1

کتابیں جمع کرنے کے شوق کے ساتھ ان کے مطالعے کا بھی بے حد شوق تھا۔ ان کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ انھیں ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ کونسا مسئلہ کس کتاب میں بیان ہوا ہے یا کہاں سے مستند حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ کتاب کا صفحہ دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ کونسی کتاب ہے اور اس کا مصنف کون ہے

1۔ بحوالہ "دیوان فرید" ص 114

مثلاً علماء نے ایک کتاب کا قلمی نسخہ پیش کیا جس کے ابتدائی اور آخری صفحات غائب تھے اس لئے پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ کون سی کتاب ہے۔ آپ نے اندرونی صفحات کو دیکھ کر فرمایا کہ

"یہ مولانا جمالی کی سیرالعارفین ہے۔" 1

کثرت مطالعہ کے باعث نہ صرف کتاب کو پہچان لیتے بلکہ اس موضوع نے آپ میں محققانہ صلاحیت بھی پیدا کر دی جو کہ ایک بڑے عالم کی خصوصیت ہے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہرگز نہیں ہوتا جو کسی بات یا کسی قول کو کتاب سے پڑھ کر اندھی عقیدت کی وجہ سے حق کا حق قبول کر لیتے ہیں اگر آپ کو اس بارے میں ذرا بھی شک ہو جاتا تو آپ اصل کی کھوج میں لگ جاتے۔ علامہ نسیم طالوت کے مطابق

> "حضور رحمۃ اللہ کو تحقیق، تجسس کا اس قدر شوق تھا کہ اگر کوئی ایسی بات سامنے آ جاتی جس کے متعلق مزید سند یا تحقیق کی ضرورت ہوتی تو جب تک حل طلب حاشیہ پوری طرح حل نہ ہو جاتا حضور کی طبیعت سکون پذیر نہ ہوتی تھی۔" 2

ایک بار منطق الطیر ملاحظہ فرما رہے تھے، مخدوم غریب شاہ صاحب نے ایک شعر کے متعلق فرمایا کہ یہ اشعار ملحقات روافض میں سے ہیں۔ جس طرح انہوں نے مولانا روم کی مثنوی روم میں کچھ بڑے اشعار شامل کر دیئے تھے۔ اسی طرح منطق الطیر میں بھی چالاکی کی ہے۔ خواجہ غلام فرید کو خلش پیدا ہوئی کہ اس کی اصل تلاش کی جائے تاکہ صحیح چیز سامنے آئے۔ آخرکار ڈیڑھ سو سال پرانا ایک قلمی نسخہ تلاش کر لائے۔ اس قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود نہ تھے جن کے بارے میں خواجہ فرید کو شک تھا اور یہ مطبوعہ نسخوں میں پائے جاتے تھے۔[3] اس طرح کی اور کئی مثالیں اشارات فریدی کے حوالے سے ملتی ہیں کہ خواجہ غلام فرید اگر کسی بات یا شعر کے بارے میں مشکوک ہوتے تو اصل کی کھوج میں لگ جاتے اور آخرکار اسے تلاش کر کے چھوڑتے۔

خواجہ فرید کا شمار با عمل صوفیوں میں ہوتا ہے آپ لوگوں کو جو نصیحت فرماتے تھے خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے۔ آپ بہترین اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ سنت نبوی پر چلنا آپ کا شعار تھا۔

1۔ ملاحظہ فرمائیے "مقابیس المجالس"
2۔ مقدمہ "دیوان فرید" مرتبہ عزیزالرحمان، ص 33
3۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "مقابیس المجالس"

غیر شرعی اور فضول رسموں اور توہمات سے آپ نفرت کرتے تھے۔ نہ صرف خود ان سے دور رہتے بلکہ دوسروں کو بھی ایسی باتوں سے بچنے کی تلقین کرتے۔ آپ اہل ظاہر کی طرح شریعت کے پابند بھی تھے اور اہل باطن کی طرح خود پر پابندیاں بھی لگا رکھی تھیں۔ آپ شریعت و طریقت دونوں کے قائل تھے۔ خواجہ غلام فرید کے بارے میں علامہ نسیم طالوت کا کہنا ہے کہ

"وہ آج کل کے صوفیہ کی طرح صرف قوال نہیں تھے بلکہ فعال بھی تھے
صرف گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ کردار کے غازی بھی تھے۔" 1

آپ ہر نفع و نقصان کو خدا کی طرف سے منسوب کرتے تھے خواجہ صاحب کی اسی عادت نے ان میں دنیاوی لذتوں سے بے نیازی پیدا کر دی تھی۔ اس لئے آپ دولت اور دنیاوی آسائشوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ اسے جمع کرنے کی بجائے فوراً مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ جود سخاوت کا مادہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ نے کبھی دولت جمع کرنے کو اہمیت نہ دی۔ ساری عمر نواب بہاولپور سے ایک پیسہ تک نہ لیا نہ ہی کسی قسم کی زمین اور جاگیر قبول کی۔ آپ کے بڑے بھائی خواجہ فخرالدین نے نواب بہاولپور کی طرف سے جاگیر قبول کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد آپ نے اس زمین میں سے کچھ نہ لیا بلکہ جو کچھ جمع تھا وہ سارا مستحقین میں تقسیم فرما دیا۔ آپ گھر میں کچھ رکھنا گناہ سمجھتے تھے جو کچھ لوگ نذرانے کے طور پر لاتے آپ اسے لوگوں میں بانٹ دیتے۔ آپ نے طلباء کے لئے ماہوار تنخواہ مقرر کر رکھی تھی اور ان کی شادی کے موقع پر انہیں ایک جوڑا اور طلائی نتھ عطا فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے لنگر قائم رکھا تھا آپ کے ہاں ہر وقت دس پندرہ امیر اور معتبر اشخاص ہوتے اور ان کے علاوہ سینکڑوں مرید اور طالب علم جمع رہتے جو آپ کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں آپ کے لنگر کے متعلق گفتگو ہونے لگی تو آپ نے فرمایا

"کہ دو ہزار روپیہ لنگر کے چوبداروں کی تنخواہ کی مد سے میرے پاس فاضل
ہے۔ اب میں نے سوچا ہے کہ یہ غریب مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لنگر
میں مہمانوں اور مسافروں کی خوراک کے علاوہ صرف لنگر کے خدام کو وظیفہ
دینے پر ایک ماہی (24 من) گندم تیسرے دن خرچ ہو جاتی ہے اور شالی
(چاول) دوسرے روز ایک ماہی ختم ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ سلطان الاولیاء

1۔ بحوالہ مقدمہ " دیوان فرید " مرتبہ عزیز الرحمان، ص 45

قدس سرہ، کے زمانے میں اس قدر غلّہ صرف مہمانوں اور مسافروں کے کھانے پر خرچ آتا تھا۔" 1

"مناقب فریدی" کے مصنف مرزا احمد اختر آپ کے لنگر خاص کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

" ایک مدرسہ دینی اور لنگر خانقاہ کوٹ شریف میں تھا اور دوسرا لنگر اور مدرسہ چاچڑاں شریف میں جس میں ساڑھے بارہ من غلّہ روزانہ صرف ہوتا۔ تیسرا لنگر ہمراہی وہ تھا جو کہ حضور کے ہمراہی فقراء و خدام و سائلین کو ملتا۔ میری عدم موجودگی میں اس کا خرچ سو روپیہ روز کا تھا۔" 2

خواجہ فرید سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے سماع اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔ ان کے ملفوظات میں جابجا سماع کے بارے میں اظہار خیال ملتا ہے۔ انھوں نے سماع کو ہر لحاظ سے روا اور جائز تصوّر کیا ہے۔ البتہ سماع کے لئے مخصوص ماحول، مخصوص آداب اور چند ایک شرائط کی پابندی ضروری قرار دی ہے۔ سماع کے جواز اور آداب وغیرہ کے سلسلے میں یہاں ہم چند باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، مثلاً "فوائد فریدیہ" کے مطابق سلسلہ چشتیہ میں سماع پوری طرح متعارف ہے اور تمام مشائخ عظام سماع سنتے رہے۔ کسی کو اس سے انکار کی توفیق نہیں ہوئی۔ سماع اللہ کی عظیم دعوت ہے بلکہ بعض اولیائے اکرام نے سماع سنتے سنتے اپنی جانیں دے دیں۔ جن میں حضرت ابو سعید خراز، حضرت ابوالحسن نوری ابوالحسن درّاج، حضرت ذوالنون مصری، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ عبدالعزیز ناگوری قابل ذکر ہیں۔ اصل عبارت یوں ہے

" در سلسلہ عالیہ چشتیہ سماع تمام متعارف است و ہمہ مشائخ عظام می شنوند کسی راجع توفیق کہ حرف انکار بر زبان راند نشود۔ باللہ معنا اگر کسی دانند سماع دعوت عالی است از انعام حق جل جلالہ، کہ جمع اولیا اللہ رضی اللہ عنہم بشنیدن سماع جان بدوست تسلیم کردہ اند چنانچہ حضرت ابو سعید خراز و حضرت ابوالحسن نوری و حضرت ابوالحسن درّاج و حضرت ذوالنون مصری و حضرت ابوبکر شبلی و شیخنا حضرت قطب الدین بختیار اوشی و شیخ عبدالعزیز ناگوری چشتی و شیخ ابوالقاسم و شیخ ابوب حمار وغیرہم رضی اللہ عنہم" 3

1۔ بحوالہ "نفائس المجالس" مصنف پنجم، مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 1032

2۔ بحوالہ "مناقب فریدی" از مرزا احمد اختر، ص 104، مطبوعہ احمدی، دہلی

3۔ بحوالہ "فوائد فریدیہ" (فارسی) از خواجہ غلام فرید، ص 28، مطبوعہ مطبع "محمدی مجتبائی" لاہور

لیکن اسی کتاب میں آگے چل کر وہ سماع کے جواز کی مزید تشریح کی گئی ہے کہ سماع نہ تو پوری طرح حرام ہے نہ حلال بلکہ اس کی حرمت کا دارو مدار عشق پر ہے۔ یعنی اگر عشق سچا ہے اور خدا اس کے رسول یا شیخ کے ساتھ ہے تو پھر حلال بلکہ واجب ہے یعنی صورتوں میں یہ حرام ہے جبکہ چند حالتوں میں مباح ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔

"سماع بدانکہ سماع نہ مطلق حرام است و نہ حلال ، و حرمت او موقوف بر عشق است اگر عشق حق است جل جلالہ، یا عشق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یا شیخ حلال است بالاتفاق بلکہ مستحب است و اگر عشق مخلوقہ شہوانیہ بود است او نیز جائز است و اگر عشق غیر مخلوقہ کہ شرعیہ است پس اگر وقت سماع خیال شہوت مرتفع است او نیز مباح است اگر خیال شہوت پیدا گردد حرام است و اگر برائے تفریح قلب شنیدہ شود هم درست است بدانکہ هر اقسام سرود و چغانہ و دف و هلا جل و طبل و شاهین و غیر هم جائزانہ سوائے مزامیر و اوتار و طبلک" 1

اسی سلسلے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

"جہاں تک سماع کا تعلق ہے فی حد ذاتہ یعنی اپنی ذات سے پاک و حلال ہے جس سماع کو حرام کہا گیا ہے وہ حرام چیزوں کے شامل ہونے سے حرام ہوا ہے۔ مثلاً جب دولت مند لوگ سماع سنتے ہیں تو شراب کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اور مجلس حیا اور بے ہودہ باتوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ مجلس سماع میں عورتیں اور بے ریش لڑکے کے شامل ہونے سے بھی سماع ناجائز ہو جاتا ہے اگر غیر شرعی چیزیں نہ ہوں تو یہ سماع حلال ہے چونکہ مشائخ عظام اپنی مجالس میں ان چیزوں کو شامل نہیں ہونے دیتے لہذا ان کا سماع اپنی اصل حالت پر آ جاتا ہے یعنی جائز ہو جاتا ہے۔"

"مجالس السالکین" جلد پنجم میں سماع کے حلال ہونے کا جواز پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"سماع حلال ہے کیونکہ سماع بالا صالتہ (بذات خود) حرام ہونے کے متعلق

1۔ بحوالہ "فوائد فریدیہ" از خواجہ غلام فرید، ص 37

2۔ بحوالہ "مجالس السالکین" از مولانا رکن الدین مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 380-400

کوئی قطعی یا ظنی دلیل قائم نہیں ہوئی جن احادیث میں سماع کے حرام ہونے کا حکم وارد ہوا ہے وہ بالعرض ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ عیش و عشرت کی مجلس منعقد کرتے تھے جس میں شراب اور لہو و لعب [مباشرت] کے شامل کرتے تھے چنانچہ جب قرآن مجید میں شراب حرام ہونے کے احکام وارد ہوئے تو ان مجالس میں سماع سمیت تمام چیزوں کی بالعرض حرمت وارد ہو گئی۔ لہذا سماع کی حرمت کا انحصار اس کی وضع و ہیئت پر ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اگر مجلس سماع میں شراب، لہو و لعب وغیرہ ہو تو بیشک یہ سماع حرام ہے۔ بذات خود نہیں بلکہ بالعرض حرام ہے لیکن اگر مجلس سماع حرام چیزوں سے خالی ہے پھر حضرات صوفیاء کرام کی مجالس سماع ہیں تو اس قسم کا سماع حلال ہے۔ قطعاً حرام نہیں نہ بالاصل نہ بالعرض۔" 1

"مقابیس المجالس" حصہ پنجم (فارسی، قلمی) کی یہ عبارت بھی قابل ذکر ہے۔

"حضور فرمودند اکنوں در زمانہ در جا ادب سماع متروک مگر در کوٹ شریف مٹھن پاک و ثابت است چنانچہ فرمودند کہ وقتی حضرت سلطان الاولیاء پیر مرشد حضرت شیخ الشیوخ العالم گنج شکر در پاک پتن تشریف بردند جمیع آنجا مراعات آداب سماع ہرگز نمی باشد تا آنکہ کور کان و زنان و ... ہنر در مجلس سماع حاضر و داخل می باشند پس حضرت ایشان مولوی گل محمد احمد پوری را کہ ہمراہ حضور بودند فرمودند کہ آداب سماع این جا متروک است در مجلس سماع داخل نہ شوی" 2

"فوائد فریدیہ" میں آداب سماع کے متعلق تین آداب تحریر فرمائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ کھانے اور نماز کے وقت سماع نہیں ہونا چاہئے دوسرے جب کوئی ایسا ناپاک ہو یا وہاں ایسی چیز موجود ہو جس کو شرع دل متوجہ ہو جائے تیسرا اور آخری یہ کہ جہاں کوئی منکر سماع موجود ہو۔3 "فوائد فریدیہ" میں ان تین آداب کے علاوہ سات دیگر آداب کا بھی ذکر موجود ہے۔ ان میں اہم یہ ہیں کہ

1۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" از مولانا رکن الدین مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 1036، 1037

2۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ پنجم (فارسی، قلمی)، ص 233 (جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری میں ساہیوال موجود ہے۔)

3۔ تصنیف ... "فوائد فریدیہ" ص 28

سماع کے شروع میں کچھ سورتوں کا ورد کیا جائے سماع کے شرکا باوضو ہوں۔ نشست کا انداز بالکل صلوٰۃ کے قاعدے جیسا ہو توجہ اشعار پر ہوتی جائیں۔ مطربان کو کوئی لالچ نہ ہو جس بحث پر وجد آئے اس کا تکرار کیا جائے اور سماع کے خاتمے کے وقت پھر اسی طرح سورتوں کا ورد کیا جائے۔[1]

خواجہ غلام فرید عرس کے دنوں کے علاوہ بھی قوالی سنتے تھے۔ خصوصاً چاشت کے وقت کبھی کبھی عشاء کے وقت بھی شوق فرماتے تھے۔ ہر ایک خاص خاص قوال تھا جس سے آپ قوالی سنتے تھے جو آپ کی کافیوں کو بھی قوالی کی صورت میں گاتا۔ خواجہ فرید کے ملفوظات میں اکثر جگہ اس کا ذکر ملتا ہے۔ بحیثیت صوفی خواجہ صاحب سماع میں دلچسپی لیتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بحیثیت ایک شاعر ایک عاشق صادق اور ایک ذوق جمال رکھنے والے فرد کی حیثیت سے موسیقی اور رقص میں بھی گہری دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ ان کے ملفوظات سے ایسے بہت سے شواہد ملتے ہیں کہ وہ موسیقی اور رقص سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس کے اسرار و رموز سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ رقص آپ کے نزدیک وجد میں آ جانے کے بعد کی کیفیت ہے۔ جب دل پر قابو نہیں رہتا۔ مقابیس المجالس میں لکھا ہے کہ

"کسی نے عرض کیا کہ حضور یہ وجد و رقص اور چیخیں کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا ہوتی ہے فرمایا پہلے عشق دل کو ہوتی ہے اس کے بعد بدن کو ہوتی ہے۔ اگر دل کو عشق کم ہے تو اس کا ضبط کرنا آسان ہوتا ہے اس وقت رقص کی نوبت نہیں آتی جب عشق کا دل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کا رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اس سے رقص وجود میں آتا ہے۔" [2]

اسی طرح موسیقی اور راگ و نغمہ کے اثر اور اسرار و رموز سے بھی آپ پوری طرح واقف تھے راگ کے موثر ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"راگ کی طرح دنیا میں کوئی چیز موثر نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ پیر کی ذات مبارک موجود ہو۔" [3]

راگ کی مختلف قسموں کے بارے میں آپ کی معلومات کافی وسیع تھیں مقابیس المجالس کے مطابق

1۔ بحوالہ "فوائد فریدیہ" ص 30-29
2۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ چہارم از مولانا رکن الدین، مترجم کپتان واحد بخش سیال ص 725
3۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 1035

> "آپ نے سروں اور راگنی کی تعریف کی اور فرمایا کہ اصول راگ جو ہندوستان میں مروج ہیں چھ ہیں اوّل بھیروں، دوم سری، سوم میگھ، چہارم ہنڈول، پنجم مال کونس، ششم دیپک۔ چنانچہ تمام راگنیاں ان چھ راگوں سے نکلی ہیں۔۔۔ فرمایا کہ اصل ہند کے یہ راگ منزّل (نازل شدہ) ہیں یہ راگ تمام وحیوں اور الہاموں پر جو پیغمبر ہیں حق جل و علا سبحانہ، تعالیٰ کی طرف نازل ہوئے ہیں چنانچہ وید میں جو ایک نازل شدہ اور آسمانی کتاب ہے راگ اور رقص کے نزول کا ذکر آیا ہے۔۔" 1

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کتاب "مطلع العلوم" میں تمام راگوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور فرمایا کہ بڑے قوال، جو کہ آپ کا خاص قوال تھا، کو چار سو راگنیاں یاد ہیں۔ صرف موسیقی میں ہی نہیں بلکہ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ فن شاعری کے اوزان و بحور میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ علامہ نسیم طالوت کے مطابق

> "آپ نے اپنی زبان میں نئے نئے اوزان اور نئی نئی بحریں ایجاد فرمائیں جو قبل ازیں رائج نہیں تھیں اور ان کو رواج دیا۔ سندھی اور ہندی بحور و اوزان کو بھی سرائیکی میں اپنانے کی کوشش فرمائی اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ غرض علم عروض سے بڑی واقفیت ہی نہیں تھی بلکہ اس کا علم میں اضافہ و ایجاد کا باعث ہوئے۔" 2

رقص و موسیقی اور فن شاعری کے علاوہ خواجہ غلام فرید علم جفر، علم رمل اور علم نجوم اور تاریخ فلاسفہ کے فن سے بھی بخوبی واقف تھے۔ تاریخ فلاسفہ کے فن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں نے جتنی تاریخیں نکالی ہیں ان میں سے کچھ الہامی ہیں اور کچھ طبعی ہیں۔ 3

خواجہ غلام فرید کئی زبانیں جانتے تھے جن میں اردو، سرائیکی، فارسی، سندھی، ہندی اور پوربی زبانیں ہیں جو آپ کی شاعری ملتی ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ خواجہ غلام فرید کی اردو اور سرائیکی

1- بحوالہ "مقابیس المجالس" مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص 491-492
2- بحوالہ "مقدمہ" دیوان فرید " مرتبہ مولانا عزیز الرحمان، ص 37
3- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "مقابیس المجالس" مترجم کپتان واحد بخش سیال، ص

شاعری میں عربی تراکیب و الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ فرید کو ان زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ اسی بناء پر علامہ نسیم طالوت نے آپ کو " ہفت زبان " کہا ہے علامہ نسیم طالوت کے مطابق

" ان سات زبانوں میں آپ ، مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس لحاظ سے
آپ کو ہفت زبان کہنا بے جا نہیں۔ " 1

ان سات زبانوں کے علاوہ خواجہ فرید نے 1857ء کے زمانے میں انگریزی ابجد اور رسم الخط سیکھی۔ خواجہ فرید کی انگریزی زبان سے واقفیت کے بارے میں رکن الدین ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ

" و ہمدریں اثنا منشی میاں صاحب میاں فضل حق صاحب مگریوں پیش آوردہ فرمودند کہ شما مکتوبہ خط و کتابت انگریزی قلم نوشتن آموختی ، چنانچہ آموختہ بود عرض کرد آنگاہ ارشاد فرمودند کہ اکنون ہم بنویس پس وی چند سطر بحروف انگریزی نوشتہ پیش حضور کرد حضور آنرا خواندہ فرمودند کہ این بیت نوشتی

بیت آرزو دارم کہ خاک آں قدم   توتیائے چشم سازم دم بدم

بعد ازاں حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالی بیاض نسخہ مبارک را دیدہ خود بدولت نوشتہ میاں صاحب موصوف را داد تا ہم بر خواند و عرض کرد کہ قبلہ این بیت نوشتہ ام

بیت آنا نکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
ست زاوی کنند و ملک را ہما کنند

حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالی مسرور شدند ......
بعد ازاں میاں صاحب موصوف چند سطر بقلم انگریزی نوشتہ پیش کرد حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالی آنرا بر خواندند فرمودند کہ این مصرع نوشتہ

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را گاہی بنگاہی " 2

ان کے علاوہ خواجہ فرید شاستری ، گرمکھی زبان بھی جانتے تھے۔ آپ کی مجالس سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

" مقابیس المجالس " میں لکھا ہے کہ

---

1 – بحوالہ " دیوان فرید " مرتبہ عزیز الرحمان ، ص 28
2 – بحوالہ " مقابیس المجالس " حصہ سوم ، ص 172

> " اس وقت آپ شاستر زبان سنسکرت اور طبیبوں کے فوائد خود لکھ کر خدام خاص کو پڑھا رہے تھے کیونکہ آپ کو علم لدنی حاصل تھا اور آپ تمام علوم و فنون اور حقائق و معارف کے سرچشمہ تھے اس کے بعد آپ نے اٹھ کر نماز عصر ادا کی۔ " 1

خواجہ غلام فرید نے تین شادیاں کی تھیں نور احمد فریدی کے الفاظ میں

> " حضور نے ایک شادی چاچڑاں میں کی تھی جس سے آپ کے فرزند ارجمند خواجہ محمد بخش صاحب المعروف نازک کریم قدس سرہ تولد ہوئے اور ایک صاحبزادی بھی تھیں جو حضرت خواجہ نیاز احمد صاحب کی والدہ محترمہ تھیں۔ ایک شادی حضرت نے ملتان میں کی تھی اور تیسری شادی روہی میں کنڈا فیروزہ کے قریب ناڑو عاجراں میں ہوئی۔ " 2

خواجہ فرید کی تین بیویوں میں سے صرف ایک بیوی سے اولاد ہوئی جس میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھیں خواجہ فرید نے اپنی اولاد کی پرورش، تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں کہ

> " خواجہ صاحب نے ایک نیک و بلند کردار عابد کے علاوہ ایک مشفق باپ کے بھی فرائض ادا کئے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ صرف کی اور ان کی شادی بیاہ کی ذمہ داریوں سے احسن طریق پر عہدہ برآ ہوئے۔ ان کے فرزند خواجہ محمد بخش نازک جو بعد میں خواجہ صاحب کے جانشین ہوئے انہی کے تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو روحانی تعلیم ہی نہیں دینی و دنیاوی تعلیم بھی خود دی تھی۔ " 3

خواجہ فرید کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سب سے پہلے تو آپ کے فرزند خواجہ محمد بخش نازک کا نام آتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے چند مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں۔ حضرت دیوان ولایت شاہ (ابن مخادیم) حضرت خواجہ فضل حق صاحب، حضرت حافظ محمد، حضرت مولوی احمد بخش، مولوی خان محمد، میاں عیسیٰ بخش میرہوالہ، میاں نبی محمد بخش، میاں سعد جھکوے، میاں بلند خان ڈاہری،

1۔ بحوالہ "مقابیس المجالس" حصہ دوم (اردو ترجمہ)، ص 405
2۔ بحوالہ "دیوان فریدی" مرتبہ نور احمد فریدی، ص 38
3۔ "خواجہ غلام فرید۔ حیات و شاعری" از مسعود حسن شہاب، ص 78

میاں عبدالرحمان الہ آبادی، مولانا زکی الدین، مولانا ابو محمد ابراہیم زلوش وغیرہ مشہور ہیں۔ ان سب کا تعلق مختلف طبقوں سے تھا۔ نزدیک و دور سے لوگ بڑے ذوق و شوق سے انہیں ملنے آتے تھے۔ انہیں لوگوں میں ایک فقیر محمد عارف ولد قاضی محمد عثمان ساکن بھونگا محمد رضا،(لال سوہانرا کے قریب واقع ہے۔) بھی تھے، جو حضرت سلیمان تونسوی کے مریدین میں سے تھے۔ انہوں نے سرائیکی اور اردو زبان میں دو منظوم سفرنامے 1301ھ میں لکھے، جن کو ڈاکٹر مہر عبدالحق سرائیکی اور اردو دونوں زبانوں کے حج کے بارے میں سب سے پہلے سفرنامے قرار دیتے ہیں۔[1] یہ دونوں سفرنامے محمد عارف نے اپنے ہاتھوں سے لکھے اور یہ قلمی نسخے جناب حبیب فائق کے پاس موجود ہیں اور میں نے ان کی فائلوں سے استفادہ کیا ہے۔ سرائیکی سفرنامے میں، جس کا نام "کوہ غم" ہے فقیر محمد عارف نے خواجہ فرید کے ساتھ اپنی عقیدت اور ملاقات کا حال بھی بیان کیا ہے۔

تیرھا ماہ محرم تے جاں ہویا فضل الہی[2]   چھوڑ بہاولپور کوں ٹریم تے خلقت سوالی
دو دیہاڑے سکھر آیم بام رہیم تیلاھیں   اتھوں طرف سکھر دے ٹریم مرشد چوک لائی
دل میرے تونسے ہم ہم سوزش خبر نہ کائی   آیم بھر بہاولپور چ واکاں ولدس وطالسی
آخر عشق بہاولپور چ ڈھوں بھا بھڑکائی   شور تمام فرید صاحب دے ساجھاں ملکوں دائی
دیکھ صورت من بھاوں مورت شکل سرور دکھائی   تسّی حمائی ساجھاں اندر بیہہ اخلاص سمائی
جو طرفوں حق بھا لگی کیا دل من بھڑکائی   بحر عشق دے وچ جھڑائیں ہاتھ نشان چڑھائی
تو اخلاص احمد کوں پڑھیم بام صدر صفائی   عارف پڑھ شکرانہ ہر دم یار آ رمز لکائی[3]

خواجہ فرید اردو و سرائیکی کے بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ اچھے واعظ اور مقرر بھی تھے۔ جابجا آپ کے ملفوظات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ کا مجموعہ کلام "دیوان فرید" کے نام سے موسوم ہے جس میں اردو کلام بھی شامل ہے جو غزلیں، توراتے، رباعیات اور دوہڑوں پر مشتمل ہے

1۔ ملاحظہ فرمائیے "مزید لسانی تحقیقات" از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ص 383، مطبوعہ سرائیکی ادبی بورڈ ملتان، بار اوّل جون 1985ء
2۔ بحوالہ سال 1298 ھجری ہے "کوہ غم" ص 5
3۔ "کوہ غم" در بیان سفر بیت اللہ شریف و مدینہ، ص 7 تا 8 (قلمی نسخہ) از فقیر محمد عارف (73 اوراق اور 146 صفحات) اشعار کی تعداد 680، 1301ھ کا تحریر کردہ (جناب حبیب فائق کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔)

آپ کا دوسرا دیوان سرائیکی زبان میں ہے اور کافیوں کی صورت میں ہے۔ آپ کے اردو دیوان کی نسبت سرائیکی کلام کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ نثر میں آپ کا ایک رسالہ "فوائد فریدیہ" (فارسی) ہے جو سلوک و طریقت سے متعلق آپ کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئی جو کہ مطبع محمدی ملتانی لاہور سے 1312ھ میں شائع ہوئی۔ آپ کی ایک اور کتاب "مناقب فریدیہ" ہے جو کہ دستیاب نہیں ہے۔ یہ آپ کی زندگی میں چھپ گئی تھی۔ آپ کی ایک کتاب "مناقب محبوبیہ" (فارسی) ہے جو آپ کے والد خواجہ خدا بخش کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ احمد سعید چشتی نے کیا اور اسے انجمن شکر فرید کوٹ مٹھن نے "روحانی آرٹ پریس" سے شائع کروایا ہے۔

ڈوہڑہ جات کا ایک مجموعہ بھی خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے جس کا عنوان "ڈوہڑہ جات فریدی" ہے لیکن اس بارے میں محققین کا فیصلہ ہے کہ آپ نے دوہڑے نہیں کہے چونکہ یہ معانی اور سوز و گداز کے لحاظ سے آپ کی شاعری کے پائے کا ہے اس لئے اکثر اس کو خواجہ فرید سے منسوب کیا جاتا ہے۔

خواجہ فرید کے وہ ملفوظات جو آپ مجلس میں مریدوں کے سوال و جواب کی صورت میں فرماتے تھے انہیں ان کے مرید اور خلیفہ مولانا رکن الدینؒ نے اشارات فریدی کی صورت میں فارسی زبان میں پانچ حصوں میں مرتب کیا ہے۔ اس کے پہلے چار حصے تو شائع ہو چکے ہیں لیکن پانچواں حصہ ابھی نہیں چھپا۔ مجھے اس کا پانچواں حصہ جناب اسد نظامی کی ذاتی لائبریری سے قلمی صورت میں دستیاب ہوا۔ رکن الدین نے خواجہ فرید کے ملفوظات " اشارات فریدی " المعروف " مقابیس المجالس" کے نام سے فارسی میں مرتب کئے۔ انہوں نے موضوعات کے حوالے سے ترتیب قائم نہیں کی بلکہ جیسے جیسے انہوں نے بذات خود سنا انہیں حوالے کے مطابق ، دور کے عنوان کے تحت مرتب کر دیا۔ یہ عنوان ہے " مقبوس" ہر " مقبوس" کے شروع میں وقت، دن ، مہینے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ " اشارات فریدی " کے آخری چار حصوں کا اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال نے " مقابیس المجالس" کے نام سے کیا ہے۔ جسے اسلامک بک فاؤنڈیشن نے شائع کیا ہے اور انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سی شکل نے کیا ہے جسے بزم ثقافت ملتان نے شائع کیا ہے۔

خواجہ غلام فرید نے تمام عمر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے فیضان سے متمتع ہونے کے لئے دور دور سے لوگ حاجتاں تشریف آتے اور بامراد لوٹتے۔ آخری عمر میں آپ کو ذیابیطس ہوا اور کچھ عرصے میں گھٹنے پر دنبل کا پھوڑا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس مرض نے شدت اختیار کر لی۔ ربیع الثانی کے مہینے میں اس مرض میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ علامہ نسیم طالوت نے آپ کی زندگی کے آخری دن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> "حضرت فرید بوقت سحر چار شنبہ 5 ربیع الثانی 1319ھ پلنگ پر سوئے ہوئے تھے۔ دہان مبارک سینے پر تھا۔ کمال استغراق کی حالت تھی اور شغل اسم ذات میں مصروف تھے۔ ضربات پے در پے جاری تھیں اسی حالت سے حضرت کا احساس کر کے حاضرین اور رکن الدین بھی روتا رہا۔ صبح کی نماز کے وقت دلاور خان خادم خاص نے دوائی پینے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا اس کو دوائی پلاؤ۔ اشراق کے وقت برکت علی ربابی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی تو اس وقت آپ نے انکار فرما دیا پھر عرض کیا پھر بھی منع فرمایا۔ ضعف کمال تھا جو بہت جلد جلد بڑھنے لگا حتیٰ کہ دوپہر کے وقت مایوسی کے آثار پیدا ہوئے اور مغرب کے وقت رحلت ہوئی۔" 1

خواجہ غلام فرید نے 6 ربیع الثانی 1319ھ / 24 جولائی 1901ء[2] میں وفات پائی۔ آپ کا مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔

خواجہ فرید بحیثیت شاعر

حضرت خواجہ غلام فرید بنیادی طور پر سرائیکی زبان کے شاعر ہیں لیکن جیسا کہ ان کے سوانحی حالات میں صراحت کی جا چکی ہے کہ وہ ہفت زبان تھے اور بہت سی ملکی اور غیر ملکی زبانیں جانتے تھے۔ اپنی مادری زبان سرائیکی کے علاوہ فارسی، عربی، سندھی، ہندی، اردو، پنجابی اور انگریزی وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ سرائیکی کلام کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں اردو کلام بھی ملتا ہے۔

1۔ مقدمہ دیوان فرید از علامہ نسیم طالوت، ص 106

2۔ تاریخ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔

سے بھی اشعار اور عشق و محبت کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب ایک جمالی صوفی تھے۔ اس لئے ذوق و وجدان کی دولت سے پوری طرح مالا مال تھے۔ عشق حقیقی کی تمام منزلوں سے آشنا اور سلوک کی راہوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عشق مجازی کی لذتوں سے بھی نا واقف نہ تھے۔ بلکہ جیسا کہ ان کی زندگی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دوشیزہ کی محبت میں سرشار رہے[1]۔ اس لئے وہ ان تمام لطیف جذبوں سے پوری طرح واقف تھے۔ جو ایک عاشق کو عشق و محبت کی کشمکش میں پیش آتے ہیں۔ جہاں ان کے کلام میں عشق مجازی کی گھاتیں، لمحات وصال کی کیفیات، ہجر و فراق کی کلفتیں، محبوب کے ناز و ادا، ظلم و ستم اور تیر نگاہ کے لگائے ہوئے زخموں کی تصویریں ملتی ہیں وہاں عشق حقیقی اور سلوک کی مسافتوں کے تمام حوالے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں پہلو اور ان کی جزئیات محض سرائیکی شاعری تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کی اردو شاعری میں بھی یہی جذبے کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ ہم یہاں خواجہ صاحب کی سرائیکی شاعری کا محض اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ ان کی سرائیکی شاعری پر بے شمار کتابیں اور مقالے موجود ہیں جن میں نہ صرف ان کے سرائیکی کلام کی وضاحت اور شرح کی گئی ہے بلکہ اس شاعری کے مختلف موضوعات اور مطالب پر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔

سرائیکی شاعری

خواجہ فرید کی شاعری کے کئی رنگ ہیں۔ ایک رنگ وہ ہے جس میں تصوف، سلوک طریقت، رشد و ہدایت، انسان دوستی اور اخلاق کا اصول خزانہ موجود ہے اس کو حقیقت کا رنگ بھی کہا جا سکتا ہے اور اسی کی بنا پر خواجہ صاحب کو "صوفی شاعر" تسلیم کیا گیا لیکن اس شاعری میں خواجہ صاحب کا رویہ تنگ نظر ملّا یا خشک زاہد کا نہیں بلکہ ایک وسیع المشرب انسان دوست اور قول و فعل میں یک رنگ انسان کا ہے۔ انہوں نے شریعت، طریقت اور روحانیت کو سماجی زندگی سے ماورا تصوّر نہیں کیا بلکہ ان کو ہم رنگ بنا دیا۔ پھر تصوف کے مابعدالطبیعاتی مسائل، معجزات اور ماورائے عقل واقعات کو اپنی شاعری کا عنوان نہیں بنایا بلکہ تصوّف کے اس صحیح مفہوم کو موضوع شعر بنایا جس نے صوفیائے کرام کو

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (1) پیچ فرید از رفیق خاور جسکانی
(2) خواجہ غلام فرید (حیات و شاعری) از سعود حسن شہاب

انسان دوستی، محبت، اخلاص، شرافت، خدمت اور ریاضت کے عظیم جذبوں سے آشنا اور ہمکنار کیا۔ صوفیت میں بلاشبہ بے ثباتی کائنات، جبر مشیت، احساس فنا، نفی ذات اور آلام کی پامالی جیسے سلبی اور منفی رویوں کو تقویت ملی۔ خارجیت کے مقابلے میں داخلیت کا رجحان عام ہوا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان رویّوں کے پیچھے ملوکیت اور آمریت کے شکنجے کے تحت مظالم، سیاسی خلفشار، سماجی بدنظمی، انسانی حقوق کی ارزانی، فکری انتشار اور عدل و انصاف کے فقدان جیسے اسباب و عوامل کارفرما تھے۔ تاہم کسی بھی صورت میں تصوف کو فرار، مردم بیزاری اور رہبانیت کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صوفیاء کی انسان دوستی، حلم و شرافت، مروّت و اخوت، انکساری، خدمت گزاری اور وسیع المشربی کو بہر طور زندگی کے مثبت رویّے اور شریف جذبوں میں شمار کیا جانا چاہئے۔ خواجہ فرید کے یہاں بھی جذبے اور یہی رویّے عام ہیں اور یہی ان کے کلام کا نمایاں رنگ ہے۔

بھی خوب نقاباں ساتاں　　　کھولی راز انوکھیاں گالھاں
کم تھیاں کوڑیاں ذات صفاتاں　　　لِمَنِ الْمُلک دا ڈیرہ آیا ۔1۔

ترجمہ ۔ پیر و مرشد نے عجیب و غریب باتیں بتائی ہیں جن میں پوشیدہ راز اور مخفی مقامات شامل ہیں۔ دنیا کے بھانت بھانت کے فرقے اور گروہ سب مٹ گئے اور عالم الغیب عالم شہود میں تبدیل ہو گیا۔ یعنی ہر وقت حضوری حاصل ہے۔2۔

خمر طہوری پی متوالے　　　تھیوسے عاشق مست بیالے
بھل گئے سبھ علواد دو گالے　　　ودی مشرب سالک بھایا (کافی نمبر صفحہ 159)

ترجمہ ۔ پاکیزہ محبت کی شراب پی کر ایک بے مثال عاشق بن گئے اور مشاہدہ جمال بے مثال سے اس قدر مدہوش، بے خودی اور مستی طاری ہوئی ہے کہ ماز پوری کا ہوش تک نہیں رہا اور رندی مسلک کا سلوک بھا گیا ہے۔

جب ھک رمز ملی توحیدی　　　دل آزاد تھیم تقلیدی
تھی کر فرد فرید فریدی　　　مثنوی روم وعظ سنایا (کافی نمبر 20 صفحہ 160)

ترجمہ ۔ جب مسئلہ توحید کا ایک راز سمجھ میں آ گیا تو میرا دل دوسروں کی تقلید اور سنت سے آزاد ہو گیا (تقلید) فرید سے جب فرید فرد (فنافی اللہ) ہو گیا تو وہ بھی مثنوی روم کا وعظ سنانے لگے

1- "دیوان فرید" جلد اوّل مرتبہ خواجہ احمد فریدی، کافی نمبر 2 صفحہ 159، مطبوعہ قصرالادب بحوالہ ملتان۔
2- ان کافیوں کا ترجمہ نور احمد فریدی کے ترجمہ شدہ "دیوان فرید" سے لیا گیا ہے۔

سن سمجھ نہ زاہد حامد تھی — ہن عشق دے اے کلمات عجب (کافی نمبر23 صفحہ 266)

ترجمہ ۔ اے زاہد حامد احمق! سن اور سمجھ کہ یہ عشق کی باتیں عجیب ہیں۔

چھوڑ فقہ اصول عقائد تئیں — رکھ ملت ابن العربی دی (کافی نمبر23 صفحہ275)

ترجمہ ۔ فقہ، اصول اور عقائد کی کتابوں کو بند کر کے رکھ دے اور ابن العربی کا مسلک توحید وجودی اختیار کر

اوہام عجب، ایہام عجب — اعلام عجب، الہام عجب (کافی نمبر23 صفحہ 284)

ترجمہ ۔ اوہام، ایہام، اعلام اور الہام یہ تمام کیفیات عجیب ہیں۔

مت خرقہ پھٹ کفنی سجادہ — جامۂ جہاں شو پاک بہ بادہ

کر دم پیر مغاں شاکیں (کافی نمبر31، صفحہ 354)

ترجمہ ۔ معنی مرشد کریم نے تاکیداً فرمایا ہے کہ درویش کے لباس کو اتار کر پھینک دے اور سجادہ مصلیٰ کو آگ میں ڈال دے۔ دل کے لباس کو شراب معرفت سے دھو کر پاک و صاف کر۔

ملاں مارن سخت سٹاں — سمجھن راز دا بھیت نہ پاں

بے بھوں شودے ہن معذور (کافی نمبر37، صفحہ 383)

ترجمہ ۔ ملائے ظواہر سخت تنگ کرتے ہیں۔ پوشیدہ اسرار و رموز کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے چارے بے بس اور معذور ہیں۔

ملواں دے وعظ نہ بھاون — بے شک ساڈا دین ایمان

ابن العربی دی دستور (کافی نمبر37 صفحہ 383)

ترجمہ ۔ ملاؤں کے وعظ پسند نہیں آتے، بے شک ہمارا دین و ایمان ابن العربی کا توحید وجود ہے۔ ہم انہی کا مشرب رکھتے ہیں اگرچہ ارباب ظواہر کم فہمی کے سبب اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔

حاجت نہ صوم صلوٰۃ دی — خواہش نہ حج زکوٰۃ دی

جاہت نہ ذات صفات دی — ھک شان وحدت ہی بڑی (کافی نمبر6 صفحہ527)

ترجمہ ۔ انہیں نہ نماز روزے کی حاجت ہے اور نہ حج اور زکوٰۃ کی خواہش ہے بلکہ وہ ایسے مقام رفیع پر فائز ہیں جہاں انہیں بوجہ مشاہدہ انوار جمال الٰہی اپنے تن بدن کا ہوش تک نہیں۔

پس کر فہم دا جام تمہیں — تھی رند مست مدام تمہیں

دھمہ دھمہ دھما رکھ گام تمہیں — واہ واہ کریسی سارا خلق (کافی نمبر64،ص 537)

ترجمہ ۔ فرید کا کیف آور پیالہ پی کر تو مست الست رند بن جا۔ اور پھر بتدریج قدم آگے کو بڑھا۔ تاکہ ساری مخلوق بے اختیار واہ واہ کر اٹھے۔

ابن العربی دی رکھ ملت — چھوڑ رکھ فقہ، اصول مسائل (کافی نمبر72،ص 575)

ترجمہ ۔ اے سالک! فقہ اور اصول کی کتابیں بند کر کے رکھ دے۔ صرف ابن العربی کا مسلک اختیار کر

ہک ہک شے ظہور خدا دی — سب شئے وہم خیال (کافی نمبر73،ص 576)

ترجمہ ۔ اللہ جل جلالہ کے سوا سب کچھ بھول جا کیونکہ ان تمام چیزوں کی حقیقت وہم و خیال کے سوا کچھ نہیں اور ان کا وجود غیر اعتباری ہے۔

خواجہ فرید کی شاعری کا دوسرا رخ عشق و محبت کا ہے آپ عشق و محبت کے جذبوں کو عام کرنے والے شاعر ہیں اور کائنات میں ہر طرف عشق کا ظہور دیکھتے ہیں۔ علامہ اقبال اور خواجہ فرید کے خیالات میں بہت سی اقدار مشترک موجود ہیں۔ مثلاً دونوں شاعر عقل پر عشق کو فضیلت دیتے ہیں۔ دونوں رجائی اور امید پرست شاعر ہیں۔ دونوں کے یہاں حرکت و عمل کی تلقین ہے۔ دونوں کٹھ ملائیت کے خلاف ہیں۔ دونوں سماج اور معاشرے کی اصلاح کا نظریہ رکھتے ہیں۔ دونوں توہمات دیوی، منافقت اور آلائشوں سے پاک معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں۔ دونوں کے یہاں انسان دوستی اور دردمندی کے جذبے فراواں ہیں۔ ان مثالوں میں یہی خاصیں ملاحظہ فرمائیے

عشق ہے ڈکھڑی دل دی شادی — عشق ہے رہبر مرشد ہادی

عشق ہے سادا پیر جیں کل راز سمجھایا (کافی نمبر8،ص 187)

ترجمہ ۔ عشق دکھی دل کی خوشی ہے اور عشق ہی ہمارا پیر و مرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا ہے۔

عشق لگا گھر وسیا — زر وسیا در وسیا (کافی نمبر13،ص 207)

ترجمہ ۔ عشق نے یہ کیفیت طاری کر دی ہے کہ گھر، زر اور در سب بھلا چکی ہوں۔

دیر، کنشت، دوارہ، مندر — مسجد، منبر وسیا (کافی نمبر13،ص 209)

ترجمہ ۔ دیر و کلیسا اور مسجد مندر، بلکہ منبر تک سب بھول گئے۔

دل پریم نگر ڈوں تانگھے — منزلاں پنڈے سخت اڑانگے

خاں راہ ڈیہہ نہ لانگھے — ہے پندھ بہوں مشکل دا (کافی نمبر15 صہ 16)

ترجمہ = دل محبت کے شہر کی طرف کھنچا جا رہا ہے جس کا سفر بے حد دشوار گزار ہے۔ اے لوگو! اس نگری کی طرف جانے کے لئے نہ راستے ہیں، نہ گزرگاہ اور سفر بھی انتہائی کٹھن ہے۔

پڑھ بسم اللہ گھولیم سر کوں — چا تسمہ عشق اسارا (کافی نمبر18 صہ 232)

ترجمہ = میں نے بسم اللہ پڑھ کر اپنے سر کو یار پر سے تصدق کر دیا اور عشق کا ٹھیکہ لے لیا۔

ہے ہے ظالم جٹ مرادیں

ڈھولے کھوٹ کما (کافی نمبر19 صہ 238)

ترجمہ = ہے ہے ظالم! جیسی جٹ ویسی مراد۔ میرے ساتھ دھوکہ فریب نہ کرا

چالیں پیچ فریب والیں

ڈھولن ریت وٹا (کافی نمبر19 صہ 238)

ترجمہ = اے محبوب! نہ پیچیدہ پرکار راہ و رسم محبت تبدیل کر دے۔ (اس سے بہت دکھ ہوتا ہے۔)

بے وفا ہی گزران نہ بھلی

بٹھ پیا کوڑ نبھا (کافی نمبر19 صہ 245)

ترجمہ = ناتفاقی اور مخالفت کی گزران اچھی نہیں۔ جھوٹی چاہ کو تو بھاڑ میں ڈال دینا چاہئے۔

چائیں توڑ نہ راہ وچ رولیں

رکھسا یاد وفا! (کافی نمبر19 صہ 246)

ترجمہ = اے محبوب! آخری منزل تک میرا ساتھ دینا، راستے میں چھوڑ نہ دینا، اور میری وفا کو یاد رکھنا

ملاں عالم سمجھ سکاون — سمجھ راز دا بجھ نہ پاون

بے دین شودے ہن مغرور (کافی نمبر37 صہ 383)

ترجمہ = علمائے ظاہر سخت شک کرتے ہیں، پوشیدہ اسرار و رموز کو سمجھ نہیں سکتے یہ جاہل بے دین اور مغرور ہیں۔

طواطے دے وچ نہ بھاڑے — بے شک ساڈا دین اسلام

ابن العربی دی دستور (کافی نمبر37 صہ 383)

ترجمہ ۔ ہمیں ملّاں کے وعظ سمجھ نہیں آتے۔ بے شک ہمارا دین و ایمان ابن العربی کا توحید وجودی ہے۔ ہم انہی کا مشرب رکھتے ہیں۔ اگرچہ ارباب ظواہر کم فہمی کے سبب اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔

خواجہ صاحب عشق کو رہبر حقیقی مانتے ہیں۔ عقل کی حکمت بازی، انا و فعل، خود پرستی اور خود غرضی سے بے نیاز عشق کی سرمستی اور بے خودی میں ڈوب جاتے ہیں۔

پیش کیتا جیں قوم شکر کیوں   لیست لعل دی ار کھر کیں

کر کر شکرانہ تے سیس سر کیں   عشق دی رہ وچ جس پیا (کافی نمبر 8 صفحہ 196)

ترجمہ ۔ جس نے (عشق الٰہی میں) عقل کی توہمات اور فلسفیانہ علم سے کام لیا۔ شبہات کی اگر فکر میں پڑ گیا۔ اس کی بلا کرے زندگی بھر شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی خوشی اپنا سر راہ حق میں پیش نہ کیا تو ایسا شخص راستے ہی میں ہمت ہار کر بیٹھ جائے گا۔ عشق کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

عشق ہے دکھڑے دل دی شادی   عشق ہے رہبر مرشد ہادی

عشق ہے سارا پیر ہمیں کل راز سمجھایا (کافی نمبر 8 صفحہ 187)

ترجمہ ۔ عشق دکھی دل کی خوشی ہے اور عشق ہی ہمارا پیر و مرشد ہے جس نے ہمیں تمام اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا ہے۔

عشق لگا گھر وسریا   نر وسدی ہر وسریا (کافی نمبر 13 صفحہ 207)

ترجمہ ۔ عشق نے وہ سحر طاری کر دی ہے کہ گھر، نر اور ہر سب بھلا چکی ہوں۔

دیر، کنشت، دوارہ، مندر   مسجد، منبر وسریا (کافی نمبر 13 صفحہ 209)

ترجمہ ۔ دیر و کلیسا اور مسجد مندر بلکہ منبر تک سب بھول گئیں۔

عشق نہیں ہے نیر بلا را   ظلمیں چوٹ چلیندا (کافی نمبر 14 صفحہ 211)

ترجمہ ۔ یہ عشق نہیں ہے بلکہ کوئی بلا کا تیر ہے جو ظالمانہ چوٹ لگاتا ہے۔

ناز ادا کیہ کریں نہ چالا   حکمیں سر حسن بھمیندا (کافی نمبر 14 صفحہ 211)

ترجمہ ۔ محبوب کے ناز و ادا بالکل باز نہیں رہتے۔ حکماً عشق کو عجائب تماشے میں لاتے ہیں۔

سوز و فراق تے درد اندیشے   تن من بھسول جلیندا (کافی نمبر ؛ صفحہ 212)

ترجمہ ۔ سوز و فراق اور درد اندیشی تن بدن اور دل کو پھونک کر جلا دیتے ہیں۔

ہجر لوہا کیتی دل زخمی دوست نہ مرہم لیندا (کافی نمبر 1 صفحہ 212)

ترجمہ ۔ اے لوہا! ہجر نے دل کو زخمی کر دیا ہے اور دوست کی سرد مہری کا یہ عالم ہے کہ مرہم تک نہیں لگاتا۔

قسم خدا دی، قسم نبی دی عشق ہے جیہڑا لذیذ عجیب (کافی نمبر 2 صفحہ 308)

ترجمہ ۔ فریادا! مجھے خدا اور رسول کی قسم ہے کہ عشق عجیب اور لذیذ چیز ہے۔

خواجہ صاحب کا عشق محض لذت وصال کا طالب نہیں رہتا بلکہ اس میں ذوق سفر، ہجر کی آرزو اور طلب کا جذبہ زیادہ نمایاں ہے۔ روہی کی علامت ان کے یہاں وسعت طلبی، رفعت طلبی، شوق سفر اور امکانات کا منکشف کرنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ تھل اور روہی کا یہ سفری تجربہ ان کے یہاں تخلیقی تجربہ بھی بنتا ہے۔ اور ان کے حوصلوں کو استقامت اور جذبوں کو عزائم آشنا بھی کرتا ہے۔

تھل مارو دا پندھا سارا تھیسم ہک بلانگھ (کافی نمبر 68 صفحہ 548)

ترجمہ ۔ فکر اے دل! تو گھبرا نہیں۔ اگر جذبہ عشق صادق ہے تو اس حوض صحرا کی مسافت ایک قدم سے زیادہ نہیں ہے۔

تھی تھی جوگی جوہ جار پھراں ھک سندھ پنجاب تے ماڑ پھراں
سنجھ برپچ شہر بازار پھراں متاں یار ملم کہیں سانگ سبب (کافی نمبر 22 صفحہ 262)

ترجمہ ۔ میں سوختہ جگر، محبوب کی تلاش میں ہر طرف ماری ماری پھر رہی ہوں۔ کبھی ہند سندھ، پنجاب اور مارواڑ کے جنگل چھانتی ہوں اور کبھی شہروں کے بازاروں میں ڈھونڈھتی ہوں کہ شاید کسی بہانے محبوب کا کسی لباس میں دیدار ہو جائے۔

سنجڑی سسی کوں جھلیں رلایا ہے ہے پنل پل پھیرا نہ پایا (کافی نمبر 16 صفحہ 221)

ترجمہ ۔ نامراد سسی کو پہاڑوں میں آوارہ پھرایا اور افسوس کہ پنل خان نے پھر ادھر کا رخ بھی نہ کیا۔

اوہ ڈونگر تے جنگل بیلا ویسم شوق آوارہ (کافی نمبر 10 صفحہ 231)

ترجمہ ۔ محبوب کی تلاش نے مجھے پہاڑوں، دشوار گزار راستوں اور جنگلوں میں آوارہ بھٹکائے رکھا ہے۔

پنڈ تھیسی یادہ جی یارا جھوک کے گھلساری ہر ہر
ہر دم وتاں دردماندی یارا سر سے روک ادھر ودھ (کافی نمبر 27 صفحہ 327)

ترجمہ ۔ اے میرے محبوب! تو مجھے بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا اور میں تیرے فراق میں سخت کرب اور بے چینی دکھ درد لئے ہر وقت تھکی ہاری اور پریشان حال پھرتی ہوں۔

ماروتھل مے ڈکھڑی گھاٹے　　　کپ کنڈا ، کنڑ بن کھوب گھاٹے

رات ڈینہاں پھرادی یارا　　　رلدی رہ ڈونگر سر وچ　(کافی نمبر27، ص 330)

ترجمہ ۔ ہائے لیلا ریگستان کے دشوار گزار راستوں میں جہاں قدم قدم پر کیچڑ ، کنڈ دلدلی ناہموار زمین اور کٹھن رہگزار ہیں۔ رات دن تڑپتی اور بیتاب ہو کر لق و دق پہاڑوں اور بیابانوں میں آوارہ اور سرگرداں پھرتی رہتی ہوں۔

یار سو چل گائی　　　رلدی رہ ڈونگر وچ

لائیں ہجر کر کانی　　　دلڑی جان جگر وچ　(کافی نمبر28، ص 331)

ترجمہ ۔ میں اپنے محبوب پنوں کی خاطر پہاڑوں اور دشوار گزار راستوں میں بھٹک رہی ہوں اس نے دل، جان اور جگر میں خوب تان کر تیر مارا ہے۔

کھی راہی تھل مارو ملہاں　　　لاڈی تے لس بیلہ رلساں

سنج سرہ یار گھتم گھر بار　(کافی نمبر39، ص 395)

ترجمہ ۔ مسافرانہ وار آدم خور صحرا میں قطع مسافت کروں گی اور کبھی لاڈی اور لس بیلہ کی بادیہ پیمائی کروں گی کیونکہ جب سے محبوب جدا ہوا ہے میں نے ویران جنگلوں اور بیابانوں کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔

کیچ ڈی شہاں جے تئیں جیساں　　　ہے ول ولساں کافر تھیساں

گل وچ پاسم پیت زنار　(کافی نمبر39، ص 397)

ترجمہ ۔ جب تک زندہ ہوں کیچ جانے کی تگ و دو جاری رکھوں گی۔ اگر اس راستہ سے لوٹ آئی تو مجھے کافر سمجھی جاؤں گی کیونکہ میں نے عشق و محبت کی ڈوری کو گلے میں ڈال لیا ہے۔

اوکھیاں گھاٹیاں لانگھاں جاتیاں　　　لامباں جاڑھیاں سجد کٹھیاں

سجڑی گھنڑی سو سو عار　(کافی نمبر 39، ص 398)

ترجمہ ۔ محبوب کی تلاش میں بہت دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی چٹانیں اور پتھریلی ڈوکیلی سلیں خوفناک منظر پیش کرتی ہیں۔ راستے کے اتار چڑھاؤ بے حد مشکل اور ان کے دامن پہاڑوں میں سو سو کئی غار ہیں جنہیں طے کرنا ہفت خواں طے کرنے سے کم نہیں۔

خواجہ فرید کی شاعری کا تیسرا رخ فطرت اور وسیب کے مناظر کی تصویر کشی اور ان سے حسن اور رومان کی کشید کا ہے۔ خواجہ صاحب نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ ماحول روہی کا ہے جہاں ٹیلے، کیکر، شفق، درخت، سائے، سکوت، پرندے، سائیں سائیں کرتی ہوائیں، دور تک پھیلے ہوئے کھیت، رت بدلتے موسم، مناظر اور کیفیات کا تصور موجود ہے۔ فطرت کا یہ شعبہ انسانی مزاج اور جذبوں کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ انسان کی داخلی کیفیت کے اتار چڑھاؤ کے حوالے سے مناظر کا رخ بھی بدلتا رہتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ مناظر کے تلون سے خود انسانی مزاج بھی متاثر ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کی شاعری میں یہ روہی ـــــ ایک ایسا صحرا ہے جو عاشقانہ شاعری کے لئے زبردست محرک رہا ہے عشق و جنوں اور صحرا کا تعلق آج کا نہیں صدیوں کا ہے۔ خواجہ فرید کی شاعری میں روہی کا حوالہ وحشت اور دیوانگی سے بڑھ کر حسن اور دلکشی کا حوالہ بنتا ہے اس لئے کہ خواجہ فرید روہی کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایک معصوم بچے کی طرح کھل اٹھتے ہیں۔ یہ مناظر ان کے لئے زبردست تخلیقی تجربہ بن جاتے ہیں۔

تاہم جھکّن گھیر گھوکن — جرکھاں ترکھاں لوہیڑ کوکن
کوجھی شوکن سانپ پھوکن — ڈاکیں دی شیں شیں ہے مار (کافی نمبر42، صفحہ 410)

ترجمہ ۔ اے دوستو! روہی کی یہ حالت ہے کہ ہر طرف جھینگر کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ فاختاؤں کی گھو گھو، لگڑ بگڑ اور لومڑی کا شور و غل ۔ گوہ سانڈوں کی مخصوص آوازیں سانپوں کا پھنکارنا اور شوں شوں کرنا۔ انسانی طبیعت پر خوف و ہراس طاری کر دیتا ہے۔ اس بھیانک ویرانے میں سوائے عاشقان صادق کے اور کون رہ سکتا ہے۔

سوہنیاں ٹھیکیاں شکل ٹھیکے — ٹاڑو والے کتنے وسدے
باغیں تھیمے باری کھلدے — ککڑی ڈیکھڑاں ہے بار (کافی نمبر42، صفحہ 411)

ترجمہ ۔ اے محبوب اس صحرائی ماحول میں خوشنما کھلارے ٹیلے اور لمبی چوٹیاں، کتنی باعظمت اور پروقار معلوم ہوتی ہیں۔ نرم و نازک سنہری بیج، زرد رنگ کے بڑے کھاؤ اور مسل ڈالے، کتنا خوشنما منظر پیش کرتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے تمام کلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔

روہی مینہ بشارت در مستی — میسی، بھیرس ہوا نہ ڈر میں
سیدوان دی دلبری تیسی — ڈیہہ راتیں کھیں جیں ہے پیار (کافی نمبر42، صفحہ 412)

ترجمہ = اے دوست! صرف روہی ہی وہ مقام ہے جہاں دیدار یار کی بشارت ملتی ہے اس لئیے خواہ ہماری جان کیوں نہ چلی جائے اور ہم سر مٹ کر بھی ہیں کیوں نہ ہو جائیں وہاں جانے سے باز نہیں آئیں گے۔ البتہ ہر دوری کے سبب ہم پر پژمردگی ضرور چھائی ہوئی ہے اور دل ڈانواں ڈول ہو رہا ہے۔

سنڑ ہوئی روہی نہ ڈیندا ہاں   لکھیاں تاں سکھاں پل پل   (کافی نمبر75 صفحہ 586)

ترجمہ = جب سے روہی کے آباد ہونے کی خبر ملی ہے دل بے اختیار اس طرف کھنچا جا رہا ہے اور روہی کی کشش صبر سے رہنے نہیں دیتی۔

روہی مٹھڑ ملہار زاں   کھنڈیاں کھنڈیاں آجکل   (کافی نمبر75 صفحہ 586)

ترجمہ = روہی کے ریگزاروں پر آجکل بادلوں کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور بجلیاں کوند رہی ہیں۔

ناڑے پھوگ فرید دے   درد دلیں دے درمل   (کافی نمبر75 صفحہ 587)

ترجمہ = روہی کے ناڑے اور پھوگ جیسے بوٹے بھی فرید کے درد دل کا علاج ہیں۔

روہی وٹھڑی مینگھ ملہاراں   بوٹے بوٹے تھیاں گلزاراں

شالا سوہنڑ دوست سہاراں   بھاگ سہاگ دی موسم آئی   (کافی نمبر صفحہ 620)

ترجمہ = بارش کے طفیل سے روہی کو شاداب کر دیا ہے اس پر بادلوں نے سایہ کر رکھا ہے اور ملہار گائے جا رہے ہیں۔ ایک ایک بوٹا مجسم گلزار بنا ہوا ہے۔ خدا کرے میرا محبوب بھی اپنی اونٹ کی مہار ادھر کو موڑ دے کیونکہ میں بخت مرا جاگا ہے اور بھاگ سہاگ کا موسم آ گیا ہے۔

پھر انھیں خاطر میں ایک ایسا وسیب دکھائی دیتا ہے جو اپنے ساتھ تہذیبی اور ارضی عناصر لے کر ابھرتا ہے۔ شاں بلوچ حضاں، وار طل بطی چوش سہلیاں، حضر ڈالتی الغر دوشیزائیں، گل پھل سے سنگارے ہوئی روہی، روہی کے عاشقانہ طالب اور وچھوڑے، اس سے خاطر تواضع، بھیڑ بکریاں لیلے اور گائیں چرانے چرواہے اور چرواہیاں، تھل مارو کی مسافتیں طے کرتی سسی پنھوں، ٹاباں، جھلستاں، قطار در قطار کرھیں، ٹیر۔۔۔ یہ سب حوالے ایک مخصوص وسیب اور کلچر کو سامنے کر دیتے ہیں۔

وچ روہی دے رہندیاں   مارک ساڑو مشتیاں

زلفی کیے شکار دلیں دا   ڈینہاں بلوچ مشتیاں

چھوڑ بھیڑاں بکریاں گائیں   لیلے گابے گھتیاں

کئی سکسن مسافر بھاتے   جھوڑ کیچتوں تھرتیاں

(دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر138 صفحہ 139)

آ جھوک رانجھن یار   ملھی ٻکاں تی ہے

کئی ٻکھاں، کئی ساواں ملھاں کئی بھوریاں کئی پھکڑیاں پھلیاں

کئی ادہاں گلزار گلو ماں ونجاں تی ہے   (دیوان فرید (جلد دوم) کافی نمبر167 صفحہ 270)

آئی روہی یار ملاوڑی ہے   شالا ہووے ہر دم ساوڑی ہے

وچ ہسوں لسڑی لاوڑی ہے   گھاس ابنی سوہنڑے سنجھ کیں

(کافی نمبر92، صفحہ 672، جلد اول)

وادی ایمن تھل دے چارے   جتھاں ہر ہر جاہ کرھی قطارے

کتھ شہری ہس کو طرح   (کافی 37، صفحہ 382، جلد اول)

گذری ڈکھ ڈوہاگ دی واری   روہی گل پھل تھئی سنگاری

ہے منتادی آبیبہ ملہاری   باد شمالی لسکرے ہو

(کافی 149 صفحہ 185، جلد دوم)

جاں ڈٹھاں محض مینہ کی ٹھ کیں   ہر ہولاں کر کر یار سجن کیں

اکھیاں ملکی مد ڈکھش کسسی   گل تانگی کیں پھنگی یاحسس

(کافی نمبر98، صفحہ 653، جلد اول)

خواجہ فرید کا سچا رنگ روحانی عشق کا اظہار ہے یعنی ایک ہی دعا کی تکرار روایت سے بغاوت، طرز جذبات، فکر و خیال کی آزادی، مطرب ہونے کا جذبہ اور حسن سے لطف اندوز اور متمتع ہونے کی آرزو ہے۔ ان کا خواب ایک ایسی بستی ہے جو سرسبز و شاداب ہے اس میں سوکھی سڑی بوٹیاں اور خار مغیلاں نہیں ہیں بلکہ نئے شگوفے اور نئی کونپلیں ہیں۔

تھیاں سرسبز فرید دماں جھوکاں   سبھیں خشک جائی سوکاں

ہن ساویں کھیر، سلی ناڑیاسا   (کافی نمبر8، صفحہ 190)

ترجمہ ۔ فرید کے ٹھکانے آباد و شاداب ہو گئے۔ سوکھے سڑے پودوں میں پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ گھاس کی فراوانی سے شیر دار مویشی کے تھنوں میں دودھ نہیں سماتا۔ شکر ہے کہ مولا کریم نے اپنے فضل و کرم سے ملک ماڑ (پاکستان) کو آباد کر دیا ہے۔

سو سو جھاڳاں لکھ لکھ جھڙو   وٺڻ دي وا ڏيي پڌ ھڙو

روهي ٿئي آباد حديد   (ڪافي نمبر 31، ص 352)

ترجمہ ۔ مسافروں کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ روہی میں خوب بارش ہوئی ہے اور وہ اس قدر سرسبز و شاداب ہے کہ ہر طرف ہریاول ہی ہریاول نظر آتی ہے اور جگہ جگہ سیکڑوں مویشیوں کے ریوڑ اور لاکھوں ہرنیاں خوش و خرم نظر آ رہی ہیں۔

سانول آوین ھان ترساندیں   موسم جيتر بھارو وھار

گھر گھر ٿيندي گلزار و بھار   (ڪافي نمبر 48، ص 428)

ترجمہ ۔ اے ظالم محبوب! اب مجھے زیادہ نہ تڑپا اور آ کر گلے لگ جا کیونکہ اب تو بہار کا موسم بھی شروع ہو چکا ہے اور ہر گھر میں گل و گلزار نے رنگ جما رکھا ہے۔

سانول ڏينھ سڀاڳ دي   ھر دم مينگھ ملھار   (ڪافي نمبر 54، ص 474)

ترجمہ ۔ ساجن کے دن خوشی و مسرت کے دن ہیں آسمان ہر وقت ابر آلود رہتا ہے۔

پلپل پاڙيں پيھيں   ٿيا ٿل بساط بھار

ترجمہ ۔ باران رحمت نے روہی کو باغ و بہار بنا دیا ہے آؤ چل کر جھونپڑوں سے بیساکھ کا مزہ لیں۔

ٿيان سرسبز فريد دا جھوکاں   سوہن سبز ٿيان ڦي سڪان

بخشيں وال وٽان و بھار   (ڪافي نمبر 44، ص 426)

ترجمہ ۔ فرید کی جھوکیں سرسبز ہو گئیں اور خداوند عالم کے فضل و کرم سے سوکھے اور جلے سڑے بدن میں پھر جان پڑ گئی۔ قسمت نے ساتھ دیا اور بخت یاور ہوئے۔

ساوی آباد روہی وٹھڑی ۔ بار ٿئي گلزار   (ڪافي نمبر 6، ص 513)

ترجمہ ۔ ساری آباد روہی شاداب ہو گئی اور جنگل و بیابان پر پھولوں کی کثرت سے بہشت بریں کا دھوکہ ہونے لگا۔

خواجہ فرید کے اس خواب نے انہیں ایک نئے دور کی تصویر دکھائی ہے اور اسی لئے روہی کے لامحدود وسعتوں، چولستان کی چراگاہوں اور بنجر زمینوں کی بے آباد بستیوں کو دیکھ کر بھی وہ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور یہ لہلہاتے کھیتوں کے حسین منظر کو ہمیشہ ذہن میں رکھتے ہیں

جیں تیکوں ڈیکھا شاد ول

سوکھاں کیں نہ کر یاد ول

سکھاں تھیسن آباد ول

ایہا تیں نہ وسیں ہندمتیں سانے[1]

اردو شاعری

مدین طاہر نے 1972ء میں خواجہ غلام فرید کا اردو کلام " دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) " کے نام سے مرتب کیا اور اردو اکیڈمی بہاولپور نے اسے شائع کیا۔ مرتب لکھتے ہیں

> تاریخ بہاولپور کی تدوین کے سلسلہ میں بہاولپور و ملتان کے متعدد و ممتاز علمی گھرانوں کے ذخیرہ ہائے کتب سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی تو ساتھ ساتھ یہ دیرینہ خواہش بھی بیدار رہی کہ کسی طرح حضرت خواجہ کے اردو کلام کا مکمل ایڈیشن تیار کیا جائے کیونکہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ قبل شائع ہونے والی کتب اب بالکل نایاب ہیں۔ اس سلسلہ میں ملتان سے ہمارے ادیب دوست حامد طاہر نقی، لیکچرار گورنمنٹ نارمل سکول، ملتان کی

1- سرائیکی شاعری کی تشبیہات اور تلمیحات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(1 " بہت بہار " مرتبہ کریم نقشبندی، ارشد ملتانی، ریاض انور، مطبوعہ بزم ثقافت ملتان، بار اوّل 1961ء

(2 " پیر فرید " از محمد اللہ ہاشمی، مطبوعہ تاج بک ڈپو، لاہور بار اوّل

(3 " پنجابی کے صوفی شاعر (خواجہ غلام فرید محبو فراق اور درد و الم کا شاعر) از شفیع عقیل، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، کراچی اشاعت اوّل 1970ء

(4 " خواجہ غلام فرید (حیات و شاعری) " از مسعود حسن شہاب، مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور، بار دوم 1975ء

(5 " پیام فرید " ترتیب و ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق (غیر مطبوعہ)

(6 " گوہر شب چراغ " از ابو سعید محمد امیر خسرو، مطبوعہ کیپر آرٹ پرنٹنگ پریس ورکس لاہور، بار اوّل 1919ء

(7 " فکر فرید " از محمد بشیر احمد، مطبوعہ ... پریس لاہور

(8 " دیوان فرید " مرتبہ عزیز الرحمان

(9 " دیوان فرید " مرتبہ نور احمد فریدی

(10 Kafees Translated by Gilani Kamran and Aslam Ansari Published by Bazm-e-Saqafat, Multan, Ist edition, June 1969.

(11 " روح فرید " از رفیق خاور جسکانی، مطبوعہ بزم ثقافت ملتان بار اوّل 1977ء

ذاتی توجہ سے حضرت خواجہ فرید کے اردو دیوان کا وہ مکمل نسخہ ملا جو مدرسہ اویسیہ حامدآباد بہاولپور کا شائع کردہ ہے۔ اس سے پہلے میرے پاس بھی نسخہ موجود تھا۔ لیکن اس کے ابتدائی اور آخری کئی صفحات ضائع ہو چکے تھے اور صرف 60 غزلیں باقی تھیں۔ مہتمم حاجی طاہر فنی نے جو نسخہ مہیا کیا وہ کل 48 صفحات پر محیط ہے اور مولوی فیض احمد اویسی مہتمم مدرسہ کے زیر اہتمام پاک الیکٹرک پریس ملتان میں چھپا ہے۔ اس میں مجموعی طور پر خواجہ صاحب کی 104 منظومات شامل ہیں اس پر طبع کا پتہ مدرسہ عربیہ حامدآباد ڈاکخانہ پکا لاڑاں لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ قیام دین پور کے سال 1955ء کے بعد چھپا ہے صحت الفاظ کا اہتمام نہیں کیا گیا اور متن اغلاط سے پُر ہے۔

دوسرا اور زیادہ مکمل نسخہ وہ ہے جو شمس الدین منورالدین تاجران کتب ملتان نے حاجی رحیم بخش کے زیر اہتمام لاہور پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ سال اشاعت 1343ھ درج ہے گویا خواجہ فرید کی وفات کے 23 سال بعد چھپا ہے البتہ اس پر " بحسن صحت تمام صحت شیوہ کلام " تحریر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اشاعت کے لئے حضرت خواجہ فرید کا اپنا نسخہ حاصل کیا گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدقسمتی سے کتابت کے بعد کے پروف نہیں دیکھے گئے کیونکہ دوسری اغلاط کے علاوہ کئی جگہ حروف میں الفاظ کی جگہیں خالی چھوڑی ہوئی ہیں غالباً ابتدائی قلمی تحریر کو کاتب حضرات نہیں پڑھ سکے۔ علامہ طالوت مرحوم کے مضامین سے بھی بعض اشعار کی صحت میں مجھے بہت مدد ملی۔ اس طرح باہمی موازنہ اور مقابلہ کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید کا یہ گلدستۂ کلام ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ قارئین تک پہنچائے جائیں اور ان کے اشعار بعینہ الفاظ کی اسی چاشنی کے ساتھ شائع ہوں جو حضرت خواجہ کے عہد میں لہجی زبان کا معیار تھا۔" 1

اس اقتباس سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں

(1) مرتب کے دل میں حضرت خواجہ کے اردو کلام کا مکمل ایڈیشن شائع کرنے کی خواہش تھی جس کی

1- "حرفِ تقصیر" از صدیق طاہر (دیوان خواجہ غلام فرید اردو) ص 12، 13 مطبوعہ اردو اکیڈمی بہاولپور

تکمیل اس دیوان کو مرتب کر کے ہوئی۔

2) نصف صدی سے زیادہ عرصے قبل شائع ہونے والی کتب (کلام فرید) اب بالکل نایاب ہیں۔

3) اس سے پہلے مرتب ہونے والے کم و بیش تمام نسخے نامکمل، متن کی اغلاط سے پر اور صحت الفاظ سے عاری ہیں۔

4) مرتب کا دعویٰ ہے کہ موجودہ نسخے میں صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔

مرتب کی کچھ باتیں درست ہیں۔ جہاں تک ان کی پہلی خواہش کا تعلق ہے وہ یقیناً نیک خواہش تھی۔ جس کی تکمیل کر کے انھوں نے ایک علمی خدمت انجام دی ہے۔ ان کی تیسری بات بھی بالکل درست ہے کیونکہ میری نظر سے بھی جتنے نسخے گزرے ہیں وہ سب کے سب ناقص اور نامکمل بھی ہیں اور ان خامیوں سے پر بھی ہیں جن کا ذکر مرتب نے کیا ہے لیکن جہاں تک دوسرے اور چوتھے دعوے کا تعلق ہے وہ صحیح نہیں ہیں یعنی آپ کا یہ کہنا کہ

"نصف صدی سے زیادہ عرصہ قبل شائع ہونے والی کتب اب بالکل نایاب ہیں۔"

کیونکہ مجھے خوش قسمتی سے تین نسخے تو ایسے دستیاب ہوئے ہیں جو خود خواجہ فرید کی زندگی میں شائع ہوئے اور ان کو چھپے ہوئے سو سال سے زیادہ ہوئے ہیں، ان کے علاوہ کئی دیگر نسخے بھی ملے ہیں۔ رہا یہ دعویٰ کہ موجودہ نسخے میں صاحب کلام کے الفاظ پوری صحت کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔ یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ موجودہ دیوان بھی متن کی اغلاط سے پر ہے۔ الفاظ کی املا تک درست نہیں ہے، اشعار کے اوزان غلط ہیں۔ کتابت کی بے شمار غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں۔ ان سب کی تفصیل آگے آئے گی۔ مختصر یہ کہ یہ نسخہ کسی لحاظ سے بھی قابل رشک نہیں ہے البتہ اس میں شک نہیں کہ موجودہ دیوان میں مدیر طاہر نے وہ سارا کلام یکجا کر دیا ہے جو مختلف دواوین میں بکھرا ہوا اور منتشر صورت میں تھا اور ان کا یہ کارنامہ قابل داد ہے۔

مجھے جو نسخے دستیاب ہوئے ہیں، ان میں سے پہلا دیوان وہ ہے جو 1299ھ/1882ء میں مطبع قادری لاہور سے شائع ہوا۔ یاسمین قریشی نے اپنے تحقیقی مقالے میں انکشاف کیا ہے کہ "دیوان (دیوان

فرید مراد) کا قدیم ترین نسخہ 1884ء میں چھپا تھا۔[1] ظاہر ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ پہلا مطبوعہ دیوان 1882ء کا ہے جو میرے پاس موجود ہے۔ 36 صفحوں کے اس دیوان میں کل گیارہ اردو غزلیات شامل ہیں۔ باقی سرائیکی کلام ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ 1884ء والا دیوان خالصتاً اردو کلام پر مشتمل ہے جبکہ 1882ء اور اس کے فوراً بعد والا دیوان مخلوط ہے یعنی اردو اور سرائیکی۔ دوسرا دیوان جو ہو بہو 1882ء والے دیوان کی نقل ہے جسے اسلامیہ سٹیم پریس لاہور نے شائع کیا۔ اس میں بھی وہی گیارہ غزلیں شامل ہیں۔ البتہ تیسری غزل کا مقطع چھپنے سے رہ گیا ہے۔ باقی تمام غزلیں جوں کی توں ہیں۔ مقطع یہ ہے

نہ آج کا کہ ناصح کی پند سے بدلے
کہ ہے ازل سے دلآرام کا غلام فرید

اس پر سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ 1882ء اور 1884ء کے درمیانی عرصے میں شائع ہوا کیونکہ 1884ء/1331ھ میں جو دیوان مطبع روشن آگہی گلزار محمدی سے شائع ہوا وہ 1882ء اور اس کے بعد سٹیم پریس سے چھپنے والے دیوان سے بالکل مختلف ہے اس میں صرف اردو کلام ہے۔ 2 قطعے 4 رباعیاں، ایک مخلوط نظم اور 98 اردو غزلیں ہیں۔

نسخہ دیوان فرید اردو کا جو نسخہ ہمیں ملا ہے جو مکتبہ اویسیہ، رحیمیہ الیکٹرک پریس ملتان کا شائع کردہ ہے اور جس کا ذکر صدیق طاہر نے اپنے مختصر تبصرہ میں کیا ہے۔[2] اس پر بھی سن اشاعت درج نہیں ہے لیکن صدیق طاہر نے اس کا سال اشاعت 1955ء قرار دیا ہے۔[3] اس میں 93 اردو غزلیں، 7 رباعیات ایک سرائیکی اردو مخلوط نظم شامل ہیں۔ اس نسخے کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ غلام فرید کے اردو کلام کی اشاعت کا سلسلہ 1882ء سے شروع ہوا۔ اس کلام کی اشاعت کے بعد خواجہ صاحب کم و بیش 20 سال تک زندہ رہے (وفات 1901ء) اور ظاہر ہے انہوں نے سرائیکی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری بھی کی ہو گی۔ اس لئے 1882ء میں طبع ہونے والی اردو غزلیات کی تعداد صرف گیارہ ہے جبکہ صرف دو سال بعد یعنی 1884ء میں چھپنے والے اردو دیوان کی غزلوں کی تعداد 98 ہے۔

1- بحوالہ مقالہ برائے ایم اے اردو 1984ء بعنوان "خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری" از یاسمین قریشی ص 116 (غیر مطبوعہ)
2- دیوان خواجہ غلام فرید (اردو) مرتبہ صدیق طاہر، ص 12
3- ایضاً ص 13

صدیق طاہر کے مرتبہ اردو دیوان میں بھی 98 غزلیں، 9 رباعیات، 2 قطعے اور ایک سرائیکی اردو مخلوط نظم ہے۔ گویا 1884ء میں چھپنے والے دیوان اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس دیوان میں 7 رباعیات کا اضافہ ہے چنانچہ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ 1884ء کے بعد غالباً خواجہ صاحب نے اردو میں کچھ نہ کہا کیونکہ صدیق طاہر کا مرتب کردہ دیوان بنیادی طور پر وہی ہے جو 1884ء میں شائع ہوا تھا اور اس میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہے۔

گویا خواجہ غلام فرید کے اردو کلام کا زمانہ 1883ء سے 1901ء تک کا ہے اس لحاظ سے خواجہ صاحب داغ (1831-1905ء)، سلطان امیر کے ہمعصر رہے۔ غالب کی وفات 1867ء کے وقت ان کی عمر 22 سال (پیدائش 1845ء) تھی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ صاحب کے زمانے تک اردو غزل کی روایت نہایت پختہ اور مضبوط ہو چکی تھی، دلّی اور لکھنؤ دبستان شاعری اپنے اپنے عروج کا زمانہ دیکھ چکے تھے۔ غزل کا قدیم رنگ تغزل اپنا رنگ جما کر مستحکم ہو رہا تھا اور غزل کی اصلاح اور تبدیلی کے لئے حالی (1837-1914ء) کی تجاویز سامنے آ چکی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نہ صرف ان تبدیلیوں سے ناواقف تھے بلکہ اردو غزل کے رنگ قدیم سے بھی پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے کلام میں سودا، ظفر، اور ناسخ کے حوالے موجود ہیں۔ مثلاً[1]

اس ملک میں ہے کسی کو علم اپنی کو سمجھے
ناسخ کو بھی یہ دید کا مسئلہ نہیں آتا (ص 24)

سودا کہے جو دیکھے غزل تیری اے فرید
سو رشک سے جل جائے تیری اک آن سخن کے بیچ (ص 50)

کس ناسخ خوش بیاں کو ہے سودا سے یہ افتخار
ہے ناسخ و سودا سے دیوان یہ نمایاں (ص 72)

جل جاتا آہ رشک سے ناسخ بھی اے فرید
سمجھا کسی سے تیری جو شعر آبدار کو (ص 84)

1- اردو شاعری کی حالت کی لئے صدیق طاہر کا مرتب کردہ "دیوان خواجہ غلام فرید" (اردو) سامنے رکھا گیا ہے۔

ظلم سمجھ کا سہرا دیکھ کے اعجاز مسیح
آسیب کو لگے دل سے نظر آتا ہے (ص 92)

ان اشعار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو غزل کے اساتذہ کا کلام ان کے مطالعے میں آیا تھا بلکہ بعض جگہ بادا اشعار میں سے بعض شعر کو پڑھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ خواجہ فرید نے ناسخ کا مطالعہ گہرائی میں جا کر کیا کیونکہ ناسخ کی شاعری واقعی درد سے خالی ہے۔ بہرکیف دہلی اور علی گڑھ تک ان کے سفر کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔ اگر وہ سید جیسی اہم شخصیت سے ملے تو دوسرے کئی ایسے معروف ادبی شخصیتوں سے بھی ان کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ اور وہاں انہیں نے اردو زبان و ادب کا صحیح محاورہ اور روزمرہ سنا ہوگا لیکن کلام اساتذہ کے مطالعے اور زبان اردو کے مراکز ملاقات کے رسائی کے باوجود ان کے یہاں اردو زبان کا وہ ٹھیٹھ ٹکسالی لب و لہجہ اور منجھا ہوا انداز موجود نہیں ہے جو ہمیں اساتذہ قدیم کے یہاں ملتا ہے بلکہ ان کے ایک ہمعصر اور ہم زبان شمس الدین گیلانی کے کلام[1] میں خواجہ صاحب کے کلام کی نسبت کہیں زیادہ ترقی یافتہ لب و لہجہ اور ایسا اسلوب نظر آتا ہے جو اہل زبان کا حصہ تھا۔ مثلاً

یہ شہر ملک کی ناشیر ہے اللہ اللہ
رات بھر نالۂ شبگیر ہے اللہ اللہ

جان یہ لب آئی پر آنے کا نہیں اس کو خیال
سنگدل وہ بت بے پیر ہے اللہ اللہ [2]

مہر رکھتا نہیں کچھ یہ مہ تاباں سہرا
وسعت رخ پہ کیا حال پریشاں سہرا

چشم بد سے دکھا کے کیا عیب وہ شمع
وا سدا رہتا ہے یہ دیدۂ گریاں سہرا [3]

1- شمس الدین گیلانی کا دیوان 1864ء میں مکمل ہو چکا تھا البتہ چھپنے کی نوبت 1966ء میں آئی۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "ارمغان ادب" ص 13 اور "بہاولپور میں اردو" از مسعود حسن شہاب صفحہ 8)
2- "ارمغان ادب" مرتبہ سید نذیر علی شاہ، ص 33، مطبوعہ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور 1969ء
3- ——— ایضاً ——— ص 36

یا   یاد آتی ہے جب تیری گفتار   سر ہے اور سنگ یا در و دیوار
تیری فرقت میں اے گل خنداں   شور و فریاد ہے بہ رنگ ہزار
زار و زار کچھ نہیں ہو رہ آہ   بسکہ دل تھا سو کر چکے ہیں نثار [1]

لیکن خواجہ صاحب کے یہاں اردو غزل کا معیار زیادہ بلند نہیں ہے۔ جابجا زبان و بیان، لب و لہجے روزمرہ اور محاورے کی غلطیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بہت سے مصرعے اور اشعار وزن سے خالی ہیں۔ فنی کوتاہیاں اور خامیاں بھی موجود ہیں اس میں شک نہیں کہ کچھ کتابت اور طباعت کی کمزوریاں اور کوتاہیاں بھی ہیں لیکن کلام کے سقم بھی کچھ کم نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض غزلوں کے کچھ اشعار معیاری ہیں اور ان میں ایک منجھا ہوا انداز موجود ہے لیکن بحیثیت مجموعی یہی لگتا ہے کہ خواجہ صاحب تفنن طبع کے لئے اردو شاعری کرتے تھے۔ اپنے سچّے اور گہرے جذبوں کو سرائیکی زبان ہی کے حوالے سے ادا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل سابقہ صفحات میں آ چکی ہے۔ یہاں اردو دیوان سے چند ایک غلطیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

فرید اب افتتاح دفتر دیوان کی کیجیو
کہ تا دیوانے ہیں خاص غزلیں تیری دیوان سے   (ص 27)

مقطع میں " دفتر دیوان " کی ترکیب غلط ہے یہاں نون کا اعلان جائز نہیں ہے البتہ شعر وزن میں ہے۔

اے زاہد تو مت نازاں ہو اپنے زہد خشک پر
عباداتوں سے ہے فاسق بہتوں کا پہونچا سرا   (ص 28)

شعر میں عادت یا عبادات کی جمع " عباداتوں " غلط ہے۔

میں ہوں سگِ آستانہ فخر جہاں کا
عرش سے فوق مرتبہ ہے میری شان کا   (ص 30)

پہلے مصرعے میں " سگِ آستانہ " (اضافت کے ساتھ) کی ترکیب سے شعر بے وزن ہو گیا ہے اگر " سگ آستانہ " (بغیر اضافت کے) استعمال ہو تو یہ وزن میں ہو سکتا ہے اس طرح آستانہ کی الف کو وصل کیا جائے کا جو جائز ہے اس مصرعے میں " فخر جہاں " کی ترکیب بھی غلط ہے نون کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

1۔ " ارمغان اوچھ " مرتبہ سید ظہیر علی شاہ، ص 41

نہ دیر کی طلب ہے نہ کعبہ سے التفات
ساجد ہوں ہیچ وقت میں پیر مغاں کا (ص 30)

اس شعر میں بھی " پیر مغاں " کی ترکیب میں نون کا اعلان درست نہیں۔

باغ جناں کا پھول ہے زخم اس کے واسطے
شمشیر ہو ہے مار کے نوک سناں کا (ص 30)

دوسرے مصرعے میں " نوک سناں " کی ترکیب میں بھی نون کا اعلان درست نہیں سکتہ نون غنہ پڑھنے سے مصرعہ بے وزن ہو جاتا ہے۔

عجز و جسمانی و اعمال ناقصہ ہیں ہے یہی
حق الیقین میں شائبہ کب ہے گماں کا (ص 30)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے اگر " اعمال " کے بعد " ہے " لگا دیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو سکتا ہے دوسرے مصرعے میں " حق الیقین " میں نون کا اعلان کتابت کی غلطی ہے " یقیں " کے ساتھ مصرعہ وزن میں ہے۔

دونوں جہاں میں عزت لئے وہ ہے اے فرید
خواہ رتبہ ہو مکاں کا یا لامکاں کا (ص 30)

مقطع کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے " خواہ " کی جگہ " خا " پڑھنے سے مصرعہ وزن میں ہو گا۔

طوف احرام و مناسک سعی کے سب بھولے فرید
کعبے میں جب وہ بت ایمان شکن یاد آ گیا (ص 31)

مقطع کے دوسرے مصرعے میں " ایمان " میں یے کا اعلان پروف ریڈنگ کی غلطی ہے " امان " پڑھنے سے مصرعہ وزن میں ہو گا۔

اس زلف مضطرب کی تاثیر دیکھیو ایسی مثال مجھ کو بھی مضطر بنا دیا (ص 32)

شعر کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے اگر لفظ تاثیر سے پہلے " بھی " کا اضافہ کر لیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو جائے گا۔

کیا ہی پامال ہوئے جاں و جگر اور دل و جاں
مشکل کر اک الٹی فقط خدا کا دیکھنا (ص 35)

شعر کے دوسرے مصرعے میں فَقَط کی بجائے فَقْط استعمال ہوا ہے جو غلط ہے جس سے مصرعہ وزن میں ہے۔

میں نے بیتابی دل اپنی کشتہ سمجھا
آسماں پر کبھی جب گرد و بگولا دیکھا (ص 36)

شعر کے دوسرے مصرعے میں "گرد و بگولہ" کی ترکیب غلط ہے۔

اتنی کس پیر کی درگہ پہ جبیں سوتی ہے خلق
اپنے ہی پیر کے گھر پر جو ہمیں سلسلہ دیکھا (ص 37)

پہلے مصرعے میں اگر "کسی" کی بجائے "کس" پڑھا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو گا، ورنہ بے وزن ہے۔

جس کو ہر دم وصف آزادی میں کہتے تھے قید
آپ اسیر پیچش زلف دوتا کیوں کر ہوا (ص 40)

اس مطلع کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

ہجر کے ایّام میں جیب جگر جاتا رہا
کلیس آرام دل کا سرک و بر جاتا رہا (ص 41)

پہلے مصرعے میں "جیب جگر" کی ترکیب غلط ہے۔

پھر مری آنکھوں سے اب خون جگر پیدا ہوا
بار دیگر درد کا دل میں شرر پیدا ہوا (ص 45)

اس مطلع کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

رشک لیلیٰ دلدار سے شیریں ہوئی تلخ
اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رویا (ص 46)

شعر کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

احوال مرا دیکھ کے جو اس نے کیا ستم پر
ظلم و ستم و جور اور بیداد بہت رویا (ص 46)

اس شعر کا بھی دوسرا مصرعہ بے وزن ہے۔

جس کی نظر ہے میرے لیے خوں بہا مرا
آنکھیں چھپا کے غمزے بہا کے چلا گیا (ص 47)

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے "غمزے" لکھا گیا ہے حالانکہ "غمزہ" ہونا

چاہئے تھا کیونکہ نون کے اعلان ہی سے مصرعہ وزن میں ہوتا۔

گر عشق نہ ہوتا و غم عشق نہ ہوتا
پژمردہ یہ اتنا دل غمگیں نہ ہوتا (ص 48)

دوسرے مصرعے میں " دل غمگیں " کی ترکیب غلط ہے۔ یہاں نون کا اعلان جائز نہیں۔

کیسی طرح میں بھی یہاں گلو کو ہے اسی کی
گر آب شری تیغ کا شیریں نہ ہوتا (ص 48)

اس شعر میں "شیریں" وزن میں نہیں البتہ تلفظ سے درست ہے۔ اگر " شریں " ہوتا تو مصرعہ وزن میں ہوتا۔۔۔

پردے میں جب اس نور مطہر رو کو نکالا
سب کہنے لگے سبحانک اللہ تعالی (ص 49)

اس شعر میں سبحانک کو سبحان کا پڑھنا پڑتا ہے۔

ہیہات وہ کرتا نہیں عاشق کا مجھالا
افسوس کہ لیتا نہیں عاشق کا سنبھالا (ص 49)

اس شعر میں "شفقت" سے پہلے " پر " کی بجائے " پہ " ہونا چاہئے۔

آوارہ میں وحشت کے بیاباں کا ہوں اتنا
اک دولت مہدی سے ہماری ہے ازالا (ص 49)

اس شعر میں " شتر گربہ " ہے پہلے مصرعے میں " میں " ہے جبکہ دوسرے مصرعے میں " ہماری " اس طرح ازالہ کو ازالا لکھا گیا ہے۔

بتوں کو دیکھ کے بھولا ہے کلمۂ اسلام
یہ ابتدائی رسالے سے کی ہے تمہید (ص 51)

دوسرے مصرعے میں " تمھید " ہے " ابتدائی رسالے " کی بجائے " ابتدائی رسالہ " ہونا چاہئے اسی طرح تمہید کی بجائے " تمھید " کتابت کی غلطی ہے۔

ہو آشنائے حساب بتی کے ہیں مساجد
نہیں ہے وحدت حق ایک آں ان سے بعید (ص 51)

اس شعر میں "آستاں" کی اضافت درست نہیں ہے، غالباً شاعر "آستانے" لکھنا چاہتا ہے۔

شگفتہ نہیں کوئی رخ دلدار کو ہرگز
ہیں پردہ فریبندہ آپ ساعت سے تو پرہیز (ص 53)

مقطع کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔

صفحہ نمبر55 پر جو غزل ہے۔ اس میں سوائے دو قافیوں کے باقی تمام زیر کے قافیے ہیں جیسے کامل، حاصل، ساحل، شامل وغیرہ۔ شاعر نے اس میں بادل اور لاحاصل کے زبر کے قافیے بھی شامل کر دیئے ہیں۔ آزاد قافیے کا اعلان مطلع میں ہونا چاہیئے تھا۔

دھن میں آہ جگر میں شرار دل میں آگ
جہنم سے ہیں بہتر مجھ پہ ہجر کے ایام (ص 55)

شعر کا دوسرا مصرعہ بے وزن ہے

فرید اپنے عقیدے کو میں نے کہا ہے عیاں
جو مستحق ہو اسی کا اسی کو صدسے سلام (ص 56)

مقطع کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔

صفحہ نمبر 63 پر غزل میں حال پنہاں، ضو فشاں، خاندان، شخص میں "ں" کا اعلان کیا ہے جو غلط ہے۔

دو چند اوس سے ہوتا ہے جو اس کا بستر
سو بار جان و دل سے اگر ہم وفا کریں (ص 64)

پہلے مصرعے میں "اس" کی بجائے "اوس" کا استعمال کیا گیا ہے۔ "اس" ہی سے مصرعے وزن میں پڑھے جاتے ہیں۔ دوسرے مصرعے میں ہم وفا کی بجائے "میں وفا" درست ہوگا

جاناں تجھے ستمگر نہ کہیں تو کیا کہیں
تیرہ شب کو منور نہ کہیں تو کیا کہیں (ص 70)

اس ساری غزل میں دوسرے شعر کا پہلا، تیسرے شعر کا پہلا، چوتھے شعر کا پہلا، پانچویں شعر کا پہلا اور چھٹے شعر کا پہلا مصرعہ وزن میں ہے۔ اس کے علاوہ بے وزن مصرعے یہ ہیں

ع محمد کو خدا کا مظہر نہ کہیں تو کیا کہیں

ع جلوہ کو شرمِ محشر نہ کہیں تو کیا کہیں

ع ساحل کے دل کو پتھر نہ کہیں تو کیا کہیں

ع اس کو جہاں کا سرور نہ کہیں تو کیا کہیں

ع میں آپ کو سمندر نہ کہیں تو کیا کہیں

؎ مشکل کشا فرید دیں غیر اس کا کوئی

اس مشکل میں حیدر نہ کہیں تو کیا کہیں

ہر لمحہ شمعِ حسن کے ساماں پہ قرباں
اے جانِ مرا جاں ہے ترے جاں پہ قرباں (ص 71)

اس مطلع والی غزل میں دوسرے تیسرے شعر کے پہلے، اور دوسرے اور پانچویں شعر کے دوسرے مصرع میں تمام تراکیب میں "ں" کا اعلان وزن کو پورا کرنے کیلئے کیا گیا ہے حالانکہ درست و جائز نہیں ہے۔

بندۂ زلف بتوں کا میں دل و جاں سے ہوں
لوگ ہیں کفر سے آزاد میں ایماں سے ہوں (ص 72)

اس غزل میں چوتھے، آٹھویں اور دسویں مصرع میں ترکیب کے ساتھ "ں" کا اعلان وزن پورا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

کوہِ طور اور وادیٔ ایمن کے دشت میں
موسیٰ میں نار میں جو دیکھا میں ہے جہاں (ص 78)

اس شعر کے پہلے مصرع میں "کوہِ طور" کی بجائے "کو طور" وزن میں درست آتا ہے "ہ" نکالنے سے مصرعہ بے وزن ہو گیا ہے۔

کہیں ہیں زینتِ صحرا کہیں ہیں زیبِ جامسوتکا
کہیں خاشاکِ کوہستاں کہیں بیلِ بیاباں ہیں (ص 80)

دوسرے مصرع میں کوہستاں کی "ہ" وزن میں نہیں آتی۔

خیالِ زلف و دنداں و لبِ خوباں عالم میں
ساماں عشق بحر دل کو بدخشاں ہیں (ص 80)

اس شعر کا پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔

سقف اپنا فلک ہے چتر سر پر دود آہوں کا
بگولہ شامیانہ کیا ہی سلطان صحرا ہی (ص 80)

دوسرے مصرع میں "سلطان صحرائی" ہے اگر سلطان صحرائی کر لیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو جاتا ہے۔

وصال دوست ہی چاہیں ہیں دے یا کبھو نظارہ
خیال صورت دلدار کو جی میں شکستا رہ (ص)
فراغت پا کے سب افراط دعا و دین سے
صحن کے غم کے بوٹے یادوں دل میں جماتا رہ (ص 82)

دونوں شعروں کے پہلے مصرع وزن میں نہیں ہیں۔

حماقت کہتی ہے جو عقل صالح تجھ سے سرزد ہو
ہمیشہ چشم و گوش ہشیار سے اس کو چھپاتا رہ (ص 83)

پہلے مصرع میں عَقل کو وزن پورا کرنے کے لئے عَقُل باندھا گیا ہے۔

دردوں کا گر شمار کریں روز حشر میں
لرزہ پڑے گا خوف سے روز شمار کو (ص 84)

پہلے مصرع میں "دردوں" درد کی جمع کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

جل جاتا آگِ رشک سے ناصح بھی اے شہید
سنتا کسی سے تجھ جو شعر آبدار کو (ص 84)

اس قطع میں "آگِ رشک" کی ترکیب غلط ہے۔

اے دل تصور اس کا ہے اس کی جا بجا
گر شور نہیں ماہ ہے کافی ہلال کو (ص 85)

اس شعر کے دونوں مصرعے بے ربط ہیں۔

صفحہ نمبر 90 پر بحر غزل میں مخمس، مثنوی، مثلث اور مربع کے الفاظ نظم کر کے انشاء کی ساکھ

آگے ہیں ہم جاگو نہیں میں وزن پورا کیا گیا ہے۔

جی ہوش نہ بچائی کسی طرح بھی جب
بہک صبا کے اہل صبا سے بگڑ گئے (ص 93)

اس شعر میں "بوئے صبا" اور "اہل صبا" کی تراکیب ناقابل فہم ہیں۔

پھر گرم وہ آئے مگر میں ستم شعار
لاشے میں کو خاک میں خون میں رلا چلے (ص 94)

دوسرے مصرعے میں "خون" میں "وں" کا اعلان بحرف کی غلطی ہے، وزن میں "خوں" آتا ہے اسی طرح "رلا" کی بجائے "رولا" ہے وزن میں "رلا" ہی آتا ہے۔

آوارہ اک عشق کے جنگل کا ہوں غریب
ہم جا ملیں آئے اس سے مشتاق صبا چلے (ص 94)

مقطع میں "مشتاق" میں "ا" کا اعلان وزن کی ضرورت کے باعث کیا گیا ہے۔

اس کو کیا اطعمہ اور اشربہ سے لذت ہو
ہو کہ درد و غم و حسرت کی غذا کھاتا ہے (ص 96)

دوسرا مصرعہ وزن سے خارج ہے۔

زمانے میں نہ دیکھا غیر ساتم
مری دل ہے مشابہ کربلا کے (ص 100)

اس شعر میں دل کو مونث اور ردیف کو بحرف کی غلطی کے باعث "کی" کے بجائے "کے" کر دیا گیا ہے۔

عشق بتوں کا جب آیا ہمیں
رہ دیں بھی سب بھلایا ہمیں (ص 101)

اس شعر میں "رہ دیں" کی ترکیب درست ہے مگر وزن کے اعتبار سے "رہ دیں" آنا چاہیے۔

میں سر حائل اس بت کے پاؤں کے بیچ
میری آرزو ہے سدا اپنا ہمیشہ (ص 101)

اس شعر میں شتر گربگی ہے پہلے مصرعے میں "میں" اور دوسرے میں "ہمیں" ہے۔

ہم کو پسند یار کی بانکپن ادا لگی
دل میں لگی، جگر میں لگی، جان پہ لگی (ص 103)

دوسرے مصرعے میں قافیہ نہیں ہے۔

وہ کس طرح سے پائے مزہ زندگانی کا
جس کو ازل سے عشق دل میں ملا لگی (ص 103)

دوسرے مصرعے میں "عشق کے بعد "کی" کا لفظ آنے سے مصرعہ وزن میں ہو گا۔

وہ دل کہ جسکو جانتے ہیں کہتی ہے خلق
روز ازل سے ہو چکی ہمارے جستجو کی ہے (ص 109)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے اگر "خلق" سے پہلے "کہ" یا "یہ" لگا دیا جائے تو مصرعہ وزن میں ہو/گا۔

نہ ہے خواہش بہشتی کی نہ ہے افراس دوزخ سے
جہاں اپنا لگا دیسے وہاں مجھ کو مکاں دیسے (ص 112)

اس شعر میں افراس کی جگہ خوف ہونا چاہئے تھا اور اس غزل کے مقطع میں لفظ "مسلک" کی بجائے "مسلح" درج ہے۔

ان کے علاوہ کتابت کی بے شمار غلطیاں موجود ہیں لگتا ہے کہ اس دیوان کے مرتب نے غزلیں تو جمع کر دی ہیں لیکن ان کی صحت کا خیال نہیں رکھا اور محنت اور توجہ سے کام نہیں لیا۔ لیکن اگر ان فنی خامیوں اور شعری محاسن کی کمی سے صرف نظر کر کے ان کے کلام کے موضوعات پر نظر ڈالیں تو ان میں مرکزی موضوع تو عشق و محبت کا ہے۔ عشق و محبت کا یہ موضوع مسلک تصوف کا بھی مرکزی موضوع ہے۔ اس لئے ایسے اشعار کہ جن کا موضوع عشق ہے، مجاز اور حقیقت دونوں پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح خواجہ حافظ، اور خواجہ میر درد کے کلام میں مفہوم کی دو تہیں موجود ہوتی ہیں ایک حقیقی اور ایک مجازی ہے۔ اسی طرح خواجہ فرید کے کلام میں بھی دو جہتیں پائی جاتی ہیں ان کی ایک جہت تو مجازی مفہوم کی ہے اور دوسری حقیقی مفہوم کی۔ مثلاً

کیا کہیں یار کا کیا کیا میں سراپا دیکھا
آہ صبح نور الہی کا تماشا دیکھا

دل ہر دل میں تری شہر کا غوغا دیکھا
سر ہر سر میں تمہارا ہی سودا دیکھا

آج دل ایک صنم جامد کا مکھڑا دیکھا
جس کے آگے مہ و خورشید کو ذرہ دیکھا (ص 35)

یا تجھے دیکھا ہے میں نا حسن عشق کو کبھی
لیک صورت کو حسن عشق کا جانا دیکھا (ص 37)

میں بھی غلام اس کا ازل سے ابد تلک
کیا ہی انکھ اس کی حلقہ بہر جفا کیا (ص 43)

منعقد جب کی ہوا دیدار عاشق کا سبب
حمد للّٰہ دمدن محبت کا ثمر پیدا ہوا (ص 45)

میری نماز ہے آپ سے اسی لئے دو جہد
کہ اس کی نماز کو ہر لحظۂ کمال سجدہ ہے (ص 51)

ساجد ہیں خاک کوچۂ جاناں کو روز و شب
مسجد کہیں ہیں کہیں اور لیلیٰ کہیں (ص 61)

میں ہیں اس کا وہ کس کا ہے اے دل
جا کر اس کا بھی امتحان کریں (ص 63)

جب مجھے یاد دلآرام کا گھر آتا ہے
سجدہ آنکھوں میں چشم سے بہتر آتا ہے (ص 92)

خواجہ فرید کے یہاں تصوف کے موضوعات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وحدت الوجود، وحدت الشہود، جزو کل، ذات اور صفات، توحید، مرید و مرشد، معرفت حق، شریعت و طریقت جیسے مضامین شامل ہیں۔ خواجہ فرید کے اردو کلام میں یہ تمام مضامین کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ عام طور پر چشتیہ مسلک سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کے یہاں شریعت کی نسبت طریقت کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے ان کے نزدیک عبادات کی ظاہری پابندی سے زیادہ دل و نگاہ کی پاکیزگی کو اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے زہد خشک پر ناز بے فائدہ ہے۔ اس سے نہ تو قلب کو روشنی ملتی ہے نہ روح کو سرور۔ ظاہرداری کی عبادت سے عشق کی وہ پوجا زیادہ بہتر ہے جو خلوص دل سے کی جائے۔ اصل مسئلہ عشق کا ہے۔ خواجہ فرید اسی لئے زہد ریائی پر عشق کی پوجا کو فوقیت دیتے ہیں۔

عبادت سے ہے ذوق حق کا پوجا میرا
میرا دل یا جگا ہے جیسے اک مہتاب کی منزل (ص 28)

حجاب حضرت خوباں کا حسن میں ہے تمام
نہیں ہے مجھ کو شیخ اور برہمن سے کام (ص 56)

بتوں نے جس کے دل و دیں کو کر لیا غارت
خدا نے اس کو کیا شاہ ملک دین اسلام (ص 56)

میل زاہد کی سمت کعبہ بھی نہیں
لیک رندوں کی خاکپا ہیں ہم

دیر و کعبہ سے دل نہیں لگتا
یار کے در کی جبہہ سا ہیں ہم (ص 58)

زہد سے شوق سے دیں سے دور رہتا ہوں ولے
طالب فقر و فنا ہوں غیر اس کے مطلب نہیں (ص 79)

تو اپنے زہد پہ حاصل یہ مت نازاں ہو اے زاہد
کہ میری رشتۂ تسبیح سے زنار بہتر ہے (ص 104)

خواجہ صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ ذات مطلق کو دیر و حرم یا مسجد و مندر تک محدود نہیں کیا جا سکتا اس کا جلوہ جہاں تہاں ہے اسی لئے خواجہ صاحب کا سجدہ دیر اور کعبہ کی طلب کے لئے نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔

نہ دیر کی طلب ہے نہ کعبہ سے التفات
ساجد ہوں پنج وقت میں پیر مغاں کا (ص 30)

یہاں تک کہ طوف احرام و مناسک حج کے وقت بھی اگر وہ بت ایمان شکن یاد آ جاتا ہے تو ایک ایسا سجدہ کیف طاری ہو جاتا ہے کہ ظاہر کے ذکر و فکر سے بے نیاز ہو کر باطن کی منازل طے ہونے لگتی ہیں

طوف احرام و مناسک حج کے سب معطل رہے
کعبے میں جب وہ بت ایمان شکن یاد آ گیا (ص 31)

نہ فرض کعبے کی ہے مجھکو نہ احرام سے کام
لیک ہے اس بت کافر کیش و خود کام سے کام (ص 57)

کس طرح اس بت نہ ہو کعبے کا احترام حرام
ہو گا جو بادہ پرست اور کبھی خویشتن پرست (ص 58)

نماز یہ ہے کہ ہوں پنج وقت ساجد بت
صیام یہ ہے کہ ہوں صبح و شام ہم لب جام

ہزار سالہ عبادت بتوں نے لوٹی ہے
مری طرف سے کہو جا کے واعظوں کو پیام (ص 60)

نہ مومن ہوں نہ مشرک ہوں مرا مشرب ہے رندانہ
مرا مسجود ہے پیر مغاں کعبہ ہے میخانہ (ص 89)

اس باطنی اور روحانی تصویر کے بعد اس بت کا تصوّر بھی اتنا مزہ دیتا ہے کہ خواب میں بھی کعبے کا ارادہ پیدا نہیں ہوتا۔

کیا بت کے تصوّر نے مزہ خوب دکھایا
رویا میں بھی کعبے کا ارادہ نہیں آتا (ص 33)

نہ غرض کعبے کی ہے مجھکو نہ احرام سے کام
لیک ہے اس بت کافر وش و خود کام سے کام
ساجد یار ہیں ہم دیر و حرم سے آزاد
علت کچھ کفر سے رکھتا ہوں نہ اسلام سے کام (ص 59)

جس نے عشق کی لذت چکھ لی ہے اس کے لئے باقی ہر شے بیکار ہے۔

زاہد نہیں علاج سمجھ سودوں میں کس
داغ غم عشق اچھے لئے باغ جنان ہے (ص 134)

صوفیانہ تعلیمات میں ایک طرف تو انسانکو عاجز ذرّہ تصوّر کیا گیا ہے جس کو اپنی ہستی ختم کر کے وجود مطلق میں ضم ہو جانا چاہئے مادّی وجود ایک گناہ ہے۔ ایک بوجھ ہے، جو کثافت کو لطافت سے ہم آہنگ نہیں ہونے دیتا۔ انسان ایک قطرۂ عاجز ہے جو اپنے سمندر میں جدا ہو کر ہجر و فراق میں تڑپتا ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اپنے وجود کو مٹا کر وجود بسیط کا دائمی حصہ بن جائے لیکن دوسری طرف اس نظریہ میں انسان کو وہ عظمت بھی حاصل ہے کہ جہاں وہ "الظاہر" اور

"انا الحق" کا نعرہ بلند کرتا ہے اور اپنے وجود کو وجودِ حقیقی تصور کرنے لگتا ہے۔ گویا انسان بیک وقت اسفل بھی ہے اور افضل بھی۔ قطرہ بھی ہے اور دریا بھی، جزو بھی ہے اور کل بھی۔ لیکن سلسلہ چشتیہ سے منسلک صوفیاء کا مخصوص تصورِ انسان نہ صرف مستقبل کی ابدیت کا بلکہ اس دنیائے فانی میں بھی اس کے مرتبے کی ارفعیت کا قائل ہے۔ بابا فرید گنج شکر ہوں یا حضرت معین الدین چشتی۔۔۔ بختیار اوشی ہوں یا حضرت امیر خسرو، حافظ جمال اللہ ہوں یا حضرت سلیمان تونسوی۔ سب کے سب صوفی نہ صرف انسان کی محبت کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں بلکہ انسان کو دنیا کا محور اور مرکز سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے یہ دنیا تخلیق کی گئی ہے تاکہ یہ اپنے حسنِ عمل سے اس دنیا میں سرخرو ہو کر ابدیت کی زندگی کا مستحق بنے۔ خواجہ فرید کے ہاں انسان عظمت کا یہ تصور اشعار میں موجود ہے۔

سوائے حضرت انسان نہیں ہے مظہر کامل
اسی سے قربِ حق اب ممکن ہے ہر زماں حاصل (ص 55)

جو ڈھونڈو تم منزل ہے سبھی تجھ میں ہے عیاں
تجھ کو خدا کا مظہرہ نہ کہیں تو کیا کہیں (ص 70)

وحدت الوجود کا مسلک صوفیاء کا دین و ایمان ہے۔ وہ ساری کائنات اور اس کی کثرت کو ایک ہی وجودِ مطلق کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں اور انسان کو اس وجودِ بسیط کا ایک ذرہ اور اس بحرِ حقیقت کا ایک قطرہ تصور کرتے ہیں۔ ابن عربی کے عہد کے اثرات ملتان کے صوفیاء پر مرتب ہوئے اور اس کا سبب فصوص الحکم کا تعارف ہے جیسا کہ حضرت صدرالدین عارف ملتانی کے ذکر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عراقی نے قونیہ سے فصوص الحکم کا نسخہ اپنے شیخ بہاؤ کو روانہ کیا تھا۔ اس زمانے میں مدرسہ بہائیہ میں بھی اس کتاب کو درس میں شامل کیا گیا اور اس کے نسخے دوسرے شہروں میں بھی بھجوائے گئے۔ فصوص الحکم کے اثر سے صوفیاء میں وحدت الوجود کا تصور ان کے ذوق و وجدان کا ناگزیر حصہ بن گیا اور حسین بن منصور حلاج کے اثرات بھی صوفیاء پر کچھ کم نہ تھے۔ خواجہ فرید ابن العربی اور ابن منصور حلاج کے خیالات اور نظریات کے بھرپور دکھائی دیتے ہیں۔ وحدت الوجود کا موضوع ان کی سرائیکی شاعری کا بھی سب سے بڑا موضوع ہے اور اردو شاعری میں بھی اس مضمون کو جابجا ادا کیا ہے۔ خواجہ فرید محض نظری اور علمی سطح پر ہی اس نظریے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ اس نظریے کو وجدانی اور روحانی سطح پر تسلیم

کرتے تھے۔ یہ نظریہ ان کے لئے ایک زبردست شعری اور تخلیقی محرک ہے کیونکہ وحدت الوجود کا نظریہ بنیادی طور پر محبت کا نظریہ ہے۔ تمام نوع انسانی ایک ہی وجود واحد کا حصّہ ہے۔ چنانچہ اس نظریے نے ان کو وہ عرفان اور وہ کشف عطا کیا جس کی بدولت انہوں نے دنیا کی ذرے ذرے میں محبوب حقیقی کا مظہر دیکھا۔ غنچہ و گل ہوں یا سرو و لالہ، سنبل ہو یا نرگس شہلا، خوبان ماہ رخ ہوں یا قد طوبیٰ، وادی ایمن کا نور ہو یا یدبیضا موسیٰ، کعبہ ہو یا دیر و کلیسا ہر جا اور ہر شے میں وہ عیاں ہے۔

کعبے میں مسجدوں میں کلیسوں میں دیر میں
مومن میں مشرکوں میں نمازی میں ہے عیاں

ہے کوہ طور اور وادی ایمن کے نور میں
موسیٰ میں نار میں یدبیضا میں ہے عیاں

غنچے میں گل میں سرو میں لالہ میں داغ میں
سنبل میں اور نرگس شہلا میں ہے عیاں

ڈھولک میں سر میں تان میں ناچوں میں راگ میں
خوبان ماہ رخ قد طوبیٰ میں ہے عیاں

سچ بات کس سے کہیں کہ یہ شرک ہے خفی
حاصل کلام یہ کہ سبھی جا میں ہے عیاں (ص 78)

اس نظریے کی تحت شہوت اور دوئی کا تصوّر مٹ جاتا ہے۔ کثرت وحدت میں سمٹ جاتی ہے۔ پھر سالک راہ خدا وحدت کا عرفان حاصل کرتا، وحدت کا جام پیتا، وحدت کا طلب گار ہوتا اور وحدت کا اعلان کرتا نظر آتا ہے ماسوا سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔

بے پردہ نور دوست کا جز کل میں ہے عیاں
غنچے میں گل میں سرو میں سنبل میں ہے عیاں (ص 62)

بت خانے میں کنشت میں کعبہ میں دیر میں
دلدار کے سوا نہ کوئی دیکھا کہیں (ص 67)

عاشق روئے خدا ہیں غیر سے مطلب نہیں
سالک راہ ہدیٰ ہیں غیر سے مطلب نہیں

ایک داں ہیں ایک خواں ہیں ایک جو ہیں ایک کو
سب میں اسکو دیکھتا ہیں غیر سے مطلب نہیں

طوف کرتا ہیں میں اپنے کعبۂ دل کا مدام
اپنا خود عابد ہوا ہیں غیر سے مطلب نہیں (ص 79)

تم اپنی چشم دل میں سوچ کر دیکھو یہ اے لوگو
کہ ہر ہر جا میں میرے یار کا ذرہ سمایا ہے (ص 125)
ہر رنگ میں ظہور ہے بے رنگ یار کا
پرتو ہے گر خزاں کا تو جلوہ بہار کا (ص 137)

خواجہ فرید کی وسیع المشربی اور انسان دوستی ضرب المثل ہے۔ وہ زاہد کی خشکی ملا کی تنگ نظری اور سالک کی نخوت سے کوسوں دور تھے۔

نہ مومن ہوں نہ مشرک ہوں مرا مشرب ہے رندانہ
مرا مسجود ہے پیر مغاں کعبہ ہے میخانہ (ص 89)

محبوب کے ظلم و ستم کا مضمون اردو اور فارسی شاعری میں ایک روایتی مضمون کی حیثیت رکھتا ہے لیکن محبوب کی جفا کا یہ تجربہ محض دکھاوے یا مجازی نہیں ہے۔ سلوک کے سفر میں بھی سالک کو اس کا تجربہ کرنا پڑتا ہے اور خواجہ صاحب کو چونکہ دونوں تجربات حاصل رہے ہیں اس لئے محبوب کے جور و جفا اور ظلم و ستم کا ذکر ان کی غزلوں میں مجاز اور حقیقت دونوں پہلو لیکر آتا ہے۔ خواجہ صاحب اپنے ستم گار محبوب کی شوخی و بدمستی پر اپنا دل اور اپنا دین دونوں قربان کرنے کو تیار نظر آتے ہیں کیونکہ ایسے ستم گار اور شوخ و بدمست محبوب کا نام لینے میں بھی وہ مزا ہے جو لطف و شکر میں نہیں اور اس کے ظلم و ستم میں بھی دلداری کا پہلو نکلتا ہے۔

یار جیسا کوئی دلدار نہ دیکھا نہ سنا
ایسا بھی ظالم و خونخوار نہ دیکھا نہ سنا

جیسا پندار سراپا دل و دیں کا دشمن
شوخ و بدمست و ستمگار نہ دیکھا ہوگا

نام تیرا جو مزا دیتا ہے رگ رگ میں صنم
قند اور شکر میں اے یار نہ دیکھا ہوگا   (ص 28)

اور

دراصل سلوک کی راہ میں بھی/عشق مجازی کی راہ میں بھی محبوب کے مزاج کا تلون کوئی عجیب حادثہ نہیں ہے۔ سالک یا عاشق کے امتحان کے لئے ہو یا سلوک اور عشق کی کیفیات میں تلون و کیف پیدا کرنے کی خاطر ـــ بہرحال محبوب کے مزاج میں کچھ متضاد خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔ کبھی وہ عین وفا دکھائی دیتا ہے تو کبھی بے وفا۔ کبھی وہ مہرباں دکھائی دیتا ہے تو کبھی نامہرباں۔ کبھی وہ متوجہ دکھائی دیتا ہے تو کبھی بے پروا۔ اس کا یہ تلون عشق میں کشمکش کا ذائقہ بھی پیدا کرتا ہے اور کشش بھی بڑھاتا ہے۔

وہ بت عین وفا پھر بے وفا کیونکر ہوا
لطف و احسان و کرم جور و جفا کیونکر ہوا

وہ بھی دن تھے جب جیتے تھے کبھی اک پل جدا
اب رقیبوں سے وہ جا کر آشنا کیونکر ہوا   (ص 40)

غافل ہوا دلدار رقیبوں کے پیار میں
موسم خزاں کے آگئے فصل بہار میں   (ص 76)

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بیمار محبت کا مسیحا کبھی کبھی اتنا کٹھور اور سنگدل بن جاتا ہے کہ عاشق کے دم واپسیں پر بھی وہ آنے کا نام نہیں لیتا۔

دم ضعف سے سراپا جاتا نہیں آتا
اس حال پہ بھی اپنا مسیحا نہیں آتا   (ص 33)

چنانچہ ہجر میں محبوب کی یاد عاشق کے لئے ایسا ہی تجربہ بن جاتی ہے جیسے بلبل کا دور خزاں میں بہاروں کی یاد کا اور اس یادوں میں تلخی اور شدت اس لئے بھی ہے کہ دونوں نے عین وصال کے لمحات گزارے ہیں اور اس کے لئے سفر بھی کیا ہے۔ بلبل نے اپنے آشیانے سے چمن تک کا اور عاشق نے اپنے گھر سے کوچۂ دلدار تک کا۔ اب دونوں اپنے ٹھکانوں پر ہیں لیکن دونوں مضطرب اور بے قرار ہیں۔ ایک خزاں

کے دھوں میں ہزار زہر بھرے آشیانے میں اداس ہے اور دوسرا گھر کے بے زار کن ماحول میں مقید ہے۔ دونوں کو اظہار حسن کے لئے موسم گل کے ساتھ ساتھ محبوب کا وطن اور محلوں کا چمن بھی چاہئے۔

اپنے گھر میں اب مجھے اس کا وطن یاد آ گیا
گیا بلبل کو خزاں میں گل چمن یاد آ گیا (ص 31)

لیکن آخر دونوں گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، سالک کو سلوک کی راہ میں اور عاشق کو عشق کی مسافت محبوب کے نقوش پا کی مستقل رہتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی منزل مقصود کو پا لے مگر اس کی یہ آرزو، آرزوئے ناتمام رہتی ہے کیونکہ منزل کا ملنا خواہشوں کے زوال کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے عاشق اور سالک کی حیات طلب میں ہے۔ باہم میں نہیں۔ حصول منزل کے لئے نقش کف پا کی تلاش میں رواں دواں رہنا ہی عاشق کا مقدر ہے اور غالباً اس کی وجہ حیات بھی۔ اقبال کا تو سارا فلسفہ اسی سعی پیہم کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہنے کا ہے۔ خواجہ فرید اس مسجود کے آرزو مند تو ہیں لیکن اس حقیقت تک بھی پہنچ چکے ہیں کہ محبوب کا نقش کف پا ہاتھ آنا بڑا مشکل ہے۔

تا کعبہ سمجھ کر اسے مسجود بناؤں
کیوں ہاتھ تیرا نقش کف پا نہیں آتا (ص 33)

چونکہ دل کا مطالبہ عشق کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا اس لئے اس "سفر ناتمام" میں دل کی شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ حصول کا متمنی ہے۔ جبکہ عشق امتحان کے مراحل کا متقاضی ہے۔ اس کو وصال میں مزہ ملتا ہے جبکہ عشق ہجر و فراق کی لذت ہو ہے۔ خواجہ فرید عاشق کے صبر طلب تقاضوں کو پورا کرنے کے قائل ہیں اس لئے اپنے دل کو مشورہ دیتے ہیں

رکھتے ہی قدم وادی غم میں ہوا شاکی
کچھ عشق کا ڈھب اور دل شیدا نہیں آتا (ص 36)

اور جب منزل مراد کے خار زاروں سے گزر کر سالک کو محبوب کے نقش پا کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو اس خاک پا کے ذرے ذرے میں اسے اکائنات کی ایک وسیع کائنات چھپی ہوئی نظر آتی ہے۔ جس میں اس کا کعبہ بھی پوشیدہ ہے اور اقصیٰ کا قبلہ بھی۔ اس کی کششوں کا صلہ اسے اس جلوے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

حق یا حق تری میں جلوۂ اعلٰی دیکھا
کعبے کی گرد کے ہر ذرّہ میں کعبہ دیکھا (ص 35)

اس غزل میں وحدت و کثرت اور جزو کل کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

ذوق وحدت سے ہر اک جز کو اعلٰی سمجھا
چغد کو مثل ھما، زاغ کو عنقا سمجھا

میں نے ہر قطرہ کو دریا سے زیادہ سمجھا
ذرّہ کے نور کو خورشید سے بالا سمجھا (ص 38)

یہ بیدہ جو دہشتہ کا جز کل میں ہے عیاں
غنچے میں گل میں سبو میں سنبل میں ہے جہاں (ص 62)

بت خانے میں کنشت میں کعبہ میں دیر میں
دلدار کے سوا تو کوئی دوسرا نہیں

واللہ میری چشم خدا بیں کی دید میں
کوئی نہیں ہے بت کا وہ عین خدا نہیں (ص 67)

اور سالک یا عاشق کو ایک ایسا پندار بھی نصیب ہو جاتا ہے کہ وہ بجا طور پر یہ دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ

ہے بیخودی میں مستی دل کی ترقی دیکھو
خم گردوں کو اک ادنٰی سا پیالہ سمجھا (ص 37)

بس ہے جن کے ہی رہبر خرام عشق کے
توبہ ان کے لئے راہ سفر ہے اک گام (ص 60)

خواجہ صاحب کے یہاں محبوب کے حوالے سے کبھی کبھی ایسے خوبصورت شعر بھی مل جاتے ہیں جن میں سمٹا ہوا اور بہتہ غزلیہ اسلوب اور کلاسیکل رنگ تغزل پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی طویل غزل کے چند شعر ہیں جن میں غزلیہ شاعری کے تمام محاسن موجود ہیں۔

کیا کہوں یار کا کیا کیا میں سراپا دیکھا
اک عجب حسن الٰہی کا تماشا دیکھا
آج دل ایک عجب چاند کا ٹکڑا دیکھا
جس کے آگے مہِ خورشید کو ذرّہ دیکھا

دیکھ کے خلوت میں دل کو یہ محسوس ہوا
اس کے گھر کا یہ اک ادنیٰ سا نمونہ دیکھا (ص 35)

ستم و جور و جفا کیونکہ نہ ہو اس پہ تمام
جس کے قامت کو قیامت سے بھی بالا دیکھا (ص 36)

کیوں نہ ہو خلق خدا کو وہ دل و جاں سے عزیز
جس کے آگے مہ کنعاں کو زلیخا دیکھا

تجھ پہ ہے رشک کا اتمام مصحفی داغ کا ختم
باغ میں تجھ سا نہ گل مجھ سا نہ لالہ دیکھا (ص 37)

اور اس قسم کے شعر ایک غزل تک محدود نہیں ہیں بلکہ دیوان کی دوسری غزلوں میں بھی مل جاتے ہیں مثلاً*

وہ بھی دن تھے جب ہوتے تھے کبھی اک پل جدا
اب رقیبوں سے وہ جا کر آشنا کیونکر ہوا (ص 40)

اس کا دل آخر تلک میری طرف مائل نہیں
شاید اس غم میں آہوں کا اثر جاتا رہا

مے نہیں، ساقی نہیں، شاہد نہیں ہے اے فرید
کیا خزاں آئی گل و برگ و ثمر جاتا رہا (ص 41)

جور فلک کی کیا میں شکایت کروں فرید
بدنام ہر گلی میں مجھے ہوتا کیسا (ص 42)

گلزار و لالہ زار میں لگتا نہیں ہے دل
صیاد نے قفس سے مجھے جب رہا کیا (ص 43)

غم خانہ میں وہ مجھ کو بٹھا کے چلا گیا
آتشکدہ میں جاں کو جلا کے چلا گیا

لطف و عتاب کا حاصل دیکھو اے دوستو
دل میں خلش ہے جاں میں سما کے چلا گیا

سب ہے مجھے قبول و لیکن فرید یہ
پھر آ کے جو کہ دل کو بجھا کے چلا گیا (ص 47)

ہیہات جو کرتا نہیں مشتاق پہ شفقت
افسوس کہ لیتا نہیں عاشق کا سنبھالا

لاشے کو مرے دیکھ کے کہنے لگا ہنس کر
کیا شکر کا ڈھنگ اس نے نکالا ہے الٰہی (ص 48)

ہم تو صیاد کا رخ دیکھ کے قفس میں ڈھلے
نہ تھی دانے کی طلب اور نہ تھا دام سے کام

بلبل و قمری بھی مشتاق بنے ہیں میرے
جب پڑا ہے مجھے اس سرو و گل اندام سے کام (ص 57)

مستور اگر نہ کہئے ہم پر
اے بتو مظہرِ خدا ہیں ہم

خواب میں بھی نہیں ہے وصل حبیب
یہ نصیبوں کے پیشوا ہیں ہم (ص 58)

شوخی سے طرز دیکھئے نہ اٹھی ادا کہیں
آفت کہیں غضب کہیں ہوش و بلا کہیں

آوارہ مثل ہیں صحرائے نگار میں
سنبلا کہیں ہما کہیں باد صبا کہیں

اللہ رے فرط حسن کہ اس کی نگاہ ناز
جادو کہیں ہے سحر کہیں معجزا کہیں

ہیں سجدہ اک نگاہ سے اس کے فریدوش
زاہد کہیں، فقیہ کہیں، پارسا کہیں (ص 61)

قیس و فرہاد محبت کے لئے آئے ہیں
عجب آشفتہ ہیں وحشت کے سامانوں میں (ص 73)

آرام مری جان کو شام و سحر نہیں
جس دن سے میں پاس تو آرام بسر نہیں

سودا نہیں ہے جس میں تمہارا، ہے وہ سر کہاں
اور دل کہاں ہے جس میں ترا شور و شر نہیں

جب غور کر اٹھیں تو سمجھ اپنی بے کسی
شکوہ بہت ہے ان کی توجہ ادھر نہیں (ص 75)

لاتا ہے جنگ کے لئے سامان ہئے ہئے
کرتا ہے قتل کیسے مسلماں ہئے ہئے

کہ سوز کہ گداز، کبھی درد و آہ غم
آتے ہیں دل کے خانہ میں مہماں ہئے ہئے

سلطان عشق سے مجھے انعام میں ملا
صحرا ہئے ہئے میں بیاباں ہئے ہئے

اتنے نہیں فلک پہ ستارے زمیں پہ جس
جتنے ہوئے ہیں عاشق ناداں ہئے ہئے (ص 105)

اپنے تغافل سے اٹھا نہ یار اپنے ہاتھ سے
کرے اس شوریدہ سر کو خوار اپنے ہاتھ سے

حالی کیا ستم ہے ہائے کیا طنز تھا
اپنا کر کے پھر دیا آزار اپنے ہاتھ سے (ص 133)

خواجہ صاحب کی اردو شاعری کا مجموعی تاثر فنی لحاظ سے نہیں موضوع کے اعتبار سے مشخص ہوتا ہے۔ یعنی فنی محاسن سے زیادہ آپ نے موضوع کی طرف دھیان دیا ہے تاہم ایک شاعر کی حیثیت سے وہ شاعری کی فنی خصوصیت سے بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے۔اس لئے کہیں کہیں ان فنی محاسن کا احساس بھی ہوتا ہے۔مثلاً اکثر اشعار میں رعایت لفظی کا خیال رکھا ہے۔

فرقت میں یار کے در دنداں کی یاد میں
اشکوں سے چشم عالم گوہر بنا دیا (ص 32)

سن کر مرے اشعار کہ ہیں بادۂ وحشت
کس سر میں یہ سودا ترا سودا نہیں آتا (ص 34)

طور کے شعور کی اور وادیٔ ایمن کی قسم
تیری مسجد میں بھی صبح بہ بتخانہ سا (ص 39)

رشک لب دلدار سے شیریں ہوئی تلخی
اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رویا (ص 46)

تکرار الفاظ سے حسن پیدا کرنے کی کوشش بھی دکھائی دیتی ہے۔

ہر لحظہ تیرے حسن کی مسلمان بہ قربان
اے جان مری جان ہے تری جان پہ قربان (ص 71)

تشبیہ و استعارہ کا استعمال شعری تجربات کے لئے ناگزیر عنصر کی حیثیت رکھتا ہے زمانۂ قدیم میں تشبیہ کا زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ زمانہ مابعد میں استعارہ کو اہمیت حاصل ہوئی اور آج استعارے کی ترقی یافتہ صورت یعنی علامت کا استعمال عام ہے۔ خواجہ صاحب کے یہاں زیادہ تر تشبیہات کا استعمال ملتا ہے۔

اپنے گھر میں اب مجھے اس کا وطن یاد آ گیا
گویا بلبل کو خزاں میں گل چمن یاد آ گیا (ص 31)

اس زلف مضطرب کی تاثیر دیکھیو
اپنی مثال مجھ کو بھی مضطرب بنا دیا (ص 32)

تجھ پہ ہے پلک کا اعتماد سمجھے داغ کا ختم
باغ میں تجھ سا نہ گل تجھ سا نہ لالہ دیکھا (ص 37)

طور کے شعور کی اور وادیٔ ایمن کی قسم
تیری مسجد میں بھی صبح بہ بتا (ص 39)

ردیف کا حسن ملاحظہ فرمائیے

لاتا ہے حسن کے لیے سامان عشق سے
کرتا ہے التماس کبھو سلطان عشق سے

کہ سوز کہ گداز، کبھی درد و غم و الم
آتے ہیں دل کے خانہ میں مہمان عشق سے

سلطان عشق نے مجھے انعام میں دیا
صحرا دیئے جس میں بیابان ہے عشق سے

اتنے نہیں فلک پہ ستارے زمیں پہ حسن
جتنے ہوئے ہیں عاشق جاناں تلے تلے (ص 105)

بعض جگہ تلمیحات کا استعمال بھی ملتا ہے۔

عصا کے رنگ تابی نے کیا آتش بہت اچھا
ید بیضا کو شمع طور کو خورشید تاباں کو (ص 81)

اور مخلوق ہے کیا بلکہ سلیماں ہے مطیع
میں نے شاید کہ کبھی یار کا چھلا دیکھا (ص 37)
(حضرت سلیمان کی انگشتری کی طرف اشارہ ہے۔)

رشک لب دلدار سے شیریں ہوئی تلخ
اور دیکھ کے حال اس کا فرہاد بہت رویا (ص 46)

کھودا ہے اس کوہ کو میں نے تو خودی کے
شاباش مجھے بھی ہو ہے فرہاد کو شاباش (ص 54)

ہے کوہ طور اور وادی ایمن کے نور میں
موسیٰ میں یار میں ید بیضا میں ہے عیاں (ص 78)

غرض خواجہ فرید کی اردو شاعری کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس میں موضوعات کی کمی نہیں ۔ عشق و محبت اور اس کے متعلقات، تصوف اور اس کے مسائل، مجاز اور حقیقت کا امتزاج اور زندگی کے متنوع تجربات ان کے موضوعات کا معیار قائم کرتے ہیں۔ البتہ ان کا اسلوب اور رنگ تغزل بہت معیاری نہیں ہے اور اس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں کہ ایک تو اردو خواجہ صاحب کی مادری زبان نہ تھی پھر بقول تابش الوری

"ان کے دور میں لکھنؤ اور دہلی کے دبستان شعری کے جو اجالے بہاولپور کے دور افتادہ صحرائی ادب تک ابھی بھی تازگی کے ساتھ نہیں پہنچ سکے تھے۔" 1

اس لئے اگر ان کی اردو شاعری کا معیار بہت بلند نہیں ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ تابش الوری نے درست لکھا ہے کہ

1۔ "مقدمہ" دیوان خواجہ غلام فرید، ص 24

"اگر ہم تہذیبی و فنی مراکز سے دوری، بہاولپور کی ادبی سنگلاخی اور علاقائی سطح پر اردو ادب کے ارتقائی عمل کی سست رفتاری کے حقائق کو سامنے رکھ کر فرید کی شاعری کا تجزیہ کریں تو ہمیں اس میں بھی ان کی انفرادیت و عظمت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔" 1

مختصر یہ کہ خواجہ فرید کی اردو شاعری کا معیار زیادہ بلند نہ ہونے کے باوجود ـــ سرزمین ملتان اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں اردو زبان و ادب کی ترویج اور تدریجی ارتقاء میں اس کے تاریخی کردار سے انکار ممکن نہیں۔۔۔

ان نہایت اہم صوفیائے کرام کے علاوہ جن کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے، مولوی محمد موسیٰ پاک صدیقی، سلطان احمد قتال، سلطان عبدالحکیم، شاہ علی مردان وغیرہ بھی سرزمین ملتان کے قابل ذکر صوفیاء میں سے ہیں۔ مولوی محمد موسیٰ پاک صدیقی کا شمار حافظ محمد جمال کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ علامہ طالوت کے مطابق "آپ کی بیعت حضرت خواجہ غریب نواز حافظ محمد جمال اللہ ملتانی سے ہوئی 2۔" آپ ایسے قابل، متبحر عالم تھے کہ جب آپ نے حضرت حافظ جمال سے بیعت کی تو وہ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا

"میں مبارک باد کا مستحق ہوں کہ میرا متوسل ایک برگزیدہ و کامل انسان ہوا ہے۔ نیز دیگر فرمایا " میرے جنگل میں ایک شاہین آ گیا ہے۔" 3

حافظ جمال کے یہ شاہین حافظ محمد حیات کے بیٹے اور شیخ فخرالدین عراقی کی اولاد میں سے تھے جو کہ خراسان سے ملتان آئے تھے اور بہاء الدین زکریا کی دامادی کا شرف حاصل کیا تھا۔ موسیٰ پاک صدیقی 1196ھ میں پیدا ہوئے 4۔ آپ علم و فضل میں بے مثال تھے۔ اس دور کی بیشتر علمی کتابیں آپ کو یاد

1- "مقدمہ" دیوان خواجہ غلام فرید، ص 24
2- بحوالہ مضمون "حضرت عراقی کی اولاد" مطبوعہ تنویر، سالنامہ اگست ستمبر 1937ء، ص 78
3- بحوالہ "اولیائے ملتان" از بشیر حسین ناظم، ص 116
4- بحوالہ "اولیائے ملتان" از نیمت ملتانی، ص 160

تھیں۔ علامہ طالوت کے مطابق " مولانا

" مولانا محمد موسیٰ پاک حافظ کلام اللہ اور علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ نام و مقام کی مناسبت سے کلیم اللہ لقب پایا۔" 1

حضرت موسیٰ پاک نے حصول علم کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ آپ نے ملتان میں ایک مسجد تعمیر کرائی جہاں سو کے قریب طلباء و علماء ہر وقت موجود رہتے تھے جنہیں یہاں کے لنگر سے ایک وقت کا کھانا بھی ملتا تھا۔ خواجہ موسیٰ پاک پہلے نماز فجر کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک خود ذکر الہی میں مصروف رہتے اور اس کے بعد طلباء کو درس دیتے۔ جن میں مختلف کتب تصوف اور تفسیر شامل ہوتیں۔ درس دیتے ہوئے خود آپ پر بھی کیف و وجدان کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس کے بعد رات تک آپ کے معمول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرحت ملتانی لکھتے ہیں کہ

" آپ دوپہر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے اور نماز ظہر کے بعد ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔ تلاوت قرآن کریم، دلائل شریف، ختم خواجگان اور وظائف ما ثورہ آپ کے معمولات میں شامل تھے۔ مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک آپ نوافل کے ذریعے قرب الہی میں رہتے۔
عشاء کی نماز آدھی رات کے بعد ادا فرماتے اور گھر تشریف لے جاتے۔ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے تہجد کے وقت دوبارہ مسجد میں آ جاتے اور نماز تہجد ادا فرما کر ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔" 2

دوسرے صوفیاء کی طرح خواجہ موسیٰ پاک بھی اپنے تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرنے میں فخر محسوس کرتے اور اس سلسلے میں ہزاروں شاگرد رکھتے ہوئے بھی آپ کسی کو تکلیف نہ دیتے۔ آپ کی درس گاہ میں عام لوگوں سے لے کر امراء اور یہاں تک حاکم ملتان نواب مظفر خاں شہید تک سبق پڑھنے آتے۔ عمر کمال خاں کے مطابق

" لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے علوم ظاہری کی تحصیل کی، آپ کے درس میں نواب، شہزادے، امیر اور غریب طلباء سب شامل ہوتے تھے اور برابر

1۔ بحوالہ حسینی " حضرت عراقی کی امداد " مطبوعہ رسالہ تنویر ملتان سالنامہ اگست ستمبر 1937ء صفحہ 78
2۔ بحوالہ " اولیائے ملتان " از فرحت ملتانی، ص 162

فیض یاب ہوتے تھے اور آپ کسی سے کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ علوم ظاہری کے علاوہ آپ علوم باطنی سے بھی مالا مال تھے۔" 1

اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

" حضرت موسیٰ پاک صاحب کا علمی مشغلہ اتنا تھا کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں ستر اسّی طلباء موجود رہتے تھے۔ بسا اوقات تفسیر پڑھاتے وقت آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔" 2

نواب مظفر خان شہید عقیدت کے طور پر آپ کو تحائف بھجواتا لیکن آپ خود انہیں کبھی استعمال نہ کرتے بلکہ آگے لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ آپ لوگوں کے مسائل سنتے اور شریعت محمدی کی روشنی میں ان کا حل فرماتے کبھی خلاف شرع بات پر آپ نے غور نہیں فرمایا

خواجہ موسیٰ پاک صدیقی کو تصنیف و تالیف کے کاموں سے بھی بہت دلچسپی تھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں جنہیں ملتان پر سکھوں کے عہد میں جلا دیا گیا، اب آپ کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔

موسیٰ پاک صدیقی نے پینسٹھ (65) برس کی عمر میں 11 رجب المرجب 1261[3]ھ میں وفات پائی اور ملتان میں حسین آگاہی کے اندر محلہ کانگراں میں آپ کا مزار ہے۔ قطعہ تاریخ وفات اس طرح ہے۔

جی شیخ ناصر عصر مولوی موسیٰ   کہ عمدۃ العلماء بود صاحب حق

بروز یازدھم پنجشنبہ ز رجب   ز شوق شاہد حق برفت از دنیا

بطور قرب خدا یافت جا کلیم صفت   ندیم شاہ رسل شد بہ صحبت الہادی

سروش غیب بہ مسکینی برائے تاریخش   بگفت مولوی آمد بحضور الرب خدا

1- بحوالہ " نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد " از سرور کمال خان، ص 284
2- بحوالہ " مراۃ ملتان " از سید اولاد علی گیلانی ، ص 593
3- آپ کے سن وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سلطان احمد قتال بھی اہم بزرگ گزرے ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اچ اہل علم وعرفان کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں دنیائے اسلام کی اہم شخصیات نے جنم لیا، خدمات انجام دیں اور پھر یہیں دفن ہوئے۔ اچ میں یہ سلسلہ سید جلال الدین سرخ بخاری سے چلتا ہے جو 642ھ میں بخارا سے ملتان آئے۔ اور پھر اچ میں مستقل رہائش اختیار کر لی ان کے بعد ان کی اولاد نے علم و ہدایت کا یہ فیضان جاری رکھا اور یہاں سے نامور صوفیاء نے جنم لیا۔ جن کی خدمات کا اعتراف آج تک زمانہ گزرنے کے باوجود کیا جاتا ہے۔ انہی صوفیاء میں دسویں صدی ہجری کے وسط میں ایک اور عظیم ہستی کا اضافہ ہوتا ہے اور یہ شخصیت سلطان احمد قتال کی ہے۔ آپ سید جلال حسنی اوچوی کی اولاد میں سے ہیں آپ نے اچ میں 949ھ[1] میں سید علم الدین کے گھر میں جنم لیا۔ حکم چند لکھتے ہیں

"پیر سلطان احمد معروف پیر قتال صورت اطلٰی اس خاندان کا قوم سید حسنی اولاد سید جلال اچ والہ سے ہے۔"[2]

پیر سلطان احمد مادر زاد ولی تھے۔ آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو کچھ منہ سے نکالتے فوراً پورا ہو جاتا تھا۔[3]

آپ جوان ہوئے تو آپ کا زیادہ تر وقت فقراء کی صحبت میں بسر ہونے لگا۔[4] جہاں آپ ریاضت و مجاہدہ کرتے۔ اکیس سال کی عمر میں 970ھ میں آپ نے کہروڑ میں پیر علی سرمد سے بیعت کی۔[5] اور آپ کا زیادہ تر وقت ان کی صحبت میں گزرنے لگا۔ پیر علی سرمد نے آپ کی کرامت کے باعث آپ کو قتال کا لقب عطا کیا۔ روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ

"ایک دفعہ آپ کے پیر سو رہے تھے کہ چوروں نے جمع ہو کر غل مچانا شروع

1۔ آپ کے سن پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔
2۔ "تواریخ ملتان" از لالہ حکم چند، 1880ء، ص 92
3۔ اس بارے میں کئی روایات مشہور ہیں ملاحظہ فرمائیے (1) اوچ ملتان از اکرام الحق، ص 68 (2) تواریخ ملتان از حکم چند ص 92 (3) مرقع ملتان، از اولاد علی گیلانی ص 223-224 (4) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 101 (5) اولیائے ملتان از فرحت ملتانی، ص 199-200
4۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کا ذکر نہیں ملتا۔
5۔ (1) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم، ص 100 (2) تواریخ ملتان از حکم چند ص 92

کر دیا آپ نے یہ سمجھ کر کہ چڑیوں کی چوں چوں آپ کے مرشد کے آرام میں خلل ہے حکم دیا کہ چڑیوا مر جاؤ۔ پس حسب اس ارشاد کے سب چڑیاں مر گئیں۔ جب حضرت پیر صاحب بیدار ہوئے تو آپ نے یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ تم قتال ہو۔ اس دن سے آپ کا لقب قتال مشہور ہوا۔" 1

آپ اپنے مرشد کے ہمراہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اور واپسی پر بغداد، کربلائے معلیٰ اور بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان آئے، حکم جد کے مطابق

" ہمراہ مقدم علی سرور حج کیا اور بعد زیارت بغداد شریف و کربلا و قدوس بخارا شریف کے بمقام ملتان مزار شاہ رکن عالم میں چلہ کشی کی۔" 2

پھر آپ اپنے مرشد کے حکم سے ضلع بار کے علاقہ تشریف لے گئے اور وہاں کی دو اقوام لکھویرہ اور سلدیرہ آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئیں۔ 990ھ میں آپ ملتان کے نزدیک جلال پور میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وفات تک وہیں رہے۔ آپ نے 1041ھ میں بانوے (92) سال کی عمر میں وفات پائی۔3 وہیں جلال پور سرولہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ پہلے آپ کا مزار کچا تھا پھر آپ کی اولاد نے آپ کا پختہ مزار بنوایا۔

آپ نے چچا کے گھر شادی کی جو سخت پیر رہتے تھے۔ آپ کے دو بیٹے عالم پیر اور شاہ اسماعیل تھے۔------

سلطان عبدالحکیم کا تعلق تحصیل کبیروالہ کے موضع [illegible] میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد شیخ غلام علی دریائے راوی کے کنارے قصبہ کے نزدیک بستی لبوں میں رہتے تھے اور لوگوں کے کپڑے دھونے اور رنگنے کا کام کرتے تھے۔ عبدالحکیم کو شروع ہی سے عبادت و ریاضت سے لگاؤ تھا اس لئے آپ اپنے والد کے کام میں مدد کرنے کی بجائے سارا وقت عبادت و ریاضت میں گزار دیتے تھے۔ آپ سے بھی کئی کرامات منسوب ہیں۔ کچھ عرصہ آپ بستی لبوں میں رہے پھر موضع ملکا میں آ گئے پھر چک راجہ میں منتقل ہوئے جہاں مسجد اور

1۔ بحوالہ " مرقع ملتان " از الطاف علی کھلابی، ص 223
2۔ بحوالہ " تاریخ ملتان " ص 92
3۔ آپکے سن ولادت کی طرح سن وفات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مکان شمشیر کش ہے۔ اور وہاں آپؒ کے نام سے بستی آباد کی جو آج بھی تحصیل کبیروالہ میں واقع ہے۔ اکرام المحسنین نے آپ کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا جو انہیں کہیں سے دستیاب ہوا ہے یہ آپ کے مرید صالح کا لکھا ہوا ہے فارسی زبان کی مثنوی ہے جس میں تقریباً پندرہ سو اشعار ہیں اور آپ کے حالات زندگی درج ہیں۔ آپ کی والدہ مائی سیوراں ہیں جنہوں نے آپ کی تربیت کی۔ ان کے مطابق

"سلطان عبدالحکیم کو شروع سے ہی قرآن پڑھنے کا شوق تھا، کھیل کود کی طرف رغبت کم تھی جوان ہوئے تو شریعت کے پابند تھے، یہ بھی رنگ ریزی کا کام کرتے تھے۔ ایک بار ایک شخص کے ذریعے جو صاحب کشف معلوم ہوتے تھے، انہوں نے اپنا نام جمال اللہ بتایا اور سلطان اہوں از اولاد مخدوم عبدالرشید سے رجوع کرنے کو کہا" 1

آپ کا سن وصال 1145ھ بیان کیا جاتا ہے، آپ کے ملفوظات کو مولوی ثناء اللہ نے "ملفوظات حضرت سلطان عبدالحکیم" کے عنوان سے پنجابی میں منظوم کیا ہے۔[2]

اسی طرح بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے بزرگوں میں ایک اہم نام شاہ علی مردان کا بھی آتا ہے آپ کا تعلق ملتان کے سلسلہ اویسیہ سے تھا جو کہ حضرت اویس قرنی سے منسوب ہے۔ دراصل آپ کے مرشد خواجہ محمد مراد اویسی کا شمار محکم الدین سیرانی کے خلفاء میں ہوتا ہے[3] جن کا تعلق بیعت سلسلہ اویسیہ میں سے تھا۔

مخدوم شاہ علی مردان 1196ھ[4] میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا حافظ علی محمد تھا جن کے جد امجد (دادا) فقیر عبدالقادر عراقی عرب سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور بعض

1۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" ص 244

2۔ ملاحظہ فرمائیں "ملفوظات سلطان عبدالحکیم" از مولوی ثناء اللہ مطبوعہ مظہرالعلوم السلطانی عبدالحکیم میں اشاعت درج نہیں ہے

3۔ تذکرہ ملتان "اولیائے ملتان" ص 144 پر لکھتے ہیں کہ شاہ علی مردان نے محکم الدین سیرانی سے بیعت حاصل کی تھی جو درست نہیں ہے اس لئے کہ محکم الدین سیرانی کی وفات 6 ربیع الآخر 1188ھ میں ہوئی جبکہ آپ کا سن ولادت 1196ھ ہے۔ دراصل آپکے مرشد خواجہ محمد مراد اویسی نے محکم الدین سیرانی سے بیعت کی تھی۔

4۔ بحوالہ "اولیائے ملتان" از اکرام المحسنین ص 151 جبکہ تذکرہ ملتان "اولیائے ملتان" [illegible] ص 143 میں آپکا سن ولادت 1188ھ لکھتے ہیں اور سن وفات 1282ھ لکھتے ہوئے عمر 86 سال لکھتے ہیں، یہاں تذکرہ

رہائش اختیار کر لی تھی۔ مولانا حافظ علی محمد اندرون بوہڑ گیٹ میں بازار کتب فروشاں میں رہتے تھے۔ اور درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ حافظ علی محمد نے اپنے بیٹے شاہ علی مردان کو خود تعلیم دی۔ ابتدا قرآن مجید سے کی اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم دی۔ علم حاصل کرنے کے بعد شاہ علی مردان نے اپنے والد کی طرح درس و تدریس کا سلسلہ اپنایا اور بڑے بڑے خاندانوں کے لوگ آپ سے درس لیتے رہے ہیں۔ ان میں گیلانی، قریشی، پٹھان اور گردیزی خاندان کے لوگ شامل ہیں۔

شاہ علی مردان درس و تدریس کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لئے بہاولپور بھی تشریف لے گئے اور وہاں جامع مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر آپ دوبارہ ملتان تشریف لائے اور یہاں پھر سے درس دینا شروع کر دیا۔ آپ کے زمانے میں نواب مظفر خان شہید حاکم ملتان تھا جو خود بھی آپ کا قدردان تھا لیکن آپ امراء کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے اس لئے آپ نے اس کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہ رکھا اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں کہ

> " آپ مظفر خانی عہد کے ایک بے نظیر عالم تھے۔ طالبان علم و ادب اکناف عالم سے کشاں کشاں یہاں پہنچتے اور آپ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لیتے۔ ریاضت و مجاہدات میں بھی آپ بے مثال تھے۔ آپ متقیوں اور عشاق کی امداد کیا کرتے تھے۔ " 1

اکرام الحق لکھتے ہیں کہ

> " ملتان میں مشہور فقہ، حدیث و تفسیر کے مدرس تھے، ریاضت کے طور پر پانی بھرتے اور بے نیاز رہتے۔ امراء سے اجتناب اور غربا سے صحبت کرتے تھے۔" 2

شاہ علی مردان نے 23 رجب المرجب 1282ھ میں وفات پائی[3] آپ کا مزار چوک شہیداں اور حرم گیٹ کے درمیان والی سڑک پر ہے۔

اولاد علی گیلانی اور اکرام الحق نے آپ سے ایک کتاب " لطائف سبعہ " منسوب کی ہے جو کہ غلط ہے " لطائف سبعہ " محمد حسین داحلی کی تصنیف ہے۔ شاہ علی مردان نے اس کی تلخیص کی ہے۔[4]

1۔ " اولیائے ملتان " ص 229، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول جنوری 1984ء
2۔ " ارض ملتان " ص 152　　3۔ آپ کی سن وفات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
4۔ " حدیقۃ الاولیاء " از غلام سرور لاہوری، ص 208، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

یہاں تک جن صوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بدولت ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا جائزہ ہم اگلے باب میں لیں گے۔۔۔

کتابیات (چوتھا باب)

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر و سن اشاعت
۱	ارشد ملتانی	پریت مہار	بزم ثقافت ملتان
۲	اکرام الحق شیخ	ارض ملتان	شعبہ نشر و اشاعت الاکرام ملتان
۳	اللہ بخش خان بلوچ، مولوی	خاتم سلیمانی	اسلامیہ پریس لاہور، ۱۳۲۵ھ
۴	امام الدین، فقیر	تاج السالکین (فارسی)	مطبع مرتضوی دہلی، ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء
۵	امام بخش خواجہ مترجم صالح محمد	گلشن ابرار اردو ترجمہ حدیقۃ الاسرار	حدیقہ پریس، ملتان
۶	ایچ۔ اے۔ سی۔ آربیسن	فیصلہ مقدمہ دیوانی، مقدمہ نمبر ۱۰۱، ۱۹۱۱ء (خواجہ حامد و محمود)	یونین پرنٹنگ ورکس لدھیانہ ۱۹۱۳ء
۷	ایس سعید اللہ شاہ	پیر فرید	تاج بک ڈپو لاہور، بار اول
۸	بدایونی عبد القادر	منتخب التواریخ (جلد سوم)	ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۹	پرہاروی، عبد العزیز مترجم قاضی محمد برخوردار	گلزار جمالیہ، اردو ترجمہ انوار جمالیہ	ابوالعلائی آگرہ ۱۳۲۵ھ
۱۰	پرہاروی، عبد العزیز مترجم محمد اعظم سعیدی	انوار جمالیہ	سرائیکی اردو رائیٹرز گلڈ آف پاکستان کراچی
۱۱	جسکانی رفیق خان	روح فرید	بزم ثقافت ملتان بار اول ۱۹۷۷ء
۱۲	حفیظ الرحمٰن مولوی	ذکر کرام	مطبوعہ دہلی رجب المرجب ۱۳۵۲ھ
۱۳	حکم چند	تواریخ ملتان	اس کتاب کا ابتدائی صفحہ غائب ہے اسلئے مطبع کا پتہ نہیں چلتا
۱۴	ثناء اللہ، مولوی	ملفوظات حضرت سلطان عبد الحکیم	مطبع العلوم الجیلانی عبد الحکیم
۱۵	رکن الدین	اشارات فریدی (فارسی) (پہلی جلد تا چوتھی جلد)	مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ
۱۶	رکن الدین مترجم کپتان واحد بخش سیال	مقابیس المجالس	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۹ء
۱۷	سالک عبد المجید	مسلم ثقافت ہندوستان میں	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور طبع دوم
۱۸	سرور لاہوری، غلام	حدیقۃ الاولیاء	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

۱۹	سلیمان نجم الدین	مناقب المحبوبین	اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۹ء
۲۰	سلیمانی ، نجم الدین	ایضاً	مطبع محمدی لاہور
۲۱	سیالوی شمس الحق	مراۃ العاشقین (فارسی)	مصطفائی لاہور ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء
۲۲	سیالوی ، شمس الحق مترجم غلام نظام الدین	مراۃ العاشقین (اردو ترجمہ)	اسلامک بک فاؤنڈیشن ، لاہور
۲۳	شفیق عقیل	پنجابی کے پانچ قدیم شاعر	انجمن ترقی اردو کراچی بار اوّل ۱۹۶۰ء
۲۴	شہاب ، مسعود حسن	خطہ پاک اوچ	اردو اکیڈمی بہاولپور طبع اوّل ۱۹۶۷ء
۲۵	شہاب ، مسعود حسن	اولیائے بہاولپور	اردو اکیڈمی ، بہاولپور بار دوم
۲۶	شہاب ، مسعود حسن	خواجہ غلام فرید حیات و شاعری	جدید پریس لاہور
۲۷	شہزادہ محمد اختر	مناقب فریدی	مطبع احمد دہلی
۲۸	صالح محمد ، مولوی	سیرت سلیمان	مطبوعہ لاہور ۱۹۳۵ء
۲۹	صالح محمد ، مولوی	حیات سلیمان تونسوی	چشتیہ کتاب گھر لاہور ۱۹۵۲ء (حصہ اوّل)
۳۰	صدیق طاہر (مرتب)	دیوان فرید (اردو)	اردو اکیڈمی بہاولپور
۳۱	طاہر تونسوی ڈاکٹر	ملتان میں اردو شاعری	سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۵ء
۳۲	عبد الجبار (مرتب)	انتخاب مناقب سلیمانیہ	حمیدیہ سٹیم پریس لاہور ۱۳۲۵ھ
۳۳	عبد الحق مہر ڈاکٹر	فرید لسانی تحقیقات	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان بار اوّل ۱۹۸۵ء
۳۴	عبد الحق مہر ، ڈاکٹر	نور جمال	سرائیکی ادبی بورڈ ملتان ۱۹۸۲ء
۳۵	عبید اللہ ملتانی ، مولانا	سیر دلبراں (فارسی)	لیں عام پریس لاہور ، ماہ صفر ۱۳۲۲ھ
۳۶	ایضاً (مترجم ولحمد یحییٰ سیال)	سیر دلبراں (اردو ترجمہ)	سوئی فاؤنڈیشن ، بہاولپور طبع اوّل ۱۴۰۰ھ
۳۷	عبد الحئی ندوی سید	نزہتہ الخواطر جلد ششم	دائرہ المعارف حیدر آباد دکن
۳۸	عزیز الرحمٰن ، مولوی (مرتب) مقدمہ از علامہ نسیم طالوت	"دیوان فرید" (مقدمہ)	
۳۹	عمر کمال خان	نواب مظفر خان شہید اور ان کا عہد	فاروقی کتب خانہ ملتان

۴۰	غلام محمد خان	مناقب سلیمانی (فارسی)	در مطبع احمدی دہلی ۱۲۸۸ھ
۴۱	غلام فرید، خواجہ مترجم شیخ احمد سعید چشتی	مناقب محبوبیہ	انجمن فکر فرید کوٹ مٹھن، اوّل بار ۱۹۸۲ء
۴۲	غلام فرید، خواجہ	فوائد فریدیہ (فارسی)	مطبع محمدی مجتبائی لاہور ۱۳۱۲ھ
۴۳	ایضاً	دیوان فرید (اردو) ۱۸۸۲ء	در مطبع قادری لاہور
۴۴	ایضاً	ایضاً ۱۸۸۴ء	اسلامیہ سٹیم پریس لاہور
۴۵	ایضاً	ایضاً ۱۸۸۲ء	مطبع گلزار الٰہی گلزار محمد
۴۶	ایضاً	ایضاً	مکتبہ اویسیہ، بہاولپور
۴۷	غلام فخرالدین خواجہ	دیوان اوحدی	مکتبہ الجمان، جہانیاں منڈی خانیوال
۴۸	فرحت ملتانی	اولیائے ملتان	مکتبہ تعمیر ادب، ملتان بار سوم ۱۹۸۲ء
۴۹	فریدی، نور احمد	"دیوان فریدی" (حصہ اوّل و دوم)	قصر الادب ملتان
۵۰	[illegible] اللہ	تحفہ [illegible] ([illegible])	مطبع محمدی، لاہور
۵۱	[illegible] اللہ خان قصوری	مقدمہ توضیح شریف	ایضاً
۵۲	قاضی جاوید	[illegible]	شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع اوّل ۱۹۷۹ء
۵۳	ایضاً	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء	بک ٹریڈرز، لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۷ء
۵۴	قریشی عبدالغفور	پنجابی ادب دی کہانی	لاہور ۱۹۵۲ء
۵۵	کیفی جام پوری	سرائیکی شاعری	سید الیکٹرک پریس ملتان ۱۹۶۹ء
۵۶	کنہیا لال	تاریخ پنجاب	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
۵۷	گل محمد احمد پوری خواجہ	تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)	نول کشور کانپور
۵۸	گل محمد احمد پوری خواجہ مترجم مسعود حسن شہاب	تکملہ سیر الاولیاء	مکتبہ الہام، بہاولپور
۵۹	گیلانی، اولاد علی	اولیائے ملتان	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۳ء
۶۰	ایضاً	مرقع ملتان	سیکرٹری [illegible] بورڈ ملتان سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔
۶۱	گیلانی، شمس الدین	ارمغان اوحد	سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور ۱۹۷۲ء

۳۲	گیلانی، موسٰی پاک شہید	تیسیر الشافعی	مطبع نیر دہلی ۱۳۰۶ھ
۳۳	لینگر، ایم ولیم مترجم (غلام رسول مہر)	انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم	لاہور ۱۹۶۱ء
۳۴	محدث دہلوی، عبدالحق	اخبار الاخیار فی اسرار الابرار	در مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲
۳۵	مفتی محی الدین عرف مفتی خیرالدین	تصور عارفان (فارسی) جلد دوم	پنجابی اکیڈمی لاہور
۳۶	محمد اکرام، شیخ	رود کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ، ساتویں بار ۱۹۷۱ء
۳۷	محمد الیاس نیّر	خیر البشر	قصر الادب، حیدر پور تلمیوالی (بہاولپور)
۳۸	محمد الدین	ذکر حبیب	مطبوعہ لاہور ۱۳۲۲ھ
۳۹	محمد انور تیمور	گوہر شب چراغ	کوہ آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، بار اول ۱۹۶۶ء
۴۰	محمد بشیر اختر	نقد فرید	نقوش پریس لاہور
۴۱	محمد حسین للّٰہی ڈاکٹر	خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء	اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور
۴۲	ایضاً	تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی اردو ترجمہ نافع السالکین	متاع ادب لاہور بار اوّل
۴۳	محمد سلیم جمالی، مخدوم زادہ	ظہور جمال	جمال لائبریری، ملتان
۴۴	محمد شفیع، مولوی	مقالات دینی و علمی (حصّہ اوّل)	مزدور پرنٹنگ پریس لاہور
۴۵	محمد عبدالحکیم شرف قادری	تذکرہ اکابر اہل سنت	مکتبہ قادریہ لاہور
۴۶	ناظر بشیر حسینی	اولیائے ملتان	سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور
۴۷	نظامی، خلیق احمد	تاریخ مشائخ چشت	دارالمصنفین اسلام آباد
۴۸		تحفۃ الابرار (جدول ثانی)	مطبع رضوی دہلی

اخبار

۴۹	عبدالحق مہر، ڈاکٹر	ملتان کی اسلامی دورِ حکومت کی انحطاط کی چار عظیم شخصیتیں	امروز ملتان نمبر جون ۱۹۷۸ء

۸۰	محمد اقبال عاصی	حضرت مفتی غلام حسن شہید رحمۃ اللہ علیہ	امروز ۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء
۸۱	نور احمد فریدی	حافظ محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید	امروز (خاص ایڈیشن) ۳ جون ۱۹۸۳ء

رسالہ

۸۲	نسیم طالوت عامہ	"حضرت عراقی کی اولاد"	"تنویر" ملتان سالنامہ اگست ستمبر ۱۹۴۷ء

غیر مطبوعہ

۸۳	عبدالحق، ڈاکٹر	پیام فرید
۸۴	یاسین قریشی	خواجہ غلام فرید کی اردو شاعری

قلمی نسخے (پوتھا یا ب)

۸۵	اعلم الدین، مولانا (مرتب)	نافع السالکین (فارسی ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی۔
۸۶	احمد یار، حافظ (مؤلف)	منتخب ملفوظ شریف حضرت خواجہ سلیمان تونسوی (فارسی)
۸۷	یار محمد بن تاج چشتی (مرتب)	گلشن ابرار (فارسی)
۸۸	امام بخش، خواجہ	
۸۹	درزی تونسوی، میاں	مناقب سلیمانی (فارسی یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف کے حاشیے پر لکھی گئی ہے)
۹۰	رکن الدین، مولوی	اشارات فریدی (حصہ پنجم) فارسی، ملفوظات خواجہ غلام فرید
۹۱	زاہد شاہ چشتی مخدوم (سید)	اسرار الکمالیہ (فارسی)، ملفوظات حافظ محمد جمال ملتانی
۹۲	سعد اللہ رضوی (سید) علیہ محمد امین (کاتب)	بحر السرائر (فارسی)

۹۳	عبد الغفور انصاری ، مولوی المتخلص عبد الله	در تعریف خواجه خدا بخش(سرائیکی منظوم)
۹۴	غلام حسن شہید ، چشتی	انوار جمالیه (فارسی) سوانح عمری حافظ محمد جمال ملتانی
۹۵	ایضاً	دیوان حسن (فارسی)
۹۶	ایضاً	نورالہدایت (مثنوی فارسی)
۹۷	ایضاً	رساله نور الہدیٰ (فارسی)
۹۸	ایضاً	کلمات الانتخاب (عربی)
۹۹	ایضاً	دیوان متفرقات (اردو ، سرائیکی ، ہندی اور پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف)
۱۰۰	غلام فخرالدین تونسوی مولانا حکیم محمد عمر چشتی (مرتب)	خلاصته الفوائد مشتمل بر حالات خواجه نور محمد مہاروی ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ
۱۰۱	یار محمد خلیفه غلام حسن شہید	تذکره حضرت محبوب ذوالمنن ۱۳۲۰ھ
۱۰۲	فقیر محمد عارف	نوحه غم ، در بیان سفر بیت الله شریف و مدینه (سرائیکی) ۱۳۰۱ھ
۱۰۳	نظام الملک	مناقب فخریه مشتمل بر حالات خواجه فخرالدین دہلوی ۹۳ ۱۲ھ
۱۰۴	یار محمد بن تاج محمد (مرتب) لحمیدالدین (کاتب)	المنتخب ملفوظ فارسی کتابت ۱۴ محرم ۱۳۱۲ھ
۱۰۵	یار محمد بن تاج محمد (کاتب)	انوار سلیمانیه (فارسی) (یه دونوں "منتخب ملفوظ شریف" کی قلمی نسخه میں مرتب کاتب مختلف ہیں)
۱۰۶	میاں غلام محمد ولد حافظ محمد بختیار	

BIBLIOGRAPHY.

1- C. Shackle "[illegible]"
Bazm-e-Saqafat, Multan.

2- C. Shackle " The Teaching of Khwaja Farid"
Bazm-e-Saqafat, Multan.

3- Translated by Aslam [illegible]/[illegible] "[illegible]"
Bazm-e-Saqafat Multan ---- First Edition 1966.

4- Nasir Ali [illegible] " [illegible]
Urdu [illegible], Bahawalpur.

باب پنجم

ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ (مجموعی جائزہ)

(الف) ملتان کی فنون لطیفہ و علیہ پر صوفیاء کے اثرات

(ب) ملتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیاء کے اثرات

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیاء کے اثرات کا مجموعی جائزہ

ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ

(الف) ملتان کے فنون لطیفہ و مفیدہ پر صوفیاء کے اثرات کا جائزہ

سرزمین ملتان کو قرنوں سے پہلے سے اسلامی تہذیب و معاشرت کے حامل قدیم ترین شہروں اور ملکوں پر جو فضیلت حاصل رہی ہے۔ اس کا سبب محض اس کی قدامت یا بابل، مینوا اور موہنجو داڑو کی ہم عصری یا ہمسری نہیں بلکہ اس کا یہ شرف ان صوفیاء اور اولیائے کرام کی بدولت قائم ہوا جنہوں نے اس سرزمین کو اپنا مستقل مستقر بنایا اور یہاں رشد و ہدایت، علم و عرفان، تعلیم و تعلّم اور فلسفہ و تصوف کے بیج بوئے بلکہ تہذیب و ثقافت اور ادب و شعر میں نفاست اور تصویری پہلوؤں کو بھی عام کیا۔ ارض ملتان کے کاخ و کوہ، قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) اور قدیم اسلوب تعمیر کی حامل عمارتیں، خانقاہیں اور مسجدیں کئی صدیوں اور قرنوں کی تہذیبی جھلکیاں دیتی ہوئی ہیں۔ جملہ فنون لطیفہ و مفیدہ کی نشو و نما ارض ملتان میں از منۂ قدیم سے تہذیب و ثقافت کے ارتقاء کا حصہ رہی ہے۔ فن تعمیر، شاعری، موسیقی، ادب، مصوری، سنگ تراشی، کاشی گری، خطاطی، جلد سازی، طب و حکمت، قالین بافی ظروف سازی، نقاشی اور دیگر فنون کے لحاظ سے ملتان دنیا کے کسی بھی شہر سے پیچھے نہیں رہا۔ ارتقاء کا عمل کسی اتفاقی یا لمحاتی حادثے کا مرہون منت نہیں ہوتا بلکہ اس میں صدیوں کے انسانی تجربات شامل ہوتے ہیں۔ انسانی سوچ، انسانی محنت اور انسانی مساعی کا ثمرہ جہاں روایات کو جنم دیتا ہے وہاں امکانات کو بھی منکشف کرتا ہے۔ ابتدائی انسان نے جو ورثہ آئندہ نسل کو منتقل کیا آنے والی نے اس سے استفادے کے بعد اس میں اضافہ کیا۔ نئے آفاق تلاش کئے اور پھر اس روایت میں جدت کو تخلیق کر کے عظیم مستقبل کی طرح ڈالی۔

فنون لطیفہ ہوں یا مفیدہ ۔۔۔ ان کی ابتداء انفرادی سطح پر ہوئی کسی ایک انسان نے ایک چیز ایجاد کی لیکن اس کی اختراع نے انسانی زندگی کو نئے امکانات سے روشناس کرایا اور پھر اجتماعی سطح کی صنعت و ہیئت نے اسے ایک ایسے ورثے میں تبدیل کر دیا جس نے اجتماعی زندگی کی برکتوں میں اضافہ کیا۔ ملتان میں تہذیب و ثقافت اور ادب و فن کی ترویج کا سہرا زیادہ تر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے سر جاتا ہے کیونکہ صوفیائے کرام نے شائستہ اور شستہ اعمال کی جو بنیاد ڈالی وہ ان کے ادراک جمال اور تشکیل جمال کے سلسلے کی کاوشوں کا ثمرہ تھا۔ ان فنون کے پیچھے صوفیاء کے عقائد، تصوّرات اور اظہارات کی توانائی بھی موجود تھی اور ان کے تہذیبی مزاج اور داخلی واردات کی قوت بھی۔۔۔ فنون لطیفہ ہوں یا مفیدہ ۔۔۔ ان میں افراد اور اقوام کے تہذیبی رویّے، مذہبی تصورات، ذہنی و قلبی واردات اور نسلی عناصر کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ ملتان میں فنون لطیفہ و مفیدہ کے ارتقاء پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فنون کو تہذیبی اور ثقافتی ورثہ بنانے میں ان بزرگوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ جن کے لمعات عرفان سے لوگوں کے قلب و نظر مستنیر ہوئے اور پھر انہوں نے بھی عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے اظہار کے نئے نئے وسیلے اختیار کئے۔ کبھی شعر و ادب کو وسیلہ بنایا کبھی عمارتوں کی تعمیر میں عقیدت کا اظہار کیا کبھی نقاشی اور کاشی گری کے ذریعے ان کی تزئین اور آرائش کی۔ کبھی صوفیاء کے ملفوظات کو محفوظ رکھنے کی خاطر خطاطی کے جوہر دکھائے، پھر ان مقدس صفحات کو منقش و مصوّر کیا۔ کبھی سماع کی وجد آور محفلیں سجائیں کبھی ان صوفیاء کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے مدرسے اور مکتب قائم کئے ۔۔۔ اور یہی ہمارے بیشتر ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ورثے کا محرک صوفیائے کرام کا وجود مسعود ہی تھا۔ اس اجمال کی تفصیل کیلئے سب سے پہلے ہم فن تعمیر کا تاریخی جائزہ لیتے ہیں۔

۱- فنِ تعمیر

کسی بھی قوم کا فن تعمیر اس کی معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی ضرورتوں کا آئینہ دار ہوتا ہے مذہب نے فن تعمیر کو بہت متاثر کیا ہے۔ مذہب نے عبادت کا تصوّر دیا جس سے عبادت خانے وجود میں

آئے جو اس مذہب کے عقائد کے مطابق تعمیر کئے گئے ۔ فن تعمیر پر اسلام کی گہری چھاپ ہے۔ مساجد اور خانقاہیں مسلم فن تعمیر کے عظیم مظاہر ہیں۔ مسلم فن تعمیر کے بارے میں ڈاکٹر سید اسد علی لکھتے ہیں

> " جغرافیائی اعتبار سے اسلامی تہذیب و تمدن کی نشو و نما ایسے علاقوں میں ہوئی تھی جہاں بڑے اور گھنے جنگل نام کو بھی نہ تھے جہاں وسیع وعریض ریگستان اور حد نظر زمین کے ہوتے ہوئے بھی ہر چیز بڑی صاف اور واضح دکھائی پڑتی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم فن تعمیر میں مکانی ستھرائی ، حجم گہرائی، اخلاق کی عمدگی اور ساخت کی عظمت صاف دکھائی پڑتی ہے۔ اسلامی ممالک میں بہت مضبوط عمارتی لکڑی بھی زیادہ حاصل نہیں ہو پاتی تھی اور کئی علاقوں میں تو بڑے بڑے پتھر بھی حاصل نہیں ہو پاتے تھے۔ ان تمام خامیوں کے باوجود اسلام کی اجتماعی عبادت، مساوات جیسی صفات کی وجہ سے معمار کافی وسیع رقبے کو تعمیرات کے لئے منتخب کرتے تھے جس میں بڑے بڑے صحن ، محراب، دالان، گول گنبد وغیرہ بنائے پڑتے ہیں۔
>
> عرب کے مسلمان ہو جانے کے بعد وہاں کی تمام ثقافتی چیزوں کو قرآن کی روشنی میں اسلامی رنگ میں رنگ لیا گیا۔ اس کے بعد اسلام کی اشاعت جہاں جہاں ہوئی ، وہاں وہاں رسوم کو اسلامی آدرشوں کے مطابق ڈھال کر مسلم ثقافت کو ترقی دی گئی ۔ مسلم فن تعمیر نے کہیں تو غرناطہ کے قصرۃ الزہرا اور قصر احمر، کہیں بغداد کے قصر آسی اور قصر زبیدہ کے طرز تعمیر کو اسلامی آدرشوں پر ڈھال کر اختیار کیا ، کہیں ایرانی ہشت پہلو طرز تعمیر کو اپنایا ، کہیں بازنطینی، سریانی اثرات کو قبول کیا۔ اس طرح اسپین، سلوقیا ، مصر، یونان ، روم، بازنطینی، بغداد ، ایران وغیرہ جہاں جہاں بھی اسلامی توحید پرستی کی اشاعت ہوئی ، مسلمانوں نے اسلام کی روشنی میں ڈھال کر وہاں کی ثقافت اور فن کو اختیار کر لیا۔ " 1

مذکورہ بالا اقتباس میں مسلم فن تعمیر کی چند مجموعی اور امتیازی خصوصیات کا تذکرہ ہے جن میں مکانی حجم گہرائی، ساخت کی عظمت،پختگی، صحن کی فراخی ، دالان، گول گنبد وغیرہ نمایاں ہیں۔ اس اقتباس

---

1 ۔ " ہندی ادب کے بھکتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات " مصنفہ ڈاکٹر سید اسد علی مترجمہ ڈاکٹر حامد اسد ، ص 239 تا 240 ، ترقی اردو بیورو ، نئی دہلی ، پہلا ایڈیشن، 1979ء

سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم فن تعمیر نے دیگر تہذیبوں کے فن تعمیر سے بھی اثر قبول کیا ہے۔

جب مسلمان برصغیر ہند و پاک میں آئے تو اپنا فن تعمیر بھی ساتھ لائے۔ انھوں نے مقامی فن تعمیر سے بھی استفادہ کیا لیکن اسلامی خصوصیات کو برقرار رکھا۔ دونوں طرز ہائے تعمیر میں واضح فرق موجود ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں

> "اسلامی اور ہندوانی فن تعمیر میں نہ صرف صوری اعتبار سے فرق ہے بلکہ معنوی اعتبار سے بھی اختلاف ہے اور دونوں میں تعمیر کے علیحدہ علیحدہ طریقے بھی برتے گئے ہیں ...... مسلمانوں اور ہندوؤں کی مختلف مذہبی و معاشرتی رسوم، نیز ان حالات کے مطالعہ سے جن کے ماتحت وہ زندگی بسر کرتے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کے طرز تعمیر کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا لازمی تھا۔ مسلمان جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے ان کا طریق عبادت بالکل سادہ تھا وہ خدا کو بتوں کے مجازی پیکر میں دیکھنے کے قائل نہ تھے۔ پادریوں اور پجاریوں کی طرح ان کے کوئی پیشہ ور مذہبی پیشوا نہ تھے اور نہ وہ پراسرار فضا تھی جو ایسے مذہبی لوگوں کے گرد پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان مردوں کو دفن کرنے کے معتقد تھے ان میں قبروں پر باقاعدہ مقبرے بطور یادگار تعمیر کرنے کا رواج قائم ہو چکا تھا ...... طریقہ تعمیر میں ایک اور فرق یہ تھا کہ ہندو عمارت کو جوڑنے والے مسالے مثلاً چونے کا استعمال نہیں کرتے تھے اس کے برخلاف مسلمانوں کی عمارتوں میں چونا بکثرت استعمال ہوتا .... مسلمانوں کی مسجد کھلی اور وسیع اور نماز باجماعت کے لئے بڑے بڑے دالانوں پر مشتمل ہوتی تھی اس کے برعکس ہندوؤں کے مندر میں صرف دیوتا کی مورت کے لئے ایک چھوٹا کمرہ ہوتا تھا جس تک پہنچنے کے لئے ایک طویل تنگ و تاریک گزرگاہ ہوتی تھی ...... ہندو اپنی عمارتوں کو سانچوں میں ڈھلی ہوئی مورتوں وغیرہ سے آراستہ کیا کرتے تھے اور مسلمان رنگ، خطوط، ابھرواں نقاشی اور معماری سے آرائش زیادہ طبیعاتی اور پرکار ہوتی تھیں لیکن مسلمان اپنی آرائش میں بہت اعتدال سے کام لیتے تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں نے بعض نئی نئی چیزیں بھی داخل کیں مثلاً مینار اور محرابیں، گنبد کا گول مثلث، ڈاٹ دار محرابیں، آہنی، طرز اور

> صحن گنبد والے دوسرے پھاٹک وغیرہ بعض اوقات وہ اپنی عمارتوں پر نقاشی اور طلاکاری بھی کرتے تھے اور کبھی مقامی وشتی سے پیدا کرنے اور تعمیری خصوصیات کو نمایاں کرنے کے مختلف رنگوں کے پتھر بھی کام میں لاتے تھے۔ بعد میں انہوں نے چینی کاری کا استعمال کیا جس نے ترقی کر کے شیشہ کاری کی شکل اختیار کی۔ مسلمان کاشی کار اینٹیں بنانے اور پچی کاری کی صنعتیں بھی اپنے ساتھ لائے تھے لیکن انہوں نے خاکہ کی شان و شوکت، عظمت کی دلآویزی اور خط تکنیک پر زور دیا۔ جو ان تمام لوازمات سے زیادہ موثر ثابت ہوا۔ انہوں نے خیالات کے بیچ و خم کھاتے موجوں کی مصور کی موسیقی سے فن تعمیر کو چار چاند لگا دیے۔" ۱

مذکورہ اقتباسات میں ہندو اور اسلامی طرز تعمیر میں واضح فرق بیان کیا گیا ہے۔ یہ فرق اس لئے بھی ناگزیر تھا کہ دونوں قوموں کی طرز معاشرت اور مذاق ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ البتہ مسلمانوں نے جہاں مقامی طرز تعمیر سے فائدہ اٹھایا وہاں برصغیر کے فن تعمیر پر گہرا اثر بھی چھوڑا۔ فن تعمیر کی بیشتر مروجہ اصطلاحات کا عربی اور فارسی سے تعلق ہے جو یہاں کی زبانوں میں کھپ گئی ہیں۔ مثلاً راج، قلعی، مستری، بارہ دری، دالان، خلوتخانہ، بالاخانہ، دیوان خاص، قلعہ، مقبرہ، محل وغیرہ۔ مسجد اور خانقاہ مسلم فن تعمیر کے دو بڑے مظاہر ہیں۔ ملتان کی سر زمین میں ان دونوں میں فن تعمیر کے نادر نمونے موجود ہیں۔ ملتان میں فن تعمیر میں جدت اور اختراع کا آغاز بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد ہوا۔ انہوں نے از راہ عقیدت مقبروں اور مزاروں کی تعمیر میں خاص طرز کی نمود پیدا کی۔ خانقاہوں اور مساجد و مدارس کی تعمیر کے سلسلے میں کاشی گری کا فن چمکا۔ دلکش اور دلچسپ نقش و نگار سے مزین کاشی سلیں مغل دور میں عموماً مقبول ہوئیں۔ کاشی گری کے خاندان ملتان میں اب بھی موجود ہیں۔ اور انہوں نے یہ فن ورثے میں پایا ہے اب ہم ذیل میں فن تعمیر کے کچھ نمونوں کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

مساجد

مسجد مسلم فن تعمیر کی آئینہ دار ہے۔ یہ گنبد، محراب، دالان اور میناروں پر مشتمل ہوتی ہے جسے آیات کی خطاطی، نقاشی، کاشی گری سے مزین کیا جاتا ہے۔ قدیم مساجد میں چھوٹی اینٹیں

۱۔ بحوالہ مسجدیں پاکستانی ادب چوتھی جلد، انڈر ل گورنمنٹ سید کالج راولپنڈی، فروری 1962ء ص 290

استعمال کی گئی ہیں۔ محض مسالے سے جوڑا گیا ہے۔ پتھر کی سلیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ مسجد کا طرز تعمیر پرشکوہ اور مقدس ہوتا ہے۔

1) ملتان میں سب سے پہلے محمد بن قاسم نے دو مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایک قلعہ کہنہ پر جسے جلم بن شیبان جو اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو امیہ کی یادگار سمجھ کر بند کروا ڈالا۔ بعد میں محمود غزنوی نے جلم بن شیبان کی بنوائی ہوئی مسجد کو بند کروا کے محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی مسجد کو دوبارہ آباد کیا[1]۔ آخرکار سکھوں نے اسے منہدم کرا دیا۔ دوسری مسجد اندرون/شہر ملتان بنوائی جو آج بھی چوک سرائے میں خستہ حالت میں موجود ہے۔

2) مسجد ولی محمد خان --- یہ مسجد شہر کے وسط میں چوک بازار میں واقع ہے اسے 1758ء میں ملتان کے والی علی محمد خان نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ایک اونچے چبوترے پر واقع ہے اور اس کے نیچے چاروں طرف دکانیں ہیں جن کا محصول کرایہ وصول ہوتا ہے۔ اس کی دیواروں پر نقش و نگار بنائے گئے ہیں اور قرآنی آیات اور اسمائے تعالیٰ لکھے گئے ہیں۔ چھت لکڑی کی ہے۔ جس پر نقاشی کا کام کیا گیا ہے۔ منبر و محراب سنگ مرمر کے ہیں۔ صحن کے وسط میں بڑا سا تالاب ہے جو وضو کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا "دالان عمارت اندر سے 17 فٹ چوڑا اور 44 فٹ لمبا ہے[2]۔" یہ عمارت بقول سید اولاد علی گیلانی "اس علاقہ کی صنعت کاشی گری کا بہترین نمونہ ہے[3]" مسجد کے دروازے پر یہ اشعار درج ہیں

بفضل ایزد و لطف نبی آخر زمان — بہ عہد حضرت شاہی وقوت مہر دو جہان
بنائے شحنۂ بازار بہر عزم و فساد — کہ بہ چبوترۂ دار جرم و ظلم عصیان
بنائے مسجد و حمام چاہ خوش محبوب — ساخت بہر بازار ساکنم ملتان
برائے طاقش ز غیب ہاتف گفت — شود مسجد عالی علی محمد خان

مندرجہ ذیل اشعار بھی مسجد میں درج ہیں

زہے عمارت عالی مسجد ملتان — کہ کردہ بود بطاقش علی محمد خان
کشید بہر بازار با دوصد اقبال (200) — لواء دین متین ہم چو آفتاب عیان

1۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "تاریخ سندھ" از اعجاز الحق قدوسی، ص
2۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" از شیخ اکرام الحق ص 171، مطبوعہ از شعبہ نشر و اشاعت "الاکرام" ملتان
3۔ بحوالہ "مرقع ملتان" ص 230

بعاہد دولت سکھاں بہ سال سی و چہار — اسیر و بند کہ بی کرد ماہ و سال فغاں
ظہور نور جبینی ربا شد از بعدش — کہ گشتہ است ظہوری ز نور کون و مکاں
پس از شکستن سکھاں تیار شد از نو — بہ زینت ہا دستی داد ہشتہ دالاں
چو کرد نور محمد کشادہ از بعدش — تبافت ہمچو ستارہ ز ظلمت سکھاں

ان اشعار میں مسجد کی تاریخ تعمیر بھی درج ہے۔ سکھوں کی شکست کے بعد اسے دوبارہ آراستہ کیا گیا تھا۔

3) ساون/سبز مسجد --- روپی اینٹوں سے تعمیر کردہ یہ عمارت کوٹلہ تولے خاں (تغلق خاں) میں واقع ہے۔ عمارت خاصی بلند ہے اندر دیواروں پر یہ اشعار لکھے گئے ہیں۔

مگر خواری از می گساری بہ است — کہ غم دیدہ را آہ و زاری بہ است
بیا مطربا از طرب بگذریم — ز چنگ طرب شاد بیابید گسیخت
ز چنگ اجل چوں نشاید گریخت — ز چنگ طرب ہا رقصا بسر قدیم
شنیدن چوں احوال کشتی تمام — بجز حق مدد دل بکس والسلام

4) مسجد پھل ہٹاںوالی --- مسجد ولی محمد خاں سے شمال حسین آگاہی کی طرف ذرا آگے بڑھیں تو بائیں جانب ایک اونچی مسجد ہے جو مسجد پھل ہٹاںوالی کہلاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے فرخ سیر تاجدار ہندوستان (14-1713ء) نے اسی ہزار روپیہ دیا تھا۔ روایت ہے کہ ایک ملتانی فقیر کی دعا سے اسے (فرخ سیر کو) اولاد نصیب ہوئی۔ اس خوشی میں اس نے اسی ہزار روپے بطور انعام فقیر کو دیئے۔ فقیر نے اس رقم سے یہ مسجد بنوا دی۔ اس کی سیڑھیوں پر اور آس پاس گل فروش دکانوں کی رعایت سے یہ نام پڑ گیا۔[1]

5) مسجد عیدگاہ --- ملتان سے خانیوال کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے عیدگاہ واقع ہے یہ مسجد خاصی وسیع و عریض ہے اسے 1735ء میں ملتان اور لاہور کے صوبیدار نواب عبدالصمد خاں نے تعمیر کرایا تھا۔[2] شیخ اکرام الحق کے مطابق "یہ وہی عبدالصمد ہے جس کی لڑکی اپنے زہد و ورع کی وجہ سے علامہ اقبال

1۔ بحوالہ "ارض ملتان" ص 172
2۔ بحوالہ "سوغ ملتان" ص 231

کی عروج بخشی۔[1]

"مسجد کا محراب دار صحن دالان دو سو چالیس فٹ لمبا ہے اور چون فٹ چوڑا ہے۔ درمیان خوبصورت گنبد ہے کلاہ نما ہے کونوں پر بلند مینار ہیں۔ باہر صحن میں اینٹوں کا فرش ہے۔" 2

اس مسجد کو بھی سکھوں نے تاراج کیا لیکن بعد میں اس کو دوبارہ مرمت کیا گیا اور اس کی شان و شوکت دوبارہ بحال ہو گئی۔ عیدین کے موقع پر یہاں بڑا ہجوم ہوتا ہے۔

6) مسجد فرشتہ --- یہ مسجد اندرون شہر حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار کے ساتھ واقع ہے اس کی لمبائی ساٹھ فٹ اور چوڑائی تیس فٹ ہے۔ فرش مربع کا ہے اور متصل سنگ موسیٰ کا بنا ہوا ہے اس کے تین گنبد ہیں اس کی تعمیر کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہے۔

7) مسجد شاکر خان ---- نواب شاکر خان 1753ء میں ملتان کے صوبیدار تھے۔ انہوں نے ابدالی [illegible] شیش محل کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ مسجد صاف ستھری اور دیدہ زیب ہے۔[3]

8) مسجد خدکتہ --- قدیر آباد میں خدکتی کے محلے میں واقع ہے۔ اس میں کاشی گری کا کام نہایت نفاست سے کیا گیا ہے۔

ان مساجد کی تزئین نقاشی، قرآنی آیات کی خطاطی اور اشعار سے کی گئی ہے۔ اکثر مساجد میں فارسی کے اشعار درج ہیں جن سے مسجد کی تاریخ اور اس کے بنوانے والے کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مساجد ملتان کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

خانقاہیں

ملتان کی خانقاہیں اپنی انوکھی اور منفرد طرز تعمیر کی بدولت پورے برصغیر میں مشہور ہیں۔ ان خانقاہوں کی تعمیر زیادہ تر صوفیاء کے وجود مسعود کی مرہون منت رہی ہے۔ ہر خانقاہ کسی نہ کسی صوفی اور ولی کے ساتھ منسوب ہے۔ اسلامی تصوف میں ان خانقاہوں کو ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی

1، 2۔ بحوالہ "ارض ملتان" ص 173   3۔ بحوالہ "ارض ملتان" ص 175

ہیں کیونکہ یہ نہ صرف روحانی فیوض کا مرکز رہیں بلکہ درس و تدریس اور علمی تربیت کے بہترین ادارے بھی تھیں۔ ملتان کی بعض خانقاہیں مسلم فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان خانقاہوں میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

خانقاہ دیوان چاولی مشائخ

آپ کے روضے کی تفصیل آپ کے ذکر میں آ چکی ہے۔ حضرت دیوان چاولی مشائخ برصغیر پاک و ہند کے پہلے صوفی ہیں اور اس اعتبار سے ان کا روضہ بھی قدیم ترین ہے۔ مقبرے کو موجودہ شکل میں محمود غزنوی نے تعمیر کرایا اور جہانگیر نے اس کی مرمت کرائی۔ اس مزار کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ یہاں بڑے بڑے صوفیاء نے چلہ کشی کی اور روحانی طور پر اکتساب فیض کیا۔ پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں کہ

> "آپ کے مزار پر بڑے بڑے صوفیاء نے چلہ کشی کی اور فیض پایا جن میں بابا فرید گنج شکر، جلال الدین سلطان، بہاءالدین زکریا ملتانی، عثمان مروندی، لال شہباز قلندر جیسے صوفیاء کے اسماء شامل ہیں۔ ہندوؤں نے بھی آپ کے مزار پر چلہ کشی کی جن میں بابا گرو نانک بھی شامل ہیں۔" 1

موجودہ عمارت دیوان مولراج کے زمانے میں بنی۔ اس سے پہلے تعمیر شدہ روضے کی تعمیر کے بارے میں لالہ حکم چند لکھتے ہیں

> "یہ خانقاہ اندر موضع چاولی مشائخ پرگنہ ملتان متصل موضع ساہو کے حد شرقی پر واقع ہے یہ خانقاہ و مسجد پختہ اور دروازہ و چار دیواری ہر ایک عمارت پختہ ہے۔ ایک مسجد کہنہ شکستہ جانب شمال روضہ کے ہے جو تعمیر کردہ محمود غزنوی بیان کرتے ہیں۔ دوسری مسجد جانب شرق روضہ کے تعمیر کردہ جہانگیر بادشاہ کی ہے اور اندر روضہ کے ایک تربت دیوان صاحب دوسری مزار کنگن بیبی ہمشیرہ دیوان صاحب کی ہے اور روضہ سے باہر اندر احاطہ ایک لمبا دیوان صاحب کا بنا ہوا ہے اور احاطہ روضہ سے باہر تکیات ذیل ہیں۔" 2

1۔ بحوالہ مضمون "مسلم ثقافت میں ملتان کی خدمات" از پروفیسر محمد اسلم، مطبوعہ ماہ نو جولائی 1983ء صفحہ 33

2۔ بحوالہ "تواریخ ملتان" از لالہ حکم چند، صفحہ 136

خانقاہ کا یہ قدیم ترین نمونہ بڑی شکستہ حالت میں ہے پھر بھی مساجد اور روضہ کا فن تعمیر دیدہ زیب ہے اور اس دور کے فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

خانقاہ شاہ یوسف گردیز

حضرت شاہ یوسف گردیز کا مزار فن تعمیر کا ایک اچھا اور عمدہ شاہکار ہے۔ یہ قدیم ترین مزارات میں سے ایک ہے جسے 1150ء میں شاہ یوسف گردیز کی وفات کے بعد تعمیر کیا گیا۔ یہ اندرون بوہڑ گیٹ محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے اس کا ایک نمونہ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔ فنی لحاظ سے یہ مقبرہ سادہ اور چوکور ہے۔ اس کی لمبائی 37 فٹ اور چوڑائی 32 فٹ ہے اس میں جو اینٹیں استعمال ہوئی ہیں ان کی لمبائی آٹھ انچ اور موٹائی دو انچ ہے۔ دروازے کے اوپر چھت کے سہارے کے لئے اینٹوں کا قوس نما محراب ہے جو اسلامی طرز کا مظہر ہے۔ چھت میں آئینے جڑے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر نیلے رنگ کی روغنی اینٹیں لگائی گئی ہیں۔ شیخ اکرام الحق نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

"مقبرہ میں چھوٹے چھوٹے آئینے اور دیواروں کے اندر اور باہر نیلے رنگ کی روغنی اینٹوں کو سنگ موتی کی طرح جڑا گیا ہے۔ جس سے منظر دیدنی ہو گیا ہے۔ مربع مساحت کے لکڑی کے لمبے تختے کونوں میں مضبوطی پر تشدد کے لئے نصب ہیں۔ چوبی نقش کاری کا اولین نمونہ شاہ دروازہ پر کندہ تاریخ ہے جو اب لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے ---" 1

پرسی براؤن کے مطابق شاہ یوسف گردیز کا مزار اپنی طرز تعمیر کے اعتبار سے ملتان کے دوسرے مقابر اور مزارات سے مختلف اور منفرد ہے۔ اس کی صرف ایک منزل بنائی گئی ہے۔[2] جاوید احمد ملک اس مزار کے بارے میں لکھتے ہیں

"اس قسم کی عمارتیں صرف ایران میں نظر آتی ہیں جبکہ طرز تعمیر میں ان کا اثر صرف اور صرف بیرونی آرائش میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جہاں مختلف رنگوں کے امتزاج اور اینٹوں کی بناوٹ سے زیبائش و ترتیب کا کام لیا گیا ہے .... اگرچہ زیادہ اینٹیں ہر رنگ سے آرائش و زیبائش کا حصہ ہیں لیکن کچھ ایسی بھی ہیں

1- بحوالہ "ارض ملتان" ص 134
2- "Indian Architecture" by Percy Brown, P-34 Tarapore Value Treasure - House of Books Bomby.(Third Edition).

جن پر ضیح ٹھپاؤں سے تیار کئے گئے ہیں۔ یہ گہرائی کا تاثر پیدا کرتے ہیں۔ گولان کی رنگوں کی یہ آرائش فن کی ابتدائی حالت نمایاں کرتی ہے۔ جس سے مجموعی طور پر ایک لطیف احساس زیبائش اور ایرانی طرز تعمیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔"[1]

روضہ غوث بہاء الدین

یہ روضہ قلعہ کہنہ (موجودہ قاسم باغ) پر بجانب پرہلاد کے مندر سے متصل ہے۔ شروع سے لے کر آج تک مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔ اس مزار میں حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے ساتھ ان کے فرزند اور خلیفہ شیخ صدرالدین عارف بھی مدفون ہیں۔ یہ مقبرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے اپنی زندگی میں خود تعمیر کرایا تھا اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ مزار 1848ء کے محاصرے میں تباہ ہو گیا تھا اور مسلمانوں نے اسے دوبارہ بنوایا۔[2] اس کی تفصیل ہم شیخ اکرام کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

"مقبرہ ساڑھے نو فٹ کے آثار پر چوکور اساس پر تعمیر ہوا ہے مقبرہ اندر 53 فٹ مربع ہے اس طرز کا دوسرا مزار ہند و پاکستان میں فقط ایک اور ہے جو پنڈوہ میں ہے .... شہتیر نما جیسی لکڑی مختلف کونوں میں مضبوطی پیدا کرنے کے لئے لگائے گئے ہیں دروازے اور ان کے اوپر [illegible] پر اس قسم کی جیسی لکڑی کے بنے ہوئے مختلف اونچائیوں میں نصب کئے گئے ہیں جس سے سطح سطور کا دلآویز نقشہ پیدا ہو گیا ہے۔ مقبرہ کے اندرونی کمرے کے صدر دروازہ کی لکڑی پر آیۃ الکرسی خط نسخ میں نمایاں طور پر کھدوائی گئی ہے۔ چوب کاری میں کاریگروں نے صرف اسلامی یا ایرانی روایات کو ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ اپنی فنی صلاحیت اور تخیل سے بھی کام لیا ہے مثلاً دروازہ کی چوکھٹ کے بازوؤں پر جہاں لکڑی میں اس کا میوہ ابھارا گیا ہے جس کے مجموعی اثر سے ذہن کے بجائے اسلامی تصور کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ چھت کے گرد جیسی منقش کتبہ بعد میں لگایا گیا۔"[3]

1۔ بحوالہ "ملتان کا مخصوص طرز تعمیر اور اسکے معماروں کا" از یاسر احمد ملک، مطبوعہ امروز ملتان، ضمیمہ 28 جون 1978ء اس مضمون کا زیادہ تر مواد پرسی براؤن کی کتاب "Indian Architecture" سے بغیر حوالے کے اخذ کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "Indian Architecture" ...

2۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" مرتبہ ارشد حسین ارشد ص 95 مطبوعہ بزم ترقی ادب ملتان، ناراول ستمبر 1968ء

3۔ بحوالہ "آثار ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 135 تا 136

یہ مقبرہ ملتان کے مخصوص طرز تعمیر کا ایک نہایت عمدہ نمونہ ہے جو تناسب اور ہم آہنگی (Harmony) کا شاہکار ہے اس کا منقش محرابی دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ چالیس فٹ اونچی بنیادی منزل میں کسی قسم کی آرائش کو شامل نہیں کی گئی۔[1] لیکن پیارے احمد کے الفاظ میں

> " اگرچہ عمارت کا طرز تعمیر سادہ ہے لیکن مجموعی طور میں اس کی عظمت
> میں بھرپور اثر آفرینی اور عظمت اپنی پوری سادگی اور وقار کے ساتھ جلوہ گر
> ہوتی ہے۔"

موسیٰ پاک شہید

موسیٰ پاک شہید کا مزار اندرون پاک دروازہ واقع ہے۔ پاک دروازے کی طرف بازار چوڑی سرائے کی طرف جائیں تو بائیں ہاتھ پر ایک بلند دروازہ آتا ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے

بہ درگاہ میراں شو ہو خواہی قرب یزدانی
کہ ہر شیراں شرف دارد سگ دربار جیلانی

دروازے کے اندر داخل ہوں تو سارا راستہ چھت سے ڈھکا ہوا ہے پھر ایک بڑا احاطہ آتا ہے جس کے بائیں جانب مزارات اور سامنے سبز رنگ کا روضہ واقع ہے۔ خانقاہ کے اندر کے دروازہ پر بیل بوٹے منقش ہوئی ہے اور لکڑی پر چاندی کے پتر بھی چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ کچی 22 فٹ مربع عمارت ہے۔ جس کے اندر 8 فٹ مربع سرمئی چبوترہ ہے۔[3] اس میں تین قبریں ہیں۔ درمیانی قبر حضرت موسیٰ پاک شہید کی ہے۔ تعمیر میں پتھر کی جالی کے جھروکے ہیں رات کو جب بجلی کے قمقمے روشن ہوتے ہیں تو بڑا حسن پیدا ہوتا ہے۔

روضہ شیخ رکن الدین عالم

اگر کوئی شخص ملتان شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے کسی منظر کا نظارہ کرنا چاہے تو ملتان کے مضافات میں میلوں دور سے ایک حسین و حسین اور پرشکوہ گنبد دکھائی دیتا ہے یہ گنبد حضرت

1- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں " Indian Architecture " P-34
2- بحوالہ " ملتان کا مخصوص طرز تعمیر اور اس کے چند شاہکار" ص 4 مطبوعہ امروز ملتان نمبر 28 مئی 78ء
3- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں " ارض ملتان، ص 141

شیخ رکن الدین عالم کے مقبرے کا ہے جو قلعہ کہنہ پر واقع ہے۔ حضرت رکن الدین عالم حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور وفات کے بعد اپنے دادا کے مزار میں دفن کئے گئے۔ ان کا موجودہ مزار سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا کیونکہ وہ زیادہ تر ملتان میں قیام پذیر رہتا تھا۔ 1325ء میں وہ دہلی گیا اور وفات پائی تو اسے دہلی میں دفن کر دیا گیا اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے چونکہ حضرت رکن الدین سے گہری عقیدت رکھتا تھا، یہ مقبرہ ان کے لئے وقف کر دیا۔[1] چنانچہ شیخ رکن الدین کو بعد میں اسی مقبرے میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ عمارت اپنے مخصوص طرز تعمیر میں تین ثقافتوں کے امتزاج کی حامل ہے، یعنی یہ عربی، ایرانی اور ہندوستانی فن تعمیر کا مرکب ہے۔[2] ریاض احمد ملک کے مطابق

"طرز تعمیر میں یہ عمارت تین مختلف ثقافتوں کا اثر ظاہر کرتی ہے۔ یعنی عربی، ایرانی اور ہندوستانی۔ ان میں سے ہر نوع کی ثقافت کے بہترین شواہد ہمیں اس عمارت کے فن تعمیر میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس میں ماہرین تعمیر کا ایک مخصوص نقطۂ نظر کارفرما تھا جو یہ تھا کہ ایک ایسے عظیم فن پارۂ تعمیر کی تخلیق کی جائے جو اس علاقے کے فن تعمیر کی روشن مثال ہو اور جس سے اس کی تخلیق کی مقصدیت، اہمیت اور علاقے کے لوگوں کی ثقافتی ماحول، ان کی سوچ کے انداز اور بزرگوں کے لئے عزت و محبت کا احساس صدیوں تک قائم رہے۔" 3

یہ مقبرہ ہشت پہلو عمارت ہے جو ایرانی طرز تعمیر کا نمونہ ہے لیکن اس کی ترچھی دیواریں ملتانی عمارتوں کی امتیاز ہے اس مقبرے کی ہشت پہلو بنیادوں کے باہر ٹھوس کھمبے کی پہلی برجیاں ہیں۔ مزار کی کل بلندی ایک سو پندرہ فٹ ہے جس کی تقسیم اس طرح ہے

(1) پہلی منزل = 50 فٹ (2) دوسری منزل = 25 فٹ (3) تیسری منزل یا گنبد اپنے کلس سمیت) = 40 فٹ ۔۔۔ گنبد کا اندرونی گھیراؤ 50 فٹ ہے۔[4] دیواروں کی اونچائی 41 فٹ

1۔ تفصیل کیلئے دیکھئے (1) ارض ملتان ص 137-138 (2) ملتان قدیم و جدید ص 90-91 (3) امروز ملتان نمبر ص 4 (5) "Indian Architecture" Page 38

2۔ بحوالہ "Indian Architecture" P-45. اسی کتاب میں ص 22 پر پرسی براؤن نے اسے ایرانی عربی (Persio-Arabian) طرز سے وابستہ کیا ہے۔

3۔ بحوالہ امروز ملتان نمبر ص 4، 28 جون 1978ء [illegible]

موٹائی 13 فٹ ہے۔ دیواروں میں جگہ جگہ مٹی اور عمدہ لکڑی کے آرائشی شہتیر نصب ہیں۔

مقبرے کے آٹھوں کونوں پر ڈھلواں مینار اور اوپر کی منزل پر کسی قدر دبا ہوا گنبد اس عمارت کے انوکھے طرز تعمیر کا مظہر ہیں۔ عمارت میں جگہ جگہ روغنی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔ جن کا رنگ زیادہ تر نیلا اور سفید ہے۔ شیخ اکرام الحق کے الفاظ میں

> "چھت پر کامل قوس کا گنبد اس چابکدستی اور صناعت داری سے مثمن کی گردن سے نصب کیا گیا ہے کہ گنبد اور محراب کا یہ کرشمہ صدیاں گزرنے پر بھی قائم ہے ... سارے برصغیر ہند و پاکستان میں فقط یہی ایک مقبرہ ہے جس میں لکڑی کے شہتیر کام میں لائے گئے ہیں، خواہ دیواریں ہوں، خواہ گنبد۔ تمام تر دو انچ موٹی پختہ اینٹیں لگائی گئی ہیں۔ جو خاص طور پر تیار کی گئیں اور ان کے ضبط میں شدت پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات پر منقش چوبی کڑیاں لگی ہیں۔ جو ابن بطوطہ سے بھی خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔" 1

اس عمارت میں اہرام مصر کی طرح شکوہ، پراسراریت، انفرادیت، تناسب، جمال اور جلال موجود ہے۔ میرے خیال میں اگر دنیا کی چند عظیم عمارتوں کی فہرست مرتب کی جائے تو اس میں شاہ رکن عالم کے مقبرے کو ایک اہم مقام حاصل ہو گا۔ 2 ڈاکٹر اسعد شمس خاں اس عمارت کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں

> "رکن عالم کے مزار دلنشیں کا اسلوب اس قدر دیرپا اور ہمہ گیر ثابت ہوا کہ ماہ و سال کی تبدیلیاں اس کی مقبولیت کو کسی طرح بھی متاثر نہ کر سکیں۔ حتی کہ مغل دور کا طرز تعمیر بھی خاصی حد تک اپنی پوری باریکی اور رعنائی کے باوجود اس طرز پر حاوی نہ آ سکا اور مدتوں تک اس سرزمین پر ایسے مزارات بنتے رہے جو رکن عالم کے مزار سے متاثر ہیں جیسے اس کی سراسر نقل معلوم ہوتے ہیں۔" 3

لب سڑک سامنے جنوب شمال میں پیر محمد راجن شاہ کا مقبرہ بالکل شاہ رکن عالم کے مقبرے کی طرز کا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک ہی معمار نے دونوں مقابر تیار کئے ہیں۔

1- بحوالہ "ارض ملتان" ص 139

2- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے (1) ارض ملتان، ص 137 تا 140 (2) امروز ملتان نمبر، ص ؛ (3) ملتان قدیم وجدید، ص 91-93 (4) آئینہ ملتان ص — (5) "Indian Architecture" P-34.

3- بحوالہ پاکستانی ادب (چوتھی جلد) ترتیب و انتخاب رشید امجد و فاروق علی ص 329-330، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی، 1982ء

شاہ شمس سبزواری کا مزار

مقبرہ دولت گیٹ باغ عام خاص کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ سبز موتیا رنگ کی یہ عمارت اپنی دلآویزی اور دلکشی میں فرد ہے۔ ابتدائی طور پر یہ مقبرہ 730ھ (1329ء) میں تعمیر ہوا۔ بارھویں صدی ہجری میں یہ عمارت خستہ ہو گئی۔ تو شمس سبزواری کے ایک مرید سید محمد علی نے 1194ھ م (1770ء) میں اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ یہ ایک مربع عمارت ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی 35×35 فٹ ہے۔ یہ عمارت شیخ اکرام الحق کے مطابق "ہشت در ہشت شکل میں شاہ رکن عالم کے روضہ کے تتبع میں تعمیر کی گئی ہے۔ باہر کی طرف 8 فٹ کی رنگین غلام گردش ہے۔ مقبرہ کے اندر گنبد جیسی کٹہرہ کے نیچے شاہ شمس کا مدفن ہے۔[1]"

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ فن تعمیر کے ان اسلامی نمونوں میں چھوٹی اینٹ کا استعمال نظر آتا ہے۔ ملتان اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں اینٹوں کا استعمال اس لئے بھی زیادہ ہے کہ ان میدانی علاقوں میں پتھر نایاب تھے جیسا کہ پرسی براؤن نے ملتان کی عمارتوں کے بارے میں غلط نہیں کہا کہ

" ...all of them on account of the scarcity of stone in the plains of the Punjab being constructed of brick." 2

تزئین اور سجاوٹ کے لئے نقاشی، خطاطی اور کاشی گری سے کام لیا گیا ہے اور اینٹوں کو مسالے سے جوڑا گیا ہے۔ ماہرین کا یہ خیال ہے کہ مسالے کا یہ استعمال مسلمان ہندوستان میں لے کر آئے۔ برصغیر پاک و ہند کے لوگ اس سے ناواقف تھے جیسا کہ سابقہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ مساجد اور خانقاہوں کی تزئین کے لئے خطاطی اور نقاشی کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ خطاطی میں قرآنی آیات اور اشعار استعمال کئے گئے ہیں۔ زیادہ تر اشعار فارسی کے ہیں۔ آیات اور اشعار مسجد اور خانقاہ کی مناسبت سے منتخب کئے جاتے تھے۔ جس جگہ لکڑی، اینٹوں اور پتھر میں الفاظ کندہ کئے ہیں۔ اور جس جگہ انہیں خوبصورت رنگوں میں لکھا گیا ہے، ان کی ایک تعلیمی اہمیت بھی بنتی ہے۔

1- بحوالہ "ارض ملتان" ص 140

2- "Indian Architecture" (Islamic Period), P-22

خطاطی کے بعد دوسرا طریقہ نقاشی کا ہے۔ محرابوں اور دریچوں کو بیل بوٹوں سے سجایا جاتا تھا۔ تصویر کشی نہیں کی جاتی تھی کیونکہ یہ مذہبی طور پر ممنوع تھی۔ صرف نقش و نگار سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ فن بھی ملتان کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں فیروزی اور نیلے رنگ کی اینٹیں زیادہ استعمال کی جاتی رہیں۔ پھر بتدریج دیگر خوبصورت رنگ ان میں شامل کئے جانے لگے اور انہیں دلکش نقش و نگار سے بھی سجایا جانے لگا۔ ایسی منقش اور رنگین کاشی سلطنت دور کے اواخر میں یعنی 1550ء سے 1750ء تک منظر عام پر آنے لگیں۔

فن تعمیر میں کاشی گری کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے یہ خاص طرح کا شوخ نیلا رنگ ہے جسے خاص معدنی کے استعمال سے پیدا کیا جاتا تھا۔[1] مساجد اور خانقاہوں میں کاشی سلطنت عام استعمال ہوئی ہیں۔ یہ تو ان عمارتوں کی ترتیب کے طریقے تھے ماہرین نے انہی خصوصیات کی بناء پر اس طرز تعمیر کو ملتان کا اسلوب تعمیر کہا ہے۔ ڈاکٹر احمد حسن اپنے مضمون "پاکستانی فن تعمیر کا ارتقاء" میں لکھتے ہیں

> "اسی خانقاہی نے فن تعمیر کو ایک نیا اسلوب بھی دیا جسے ملتان کا اسلوب تعمیر کہنا زیادہ مناسب ہوگا یہ اسلوب خالصتاً" وسطی ایشیائی فن تعمیر سے مستعار اور متاثر تھا اور اس کی ساری جزئیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ گو اس کے ابتدائی نمونے ہمیں بلوچستان کے شہر ملایا آج کے بہاولپور کے رحیم یار خان اور آدم واہان میں ملتے ہیں لیکن اس سلسلے کی منظم ابتداء ا ابتدا خود حضرت بہاء الحق کے مزار سے ہوتی ہے اور انتہا وہ انہیں کے بزرگ پوتے حضرت رکن عالم کے مزار ذیشان سے پاکستان کے اسلامی فن تعمیر کے اسلامی اسلوب میں بہاؤ الحق کے مزار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو وسطی ایشیا کے اسلوب تعمیر میں سامانیوں کے مقبرے کو حاصل ہے اور مزار رکن عالمؒ کی حیثیت یہاں وہی ہے جو گور امیر اور تاج محل کو یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے مزارات کی تعمیر کی روایت برصغیر میں اس عہد سے پہلے کبھی اور کہیں نہیں تھی یہ مزارات ان بزرگ صوفیائے کرام نے اپنی زندگی میں اپنی آخری آرامگاہ کے طور پر تعمیر کرائے تھے اور پختہ اینٹ سے بنے تھے۔ ان کی تقسیم عام طور سے تین طبقوں میں ہے۔ ڈھلوان دیواریں،

عظیم الشان گنبد، لکڑی کے شہتیروں سے بنے ہوئے دروازوں کے قالب اور سرون اور اندرونی سطح پر مختلف سائز کی سادی یا روغنی رنگدار اینٹوں کی تزئین اس طرز تعمیر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ تزئین ملتانی طرز تعمیر کی مخصوص خصوصیات ہیں۔ یہ تزئین و سجاوٹ جس اوقات اقلیدسی شکلوں میں ہے یا گل بوٹوں میں یا پھر قرآنی آیات جو لکڑی پر کندہ بھی ہیں۔ مزار رکن عالم اس طرز کا شاہکار ہے جہاں اس قسم کی تزئین کے نمونے اپنے انتہائی کمال پر ملتے ہیں۔" 1

م ن تیسراتی اپنے مضمون "فن تعمیر" میں ملتانی فن تعمیر کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں

"ملتانی اسلوب تعمیر نے آنے والے ادوار میں جنوبی برصغیر کے فن تعمیر کو بہت زیادہ متاثر کیا ..... تغلقوں کے عہد میں دہلی میں تعمیر ہونے والی عمارتیں مثلاً غیاث الدین تغلق کا مقبرہ، بارہ گنبد یا اس کے پاس کی مسجد اس ملتانی فن تعمیر کا چربہ تھیں ..... اس ملتانی طرز تعمیر کا اثر اب تک مزارات کی تعمیر میں کارفرما ہے۔ اب بھی اس علاقے میں مزارات یہاں تک کہ بہاولپور بہاولنگر اور بلوچستان میں مساجد بھی اسی طرز پر تعمیر کی جاتی ہیں۔" 2

(2) کوزہ گری

کوزہ گری اور ظروف سازی بھی ایک قدیم فن ہے۔ یہ بھی اہل ملتان کے حسن و جمال کا مظہر ہے اور تمام اسلامی ممالک میں موجود ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مٹی کے ظروف بھی صوفیانہ مسلک کی دین ہیں۔ صوفیاء کی سادگی اور درویشانہ اسلوب زیست نے مٹی کے برتنوں کو مقبول بنایا۔ آبخورے، ڈولیاں (مٹی کی کٹوریاں)، آٹا گوندھنے کی کنال، دہی کی چھوٹی ہانڈیاں، گلاس، ہانڈیاں، مٹکے، صراحیاں، وضو کے لئے استاوے (لوٹے) مٹی کے کھلونے ـــــ یہ سب مٹی سے بنائے جاتے تھے۔ یہ سب ظروف ملتانی گھروں میں بکثرت استعمال میں لائے جاتے تھے اور زمانۂ جدید میں بھی ان کا رواج کم نہیں ہوا

1- پاکستانی ادب (چوتھی جلد) ترتیب و انتخاب رشید امجد و فاروق علی

2- بحوالہ مضمون "فن تعمیر" از م ن تیسراتی، مطبوعہ امروز ملتان روزہ اشاعت، 16 ستمبر 1979ء صفحہ 2

ملتان میں اب بھی چمکیلے روغنی ظروف، ٹائل، الواح اور اینٹیں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے آثار قدیمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوزہ گری کا فن یہاں بھی موجود تھا۔ ملتان ان دونوں قدیم شہروں کے درمیان میں واقع ہے اور ان کا ہم عصر رہا ہے اس لئے یقیناً یہاں کے لوگ بھی فن کوزہ گری سے واقف تھے لیکن ملتان کے فن کوزہ گری پر ایران کے گہرے اثرات ہیں۔ ایران میں فن کوزہ گری بہت مقبول رہا ہے۔ سادہ مٹی سے کوزہ گری کی جاتی تھی پھر انہیں پکا لیا جاتا تھا۔ ان پر نقاشی اور میناکاری بھی کی جاتی تھی اور انہیں رنگدار بھی بنایا جاتا تھا۔[1] تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایران اور ملتان کے گہرے مراسم رہے ہیں اس لئے یہ قیاس درست ہے کہ ملتانیوں نے ایرانی فن کوزہ گری سے اثر قبول کیا ہوگا۔ فن کوزہ گری کے نمونوں اور ان کی نقاشی سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ملتان ایرانی فن کوزہ گری سے متاثر تھے۔ ملتان کے گلدان کاشی گری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ گلدانوں کے علاوہ صراحی کے فن نے ایک منفرد شکل اختیار کی۔ یہ صراحیاں مختلف شکلوں میں سادہ پختہ مٹی سے بنائی جاتی ہے۔ مٹی کے اوپر فن آرائش کی جاتی ہے جس پر بعد میں رنگ بھر دئیے جاتے ہیں۔ صراحیوں کا یہ انداز مخصوص ملتان اور اس کے گرد و نواح کے علاوہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ملتان کے فن کوزہ گری میں گلدان اور صراحی کو قابل ذکر نمونے قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ملتان کے ہر دور میں اونٹ کے چمڑے سے تیار شدہ نفیس اشیاء یہاں کے مخصوص فن کا مظہر رہی ہیں۔ زمانہ قدیم میں خوبصورت کمانیں بنائی جاتی تھیں کیونکہ تیر اندازی کا فن ملتان میں بڑا مقبول رہا۔ صوفیا کے مدرسوں میں طالب علموں کو تیر اندازی سکھائی جاتی تھی اس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ خود حافظ جمال ملتانی ماہر تیر انداز تھے۔ گویا یہ اسلحہ سازی کے سلسلے کا اہم کاروبار تھا۔ کمانوں پر نقش و نگار اور بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق " شہر کمان پر لوگ نقاشی کا کام کرتے تھے اور سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ کمان کو ایسی حکمت عملی سے طاقتور بناتے تھے کہ اچھا جوان بھی اس پر چلہ نہیں چڑھا سکتا تھا۔ تلوار کی میان پر بھی یہ لوگ سونے کی قلعی چڑھا کر نقاشی کا کام کرتے تھے۔ غرض ملتان میں یہ کام تقریباً سات سو برس سے رائج تھا"[2]

1- تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 13 (صحاالیمن) طبع اول 1980ء ادارہ دانش گاہ پنجاب لاہور، ص 854 تا 906

2- بحوالہ " ملتان قدیم و جدید " از علامہ عتیق فکری، ص 62

ملتان میں ایک محلہ کشتیوں کا آج بھی موجود ہے جو اونٹ کی چمڑی سے شمع لیمپ، گلدان، مرتبان اور آرائش کی دیگر چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔

ملتان کے قدیم پیشے کاشی گری، کشیدہ، سوزنی، وشمہ، زین سازی، جوتی گری، دبگر (مٹی اور کاغذ ملا کر اشیاء بنانے والے) بوگر (رنگریز یا رنگ ساز) بافی (جو باف) ٹھٹیاری، پٹولی (ریشم باف) معمار، چوب تراش وغیرہ فنون لطیفہ کے موجد اور مروّج رہے ہیں اور آج بھی ہیں ان کے فن پر کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح مذہبی روایات اور صوفیانہ مسالک کے اثرات مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔

(۴) قالین بافی و پارچہ بافی

مساجد اور خانقاہوں کی سجاوٹ اور تزئین کے سلسلے میں قالین بافی، دریاں، چادریں، غلاف دریاں اور سوسی وغیرہ کا مفید کام شروع ہوا۔ زمانہ قدیم میں قالین بافی کا فن بطور خاص عروج پر تھا۔ شیخ اکرام الحق "ارض ملتان" میں لکھتے ہیں

> "ایرانی اثرات کے ساتھ یہ صنعت بھی ملتان آئی۔ سوت اور اون کو ملا کر قالین تیار کئے جاتے مگر ایرانی اونی قالینوں کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے ان کو چنداں فروغ حاصل نہ ہوا البتہ تقسیم ملک کے بعد اونی قالین بننے لگے جو زر مبادلہ کے حصول کے لئے انگلستان کو خاصی مقدار میں برآمد کئے جاتے ہیں اور اچھی قیمت پاتے ہیں۔" [1]

محولہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم سے قبل ملتانیوں کو قالین بافی میں اتنی مہارت نہیں تھی کہ ان کے قالین ایرانی[2] قالینوں کا مقابلہ کر سکتے مگر تاریخ میں یہ واقعہ درج ہے کہ شاہ جہاں نے حرم پاک کے لئے جو قالین بھیجا وہ ملتان میں بنوایا گیا تھا۔[3] یہ واقعہ ملتان کے کاریگروں کی مہارت کی دلیل ہے۔ علامہ عتیق فکری نے اپنے ایک مضمون میں چوہدری عبدالحق چشتی مرحوم کا ذکر کیا ہے جو فن قالین بافی کے ماہر تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

1۔ بحوالہ "ارض ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 288
2۔ ایرانی قالین بافی پر تفصیل ملاحظہ فرمائیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 13، ص 926 تا 929
3۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" ص 65 (ملتان کا سماجی اور ثقافتی ارتقاء پر علامہ عتیق فکری کا مضمون)

1923ء میں جب لندن میں قالین بافی کے شاہکار نمائش میں بھیجے گئے تو چوہدری عبدالعزیز صاحب نے بھی ایک قالین اور دو نمونے تیار کر کے وائسرائے ہند کی معرفت لندن بھجوائے ۔۔۔۔ سنا ہے کہ وائسرائے کی بیگم قالین دیکھ کر للچا گئیں اور انہوں نے قالین تو اپنے ہاں رکھ لیا مگر دو نمونے لندن بھجوا دئیے۔ لندن میں مصنوعات پر تقسیم انعامات کا موقع آیا تو قالین کے ان دو نمونوں پر سیکنڈ پرائز ملا۔ ساتھ ہی کہ انہوں نے لکھ بھیجا کہ اگر مکمل قالین ہوتا تو فرسٹ پرائز دیا جاتا۔" 1

سید اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

"ملتان کے قالین بلامبالغہ کئی بڑی بڑی نمائشوں میں طلائی انعام اور تمغہ جات حاصل کر چکے ہیں۔" 2

قالین بافی کے ساتھ جس صنعت کو فروغ ہوا وہ پارچہ بافی کی صنعت تھی جس میں ملتان کی دریاں، چادریں اور لنگیاں مشہور ہوئیں۔ ملتان میں یہ کام صدیوں سے ہو رہا ہے اور علامہ عتیق فکری کے مطابق

"عربوں کی آمد سے پہلے بھی یہاں پر ریشمی کپڑا بننے والے لوگ موجود تھے ۔۔۔۔ ملتان کی دریاں، شعمیلہ اور لنگیاں ، ریشمی دوشالے صدیوں سے مشہور ہیں۔ ہندوستان کی صنعت کے تذکرے میں ملتان کو کبھی بھی مؤرخین نے فراموش نہیں کیا جب کبھی کپڑے کی صنعت کا ذکر آیا ہے۔ ریشمی کپڑے کے لئے ملتان کا نام خصوصی طور پر لیا گیا ہے۔ اس وقت بھی سر پر باندھنے والی لنگیاں جو خالص ریشم سے بنی جاتی ہیں کابل اور پشاور وغیرہ میں بھیجی جاتی ہیں اور یہ سوائے ملتان کے اور کہیں تیار نہیں ہوتیں۔" 3

ملتان کی دریوں، کھیسوں اور چادروں کو اب بھی ملک بھر میں اور ملک سے باہر بھی شہرت حاصل ہے۔ ان صنعتوں نے کھڈیوں کو عام رواج دیا۔ اس کے بعد یہاں تک ترقی ہوئی کہ دور جدید میں لال شکرہ آرٹیکس ، ملی شیخ اور دوسرے کارخانوں کی بنی ہوئی مصنوعات یورپ کی منڈیوں اور نمائشوں میں بے حد

1- بحوالہ " ملتان قدیم و جدید " ص 25
2- بحوالہ " مرقع ملتان " ص 189
3- بحوالہ " ملتان قدیم و جدید " ص 66

مقبول ہوئیں۔

آج کمپیوٹر دستکاری اور فنون لطیفہ سے متعلق صنعت وسیع پیمانے (Large Scale) کی انڈسٹری میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بڑی بڑی کارخانے اور فیکٹریاں وجود میں آ چکی ہیں۔۔۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج چمنیوں سے نکلنے والا دھواں، متحرک پیچیدہ مشینوں کی آواز اور لہلہاتے کھیت ملتان کی ترقی یافتہ معاشی کی گواہی بن چکی ہیں۔ مگر یہ فیض اللہ والوں کا ہی ہے جو کہ ظاہر ملتان اور اہل ملتان کے سر پر مہربان چادر کی طرح سایہ فگن ہیں۔

(4) فن خطاطی

مسلمانوں نے ہمیشہ فن خطاطی کو بڑی اہمیت دی۔ اس کا ایک سبب قرآن کی کتابت کے ذریعے سعادت کا حصول اور کتاب اللہ کا تحفظ تھا اور دوسری وجہ رسم الخط کے جمالیاتی خصائص تھے۔ عربی زبان خط کے اعتبار سے بہت ہی جمالیاتی حسن کی حامل رہی ہے پھر زمانہ قدیم میں پریس کی عدم موجودگی کی وجہ سے زیادہ تر انحصار کتابت پر تھا چنانچہ اس لئے بھی فن خطاطی کی اہمیت اور بڑھ گئی اور اسے شعوری طور پر رواج دیا گیا۔ قرآن مجید کے علاوہ دیگر علمی اور ادبی کتابیں بھی کتابت کی جاتی تھیں۔ چنانچہ فن خطاطی کے اصول مرتب کئے گئے اور کئی خط ایجاد ہوئے۔ کتنے علماء اور صوفیا کے علاوہ مسلمان حکمرانوں نے بھی خطاطی میں دلچسپی لی اور بعض مسلمان حکمران تو خطاطی میں بڑا شغف رکھتے تھے۔ بابر، ہمایوں اور اکبر نے فن خطاطی اور خطاطوں کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ بابر اور بہادر شاہ ظفر تو خود بھی خطاطی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔[1]

پاک و ہند میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے ساتھ عربی رسم الخط کا اجراء ہوا لیکن بعد میں یہاں نسخ کی نسبت نستعلیق کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی کیونکہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق جب ہمایوں 947ھ میں ایران گیا تو واپسی پر اپنے ہمراہ کئی مشہور جلد ساز اور خطاط لے کر آیا، جن سے شاہی فن کار فیض یاب ہوئے اور خط نستعلیق ہندوستان میں بھی رائج ہو گیا۔ یہاں کے

1۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 15، ص 956 تا 1002، دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول 1975ء

ماہرین میں سے میر عثمان اور کاتب الملک وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد سید عطار حسینی کے شاگرد میں سے عبدالرشید دیلمی جیسے خوش خط کاتب یہاں آئے جنھوں نے خطاطی میں برصغیر پاکستان و ہند میں بھی ایران و وسط ایشیا کا سا اسلوب ماحول پیدا کر دیا۔ اس طرز میں لکھنے والے بہت سے ماہر کاتب ہر عہد میں ملتے ہیں اور یہ روایت حسن اعتبار سے پاکستان و ہند میں آج بھی موجود ہے۔[1]

مسلمانوں نے فن تعمیر، فن ظروف سازی و موشہ سازی اور قالین بافی، الواح اور کتبات میں بھی خطاطی کو استعمال کیا۔ ہر جگہ اسلامی علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ ہی خطاطی کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ صوفیاء نے خاص طور پر اس فن میں دلچسپی لی۔ اسے بطور پیشے کے اختیار کیا اور تصوف کی کتابیں تحریر کیں۔ صوفیاء کے ملفوظات قلم بند کئے گئے۔ صوفیاء مجالس میں ایک نہ ایک مرید خطاط و پیدا ہوتا تھا۔ جو مرشد کے ملفوظات رقم کرتا رہتا تھا۔ یوں صوفیاء نے اس فن میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ملتان کے صوفیاء نے فن کتابت کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے دور میں خط نستعلیق کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حضرت نے جو مدرسہ قائم کیا اس میں دینی علوم کے علاوہ خطاطی [illegible] اور جلدسازی کے فنون بھی سکھائے جاتے تھے اس دور میں شمس الدین بلخی جیسا خطاط بھی ملتان میں موجود تھا۔ جس سے بہت سے لوگوں نے فن خطاطی سیکھا۔ علامہ عتیق فکری "ہنر ملتان" میں لکھتے ہیں

"... مدرسہ میں متعلقہ فنون بھی سکھائے جاتے تھے ان میں خاص کر خطاطی اور طلائی قسم کی جلدسازی کا کام بھی تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیباچہ کے طور پر بھی ذکر کیا ہے کہ شمس بلخی جیسا خطاط اس زمانہ میں ملتان میں موجود تھا اور اس کے کئی اہل ملتان میں سے شاگرد تھے۔ صوفی احمد نے تذکرہ میں شمس الدین بلخی کی خطاطی کے بارے میں لکھتا ہے

"در خط بدیعہ کہ ابن البواب اکثر بہمہ و قواعد نہاد و این حقیقہ دیدہ از مشاہدہ دلبرانی خط او پیدا خواہد داشت"

۱۔ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 5، ص 988

".... اس فن کی سرپرستی سے یہ بھی مطلب تھا کہ طالب علموں میں معاشی ضروریات کو پورا کرنے کی استعداد پیدا کی جائے تاکہ معاشرے پر بوجھ نہ بنیں۔۔۔" 1

علامہ عتیق فکری نے ایک اور جگہ ملتان ہی کے حوالے سے شمس الدین ملتانی کا ذکر یوں کیا ہے۔

"شمس الدین ملتانی عالم و شاعر ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کا خطاط تھا۔ اور اپنے دور کے مشہور و معروف خطاط ابن البواب اور ابن مقلہ سے فن خطاطی میں بڑھا ہوا ہے۔" 2

اسی طرح بعد کے زمانے میں بھی اس فن میں بڑی دلچسپی لی جاتی رہی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق "ملتان" میں لکھتے ہیں

"منشی غلام حسن شہید، منشی نورالدین انصاری تے عاشق محمد بہوں وڈے خطاط ہن انہاں توں علاوہ عبدالشکور، فدا حسین، خلیل الرحمان، صالح محمد صالی، حبیب اللہ انصاری، سلیم چشتی، حفیظ محمد تے شیر محمد مرحوم دا ناں ہمیشہ صف اول دے کاتباں وچ لکھیا ویسی۔" 3

ترجمہ (منشی غلام حسن شہید، منشی نورالدین انصاری اور عاشق محمد بہت بڑے خطاط تھے۔ ان کے علاوہ عبدالشکور، فدا حسین، خلیل الرحمان، صالح محمد صالی، حبیب اللہ انصاری، سلیم چشتی، حفیظ محمد اور شیر محمد مرحوم کے نام ہمیشہ صف اول کے کاتبوں میں لکھے جائیں گے۔)

منشی غلام حسن شہید کے ملفوظات مرشد محمد یار میں مرقوم ہے کہ نواب بہاولپور کے مطبع قرآن حکیم کا ایک ورق کسی طرح ضائع ہو گیا۔ ملک بھر کے خطاطوں نے کوشش کی کہ ایسا ورق تیار کیا جائے جو باقی اوراق کی خطاطی اور آراستگی سے الگ دکھائی نہ دے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر منشی صاحب نے کمال مہارت کا مظاہرہ کیا کہ جدید ورق کو کوئی پہچان بھی نہ سکا کہ اصل ہے یا نقل۔

قرآن مجید کے علاوہ تصوف کی بیشتر کتابیں مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ بعض کتابیں کو سوداگر اپنے ہاتھوں سے نقل کر کے دوسرے سوداگر کو بھیجتے تھے۔ ابن عربی کی "فصوص الحکم" ان کتابوں میں

1۔ بحوالہ "نقش ملتان" ص 454

2۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" ص 44

3۔ بحوالہ "ملتان" (سرائیکی) از ڈاکٹر مہر عبدالحق ص 37، مطبوعہ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور، اگست 1960

سر لعوبہت ہے۔ ملتان میں جب اس کا قلمی نسخہ پہنچا تو معلوم ہے اس کی نقول ہندوستان کے دوسرے شہروں میں پہنچائیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ معلوم کو ان خطاطوں سے کتنی دلچسپی تھی۔ خطاطی کا یہی فن بعد میں مصوری کا سرچشمہ بھی ثابت ہوا۔ مصوری کی ابتداء حاشیوں کی تصویریں بنانے سے ہوئی جس میں فطرت کی عکاسی اور مناظر کی خوبصورت تصویریں بنانی جانے لگیں اور بعد میں فطرت کی تصویر کشی اور مناظر کی خوبصورت تصویریں بنائی جانے لگیں۔ گویا خطاطی اور مصوری شانہ بشانہ چلتی رہیں اور ان میں کاغذ کو خاصا دخل رہا۔ ہندوستان میں سلطانوں ہی نے کاغذ کے استعمال کو رواج دیا۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

> "مغل ہندوستان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصوری اور خطاطی دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ مغلوں کی تیار کرائی ہوئی کتابوں میں نظم و نثر خوشنویس لکھتا تھا اور مصور تصویر بناتا تھا جس فن تصویر کے ساتھ ساتھ ہی فن خوشنویسی ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا ایسی بلندیوں پر پہنچ گیا کہ شاید دنیا کی کسی زبان کا رسم الخط آج تک ان بلندیوں کو نہیں چھو سکا ہے جو عربی اور فارسی خطاطی کو ہمارے با کمال خوشنویسوں نے پہنچا رکھا ہے۔ یہ دونوں فن صرف کاغذ کی وجہ سے ترقی پذیر ہوئے۔ اور ہندوستان میں کاغذ درآمد کرنے والے صرف عرب مسلمان تھے۔ ہندوؤں کی جہالت پسندی کا تو یہ حال تھا کہ جس زمانے میں ایشیا کے اکثر ممالک کاغذ استعمال کر رہے تھے۔ ہندو اپنا دین بھوج پتر لئے بیٹھے تھے۔ پندرھویں صدی تک بھی ہندوستان میں کاغذ کا رواج کالعدم تھا۔ صرف مغربی ساحل کے گجراتی تاجر سمندر پار کے تاجروں کے ساتھ کاروبار کرنے کی وجہ سے کاغذ استعمال کر رہے تھے۔" 1

اسی ضمن میں علامہ شبلی نعمانی کا بیان ملاحظہ فرمائیے

> "طالب علموں کے لئے کاغذ کا بھی اہتمام تھا۔ کاغذ بنانے کا کارخانہ بھی تھا جس میں اچھا کاغذ تیار ہوتا تھا ... غرض اسی طرح ملتان میں کاغذ بنانے کا محلہ قائم ہوا اور آج تک کاغذ گری کا محلہ موجود ہے اور برطانیہ کے دور تک یہ لوگ دیسی ہاتھ کا کاغذ بناتے تھے۔ جو ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک ملتان میں اس فن کا مرکز رہا۔" 2

1۔ مقالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص 388 تا 380 مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ

فن خطاطی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے جلدسازی کی طرف بھی توجہ دی کیونکہ کتاب کو جلد میں ہی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ جلدسازی میں چمڑا، گتہ، کاغذ اور کپڑا استعمال کیا جاتا تھا۔ جلد پر مختلف طریقوں سے نقش و نگار بھی بنائے جاتے تھے۔ قرآن مجید کی جلدسازی خصوصی طریقے سے کی جاتی تھی اور بعض اوقات اس پر سونے کے پانی سے خطاطی بھی کی جاتی تھی۔ ملتان میں خطاطی کا فن آج بھی زندہ ہے۔ علامہ عتیق فکری نے میاں غلام حسین کا ذکر کیا ہے جو اپنے دور کے بہت بڑے خطاط اور صوفی عالم تھے۔ وہ اندرون حسین آگاہی محلہ کنگراں میں رہتے تھے۔ حضرت مولانا مہر علی شاہ صاحب سے انہیں عقیدت تھی اور وہ بھی ان سے خاص انس رکھتے تھے۔ دونوں کا وصال بھی ایک سن میں ہوا ان کے آباؤ اجداد حضرت غوث بہاءالدین زکریا کے عہد میں براستہ ایران ملتان آئے تھے۔ نقاشی، خطاطی اور کتابوں کی جلد سازی کا کام ملتان میں انہی کی وجہ سے اپنے عروج کو پہنچا تھا۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق

> "بغداد اور کابل میں ان کے (میاں غلام حسین) کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطاطی کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں۔ حج سے واپسی پر والئی بغداد نے کئی دن انہیں اپنا مہمان ٹھہرایا تھا اور ان سے عربی قطعے لکھوائے تھے۔" 1

دور جدید میں ملتان میں خطاطی کے شغف کے بارے میں سجاد حیدر ملک اپنے مضمون "فن خطاطی" میں لکھتے ہیں

> "ملتان فن خطاطی کا مرکز بن گیا ہے جس کی روح رواں وہاں کے نوجوان خطاط ابن کلیم ہیں .... ان کے والد محمدحسن خان کلیم رقم اور دادا حافظ محمد عبداللہ بھی عمدہ خطاط تھے۔ ابن کلیم نے اپنے چھاپے خانے مستقلہ دبستان ابن خطاطی کے زیر اہتمام خطاطی پر کتابیں شائع کی ہیں انہیں خط نسخ، ثلث اور محقق کے امتزاج سے ایک نیا خط بنام خط وحط ایجاد کرنے کا دعویٰ بھی ہے ... ملتان کے ایک سکول ٹیچر غلام فریدبخش نے طغرا نویسی میں خاص نام پیدا کیا ہے وہ عرصے سے طغرا نویسی کو اپنائے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں متعدد نمائشیں منعقد کر چکے ہیں۔ محدود

1۔ بحوالہ "ملتان قدیم و جدید" ۔ 60

وسائل کے باوجود فن سے ان کی لگن قابل داد ہے۔" [1]

اسی طرح ملتان کے معروف مصوّر اور شاعر زوار حسین[2] بھی خطاطی کے فن میں ماہر ہیں۔ ملتان آرٹ کونسل کے ذوالفقار علی بھی خطاطی میں مہارت رکھتے ہیں۔

(5) طبّ کا فن

سرزمین ملتان کے دور قدیم میں ہیئت، نجوم، طب اور موسیقی کے فنون بے حد مقبول تھے اور تعلیم کا حصہ تھے۔ ہندو پنڈت اپنے گھروں میں ان علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ابو ریحان البیرونی جو چھٹی صدی ہجری میں تقریباً چار سال تک ملتان میں قیام پذیر رہا اپنی معروف تصنیف "کتاب الہند" میں اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ ملتان میں ان علوم کی تعلیم کا باقاعدہ اہتمام تھا۔ جب مسلمان ملتان میں آباد ہوئے تو وہ اپنے ساتھ جن علوم و فنون کا ذخیرہ لائے ان میں طب کا فن بھی شامل تھا۔ مسلمان علماء بالخصوص صوفیاء کو طب کے فن سے بڑی رغبت تھی کیونکہ یہ ایک قابل قدر ذریعہ معاش بھی تھا۔ اکثر صوفیاء نے فن طب ہی کو ذریعہ معاش بنایا۔ حکیم رازی، بو علی سینا اور ابوالقاسم زہراوی نے فنِ طب میں بڑی تحقیق کی اور کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی کتابیں صدیوں تک یورپ میں داخل نصاب رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی مسلمان حکمرانوں نے شفاخانے تعمیر کرائے۔ اکبر کے دور میں حکیم علی گیلانی نے بو علی سینا کی کتاب قانون کی شرح لکھی۔ حکیم محمد اکبر ارزانی کی کتاب "طب اکبر" ہندوستان میں برسوں تک شامل نصاب رہی۔ طب کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کی بناء پر عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ

> "..... ان تمام کارناموں کے بعد مسلمانوں کی طب کو محض "طب یونانی" قرار دینا بہت بڑی بے انصافی ہے بلکہ اس کو اسلامی طب کہنا ہر اعتبار سے صحیح ہوگا۔" [3]

1- پاکستانی ادب، سہ ماہی نمبر، ص 130، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی، فروری 1982ء
2- زوار حسین کا مصوّر مجموعۂ کلام "شاخ چراغ دل" مکتبہ شعر ملتان سے پہلی بار 1985ء میں شائع ہوا ہے
3- بحوالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص 288، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع دوم

ملتان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد طب کے فن میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ اکثر صوفیاء نے اس فن کو بطور پیشے کے اپنایا اور روحانی و اخلاقی علاج کے ساتھ جسمانی اور مادی عوارض کا علاج بھی کرتے رہے۔ خواجہ معین الدین اجمیری، حافظ محمد اسماعیل، مفتی غلام حسن شہید، خواجہ غلام فرید اور کئی ایک صوفیاء طب میں مہارت رکھتے تھے۔

ملتان کے حکیم سلیمان انصاری کا نام بہت مشہور ہے، جنھیں طب میں بڑا کمال حاصل تھا۔ شیخ اکرام الحق کے مطابق آپ کو "ارسطوئے دوراں کہا جاتا تھا۔[1]"

حکیم شیخ محمد سلیمان انصاری اٹھارویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے اور طبابت و حکمت میں معروف ہوئے۔ ان کا [illegible] مطب اندرون پاک دروازہ محلہ حافظ داؤد میں واقع تھا۔ تشخیص مرض میں خاص طور پر ماہر تھے۔ اسی طرح حکیم شاہ بخش بھی دستِ طب میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ ان کا مطب محلہ قدیر آباد میں تھا۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ ایک بار ملتان کے ایک نواب نے حکیم اجمل خان کو اپنے علاج کے لئے بلوایا تو انھوں نے کہلوا بھیجا کہ جب ملتان میں حکیم شاہ بخش موجود ہیں تو پھر میری کیا ضرورت ہے۔[2] انگریزوں کے علاج سے پہلے ملتان میں طب کا فن ہی مروج تھا اور ملتان کے کئی ایک اطباء ہیں جن میں حکیم شیر محمد اعوان، حکیم محمد اسماعیل، حکیم بلند خان، حکیم رحیم بخش اعوان، حکیم قمر دین، حکیم خلیل، حکیم فیروزالدین، حکیم واحد بخش وغیرہ شامل ہیں۔ ملک بھر میں شہرت رکھتے تھے۔ ملتان میں اطباء کے کئی خاندان موروثی طور پر آج بھی یہی فن اپنائے ہوئے ہیں۔

(6) عرس میلے وغیرہ

سرزمین ملتان میں عرس، میلے، کھیل تماشے بھی شاہی اور مزارات کی سالانہ تقریبات کے حوالے سے تہذیبی اور ثقافتی زندگی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ اس قسم کے بیشتر میلے کسی نہ کسی خانقاہ یا مزار کے ساتھ وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ زمانہ قبل از اسلام بھی اس قسم کے میلے ہوتے تھے۔ لوگ ر

1۔ بحوالہ "ارض ملتان" از شیخ اکرام الحق، ص 215

2۔ یہ روایت سعادت ارشد ملتانی نے بیان کی۔

دراز سے متی کی یاترا کے لئے آتے تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر دوسرے باب میں ملتان کی قدامت کے حوالے سے آ چکا ہے۔ بعض میلے " اشنان میلے " (Bathing Faire) کہلاتے تھے۔ ان میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا تھا کہ مخصوص تالابوں یا کنوؤں کے پانی سے نہانے کی بدولت بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں یا جسم پوتر (پاک) ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملتان کے رام چوترا[1]، رام تیرتھ[2] اور سورج کنڈ[3] کے میلے مشہور ہیں۔[4]

ملتان سوہاوہ کے علاقے میں مخدوم عبدالرشید حقانی کی خانقاہ کا کنواں مشہور ہے جو صرف میلے کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔ پیران غائب کے میلے میں بچوں کے بال کٹوائے جاتے ہیں۔ پاکپتن شریف میں بابا فرید کے دربار کے بہشتی دروازے سے گزرنا عقیدت مندوں کے لئے باعث رحمت اور سعادت ہے چنانچہ یہ دروازہ عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔

عرس اور میلے ثقافت کا ایک ذریعہ بھی رہے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے لوگوں کو متوجہ کرنا زیادہ آسان اور سہل تھا۔ ان میلوں ٹھیلوں میں صحیح معنوں میں علاقائی ثقافت کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔۔۔ اسی ثقافت میں آرٹ کی خوشبو بسی ہوتی ہے۔ ان میلوں میں کٹھ پتلیوں کے تماشے، تھیٹر اور ان میں دکھائے جانے والے لوک تماشے جو لوک کہانیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث بنتے ہیں۔ ان علاقائی مشاغل کے علاوہ طاقت کے مظاہرے بھی ہوتے تھے یعنی گھڑ سواری کے مقابلے، نیزہ بازی، کبڈی اور کشتی کے کرتب بھی دکھائے جاتے تھے۔ سید اولاد علی گیلانی کے مطابق

1- یہ مندر دریائے راوی کے کنارے سوائے سدھم کے قریب واقع ہے۔ موجودہ مندر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔ بیساکھی کے موقع پر یہاں میلہ لگتا ہے کہا جاتا ہے کہ رام چندر جی بن باس کے دنوں میں تیرتھ یاترا کے لئے یہاں آئے تھے اور اشنان کیا تھا۔ اس لئے یہ جگہ مقدس ہو گئی۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " مرقع ملتان " ص 236)

2- رام تیرتھ ۔۔ یہ مندر ملتان سے مشرق کی جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اس میں ایک تالاب اور دھرم سالہ ہے۔ روایت کے مطابق یہاں بھی رام چندر جی بن باس کی حالت میں آئے تھے۔ مشہور ہے کہ جو کوئی اس تالاب میں نہائے گا اسے تیرتھ اشنان کا پھل ملے گا۔ (مرقع ملتان، ص 234)

3- ملتان کا ایک تالاب ہے۔ روایت کے مطابق یہاں سورج دیوتا کا ظہور ہوا اور اس نے یہ بر دیا کہ جو کوئی اس تالاب میں نہائے گا وہ پھل پائے گا۔ (مرقع ملتان، ص 235)

4- Extracts from the Distt. & States Gazetteers of the Punjab (Pakistan) Vol-II, Page 173, Research Society of Pakistan First impression, May 1977.

"میلوں اور تماشوں کے موقع پر جوان لوگ پڑ کوڈی، مگدر، تلوار، گرز بازی، گھوڑ دوڑ وغیرہ کے مقابلے جوش شوق سے کرتے ہیں اور ایسے موقع پر اس قسم کے کھیل خاص طور پر رونق اور تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں۔" (مرقع ملتان ص ۱۹۲)

پہلوانی کا فن بھی یہاں عام ملتان میں مقبول رہا ہے۔ یہاں کے پہلوان برصغیر کی ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں کے درباروں میں بڑی عزت پاتے تھے۔ کئی پہلوان خاندان آج بھی ملتان شہر میں آباد ہیں۔ ملتان میں شاہ شمس کا میلہ، شاہ رکن عالم کا عرس اور غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے سالانہ جلسے ہر سال باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔ جن میں تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔

(7) فن موسیقی اور سماع

یوں تو اسلام کے بعض فقہی مذاہب کے مطابق موسیقی کو ناجائز اور ناپسندیدہ عمل ٹھہرایا گیا اور یہی وجہ ہے کہ بعض فقہا کے کہنے پر سلاطین وقت نے موسیقی کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوستان میں سلطان التمش (633ھ/1235ء) نے بھی ان دباؤ کے تحت موسیقی کو ممنوع قرار دے دیا تھا لیکن ان فقہا کے برعکس صوفیاء اور درویشوں کے بعض سلسلوں نے روحانی ترفع اور وجد و حال کی خاطر موسیقی، رقص اور سماع کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ ضروری تصور کیا۔ تاہم رقص و سماع کی محافل کے لیے خاص شرائط طے کی گئی ہیں۔ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے اس کی حلت و حرمت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[1] حضرت معین الدین چشتی اجمیری نے جو ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے بانی مانے جاتے، موسیقی اور سماع کو پھیلانے میں بڑا حصہ لیا ان کے سارے پیروکار سماع اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔

التمش کے بعد سلطان معز شاہ اور رکن الدین (1239ء) نے اس فن کی سرپرستی کی، غیاث الدین بلبن (666ھ/1263ء)، خلجی سلاطین اور خاندان سادات نے بھی موسیقی کے بارے میں سرپرستانہ رویہ اختیار کیا۔ امیر خسرو جیسا ماہر موسیقی اور نابغۂ روزگار انہی درباروں سے وابستہ رہا۔ افغانی

1۔ ملاحظہ فرمائیں بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب، ص 593 تا 616

سلاطین بھی موسیقی کی سرپرستی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ بابر نے تو موسیقی کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس کی ساری اولاد (بشمول بادشاہ) ماسوائے اورنگ زیب عالمگیر کے موسیقی کی قدر دان اور سرپرست رہی۔ البتہ اورنگ زیب کے دور میں موسیقی معتوب ہو گئی۔ لیکن اس کے امراء وغیرہ موسیقی کی سرپرستی کرتے رہے چنانچہ اورنگ زیب کے ایک درباری امیر شاہ نواد بن عبدالجلیل الفاروقی نے موسیقی کے فن پر سترہ مخطوطات نقل کرائے جو اب تک محفوظ ہیں، ان میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن منجم، ابن زیلہ، عبدالقادر، ابن قیس اور دوسرے ماہرین فن کے وقیع رسائل شامل ہیں۔ اورنگ زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول، جہاندار شاہ اور شاہ عالم ثانی نے موسیقی کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سارے دور میں عملی اور نظری طور پر ایرانی موسیقی کے اثرات غالب رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں فن موسیقی میں مسلمانوں کے حصے کے بارے میں ڈاکٹر اسد علی لکھتے ہیں

> "مسلمان جب ایران ہوتے ہوئے ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ ترقی یافتہ نظام موسیقی بھی لائے ادھر قریب حکمران بھی فن موسیقی کی سرپرستی کرتے رہے اور علماء نے بھی ان کی اتباع کی ابن سینا، فارابی اور الکندی جیسے عظیم المرتبت علماء اس کی حمایت کرتے تھے اور انہوں نے موسیقی کے بارے میں عظیم تر کتابیں لکھیں۔ دمشق، بغداد اور قرطبہ فن موسیقی کے خصوصی مراکز بن گئے اور عرب موسیقی نے یورپ کو بہت کچھ دیا۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے وقت تک عرب، ایران اور وسط ایشیائی باشندے موسیقی کو وراثتاً اپنے ساتھ لا چکے تھے۔

اس تفصیل کو دیکھنے کی باتیں خاص وضاحت طلب ہیں ایک تو یہ کہ ایک طرف ہندوستان ایک ترقی پذیر نظام موسیقی رکھتا تھا دوسری طرف اور بعد کے مسلمانوں نے ایران اور عرب وغیرہ سے تعلیم حاصل کر کے اپنی ریاضت میں موسیقی کو بہت اہمیت دی۔ نیز ہندوستان کے متعدد مسلم حکمران فن موسیقی کے عظیم سرپرست رہے ہیں۔ چوتھے امیر خسرو سلطان شاہ حسین اور شرقی خاندان کے متعدد ایسے عظیم فنکار ہندوستان میں ہوئے ہیں جنہوں نے مختلف راگ راگنیوں کو جنم دیا اور باجوں کے آلات کو ایجاد کیا اور اصلاح کی۔ مسلم مغل

1 - مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" جلد 15، ص 616 تا 626

شعرا بھی موسیقی سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔" 1

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو موسیقی سے ہمیشہ لگاؤ رہا۔ مسلمان عربی اور ایرانی موسیقی سے واقف تھے حقیقت یہ ہے کہ موجودہ فن موسیقی عربی، ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کا حسین امتزاج ہے۔ الحاج عبدالمالک آروی کے مطابق

"اسلامی موسیقی اور ہندوستانی موسیقی میں بنیادی اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات نتیجہ ہے قومی فن و اشعار، ملکی آب و ہوا اور ملکی خصوصیات کا۔ چنانچہ فارسی (اسلامی) موسیقی میں بارہ پردے یا مقامات ہیں۔ ہندوستانی موسیقی میں سات یا آٹھ ہیں اسلامی عہد کے قبل اہل عرب ہندوستانی موسیقی سے واقف تھے۔" 2

دف، دمامہ، نقارہ اور طنبور خالصتاً عربی ساز ہیں۔ چنگ، رباب، قانون، رباب، شہنائی، نائی ایرانی ساز ہیں۔ (مسعودی کے ۷۰۰) پھونک سے بجنے والے آلات موسیقی جیسے پونگی، مرلی، بانسری، شہنائی (سرنا) گھونگرو وغیرہ خالص سندھی اور ملتانی ہیں۔ بہر حال ہمارے یہاں ایرانی، عربی اور ہندوستانی ساز اور باجے موجود ہیں۔ راگ راگنیوں کا بھی یہی حال ہے۔ جس پر ہندی ثقافت کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ صوفیاء نے بالخصوص موسیقی سے دلچسپی لی ہے۔ سماع اور قوالی تو ان کی محفلوں کا جزو لاینفک بن گئے تھے۔ ملتان صوفیاء کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے صوفیاء نے بھی موسیقی میں گہری دلچسپی لی۔ سماع اور قوالی یہاں کی خانقاہی زندگی کا حصہ رہے ہیں چنانچہ ملتان میں موسیقی کے ارتقاء کے بارے میں شیخ اکرام الحق لکھتے ہیں۔

"آبائی کا شغف موسیقی اور اس کے متعلقات سے رہا۔ نہ صرف معاشرت بلکہ اعتقادی سسٹم میں دخیل تھا اور مندروں میں بھی ہوتا کہ دیوتا خوش ہوں جسے ایسرائی کہا جاتا تھا۔ پنڈت کے تعاون میں جھوٹا اور ہوتا کسی جنس لے کر رقص کرتی تھیں۔ اور بھجن گائے جاتے تھے۔ سنگیت کے ودیالے تھے۔ قلعہ کہنہ جو دیہاتی راون کے مشرق میں ملتان کا ذیلی حصار تھا جہاں متعدد مندر تھے اور رقص اور سنگیت کی تعلیم کے لئے بہت بڑا ودیالہ تھا۔

1۔ بحوالہ "ہندی ادب کے بھکتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات" از ڈاکٹر سید اسد علی مترجم ڈاکٹر ماجدہ اسد، ص 227-228، پہلا ایڈیشن 1974ء، ترقی اردو بورڈ نئی دہلی

2۔ بحوالہ "معارف مالک" ص 32، سلسلہ مطبوعات ادارہ علم بستان آرہ بار اول 1942ء

منجم کدہ آتش کدہ میں ...... بت کے سامنے ناچنے والی رقاصائیں اور موسیقار عام طور پر اور بالخصوص اماوس کی راتوں کو خصوصاً اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جوکہ آرائش میں مل کر منعقد کئے اور بعد سماع کا رواج تھا جس میں ان بحث میں بیشتر باجے اب کام میں لائے جاتے ہیں۔ عربوں کے عہد کے ماسوا ملتان کے اسلامی دور میں بھی موسیقی میں زیادہ ترقی ہوتی گئی نہیں آئی۔" 1

علامہ عتیق فکری ملتان کی موسیقی کی ترقی کے بارے میں رقم طراز ہیں :

" ہمیں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ امیر خسرو جیسا ماہر فن موسیقی جسے متفقہ طور پر نائک تسلیم کیا گیا ہے ملتان میں ایک مدت تک قیام کرے اور ملتان میں فن موسیقی میں ترقی نہ ہو جبکہ سہروردیہ کی مجلس میں سماع قائم ہو۔ امیر خسرو کے فن کا اثر ضرور ملتان پر ہوا ہو گا کیونکہ امیر خسرو ہندوستانی موسیقی میں ایک نئے رنگ اور نئے سروں کا اضافہ کرنے والے ہیں۔ جنھوں نے ایرانی اور ہندوستانی موسیقی کے امتزاج سے ایک نئے انداز اور اسکول کا اضافہ کیا اور اس زمانے میں یہ فن ترقی پسندی تھی یقیناً پانچ سال کی مدت میں ملتان کی موسیقی میں بھی اس انداز کا اثر یقینی طور پر ہوا ہو گا۔" 2

یوں تو ملتان میں موسیقی اور گلوکاری کا فن زمانہ قدیم سے لیکر زمانہ جدید تک مسلسل مقبول اور پسندیدہ رہا لیکن سہروردیہ کی بدولت موسیقی میں سماع اور قوالی کو مخصوص ترقی ہوئی۔ خانقاہوں اور مزارات پر اکثر قوالی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں اور آج بھی اس کا رواج کم نہیں ہوا۔ عرس کے ایام میں قوالیاں معمولات کا ایک اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں ہم نے سہروردیہ کے ذکر میں خواجہ فرید کے متعلق سماع کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ سماع کے جائز اور ناجائز ہونے میں علماء کے مختلف گروہوں میں اختلاف رہا ہے لیکن سہروردیہ کی اکثریت نے اسے جائز تسلیم کیا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ البتہ سماع کے آداب ضرور مقرر کئے گئے ہیں جن میں سے چند آداب یہ ہیں:

(1 گردن جھکا کر بیٹھیں

(2 ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں

(3 ہر ایک اپنے آپ کو پوری طرح سماع میں محو رکھے

---

(1) بحوالہ " ارض ملتان " ص 335 تا 338 (2) بحوالہ " ملتان قدیم و جدید " ص 48

4) دوران سماع باتیں نہ کریں
5) ادھر ادھر دیکھنے سے باز رہیں
6) ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور حلق کے ساتھ کسی حرکت کا مظاہرہ نہ کریں
7) اسی طرح بیٹھیں جس طرح نماز میں تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں۔
8) دل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ میں مشغول رکھیں اور منتظر رہیں کہ دیکھیں اس سماع کی برکت سے ان کے لئے پردۂ غائب سے کیا انکشاف ہوتا ہے۔
9) اپنے آپ کو قابو میں رکھیں تاکہ اختیاری طور پر اٹھ نہ کھڑے ہوں اور نہ حرکت کرنے لگیں ہاں اگر مغلوب الحال ہو کر ان میں سے کوئی اٹھ کھڑا ہو تو اس کی امداد و موافقت کریں۔ اگر اس کی پگڑی گرنے لگے تو سب کے سب ہاتھ پھیلا دیں۔[1]

مجالس سماع کے دوران عام طور پر ان آداب کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ صوفیہ کی کتابیں سماع اور قوالی کے تذکرے سے بھری ہوئی ہیں۔

محمد اکرم خان "معدن الموسیقی" میں لکھتے ہیں کہ ہر قسم کی قوالی امیر خسرو کی ایجاد ہے انھوں نے موسیقی کے لحاظ سے قوالی کی ان اقسام کا ذکر کیا

باکھرو ۔ کوڑا اور ٹاکو ملا کر
سوہلی قوالی ۔ [illegible] کی سنگت سے
بہار قوالی ۔ کانڑا کی سنگت سے
بسنت قوالی ۔ سوہلی اور پنجم بہار کی سنگت

تالوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے سترہ تالیں ایجاد کیں جن میں سے سوم تال قوالی کی تال ہے یہ تال سات لفظ کا ٹھیکہ رکھتا ہے۔[2] لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ قوالی کی ایجاد حضرت امیر خسرو کی مرہون منت ہے یہ درست ہے کہ ایک باکمال موسیقار اور ماہر فن کی حیثیت سے انھوں نے سماع اور موسیقی میں جدتیں پیدا کیں لیکن حضرت امیرخسرو سے پہلے خواجہ معین الدین، قطب الدین بختیار کاکی، بہاء الدین زکریا، عبدالرشید حقانی اور بابا فرید گنج شکر کی محافل سماع کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے اور ان قوالوں کے نام بھی لکھے جا چکے ہیں جو اپنے زمانے میں شہرت رکھتے

1۔ بحوالہ پاکستانی موسیقی میں قوالی کی روایت از اشفاق سلیم مرزا، ص 172 تا 173 مشمولہ پاکستانی ادب سلسلہ موسیقی مرتبہ فاروق علی و رشید امجد، شعبہ اردو، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی
2۔ ایضاً، ص 174

تھی اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سماع کا رواج امیر خسرو کی بدولت ہوا۔ مختصر یہ کہ موسیقی اور سماع جیسے اہم اور مقبول تہذیبی و ثقافتی مظاہر بھی دراصل صوفیاء ہی کے مرہون منت رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔

(ج) ملتان کی تعلیمی، تدریسی اور علمی زندگی پر صوفیاء کے اثرات

(1) مدرسے اور خانقاہیں

تہذیبی اور ثقافتی سطح کے ان مظاہر کے ساتھ ساتھ صوفیاء کی بدولت ملتان میں نہایت وسیع اور قابل قدر تعلیمی، تدریسی اور علمی روایات کی بنیاد بھی پڑی جس کی بدولت ملتان اور اہل ملتان ہی نہیں برصغیر پاک و ہند بلکہ اس سے بھی بڑھ کر باہر کی دنیا والے بھی مستفیض و مستفید ہوئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ان مدرسوں اور خانقاہوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی بدولت ملتان میں ایک نہایت مضبوط اور مستحکم نظام تعلیم مروج ہوا۔

ملتان کو بجا طور پر "مدینۃ الاولیاء" کہا گیا ہے اولیاء کی اس سرزمین کو ان خانقاہوں کی بدولت شرف حاصل ہوا جو محض عبادات اور صلوٰۃ و درود یا مرکز یا روحانی ترویج کا ذریعہ نہ تھیں، بلکہ علوم و فنون، فلسفہ و فکر اور تہذیب و ثقافت کی ترویج کا ذریعہ بھی تھیں۔ ملتان میں ان خانقاہوں کے ساتھ ایسے مدارس بھی قائم کئے گئے تھے جن میں اسلامی علوم و فنون کی تدریس کی جاتی تھی۔ بعض مدرسے خانقاہوں سے ملحق ہوتے تھے۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں

> "شاہان ملتان میں سے حسین لنگاہ جو خود بھی ذی علم بادشاہ تھا بہت سے مدرسے قائم کئے اور بڑے بڑے علماء کو گراں قدر مشاہرے دے کر تدریس و تعلیم پر مامور کیا۔ مدینۃ الاقالیم میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان نے کسی کو گجرات بھیجا کہ وہاں کی عظیم الشان عمارتوں کو دیکھ کر رپورٹ کرے جب اس شخص نے آ کر بتایا کہ آپ اپنی دولت و ثروت کے باوجود گجرات جیسی عمارتیں نہیں بنا سکتے تو سلطان خفا ہوا۔ اس پر وزیر نے کہا کہ گجرات عمارتوں کی وجہ سے بڑا ہو گا لیکن ملتان علم و فضل میں اس پر برتری رکھتا ہے۔" 1

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملتان میں عمارتوں کی جگہ مدرسے قائم کئے گئے ملتان میں تعلیم و تدریس کا بہتر نظام تھا اور علماء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مولوی ابوالحسنات ندوی نے بھی

1۔ بحوالہ "مسلم ثقافت ہندوستان میں" از عبدالمجید سالک، ص 207، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم ـــــ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے (1) "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" ص 71-72
(2) "تاریخ فرشتہ" جلد دوم ـــ ذکر حسین لنگاہ

شاہ لنگاہ کے دور کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ

"حسین شاہ لنگاہ علوم و فنون کا بہت بڑا مربی گزرا ہے مصنفین و ارباب فضل و کمال کا سرپرست و مددگار تھا ... شاہ لنگاہ نے متعدد مدرسے قائم کئے جن میں ممتاز مشہور اساتذہ وقت مشغول درس و تعلیم رہتے تھے۔" 1

ان مدرسوں میں مدرسہ بہائیہ سرفہرست ہے جس کا تفصیلی تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے احوال میں کیا جا چکا ہے اس مدرسے کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں متداولہ علوم و فنون کی تدریس کے علاوہ روحانی تربیت کا اہتمام بھی تھا اور مبلغین کی جماعتیں دیگر شہروں اور ملکوں میں بھی بھیجی جاتی تھیں۔ علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

"حضرت غوث بہاء الدین زکریا نے ملتان میں دینی مدرسے کی بنیاد رکھی یہ فقط مدرسہ ہی نہیں تھا بلکہ بہت بڑی اخلاقی اور روحانی درسگاہ تھی .... مدرسہ میں مختلف فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔ ان میں خاص کر خطاطی اور اعلیٰ قسم کی جلدسازی کا کام بھی تھا ... قرآنی تعلیم کا تو آپ کے ہاں خاص اہتمام تھا اور ساتوں قرأتوں میں قرآن مجید کے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی خاص طور سے قرآنی تعلیم کا شعبہ علیحدہ قائم تھا۔" 2

اسی مدرسے کی درسی کتابوں کا نصاب بھی ملاحظہ فرمائیے

"علم نحو میں مصباح، کافیہ، لب الالباب، فقہ میں ہدایہ، اصول فقہ میں منار اور اس کی شرح اور اصول بزدوی، تفسیر میں تفسیر مدارک اور بیضاوی شروع کشاف بھی مطالعہ میں رہتی تھی لیکن پھر اسے خارج کر دیا اور آپ نے صاحب کشاف کے معتزلی ہونے پر اس کا پڑھنا منع فرمایا تھا اور حدیث شریف میں مشارق الانوار بھی پڑھائی جاتی تھی۔ احیاء العلوم امام غزالی کے مطالعہ کے لئے رائج تھی اس کتاب میں فقہ کو تصوف کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور اپنے مرشد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف بھی پڑھائی جاتی تھی۔ بابا فرید گنج شکر بھی اس کتاب کا درس

1- بحوالہ "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" ص 71 مطبع معارف اعظم گڑھ 1355ھ/1936ء

2- بحوالہ "نقش ملتان" از عتیق فکری ص 454 تا 456 مطبوعہ فکری اکیڈمی ملتان طبع اوّل جنوری 1982ء

جن میں سے درس دیتے تھے۔ بعض کتابیں آپ ساتھ بھی لائے تھے۔ ہدایہ
سے اہل سندھ و ملتان اور ہندوستان آپ کی بدولت متعارف ہوا تھا۔" 1

اس نصاب کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درس نظامیہ[2] سے ملتا جلتا تھا اس مدرسے کی نمایاں خصوصیت تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی روحانی تربیت بھی تھی۔ یہ مدرسہ حضرت شاہ رکن الدین عالم کے زمانے تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ کام کرتا رہا۔ محمد صدیق قادری لکھتے ہیں

"حضرت شاہ رکن عالم کے زمانے میں حضرت مخدوم حمید الدین حاکم ایسے عظیم دانشور اس درسگاہ میں مدرس تھے۔ حضرت شاہ رکن عالم نے بھی تبلیغی جماعتوں کے اس سلسلے کو جاری رکھا جس کی بنیاد حضرت غوث العالمین نے رکھی تھی۔ تبلیغی وفود کا سلسلہ آپ کی وجہ سے بام عروج تک پہنچا آپ نے دینی تعلیم کے علاوہ اس میں علم لغت، خطاطی، شاعری، تعمیرات اور تاریخ نویسی وغیرہ کے شعبے بھی قائم فرمائے اور عربی فارسی، سندھی، سرائیکی اور پشتو زبان نے بھی ترقی کی اور اساتذہ نے اپنی نگارشات کے لئے ان زبانوں کو ذریعہ اظہار بنایا۔" 3

مدرسہ بہائیہ میں ایک تبلیغی مرکز بھی قائم کیا گیا تھا جس میں تبلیغی جماعتیں تیار کی جاتی تھیں۔ یہ تبلیغی جماعتیں اندرون اور بیرون ملک بھیجی جاتی تھیں مبلغین تجارت پیشہ ہوتے تھے اور اس علاقے اور ملک کی زبان جانتے تھے۔ مولانا نور احمد فریدی لکھتے ہیں

"حضرت شیخ الاسلام پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے ملتان میں مضبوط مرکز قائم کیا تھا۔ مدرسہ بہائیہ علماء، قاری اور حفاظ پیدا کرتا تھا اور تبلیغی مرکز حضرات علما کو مبلغ بناتا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے لسانی بنیادوں پر تبلیغی شعبے قائم کر رکھے تھے۔ سنسکرت، بنگالی، سندھی، فارسی، عربی، جاوی، چینی، مرہٹی الغرض مشہور زبانوں کے الگ الگ شعبے تھے۔ جو عالم رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے پیش کرتا اسے اسی شعبے میں

1۔ بحوالہ "نقش ملتان" از منشی لکھوی، ص 455

2۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "ہندوستان کی قدیم درسگاہیں" از مولوی ابوالحسنات ندوی، ص 90 تا 102، مطبع معارف اعظم گڑھ، 1355ھ/1936ء

3۔ مضمون بعنوان "عظیم روحانی پیشوا حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی" از محمد صدیق خان قادری، مطبوعہ [illegible] روزنامہ امروز 28 جنوری 1985ء

"داخل کیا جاتا تھا جہاں اسے بحیثیت مقصود/ تعلم مثلاً جو عالم انڈونیشیا (ہوتا) میں جاتے اور وہاں تبلیغ کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتا اسے اسی شعبہ میں داخلہ ملتا۔ جہاں انڈونیشی علماء اپنے علاقے کی زبان سکھانے اور اپنے ملک کے طور طریقے سمجھانے پر مقرر تھے۔" 1

یہ مبلغین طریقت کے رموز سے بھی واقف ہوتے تھے اس لئے تبلیغ کے ساتھ ساتھ طریقت کے اسرار بھی سکھاتے تھے۔ انڈونیشیا میں سہروردیہ سلسلے کا تعارف ملتان کے حوالے سے ہوا۔ شیخ الاسلام اندرون ملک تبلیغ کے لئے اپنے مریدین کو بھیجتے تھے جو تبلیغ کا کام احسن طریقے سے سر انجام دیتے تھے۔ مدرسہ بہائیہ میں جہاں علوم و فنون کی تدریس کا کام انجام دیا وہاں اسلام کی اشاعت کا فریضہ بھی ادا کیا۔ علوم کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت، طریقت اور معرفت کے رموز بھی سکھائے جاتے رہے۔ اس مدرسے سے فیض پانے والوں میں سے دو علماء بہت مشہور ہوئے۔ عراقی ہمدانی اور میر حسینی عراقی علم و ادب کی دنیا میں ان دونوں حضرات کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

مدرسہ بہائیہ کے علاوہ اس دور میں اس کے معاصر مدارس میں سے کاشانی کے مدرسے[2] (دارالعلوم) اور مدرسہ فیروزیہ[3] نے بڑی شہرت پائی۔ کاشانی کا مدرسہ ملتان میں اور مدرسہ فیروزیہ اچ میں واقع تھا۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق مدرسہ فیروزیہ تو سومرہ عہد حکومت میں (جو چوتھی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری کے تقریباً ڈھائی سو برس تک پھیلا ہوا تھا۔) بھی موجود تھا اور قباچہ عہد حکومت میں اسے بے حد ترقی حاصل ہوئی۔ مشہور مورخ علامہ منہاج سراج اس مدرسے کے تدریسی شعبے کے صدر نشین تھے۔ ان کے علاوہ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی، نورالدین محمد بن عوفی المحقق البخاری اور شیخ محمود قاری جیسے اہل علم اور اصحاب زہد کی موجودگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔[4]

1۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" از نور احمد فریدی، ص 141 تا 142، مطبوعہ قصرالادب، ملتان باراول

2۔ اعجازالحق قدوسی لکھتے ہیں کہ "مولانا قطب الدین کاشانی اپنے دور کے عہد عالم تھے۔ یہ جب تشریف لائے تو ان کو پڑھانے کے لئے ناصرالدین قباچہ نے ملتان میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔"
(بحوالہ "تاریخ سندھ" جلد اول از اعجازالحق قدوسی ص 346، مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور بار دوم/ 1976ء)

3۔ "طبقات ناصری کا مصنف قاضی منہاج الدین سراج عزالی ان تھا۔ کے بعد 624ھ میں اچ پہنچ کر قباچہ کے دربار کی زینت بنا اور اچ کا مشہور مدرسہ فیروزی اس کے حوالے کیا گیا۔"
(بحوالہ "تاریخ سندھ" از اعجازالحق قدوسی، ص 347)

4۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے "خطۂ پاک اچ"، ص 166-167

اسی طرح مولوی ابوالحسنات مدرسہ فیروزیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"اُچہ میں اس نام کا ایک مدرسہ تھا یہ معلوم نہیں کہ اس کا بانی کون تھا اور یہ کب قائم ہوا اتنا معلوم ہے کہ ناصرالدین قباچہ کے عہد میں یعنی چھٹی صدی میں یہ مدرسہ موجود تھا۔" 1

اسلامی علوم و فنون کی تدریس و ترویج میں ان مدارس کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں "نقش ملتان" میں منیر قریشی لکھتے ہیں

"اس طرح دو سو کے لگ بھگ تقریباً ساٹھ برس تک آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد یہ سلسلہ حضرت شاہ رکن الدین قطب عالم کے زمانہ تک جاری رہا۔ اس وقت مولانا کاشانی کا مدرسہ بھی جاری تھا اور اسی شہر میں مدرسہ فیروزیہ بھی طالب علموں کے لئے علم و فضل کا مرکز تھا۔ جس کو ناصرالدین قباچہ نے بنوایا تھا۔" 2

مولانا کاشانی کے مدرسے کے بارے میں ایک اور روایت ہے

"... کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی[3] ماوراء النہر سے ملتان میں تشریف لائے شاہ ناصرالدین قباچہ والیٔ ملتان نے عالیشان مدرسہ ان کے واسطے تعمیر کیا اور مولانا کہ علامہ زمان تھے چار عمر اس مدرسے میں ادا کر کے درس میں مشغول ہوتے تھے اور شیخ بہاؤالدین زکریا نے ان کا استقبال کیا تھا ہر روز صبح کی نماز کے وقت وہاں حاضر ہوتے تھے اور دو رکعت نماز مولانا کے پیچھے پڑھتے تھے۔" 4

یہ تو ہے اس دور کے چند بڑے مدرسوں کا احوال جن میں سے اکثر کی نسبت صوفیائے کرام کے احوال میں بیان کی جا چکی ہے۔ بابا فرید گنج شکر نے ایک مستقل خانقاہ قائم کیا جہاں وہ خود تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اسی طرح اچ میں سید جلال الدین سرخ بخاری نے "خانقاہ بخاریہ" اور "خانقاہ

1۔ بحوالہ "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" ص 70 2۔ بحوالہ "نقش ملتان" ص 456 تا 457

3۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا قطب الدین کاشانی کا مزار قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان کی دیوار کے ساتھ واقع ہے جہاں ایک محلہ کھدائی کے دوران میں ایک حوض اور مسجد کے آثار ملے ہیں۔ علامہ کاشانی کو دارالعلوم کے صحن میں دفن کیا گیا تھا اور دارالعلوم قلعہ کہنہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے مضمون بعنوان "نام حاضر باغ اور علامہ کاشانی کا مزار" مطبوعہ روزنامہ "امروز" ملتان نمبر، 28 جون 1978ء صفحہ 4) علامہ خاتون کا بھی یہی خیال ہے کہ "مولانا کاشانی کا دارالعلوم برابر قلعہ پر ہے" (ملاحظہ فرمائیے مضمون "حضرت عراقی کی اولاد" مطبوعہ رسالہ نخلستان ملتان، سالنامہ ایک ستمبر 1957ء صفحہ 77)

طالبیہ" کی بنیاد رکھی۔ یہ خانقاہیں دراصل علوم و فنون کی درسگاہیں تھیں۔ خانقاہ طالبیہ کو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے زمانے میں خاصی شہرت حاصل ہوئی اور مسعود حسن شہاب کے بیان کے مطابق

"ہند اور بیرون ہند سے یہاں اس قدر طلباء جمع ہوئے کہ اس کی مثال دہلی کے سوا اور کہیں نہیں ملتی۔" 1

حضرت سلیمان تونسوی نے تونسہ شریف میں ایک مرکزی درسگاہ کے علاوہ بے شمار چھوٹے بڑے مدرسے قائم کر رکھے تھے۔ یہ اقامتی ادارے تھے جہاں تعلیم کے علاوہ تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت خواجہ غلام فرید کے آباؤ اجداد کا قائم کردہ مدرسہ بھی کئی زمانے تک درس و تدریس کا حق ادا کرتا رہا عام طور پر ان مدرسوں میں تدریس کے دو طریقے رائج تھے۔ ایک تو یہ کہ علماء فرداً فرداً اپنے گھر پر تعلیم دیتے تھے۔ طلبہ ان کے گھر میں جمع ہو جاتے تھے۔ اور وہ انہیں وہیں تربیت کرتے۔ دوسرے یہ کہ مسجد یا خانقاہ کے ساتھ باقاعدہ مدرسے منسلک ہوتے تھے۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ابھی کیا گیا ہے اکرام الحق کے مطابق

"پندرھویں صدی عیسوی میں حسین لنگاہ نے اس شہر (ملتان) میں متعدد کالج قائم کئے اور ایک یونیورسٹی بنائی جہاں ماہرین علوم متعین تھے۔" 2

یہ معلوم نہیں کہ شیخ اکرام الحق نے اس سے کونسی یونیورسٹی مراد لی ہے وہ اسی باب میں آگے چل کر ایک دانشگاہ کا ذکر کرتے ہیں، جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں

"ملتان میں نہ صرف مختلف انفرادی درس (جن میں مولانا قطب الدین کاشانی کا مدرسہ مشہور تھا) کافی تعداد میں تھے بلکہ ایک دانشگاہ (یونیورسٹی) بھی قائم تھی جو پرانے قلعہ پر انگریزی تسلّط کے یادگار مینار کے عقب میں واقع تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں حاجی ابوالفتح اس کے معلّم اعلیٰ تھے۔" 3

ان مدارس میں جملہ علوم متداولہ کی تعلیم دی جاتی تھی جن میں علوم دین کے علاوہ فلسفہ و منطق، ہئیت، حساب، الجبرا، جیومیٹری، تاریخ اور طب کی تدریس بھی شامل تھی جبکہ موجودہ دور کے

1۔ بحوالہ "خطہ پاک اوچ" از مسعود حسن شہاب، ص 167

2۔ بحوالہ "ارض ملتان" از اکرام الحق، ص 331، شعبہ نشر و اشاعت "الاکرام"

3۔ ---- ایضاً ---- ص 332

دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں صرف اسلامی علوم کی تدریس پر زور دیا جاتا ہے جیسا کہ پروفیسر شمیم ترمذی لکھتے ہیں

> "اکثر مدارس میں مجالس تنظیم دینی مدارس کے منظور شدہ نصاب کی پیروی کی گئی ہے۔ حفظ قرآن، قرآن ناظرہ، صرف و نحو، اردو، فارسی، عربی، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ وغیرہ اکثر مدارس میں اور چند مدارس میں عام تعلیم سے متعلق مضامین کی تدریس بھی ہوتی ہے لیکن یہ نہ ہونے کے برابر ہے۔" 1

موجودہ بڑی بڑی درسگاہوں میں سے چند نام یہ ہیں۔ خیر المدارس، قاسم العلوم، انوار العلوم، مظہر العلوم، باب العلوم، جامعہ عربیہ، محمدیہ، مدرسہ اویسیہ، دارالتجوید رحمانیہ، دارالعلوم عیدیہ رحمانیہ، بحر العلوم، ریاض العلوم، مخزن العلوم، اور مدرسہ تعلیم الابرار ہیں۔ بقول پروفیسر شمیم ترمذی کے الفاظ میں

> "شہر ملتان میں ملتان کے تقریباً سو سے زائد مدرسوں اور مساجد کی موجودگی اور کارکردگی اہل ملتان کی دینی شغف اور اسلام دوستی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔" 2

موجودہ دور میں جدید ان مدارس کی افادیت کو تسلیم کر لیا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مدارس میں دینی علوم کے علاوہ دنیاوی اور سائنسی علوم کی تدریس کا انتظام بھی ہونا چاہئے تاکہ یہاں کے تعلیم یافتہ طلبہ معاشرے کے لئے مفید افراد ثابت ہو سکیں کیونکہ اگر قدیم دور میں جملہ علوم کی تدریس کی جا سکتی تھی تو اب کیوں نہیں کی جا سکتی۔

(2) ملتان میں فلسفے کی روایت

اس تدریسی اور تبلیغی مسائل کی حوصلہ افزائی کا ذکر ابھی کیا گیا ہے، ملتان میں علوم عقلیہ و نقلیہ کو خاص ترقی حاصل ہوئی اور عروج اور مذہبی فلسفے کے ساتھ ساتھ عقلی علوم بھی یہاں پڑھنے لگے۔ میں تو سمجھتی ہوں ملتان میں فلسفے کی روایت زمانہ قدیم سے موجود تھی۔ محققین کی کتاب رگ وید کا بیشتر حصہ ملتان کے اردگرد کے علاقے میں تصنیف ہوا۔ اس کی تفصیل دوسرے باب میں آ چکی ہے۔ اس

1-2- حوالہ "ملتان کی دینی درسگاہیں" از پروفیسر شمیم ترمذی، ص 20 مطبوعہ امروز ملتان، نمبر 28 جون

طرح ہندی فلسفہ ویدانت میں گیتا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق ملتان کے مندروں اور عام گھروں میں گیتا کا پاٹ ہوتا تھا اور یہ وہ اپدیش ارجن کو کرشن نے مہا بھارت کی جنگ کے موقع پر دیا تھا۔ یہ پورا فلسفہ حیات اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔[1] لیکن اسلامی علوم کا آغاز یہاں ابن قاسم کی فاتحین ملتان کی فتح کے بعد اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے سندھ اور ملتان میں آباد ہونا شروع کیا۔ بنو سامہ کے دور میں ملتان نے تہذیبی اور علمی سطح پر بڑی ترقی کی جب حلم بن شیبان کے ہاتھوں 373ھ (977ء) میں بنو سامہ (بنو سامہ) کے اقتدار کا خاتمہ ہوا تو یہاں اسماعیلی عقائد کی توسیع فلسفے کے اصولوں پر ہونے لگی۔ علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ ان اصولوں کو

> "افلاطون اور نو فلاطونیوں کے نظریات سے تطبیق دے کر قابل فہم بنایا گیا تھا
> .... اور یہی نئے فلسفے نے ملتان میں اپنے قدم جما لئے۔" 2

ملتان میں اس دور کی فلسفیانہ سرگرمیوں کے بارے میں شبیر احمد غوری اپنے ایک مضمون "اسلامی ہند کے عہد اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج" ص 53، مطبوعہ رسالہ معارف، اپریل 1983ء میں لکھتے ہیں

> "جہاں تک علوم فلسفہ کا تعلق ہے یہ باور کرنے کی وجوہ ہیں کہ
> سندھ اور بالخصوص ملتان میں خفیہ طور پر ان علوم کی بڑی تیزی سے اشاعت
> ہو رہی تھی، جو عباسی عہد کی استحکام سے اسماعیلی دعاۃ عالم اسلام میں
> انقلاب کے لئے زمین ہموار کرتے پھر رہے تھے۔"

ملتان میں فلسفے کی روایت کے تسلسل میں جو بہت سے مراحل ہیں ان میں ایک مشہور فلسفی اور شاعر ناصر خسرو کی ملتان میں آمد بھی ہے۔ حکیم ناصر خسرو کی پیدائش 394ھ/1003ء اور وفات 481ھ بتائی جاتی ہے۔[3] سفرنامہ خسرو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ملتان سے لاہور گیا اور پھر واپس چلا گیا۔ سفرنامہ کی عبارت حسب ذیل ہے

> "در ملتان اسپوط نوشتہ دیدم از صحف او مصنف کردہ کہ مشکل آں تہ بہ
> لہاور (لاہور) دیدم و تہ بہ ملتان و بشکل بدانتی ہیر است"

1، 2۔ مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" از علامہ عتیق فکری ص 2 (یہ غیر مطبوعہ مضمون فل سکیپ کے چند صفحوں پر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور میری تحویل میں ہے)

3۔ بحوالہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو مترجم مولوی محمد عبدالرزاق کانپوری، ص 139، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند (دہلی) 1941ء

وہ بلاد سندھ میں بھی رہا۔ اس کے دیوان میں متعدد ہندی اور خالص سنسکرت الفاظ بھی موجود ہیں جو سیاحت ہند پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً

"بس بطوید تو خدائے جہاں بے شک در ماس ۔ وجہ لوہاسپ برهمن در ہند
بر جنڈال ناکس فعل داسید
بعد از ہیں جنڈال دیں از مہر دین شد برهمن" 1

معقولات و فلسفہ پر ناصر خسرو کے دوسرا بو علی سینا کہا جاتا ہے، وہ ملتان میں مصر کی فاطمی حکومت کا داعی بن کر آیا تھا اور ظاہر ہے ملتان میں فلسفے کی روایت کے سلسلے میں اس کا **نام آنا** چاہیے۔ پھر محمود غزنوی کے عہد میں البیرونی نے برسوں ملتان میں قیام کیا اور "کتاب الہند" لکھی۔ البیرونی ایک طرف تو سنسکرت سیکھ کر ہندو فلسفے سے متعارف ہوئے اور دوسری طرف یونانی فلسفے سے ملتان کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا۔ شبیر احمد غوری کے مطابق

"اس نے یہاں آ کر ہندو فلسفہ و ہیئت ہی نہیں سیکھا بلکہ ہندوؤں کو
بھی مسلم ریاضی و ہیئت سکھائی۔" 2

محمود غزنوی کے بعد حضرت شاہ گردیز ملتانی تشریف لائے اور درس و تبلیغ کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج کی کوشش کی۔ ادھر بو علی سینا کا فلسفہ چھٹی صدی ہجری میں ملتان میں پہنچ چکا تھا۔ امام فخر الدین رازی جیسا متکلم اور فلسفی بھی سر زمین ملتان میں اپنی تقریروں کے ذریعے اسلامی فلسفے کی وضاحت کر چکا تھا۔ ملتان کے چند علماء فضلاء اور اہل خراسان امام رازی سے فیض یاب ہوئے تھے اور پھر ناصرالدین قباچہ کے دربار میں انہیں ندیم خاص کا مقام حاصل ہوا تھا۔3

605ھ میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی علمی درسگاہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں آ چکی ہے یہ وہ دور ہے جب ناصرالدین قباچہ کا دربار علماء اور فن کاروں کی سرپرستی میں پیش پیش تھا اور ملتان علوم و فنون کا مرکز بن چکا تھا۔ فضلی ملتانی جو بخارا میں ہوئے کے ہم مکتب اور ہم درس رہے اور جنہیں دونوں نے امام فخرالدین رازی کی جامع

---

1 – سفرنامہ حکیم ناصر خسرو مترجم مولوی محمد عبدالرزاق کانپوری، ص 30-31

2 – مضمون "اسلامی ہند کے عہد اول میں علوم عقلیہ کا رواج (قسط دوم) ص 106 مطبوعہ معارف، فروری 1953ء جلد 91

3 – مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" از علامہ عتیق فکری، ص 3

الصغیر حفظ کی ، قباچہ کے دربار کے ساتھ وابستہ رہے۔ فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ اور قباچہ ان کی شاعری کا قدر داں تھا۔

ساتویں صدی کے وسط سے آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک کے عرصے میں ملتان کے بے شمار علماء برصغیر میں پھیل گئے۔ مولانا بہاء الدین ملتانی نے دہلی میں سکونت اختیار کر کے تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا محمد الدین نے بھی علاؤالدین خلجی کے زمانے میں دلّی میں درسگاہ قائم کی۔ قطب الدین کاشانی کے فرزند علی گجھ میں عہدہ قضا پر بھی فائز رہے اور تدریس بھی کرتے رہے۔ ملتان کے ایک اور صوفی عالم شیخ صدرالدین ظفر آبادی ملتانی ، حضرت رکن الدین عالم سے خرقہ خلافت حاصل کر کے ظفر آباد میں مقیم ہوئے اور علم و فضل سے لوگوں کو فیضیاب کیا۔ شیخ عثمان داؤد ملتانی کو فقہ اور صرف کے علوم پر کامل دسترس حاصل تھی انھوں نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حکم سے گجرات میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے دکن کے شہر بیدر میں علم پھیلایا۔[1]

اس ابتدائی دور کے بعد وہ دور آیا جب ملتان کے علمی و تہذیبی اثرات ہمہ گیر طور پر پورے برصغیر میں پھیلنا شروع ہوئے۔ ملتان میں صوفیاء کے اثرات کی بدولت نہ صرف روحانی فیوض اور اثرات عام ہوئے بلکہ سوچ اور فکر کے دھارے بھی بدلے اور ایک لحاظ سے اسلامی فلسفے کا احیاء بھی ہوا۔ ملتان میں تصوف کے ساتھ ساتھ فلسفے کی بھی ایک بھرپور روایت ملتی ہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف کے علاوہ فلسفہ، کلام، اخلاق اور منطق کے میدان میں بڑے بڑے جیّد علماء پیدا ہوئے۔ "تذکرہ" "اولیا" تمام صوفیاء کے احوال میں ان کی تہذیبی ، علمی و تدریسی کاوشوں اور خدمات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

ان کے علاوہ بھی چند اہم لوگ ایسے ہیں جن کی بدولت فلسفے کی روایت عام ہوئی۔ ان علماء میں مولانا علاء الدین ملتانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی 792ھ) سے تعلیم پائی تھی۔ وہ علامہ تفتا کے علوم و فضل کی شہرت سن کر ان سے کسب

1۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: (1) "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" از علامہ عتیق فکری، مطبوعہ امروز ملتان نمبر، 28 جون 1978ء (2) "مسلم فلسفے میں ملتان کی اہمیت" از پروفیسر محمد امین
Souvenior of us Pakistan Philosophical Congress 23rd Annual Session May 28-30, 1985.
مطبوعہ زکریا یونیورسٹی ، ملتان

(2) "بزم صوفیہ" ص 37

تحصیل کے لئے ایران گئے۔ حصول علم کے بعد واپس آئے تو معقولات کی تعلیم پر خصوصی توجہ صرف کی اور مولانا سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی کو تعلیم دی۔ مولانا سماءالدین ملتانی دہلوی (متوفی 901ھ) ملتان کے قدیم باشندے تھے۔ آپ کا تعلق کمبوہ خاندان سے تھا۔ جس کے ایک بزرگ حاجی جمال کمبوہ نے سب سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مولانا سماءالدین ملتانی اور ان کے بھائی مولانا اسماعیل دینی علم و فن اور فلسفے میں شغف رکھتے تھے۔ مولانا سماءالدین حضرت راجو قتال کے مرید تھے۔ لنگاہوں کے زمانے میں دہلی منتقل ہوئے اور دہلوی کہلوائے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں گزاری اس دور کے بڑے بڑے علماء آپکے شاگرد تھے۔ " سیرالعارفین " کے مصنف مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی نے آپ کو " حقائق کے مخزن " دقائق کے معدن، ذات اقدس کے علوم کے معدن، آسمان ہدایت کے روشن آفتاب اور جہان تقویٰ کے آسمان بھی کہہ کر پکارا ہے۔[1]

مولانا عبداللہ ملتانی جو عبداللہ تلمبوی بھی کہلاتے ہیں تلمبہ میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم ملتان میں پائی بعد میں فلسفہ و منطق کی تعلیم کی تکمیل کی خاطر عراق تشریف لے گئے اور علامہ عبداللہ یزدی سے حصول علم کیا۔ ملتان واپس آ کر فلسفہ و منطق کا درس دینے لگے پروفیسر محمد امین کے مطابق

> " آپ کے دور میں منطق کی کتاب شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں مگر آپ نے بہت سی نئی کتابیں بھی شامل نصاب کیں ۔ آپ کو منطق و فلسفہ میں یدطولیٰ حاصل تھا اور انہی مضامین کی تدریس میں آپ نے عمر گزار دی۔ " 2

آپ بھی سماء الدین ملتانی کی طرح دہلی میں منتقل ہو گئے اس وقت دہلی میں سکندر لودھی کی حکومت تھی۔ اس نے آپ کو ملک العلماء کا اعزاز دیا گیا اور گزر اوقات کے لئے جاگیر بھی مقرر کی۔[3] اور ان کے سپرد ایک بہت بڑا مدرسہ کر دیا جہاں وہ فقہ اور معقولات کی تعلیم دیتے تھے۔ علامہ شیخ شکری کے

1۔ بحوالہ " سیرالعارفین " از فضل اللہ جمالی مترجم محمد ایوب قادری، ص 251، مرکزی اردو بورڈ، لاہور بار اول اپریل 1976ء

2۔ بحوالہ " مسلم فلسفے میں ملتان کی خدمات" از پروفیسر محمد امین، مطبوعہ ماہ نو جولائی 1983ء صفحہ 33

3۔ بحوالہ " تاریخ ملتان " (جلد اول) از میر احمد فہمی، ص 295، مطبوعہ قصرالادب، ملتان، بار اول

مطابق بدیع المطول انھوں نے لکھی تھی۔[1] ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ نور احمد فریدی کے مطابق

"مولانا کے یوں تو سینکڑوں شاگرد تھے لیکن چالیس با کمال عالم بنے جن میں مفتی جمال الدین اور ان کے بھائی عبدالغفور بن نصیرالدین دہلوی، میاں شیخ گوالیاری اور میراں جلال الدین بدایونی کا بڑا درجہ ہے۔" 2

مولانا عبداللہ کے دوست اور ساتھی مولانا عزیزاللہ (متوفی 932ھ) بھی اپنے وقت کے حجۃ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ وہ بھی تلنبہ میں پیدا ہوئے لیکن معقولات کی تعلیم ملتان میں حاصل کی۔ آپ کو علوم متداولہ کے بعض اصول، کلام، منطق اور حکمت میں بڑا عبور حاصل تھا۔ سب سے پہلے جو دہلی میں مولانا عبداللہ کے مدرسے میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں بدایوں سے ہوتے ہوئے سنبھل چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ سکندر لودھی نے آپ کی قدر دانی کی۔ مولانا عزیزاللہ کے بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

"مولانا کا حافظہ بلا کا تیز تھا اور مشکل مسائل حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ بغیر مطالعہ کے کتاب پڑھاتے تھے اکثر لوگ مشکل اور پیچیدہ سوالات بطور امتحان پیش کرتے اور مولانا مجلس میں حل کر دیتے تھے۔" 3

شبیر احمد غوری مولانا ابو محفوظ الکریم المعصومی کے ایک مضمون "صدرالدین الشیرازی حیاتہ و مآثرہ" مطبوعہ انڈو ایرانیکا کے حوالے سے عبداللہ ملتانی اور عزیزاللہ کے بارے میں لکھتے ہیں

"۔۔۔ کہ یہ دونوں بادشاہ (سکندر لودھی) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بڑی اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور انھیں انعامات و تحائف سے نوازا۔ ان دونوں کی علمی کوشش بار آور ہوئیں اور شمالی ہند میں فلسفہ کی تعلیم کی اشاعت میں یہ مباحث شایان اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔" 4

مولانا عزیزاللہ کے استاد مولانا فتح اللہ بھی کوئی کم اہم شخصیت نہیں ہیں انھوں نے قطب الدین

1- بحوالہ مضمون "ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر" ص 6

2- بحوالہ "تاریخ ملتان" (جلد اول) از نور احمد فریدی، ص 298

3- بحوالہ "برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات" مطبوعہ امروز ملتان نمبر، ص 5

4- بحوالہ "اسلامی ہند کے مدارس میں علوم عقلیہ کا رواج (عہد سلطنت)" معارف، 1 جلد 91 جنوری 1963ء ص 25

رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی 792ھ) کے شاگرد مولانا موسیٰ الحمیری سے دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی ان کے علاوہ مولانا شاہ الدین ملتانی سے بھی اکتساب علم کیا تھا[1]۔ وہ ملتان کے بہت بڑے فلسفی، عالم، خطاط اور دانشور تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی[2]۔ ان شخصیتوں کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی علمی اور ہمہ گیر شخصیت حافظ عبدالعزیز پرہاروی کی ہے۔ آپ تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ کے قصبہ پرہار میں حافظ احمد بن حافظ محمود کے گھر 1239ھ میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا ۔ بارہ سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر لئے۔ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی سے فیض حاصل کیا۔ علم الکلام اور فلسفے پر عبور حاصل تھا۔ مصر کے علماء بالخصوص ابو زہرہ جیسا فقیہ اور محدث اپنی کتابوں میں خصوصیت سے عبدالعزیز پرہاروی کے حوالے دیتا ہے[3]۔ فلسفہ، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، طب، حکمت ریاضی اور علم نجوم کا یہ ماہر سو سے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا۔ آپ نے بہت کم عمر پائی صرف 33،34 سال کی عمر میں 1239ھ میں وفات پائی۔

غرض سرزمین ملتان علوم فلسفہ کی ترویج کے سلسلے میں بہت پیش پیش رہا۔ [illegible] شبیر احمد غوری لکھتے ہیں

> " .... یہ علاقہ تیرھویں صدی تک معقولات کی تعلیم کا گڑھ بنا رہا۔ یہیں (ملتان) سے مولانا عبداللہ تلنبی اور عزیزاللہ ملتانی نے دہلی پہنچ کر معقولات کی گرم بازاری کو مزید رونق دی۔" 4

ان علماء کی کاوشوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ملتان کے صوفیاء اور علماء کو حدیث، تفسیر، فقہ کے علاوہ منطق اور فلسفے سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ علمی اور عملی تصوف کی ترویج کے علاوہ فلسفے اور منطق کی تدریس اور اشاعت کے لئے بھی ان علماء نے اہم کردار ادا کیا۔ البتہ ملتان میں جس فکر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ صوفیانہ فکر تھی کیونکہ ملتان صوفیاء کے ایک بہت بڑے سلسلے کا مرکز رہا۔ یہ سلسلہ

1۔ بحوالہ " اسلامی عہد کے عہد اول میں علوم عقلیہ کا رواج "(دوسری قسط) مطبوعہ معارف فروری 63ء ص 15

2۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے علامہ عتیق فکری کا مضمون " برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات " امروز ، ملتان نمبر، ص 5

3۔ بحوالہ " ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر " از علامہ عتیق فکری، ص 6

4۔ " اسلامی عہد کے عہد اول میں علوم عقلیہ کا رواج " مطبوعہ معارف، اپریل 1963ء ص 207

سہروردیہ تھا جو ملتان سے شروع ہو کر پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ اس سلسلے کے صوفیاء اپنے مخصوص اصول و اشغال رکھتے تھے جو انہیں دوسرے صوفیانہ سلسلوں سے ممیز کرتے ہیں۔ قاضی جاوید اپنی کتاب " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " میں لکھتے ہیں

" برصغیر میں سہروردی سلسلے کا فروغ زیادہ تر ملتان کے مرکز کے حوالے سے ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریا برصغیر ہی کے باشندے تھے اور تعلیم کے حصول کی خاطر بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے تھے۔ دارا شکوہ نے انہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کا کامل ترین خلیفہ قرار دیا ہے۔ بغداد سے واپسی کے بعد ان کی زندگی ملتان ہی میں بسر ہوئی تھی ..... سہروردی مکتبۂ فکر تیرھویں و چودھویں صدیوں کے مسلم برصغیر میں راسخ الاعتقادی کی نمائندگی کرتا ہے تاہم اس بات کو ایک عام اصول کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس مکتبۂ فکر سے منسوب بہت سے دانشوروں نے برصغیر میں مسلم روحانی بغاوت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ " (1)

سلسلہ سہروردیہ سلاطین وقت کے ساتھ روابط رکھتا تھا۔ سیاست میں باقاعدہ حصہ لیتا تھا اور جاگیریں اور عہدے بھی قبول کرتا تھا۔ سہروردی سلسلے میں اہم ترین کتاب شیخ شہاب الدین [illegible] سہروردی کی عوارف المعارف ہے۔ ان کی صوفیانہ فکر اور آداب و اشغال کا سارا خزانہ اسی کتاب میں بند ہے۔ سہروردیہ نے ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود کو رد نہیں کیا بلکہ اختیار کیا۔ ملتان میں یہ فلسفہ فخرالدین عراقی کی وساطت سے متعارف ہوا۔ عراقی کی خط و کتابت حضرت بہاء الدین زکریا کے فرزند اور جانشین حضرت صدرالدین عارف سے تھی۔ عراقی نے انہیں شیخ اکبر ابن عربی کے خیالات سے روشناس کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ کتاب " لمعات " انہی نے " فصوص الحکم " سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ " سیرالعارفین " کے مطابق

" کتاب لمعات اس طرح تصنیف ہوئی کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد جب انہیں نے ملتان سے بیت اللہ کا ارادہ کیا اور جارہے

1۔ بحوالہ " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " از قاضی جاوید ، ص 56-55 ، مطبوعہ ادارہ ثقافت پاکستان طبع اول 1977ء

پھر ملتان اور شہر قونیہ میں آئے تو وہاں شیخ محی الدین ابن عربی کے
خلیفہ شیخ صدرالدین قونوی تھے کچھ عرصے تک آپ کی صحبت میں رہے اور
کتاب لمعات قونیہ میں تصنیف فرمائی اور وہاں سے انہوں نے ایک خط شیخ
الاسلام صدرالدین عارف کو لکھا کہ جس میں عارفانہ کلمات و نکات تھے اور
اس میں تحریر تھا کہ اب ہم کو ایک ایسے صوفی کی صحبت ملی ہے کہ جس
کے یہ کلمات ہیں۔ " 1

چنانچہ ظاہر ہے کہ عراقی فصوص الحکم سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے ایک نسخہ شیخ صدر الدین عارف کو بھجوایا جس کی بہت سی نقول آگے گجرات اور کاٹھیاواڑ تک پہنچیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ملتان اور برصغیر کے صوفیاء ابن عربی کے خیالات سے متعارف ہوئے اور پھر یہ نظریہ مسلم برصغیر میں بہت مقبول ہوا۔ وحدت الوجودی فکر سے محبت اور انسان دوستی کا جو رنگ پیدا ہوتا ہے وہ ملتان کی صوفیانہ شاعری سے بھی منعکس ہوتا ہے۔ بابا فرید گنج شکر اور خواجہ غلام فرید کی شاعری اسی انسان دوستی کے رنگ کی بہترین مثال ہے۔

1۔ بحوالہ " سیرالعارفین " ص 132

(ج) ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات (مجموعی جائزہ)

ملتان کے فنون عمدہ اور فنون لطیفہ پر صوفیائے کرام کے اثرات کا جائزہ لینے اور ملتان کی علمی روایات کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم بحیثیت مجموعی ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی پر صوفیائے کرام کے ہمہ گیر اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(1) مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہند کی سماجی حالت

اب تک کی ساری تفصیل کو سمجھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں عربوں کی آمد قبل از اسلام بھی ثابت ہے۔ اسلام کے ظہور کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ پہلی صدی ہجری کے اوائل ہی سے مسلمان کسی نہ کسی راستے سے ہند میں داخل ہوتے رہے اسی ہجری کے آخر میں مسلمان محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ میں آئے اور آگے بڑھتے ہوئے ملتان پر قابض ہوئے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت ہندوستان میں ہندو ازم کا عروج تھا۔ ہندوؤں میں طبقاتی نظام اور ذات پات کی تقسیم عام تھی۔ اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کی مانی ہوئی اقدار ہندوؤں کے مذہب اور معاشرت کا ناگزیر حصہ تھیں۔ برہمن، کھتری، شودر اور اچھوت کی تقسیم[1] کے تحت ایک دوسرے سے رشتہ داری، تعلقات، روابط اور بول چال تک ممنوع تھی۔ مذہب پر اونچے طبقے کو بالا دستی حاصل تھی۔ برہمن نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی، مذہبی زبان صرف اسی طبقے کے لئے مخصوص تھی اور دوسروں کے لئے اس کے بولنے سننے تک پر پابندی تھی۔ مساوات اور اخوت کا نام نہیں تھا بتوں کی پوجا کا عام رواج تھا۔ لوگوں نے اپنے اپنے عقائد اور نظریات کے مطابق کئی خداؤں کے تصورات قائم کر رکھے تھے۔ انسانوں کی تقسیم کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تقسیم اور درجہ بندی بھی اس عہد کا دستور تھا۔ مختلف طبقوں کے لوگوں کے الگ الگ مندر تھے پوجا کے الگ الگ طریقے تھے ایک طبقے کے لوگوں کا دوسرے طبقے کی چیزوں کو چھو لینے سے بھرشٹ ہونے کا تصور موجود تھا، عورت کو معاشرے میں نہایت ادنیٰ مقام حاصل تھا، خاوند کی وفات کے بعد بیوہ

1- ابن خرداذبہ نے نویں صدی عیسوی میں ہندوؤں کے سات طبقے بتائے ہیں یعنی (1) چھتری (2) برہمن (3) کھتری (4) شودر (5) بیش (6) چنڈال اور (7) ذوم ــــ اسی طرح اس کے مطابق یہاں کے مذہبی فرقوں کی تعداد بیالیس تھی۔ (ملاحظہ ہو "المسالک والممالک" از خرداذبہ اردو ترجمہ (مولانا مسعود علی ندوی بحوالہ "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ص 23-26)

کو ستی ہونا پڑتا تھا یا ساری زندگی بیوگی میں گزارنا پڑتی تھی۔ خودکشی کی اجازت تھی۔ موت و وفات کے موقع پر عجیب و غریب رسموں کا رواج تھا۔ ضعیف الاعتقادی ، اوہام پرستی ، چھوت چھات، بھوت پریت، شگون شوشی کا عام رواج تھا۔ سود خوری ، قمار بازی اور شراب نوشی عام تھی۔[1]

(2) مسلمانوں کی آمد

مسلمانوں کی آمد سے فکر و اعتقاد کی اس سرزمین میں تہذیب و ثقافت، مذہب و معاشرت اور زبان و بیان کے انداز میں ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ اسلام کی روشن خیالی ، رواداری، مساوات پر مبنی نظام اور توحید پرستی نے یہاں کی اصنام پرست اقوام پر بڑے مثبت اثرات مرتب کئے۔ یہاں تک کہ ان غیر مسلم اقوام میں روشن خیالی کی تحریکیں شروع ہوئیں اس سلسلے میں بھگتی[2] اور برہمو سماج[3] تحریک وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں

1- مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے " مسلم ثقافت ہندوستان میں " از عبدالمجید سالک، ص 20 تا 43

2- قاضی جاوید کے مطابق

" برصغیر کے مسلم فکر کے ارتقاء میں بھگتی تحریک کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے بنیادی طور پر یہ تحریک ہندوستان کی دو عظیم تہذیبوں کے مابین ترکیب پیدا کرنے کی شعوری کوشش کے طور پر وجود میں آئی تھی لیکن یہ اپنی قسم کی اولین تحریک نہیں تھی۔ اس سے قبل ایسی کئی غیر رو تحریکیں برصغیر کی معروضی صورت حال سے جنم لے چکی تھیں اور ان کے نتیجے کے طور پر نچلے طبقات کی سطح پر ہندو مسلم ترکیبی ثقافت جنم لے رہی تھی۔ اس عمل کا آغاز ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس عمل کے ابتدائی دور میں سندھ کے ہندو مسلموں نے عرب عہد حکومت میں اپنے سابقہ مذہبی دیوتاؤں کو اسلامی نام عطا کر دئیے تھے۔ بعد ازاں یہ سلسلہ دیگر علاقوں میں بھی پھیل گیا۔"

(" برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " ص 69، مطبوعہ ادارہ ثقافت پاکستان لاہور، طبع اول 1977ء)

3- اس تحریک کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں

" برہمو سماج کی اس تحریک نے مذہبی تعطل ، جہالت پسندی اور تنگ نظری کے اس طلسم کو توڑنے میں مدد دی جس نے ہندوستان کی تمدنی ترقی کی راہیں مسدود کر رکھی تھیں ـــــ اس کی انتھک کوشش سے ستی کی رسم ختم ہوئی ـــــ اور ہندو سماج میں عورت کی زبوں حالی کے خلاف آواز اور حرکت پیدا ہوئی ـــــ سماج کی ان سرگرمیوں سے تعلیم یافتہ طبقے میں بیداری کا ایک صالح احساس پیدا ہوا اور یہی احساس ہندوستان کی نشاۃ الثانیہ کا سنگ میل ہے۔"

(بحوالہ " پریم چند ـــــ تنقیدی مطالعہ " ص 76، مطبوعہ سرسید بک ڈپو، علی گڑھ، طبع چہارم 1977ء)

"مسلمانوں کے ساتھ آنے اور پھیلنے والے نئے تہذیبی اثرات نے اس برعظیم میں بت پرستی اور ذات پات کے خلاف ایک ایسا شعور بیدار کیا کہ عوام بھی یہ سمجھنے لگے کہ نروان اور نجات کا راستہ صرف برہمنوں کے قبضے میں نہیں ہے بلکہ جو بھی چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے اس لئے ایسی تحریکیں بہت مقبول ہوئیں اور ان کے راہنما اور ماننے والے بھی عوام ہی سے پیدا ہوئے۔" 1

(3) صوفیاء کی تعلیمات

یوں تو محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے ساتھ آنے والے سپاہی بھی بلند اخلاق اور اعلیٰ شعائر کے حامل تھے اور جو لوگ یہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے ان کے اثرات یہاں کی معاشرت پر پڑے لیکن برصغیر پاک و ہند میں آنے والے صوفیائے کرام کی تبلیغ اور تعلیم نے تو یہاں کی کایا پلٹ دی۔ انھوں نے نہایت عام فہم اور محبت آمیز انداز میں اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کو نیکی کی طرف مائل کیا۔ ایک طرف تو انھوں نے اپنی سادہ زندگی، درویشی، بے ریائی، خلوص اور انسان دوستی نے اعلیٰ نمونے پیش کر کے لوگوں کے اخلاق کو سنوارا اور نیک اعمال کی طرف مائل کیا دوسری طرف مقامی بولیوں میں فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش کر کے رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ عین الدین دردائی کا یہ کہنا غلط نہیں کہ

"۔۔۔۔ دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے ہم زبانی کے بعد ہی ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ یہ صوفیائے کرام عوام سے انھیں کی بولی میں گفتگو کرتے اور تعلیم و تلقین کی کوشش فرماتے تھے۔" 2

اس طرح صوفیاء کی بدولت تہذیب و زبان پر نہایت دور رس اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے یہ صوفیائے عظام برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں پہنچے ملتان تو ان کے لئے ایک مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا تھا جہاں صوفیاء زبان تک سیکھنے کے لئے آتے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے حالات میں درج کیا جا چکا ہے کہ وہ زبان میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لئے ملتان تشریف لائے۔۔۔ اسی طرح قطب الدین بختیار کاکی امیر خسرو اور حسن دہلوی کو بھی ملتان میں قیام کا موقع ملا اور انھوں نے یہاں کی زبان کے اثرات قبول کئے۔ ملتان کے صوفیاء کا فیض برصغیر سے نکل کر باہر کی دنیا تک پہنچا۔ حضرت غوث بہاء الحق زکریا

1۔ بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول، ص 42

2۔ بحوالہ "صوفیائے بہار اور اردو" ص 21، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی 1972ء

ملتانی کے احوال میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ کی قائم کردہ درس گاہ کے ستر ہزار تربیت یافتہ عالم رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، ملایا، خراسان اور چین تک پہنچے۔

صوفیائے کرام نے انسانیت کا جو درس دیا وہ انسانی اخلاق کی معراج ہے۔ ان کے نزدیک چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ، کالے گورے، امیر غریب اور عربی و عجمی میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ہندو مسلم اور شیخ و برہمن میں بھی کوئی امتیاز نہ برتا۔ خواجہ معین الدین اجمیری، قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، امیر خسرو، جہانیاں جہاں گشت، حافظ جمال اللہ، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت موسیٰ پاک شہید، حضرت غلام حسن شہید اور حضرت خواجہ غلام فرید جیسے صوفیاء کے احوال میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے ہند مسلم ثقافت میں جان پیدا کر کے اسے فروغ دینے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم اور اہل تکفیر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلام کی طرف غیر مسلموں کو جو رغبت ہوئی وہ صوفیائے کرام کے خلق عظیم کی بدولت ہوئی۔

صوفیائے کرام نے بلا امتیاز رنگ و نسل تمام بنی نوع انسان کو اخوت، محبت، امن آشتی اور انسانیت کا درس دیا۔ سید سلیمان ندوی کے مطابق

> "جن لوگوں کو ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے ساتھ یہاں کی روحانی تاریخ کا مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ یہ تسلیم کریں گے کہ ہندوستان میں غزنی اور غور کے سلاطین، ملکی فتوحات کے لئے جہاں جہاں بڑھتے تھے ان سے پہلے یہ روحانی سلاطین اپنی روحانی فتوحات کے لئے آگے بڑھتے جاتے تھے اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کے ملک کو غزنی اور غور کے بادشاہوں نے فتح کیا ہے تو اس سے زیادہ یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادۂ چشت کے روحانی سلاطین نے فتح کیا۔" 1

1- بحوالہ "نقوش سلیمانی" ص 38، اردو اکادمی سندھ کراچی، مارچ 1967ء

(4) زبان کے تال میل میں صوفیاء کا حصہ

ان روحانی سلاطین میں بیشتر کی مادری زبان عربی اور فارسی تھی۔ یہاں تک کہ یہی وجہ ہے کہ ان صوفیاء کے ملفوظات زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں یہاں تک کہ صوفیاء کا وہ سلسلہ جو بڑا خالصتاً ملتانی تھا (ملتان کا سہروردیہ سلسلہ اور حافظ جمال اللہ، خواجہ خدا بخش، حضرت سلیمان تونسوی وغیرہ) بھی زیادہ تر فارسی زبان بولتا اور لکھتا تھا تاہم تاریخوں سے یہ ثابت ہے کہ یہ صوفیاء کسی ایک زبان تک محدود نہ رہے بلکہ وہ جہاں بھی پہنچتے تھے وہاں کی زبان سیکھتے اور وہاں کے عوام کی زبان ہی میں لوگوں سے گفتگو کرتے تاکہ انہیں اپنی بات سمجھا سکیں اور

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

والا معاملہ نہ ہو۔ شاہ یوسف گردیز، شمس الدین تبریزی، بابا فرید گنج شکر، قطب الدین بختیار کاکی، جہانیاں جہاں گشت، کے احوال میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ان صوفیاء نے مقامی زبانوں میں گفتگو اور تبلیغ کی۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ بہت سے دوہڑے، ابیات، اقوال بھی منسوب کئے جاتے ہیں اور ان کی تفصیل سابقہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ دسویں صدی ہجری کے بعد کے صوفیاء، جن میں حضرت حافظ جمال اللہ، موسیٰ پاک شہید، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ خدا بخش، غلام حسن شہید اور خواجہ فرید وغیرہ شامل ہیں۔ سرائیکی اور دیگر علاقائی زبانوں کے علاوہ اردو زبان بھی بلا تامل بولتے تھے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اپنی تعلیم و تربیت اور علمی فضیلت کے سبب مقامی زبانیں بولتے وقت بھی لاشعوری طور پر عربی اور فارسی زبان کے الفاظ ان کے منہ سے ضرور نکلتے ہوں گے۔ چنانچہ اس طرح مقامی بولیوں میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کی آمیزش ہونے لگی۔ زبان کا یہ اختلاط کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھا کیونکہ صوفیاء کا دائرہ تبلیغ کسی ایک خطے تک محدود نہ تھا بلکہ وہ جہاں جہاں پہنچے وہاں کی مقامی بولیوں سے اثر قبول کیا اور خود بھی انہیں متاثر کیا۔ اس طرح مختلف علاقوں کی بولیوں میں ایک قسم کی غیر محسوس تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی اور چونکہ صوفیاء کی تبلیغ و تلقین کی بدولت لسانی تشکیلات کا یہ عمل برصغیر پاک و ہند کے تمام علاقوں میں یکے بعد دیگرے پھیلتا چلا جا رہا تھا اس لئے ہر جگہ ایک ایسی مشترکہ زبان بھی وجود میں آ رہی تھی جو اپنے علاقے کی مقامی

اثرات کے امتزاج کے باوجود اپنی شکل و صورت اور رنگ ڈھنگ کے اعتبار سے ایک تھی۔ اور یہ زبان اردو تھی جو صوفیوں کے لسانی تشکیلاتی عمل کی بدولت وجود میں آئی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ بیان ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے کہ

> "۔۔۔۔ صوفیائے کرام بر عظیم کے مختلف علاقوں میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ بابا فریدگنج شکر ملتان کے رہنے والے ہیں۔ شیخ حمیدالدین ناگوری صوفی سندھ کے، بو علی قلندر پنجاب و ہریانہ کے، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہار و بنگال کے، امیر خسرو دہلی کے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی اودھ کے، جو پنجاب میں تھا اس کی زبان پر وہاں کی بولی کا اثر ہے۔ جو بہار میں تھا اس کی زبان پر ماگدھی کا اثر ہے کسی پر برج بھاشا کا اثر ہے۔ اور کسی پر کھڑی بولی کا۔ کسی پر سرائیکی کا اثر ہے تو کسی پر زبان گجرات کا۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس زبان کا کینڈا، رنگ ڈھنگ بنیادی طور پر ایک ہے۔ اور ابھی چونکہ یہ زبان اپنی تشکیل کے ابتدائی دور سے گزر رہی ہے اس لئے یہ اثرات الگ الگ دیکھے اور محسوس کئے جا سکتے ہیں۔" 1

اردو زبان کے ارتقاء میں صوفیائے کرام کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے، عبدالمالک آروی لکھتے ہیں

> "۔۔۔۔ حضرت خواجہ معین الدین سنجری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فریدالدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ نے ارتقائے اردو میں بڑی مدد دی، چونکہ نفس اصلاح اور روحانی اطلاع پرافشانی کے سلسلے میں عوام الناس کو آپ حضرات کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔ خواجہ معین الدین سنجری سلطان التمش کے عہد میں وارد ہندوستان ہوئے خواجہ قطب الدین قصبہ اوش سے تشریف لائے تھے ... اسی طرح شیخ فریدالدین قصبہ کھتوال سے جو ملتان کے علاقہ میں ہے۔ تشریف لائے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے والد احمد دانیال غزنی سے ہندوستان میں آئے۔ دلی کے اسلامی سلاطین کے عہد میں بھی اولیاء کبار [illegible] ہندوستان میں آئے۔ اگر ہر شاہی خاندان کے عہد کے بزرگوں کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو پتہ چلے گا کہ ایرانی امراء کی طرح عراق، عرب و ایران کے علما و صوفیہ بھی ہندوستان میں کثرت

1- بحوالہ "تاریخ ادب اردو" جلد اول صفحہ 41

> کے ساتھ آئے اور ان کی بحث وارشاد نے عوام الناس کی زبان پر گہرا اثر ڈالا۔" 1

5) اردو زبان و ادب کی ترویج میں صوفیاء کرام کی خدمات

ہم سابقہ صفحات میں خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فریدالدین گنج شکر، شاہ شمس سبزواری اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت موسیٰ پاک شہید، حافظ جمال اللہ، حضرت سلطان باہو، غلام حسن شہید، حضرت خواجہ فرید اور دیگر صوفیاء کے ضمن میں ان کے جملے، اقوال اور ادبی و شعری سرمائے کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ جملے، اقوال اشعار اردو کی ابتدائی نشو و نما میں کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ ماہرین فن اس کو تسلیم کر چکے ہیں اور ان کی کتابوں میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صوفیائے کرام کے اقوال پر ہی قدیم اردو، ان کے ملفوظات اور ان سے وابستہ جملوں، فقروں، اشلوکوں، اشعار و ابیات وغیرہ سے ہماری اس سوچ کی تائید ہوتی ہے کہ اردو زبان کی ابتدائی تشکیل و تعمیر صوفیاء کے ہاتھوں ہوئی۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے یہ صوفی یکجا کئے جائیں تو یہ سب ایک ہی زبان سے متعلق دکھائی دیتے ہیں۔ اس زبان کو مختلف ادوار میں مختلف نام دئیے گئے لیکن یہ سب دراصل ایک ہی زبان یعنی اردوئے قدیم ہی کے نمونے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردوئے قدیم کے جتنے نمونے ملتے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر صوفیاء کے ملفوظات سے ہے اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بول چال کی حد تک بلکہ تحریر و بیان کے سلسلے میں بھی اردو کو مقبول و مروج کرنے میں صوفیاء کرام کا حصہ ہے۔ اردو زبان کی ابتدائی تحریریں اور کتابیں بھی زیادہ تر صوفیاء کرام کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان کتابوں میں ادب و شعر کے نمونے بھی ملتے ہیں اس کی تفصیل گذشتہ صفحوں میں پیش کی گئی ہے۔ اسی بنا پر ظہیرالدین مدنی لکھتے ہیں

> " اردو کی ادبی تشکیل صوفیوں کے ہاتھوں ہوئی اگرچہ مستقل تصانیف کا دور تو نویں صدی ہجری یعنی پندرھویں صدی عیسوی میں گجرات و دکن کے صوفی فقیہ کی ادبی کاوشوں سے شروع ہوا لیکن ساتویں صدی (ہجری

1۔ بحوالہ " عباس مالک " ص 223 ۔ 224 ۔ مطبوعہ ادارہ ظلی بستان آرہ (بہار) 1942ء

> تیرھویں صدی عیسوی ہی میں اس زبان کا معیار تیار ہو چکا تھا بلکہ بول چال کی منزل سے آگے بڑھ کر اس نے ایوان ادب میں بھی جھلکیاں دکھانا شروع کر دیا تھا۔" 1

اردو زبان و ادب کی ترویج کے سلسلے میں صوفیائے کرام کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے سلیمان ندوی بھی اعتراف کرتے ہیں کہ

> "بے شک اردو کی جو تاریخ میں اکبر اور شاہ جہاں اور ان کے سپاہ بازار اور اردوئے معلیٰ کو اہمیت دی گئی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ان سے کہیں زیادہ اہمیت صوفیہ کو حاصل ہے۔" 2

حافظ محمود شیرانی بھی کھلے دل سے [illegible] تسلیم کرتے ہیں کہ

> "ہندوستان کے صوفی ہر زمانے میں ملکی زبان سے قریبی تعلق رکھتے تھے وہ بلا لحاظ مذہب و ملت عام طبقات الناس کے مرجع و مآب تھے۔ اس لئے ملکی زبان سے واقفیت رکھنا ان کے لئے نہایت ضروری تھا۔ طبقہ صوفیا کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں ہو گا کہ ان بزرگوں نے ارباب سیف و قلم کے مقابلے میں ابتداء ہی سے اردو یا ملکی زبان کی طرف بہت توجہ کی ہے اور اس زبان میں ادب کو روشناس کرانے والی درحقیقت یہی جماعت ہے۔" 3

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ محمود غزنوی کی آمد کے ساتھ ہی صوفیاء کرام اور بزرگ ہندوستان بھر میں داخل ہوئے اور مختلف علاقوں میں انھوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ سرزمین ملتان کے صوفیاء کا فرداً فرداً ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے ملفوظات، اقوال، ابیات، دوہڑوں، جملوں اور شعروں کی تفصیلات ان کے حالات کے ذیل میں درج کی جا چکی ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا ابتدائی کام بھی انہیں صوفیائے کرام کے ہاتھوں شروع ہوا کیونکہ اہل علم اور اہل دانش تو اس زبان کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھتے تھے وہ تو فارسی زبان کو اظہار اور ترسیل کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مطابق

1- بحوالہ "اردو نثر ولی تک" ص 12، سلسلہ مطبوعات بزم اشاعت بمبئی، بار اول

2- بحوالہ "نقوش سلیمانی" ص 39

3- بحوالہ "مقالات حافظ محمود شیرانی" (جلد اول) مرتبہ مظہر محمود شیرانی ص 134، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول جنوری 1966ء

"ہندی یا اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے۔ اس کا استعمال شعر و سخن، مذہب و تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔" 1

ہم یہ نہیں کہتے کہ اولیاء کی ان ہستیوں نے شعوری طور پر یا کسی تحریک کے ذریعے اردو زبان و ادب کو ترقی دی یا اس کو پھیلانے کی شعوری کوشش کی یا ان کا مقصد زبان و ادب کی خدمت تھا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد تبلیغ دین اور اشاعت اسلام اور رشد و ہدایت تھا لیکن انھوں نے جس زبان کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ ابتدائی اور قدیم اردو تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ ان کی لاشعوری کوشش کی بنا پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مطابق

"یہ بزرگ اس زبان کے نہ ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھا۔ نہ ان کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں ..... جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔ گویا یہ ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔" 2

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت، تہذیب و ثقافت کی ترویج، مساوات اور اخوت کی تلقین اور روحانیت و اخلاق کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے ارتقاء کے سلسلے میں بھی صوفیائے کرام کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شمس الدین درانی کا یہ کہنا بہت حد تک درست ہے کہ

"اردو زبان کے اصل مالک ہمارے صوفیائے کرام ہیں جو اسلام کی تبلیغ اور

1- بحوالہ "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" از مولوی ڈاکٹر عبدالحق، ص 80

2- --- ایضاً --- ، ص 81

روحانی سر چشمے سے عالم کو فیض یاب کرنے کے لئے ہمہ دم مصروف اور سرگرداں رہتے تھے۔ وہ گاؤں گاؤں پھر کر خدا کے بندوں کو اخلاق و مذہب کی باتیں بتاتے اور دلوں سے برائیوں اور جہالت کی کثافتوں کو دور کرنے میں منہمک رہتے تھے۔ وہ جس جگہ جاتے اور جن لوگوں سے ملتے انہی کی بولی میں اشعار و مذہب کی باتوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ یہ سلسلہ صدیوں تک ہوتا رہا اور اب بھی اردو کے قدیم نمونوں کی شکل میں محفوظ دستیاب ہیں۔[1]

(6) ملتان کے صوفیاء، تہذیب اور زبان و ادب پر ان کے اثرات

گفتگو کے ضمن میں رقبہ سے ہٹ کر محض خصوصیت کے ساتھ کسی ایک علاقے یا ایک خطے میں تہذیب و زبان کے ارتقاء کی بات کی جائے تب بھی صوفیاء کی خدمات اور ان کے کردار کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ملتان کی معاشرتی، تہذیبی اور علمی و ادبی زندگی میں صوفیاء کرام کو جو دخل رہا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ یوسف گردیز نے ایک طرف تو لوگوں میں کھوئے ہوئے انسانی وقار کو بحال کیا۔ ان سے ان کی زبان میں گفتگو کر کے ان کی مقامی زبان (ملتانی) کو تقویت بخشی تو دوسری طرف ملتان میں کتب خانے کی بنیاد رکھ کر پہلی مرتبہ ملتان کو علمی خزانے کی اہمیت سے آشنا کیا۔ ان کے علمی کی تعمیر سے ملتان میں نئی تعمیر کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ خواجہ حسن الدین احمدی نے کئی سال ملتان میں رہ کر تصوف کو عام تصوف کی صورت دے کر لوگوں میں ایک فکری انقلاب پیدا کیا۔ ذات پات اور طبقاتی تقسیم کے خلاف جہاد کر کے ہندی زندگی کو ایک نیا رخ عطا کیا اور اردو زبان کو ذریعہ اظہار بنا کر زبان کو قومی وحدت کا ایک ذریعہ بنایا۔ قطب الدین بختیار کاکی نے موسیقی اور سماع کو جائز قرار دے کر اس کے ذریعے اپنی شعف کا اظہار کر کے فنون لطیفہ کی ترویج کا سامان کیا۔ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ملتان میں ایک عظیم درس گاہ کی بنیاد ڈالی۔ لوگوں کی ذہنی، فکری اور روحانی تربیت کا عملی انتظام کیا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے وسیع الظرفی سے ملتان پر تہذیب و ثقافت کی تعمیر کی۔

1۔ "صوفیائے سندھ اور اردو" از محی الدین ... ص 31، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی 1972ء

انسانی دوستی کے آدرش کے ساتھ ساتھ علم و ادب اور فنون لطیفہ کی ترویج ان کی زندگی کا مطمع نظر رہا۔ اردو، سرائیکی اور پنجابی شاعری کے ارتقاء اور اردو زبان کی ابتدائی نشوونما کے سلسلے میں ان کو تاریخی تقدم حاصل ہے۔ حضرت شاہ شمس سبزواری فارسی، کشمیری، سندھی اور سرائیکی زبان کے شاعر تھے۔ شیخ صدرالدین عارف بھی شعر و شاعری میں شغف رکھتے تھے۔ خود بھی طبع آزمائی کرتے تھے جناب عراقی جیسے شاعر نے ان کی شاعری کی تعریف کی۔ اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے سید جلال الدین سرخ بخاری نے اچ میں خانقاہ "بخاریہ" کی بنیاد رکھی۔ اس خانقاہ میں علمی اور روحانی طور پر استفادہ کرنے والوں کی تعداد بے شمار تھی۔ خانقاہ مثالیہ بھی انہیں کی یادگار ہے۔ شاہ رکن عالم نے اپنے دادا بہاء الدین زکریا کی طرح سیاست اور مذہب کا امتزاج قائم رکھا۔ سماع میں بھی دلچسپی لی۔ شیخ حسام الدین ملتانی نے درویشی و قلندری کا درس عملی طور پر دیا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ملتانی، پنجابی، سندھی اور ہندی زبانوں میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ درس و تدریس بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اچ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا۔ فنون لطیفہ، ادب و شعر اور زبان و بیان کے لحاظ سے امیر خسرو کی خدمات تو اظہر من الشمس ہیں۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کی کتاب "تیسیر الطالبین" علم و عارف کا خزانہ ہے۔ پرلطف اور ادبی اسلوب میں لکھی ہوئی فارسی کی یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کی باتوں سے پُر ہے۔ یہ سب باتیں ایک نیک اور باکردار زندگی کے لیے بہترین ضابطے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ خاصا ایسے اقوال درج ہیں جن سے انسانی اعمال کی تہذیب ہوتی ہے۔

حافظ محمد جمال ملتانی نے نہ صرف اپنی علمی، اخلاقی، روحانی اور تدریسی سرگرمی سے خلق خدا کو فیض یاب کیا بلکہ انہیں باطل کے خلاف عملی جہاد کے لیے بھی تیار کیا اور خود بھی میدان جنگ میں اترے۔ علم و عمل اور دین و دنیا کا بہترین امتزاج ان کی زندگی کا آدرش رہا۔ ان کی "سی حرفی" تصوف اور اخلاقی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اگرچہ اس نظم کی زبان سرائیکی ہے لیکن اس کا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس دور میں بھی سرائیکی اردو کے روابط بڑے مستحکم تھے اور دونوں زبانیں ایک دوسرے سے نامانوس نہ تھیں۔

خواجہ خدا بخش کی شخصیت مرجعِ خلائق، باعزت، تہذیبی اور ادبی سطح پر بڑی اہم تھی۔ آپ کی گفتگو بڑی دلچسپ اور ادبی حسن کی حامل ہوتی تھی۔ اشاروں اور کنایوں میں بات کر کے عوام و خواص کے دل موہ لیتے تھے۔ توحیدیہ، توحیدیہ، توجیہ کے حوالے سے ان کے خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ وحدت الوجود کی تشریح و تفسیر انھوں نے اس انداز سے کی ہے کہ اس نظریے کی اشاعت سے محبت اور بلاغت کے جذبات لوگوں میں پیدا ہوئے۔ موقع محل کے مطابق فارسی، اردو اور سرائیکی اشعار، اقوال ضرب الامثال کے استعمال سے انھوں نے زبانوں کو مخلوط کیا اور ظاہر ہے یہ بہت بڑی ادبی و علمی خدمت ہے۔

حضرت سلیمان تونسوی نے تہذیبی سطح پر تو تونسے کی پوری آبادی کو متاثر کیا۔ ان کے مشاغل بیشتر پرانہ مہارت، رہن سہن، اطوار و آداب، سوچ کے انداز اور طعام و کلام سب پر ان کے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کی تفصیل ان کے احوال میں درج کی جا چکی ہے۔ علمی اور فکری سطح پر بھی انھوں نے ایک خاص نقطۂ نظر کو پھیلایا اور یہ تھا احسان دوستی، فیاضی، مذہبی فروغ اور فنی لطافت و عقیدہ کی ترقی اور ترویج۔ ان کے ملفوظات سے ہم نے ہندی بول، اشعار اور اقوال سابقہ صفحات پر نقل کئے ہیں۔ ان سے زبان و ادب کے سلسلے میں ان کی کاوش کا پتہ چلتا ہے۔

غلام حسن شہید ملتان کے صوفی شعراء میں وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے سب سے پہلے باقاعدہ طور پر اردو میں شاعری کی۔ اگرچہ ان کا کوئی مطبوعہ دیوان اردو موجود نہیں ہے تاہم ان کے سجادہ نشین کے پاس قلمی دیوان متفرقات موجود ہے جس میں اردو غزلیں، مرثیے، نعت وغیرہ شامل ہیں جن کی تفصیل حضرت غلام حسن شہید کے احوال میں درج کی جا چکی ہے۔ حضرت غلام حسن شہید نے اردو، ہندی، سرائیکی اور پنجابی زبان کو مخلوط کرنے کا تجربہ بڑی کامیابی کے ساتھ کیا اور اسطرح اردو زبان کو مقامی رنگ میں ڈھالنے اور اس میں دیگر علاقائی زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ کو شامل کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ ان کا یہ کارنامہ یقیناً اردو زبان و ادب کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔

خواجہ غلام فرید دوسرے بہت سے عظیم صوفیاء کی نسبت ادب و شعر کے میدان میں زیادہ معروف اور مشہور ہوئے۔ وہ بلاشبہ ایک صوفی صافی تھے لیکن ان کی شہرت و عظمت کا زیادہ تر دارو مدار ان کی

عارفانہ کلام پر ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنی سرائیکی اور اردو شاعری میں حرفت کے شناس بھی باندھے اور اپنی کلیم اور تہذیبی مناظر کو بھی پیش کیا۔ ادب و شعر کے لحاظ سے وہ سرزمین ملتان کی آبرو ہیں۔ وہ ملتان کے خوشحال خان، شاہ حسین، شاہ عبداللطیف، اور سچل سرمست ہیں۔ ان کی کافیاں لوک ورثے کا انمول خزانہ ہیں۔ موسیقی کی دنیا میں خواجہ فرید کی کافیاں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعویٰ ہے کہ

"دیوان (دیوانِ فرید) کی ہر کافی گائی جا چکی ہے اور اصول موسیقی کے تحت کہی گئی ہے۔" 1

ان صوفیاء کی بدولت ملتان کے شعر و ادب میں تصوف کی ایک ایسی مسلسل، دیرپا اور مستحکم روایت قائم ہوئی کہ جس کے اثرات آج تک محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ادبی لحاظ سے زیادہ تر ان صوفیاء کی توجہ شاعری جیسے فن لطیف کی طرف رہی ۔ نثر میں سوائے ملفوظات کے یا تصوف کے فلسفیانہ مسائل پر تصنیفات کے کوئی ادبی رنگ کی چیز دکھائی نہیں دیتی ۔ لیکن شعر کی ایک مضبوط روایت البتہ ضرور ملتی ہے۔ دراصل شاعری جذبات کی زبان ہے اس لئے صوفیانہ کیفیات اور عاشقانہ واردات کے اظہار کے لئے شعری زبان ہی بہترین وسیلہ تھی اور یہی اسلوب صوفیاء نے اختیار کیا۔ یہی تصوف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ " برائے شعر گفتن خوب است" یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تصوف ہماری فکری اور شعری روایت کا حصہ رہا ہے۔ حضرت رابعہ بصری، ابن عربی، اور نسفی وغیرہ نے عربی میں صوفیانہ شاعری کی۔ فارسی میں ابوسعید ابوالخیر، فریدالدین عطار، سنائی--- مولانا روم، محمود شبستری، سعدی، عراقی، بیدل اور حافظ جیسے شعراء نے تصوف کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اردو میں میر، درد، غالب، ذوق اور اقبال نے صوفیانہ مضامین ادا کئے اور علاقائی زبانوں میں تو صوفیانہ شاعری کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ پشتو میں رحمان بابا، خوشحال خان خٹک، سندھی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست، پنجابی میں شاہ حسین، بلھے شاہ، وارث شاہ اور سلطان باہو اور سرائیکی میں، بابا فرید، حافظ جمال، سچل سرمست، لطف علی، خواجہ فرید، غلام حسن شہید، علی حیدر وغیرہ کے نام صوفیانہ شاعری میں اہم ہیں۔

بابا فرید گنج شکر، امیر خسرو، حسن سجزی، خواجہ فرید اور غلام حسن شہید وغیرہ کے شعری نمونوں اور سوانح کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ چند اہم شعراء کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے یہاں صوفیانہ مضامین ملتے ہیں اور صوفیانہ روایت سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

(1) شیخ علی متقی

ان شعراء میں سب سے قدیم شیخ علی متقی ہیں۔ 885ھ میں برہان پور میں پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن کے مرید تھے۔ انہی سے سلسلہ چشتیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ملتان میں شیخ حسام الدین متقی ملتانی کی صحبت سے فیض اٹھایا اور دو سال کے عرصے میں تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم ان سے پڑھی۔[1] خلیق احمد نظامی کے بقول "آپ کے علم و فضل کا سکّہ عرب و عجم میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا تھا۔[2]" سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق شیخ علی متقی شاعر بھی تھے انہوں نے ان کا یہ شعر درج کیا ہے

سنی سہیلی پیتم کی باتا
من تن رہی جیوں دودھ بتاشا [3]

یہ شعر "اخبارالاخیار" میں بھی درج ہے اور وحدت اور دوئی کے مسئلے کے سلسلے میں ہے۔

سن سہیلی پیتم کی باتا
من تن رہی جیوں دودھ بتاشا [4]

انہوں نے جمادی الاوّل 975ھ میں وفات پائی۔[5] مسعود حسن شہاب کے مطابق چونکہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اس لئے وہیں انتقال فرمایا۔[6]

1- بحوالہ "اخبارالاخیار فی اسرارالابرار" از عبدالحق محدث دہلوی، ص 257، مطبوعہ در مطبع مجتبائی دہلی، ذی الحجہ 1332ھ (1914ء)
2- "مشائخ چشت" ص 212
3- "نقوش سلیمانی" از سلیمان ندوی، ص 55
4- "اخبارالاخیار" ص 265
5- ایضاً ص 266
6- "خطۂ پاک اوچ" ص 300

(2) علی حیدر ملتانی

1101ھ/1690ء میں ملتان کے ایک مضافاتی قصبے مجھترہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ محمد امین تھا۔ خواجہ فخرالدین دہلوی سے بیعت تھے۔ ان کا کلام "ابیات علی حیدر" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ علی حیدر ملتانی نے بھی دیگر صوفی شعراء کی طرح عشق مجازی کے حوالے سے عشق حقیقی کی بات کی ہے اور مجاز کے پردے میں حقیقت کے اسرار بیان کیے ہیں۔ عشق کے دور زوال میں آپ نے معرفت کی شمع جلائی۔ آپ کا سرائیکی کلام سی حرفیوں پر مشتمل ہے جس کا موضوع فلسفہ و تصوف ہے۔ ان کے علاوہ ان کے سرمایۂ شعر میں دوہڑے، بارہ ماہ اور اردو آمیز اشعار بھی شامل ہیں۔ "کلیات علی حیدر" کے نام سے ڈاکٹر ظہور احمد ظہور نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ ان کا سن وفات 1191ھ ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے

الف اوہ جلوہ محبوب کس دلیں ایہ رنگ طرح معشوق جیہیں
ایہا کا کل حرف نہیں ہی سب کلام خدا مخلوق صحیح

اوہ ہو ملک تے لشکر حکم آتے ہی محمدی جیہیں
ہر ایہ بھی ہن اعداد الف دی توں ایہ معبود جیہیں

پر مارے رمزے دی عشق نے اکھیں مشک کریندا جیسا
تخت ہزارے تخت راجھن لا کے ہیر سیال ملیندا جا

عشق اساڈے دی چھوٹی تاپ معشوق دی نال چھوڑیندا جا
واہ واہ کم اللہ دے حیدر آپے ہے حق ہو ندا جیسا

ہوں نہ مجنوں عشق تھیوے اتھے اس جو ہیجھ دکھیاں میں
سجناں عشق دے چولاں رنگ لئی اتھاں جنہاں چادراں ہو پاریاں ۔۔۔۔[1]

(3) صابر ملتانی

ان کا نام محمد صابرالدین تھا۔ 1835ء میں ملتان ہی میں پیدا ہوئے۔ طویل عمر پائی۔ زندگی

1- اس حصہ میں استفادہ کیا گیا ہے (1) "ملتانی شاعراں دا تذکرہ" از ملتان صفحات 91-92، مطبوعہ ... لاہور، طبع اول جنوری 1980ء (2) "ملتان میں اردو شاعری" از ڈاکٹر عاصر ... ص 36، مطبوعہ ... پبلی کیشنز لاہور بار اول 1984ء

پھر آخری دنوں میں بہاءالدین زکریا ملتانی کے مزار کے سجادہ ہو گئے۔ طباعت کا کام بھی کرتے رہے اور سرائیکی مرثیے پر مشتمل کتابیں شائع کیں۔ ملتانا کو شاعری کا شوق شروع سے تھا۔ آپ کا کلام پیام یار تحفہ بہار لکھنؤ، گلزار خلد قنوج، گلدستۂ بہار جمال وغیرہ میں شائع ہوتا تھا۔ 1303ھ میں حضرت داغ دہلوی سے بذریعہ خط و کتابت سلسلۂ تلمذ حاصل کیا۔[1] ان کا مجموعہ کلام یادگار صابر کے نام سے ان کے فرزند محمد معیرالدین صغیر نے بہار پریس ملتان سے نومبر 1935ء میں شائع کرایا جو مجھے علامہ عتیق فکری کی لائبریری سے ملا ہے۔

" یادگار صابر " ــــ صابر ملتانی کے قصائد، قطعات تاریخیہ، ملتانی کافیوں، ملتانی اور اردو مرثیوں اور اردو فارسی غزلیات پر مشتمل ہے۔ اردو غزل میں ان کا رنگ پختہ، استادانہ اور کلاسیکل شعراء کا سا ہے۔ داغ کے اثرات واضح اور نمایاں ہیں۔ مجازی اور حقیقی دونوں قسم کے اشعار موجود ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے

جس طرح تیرے حسن کا شہرا جہان میں ہے — چرچا ہمارے عشق کا اب چار سو ہوا
ساقی ہو، مے ہو، ابر ہو، فصل بہار ہو — سب کچھ ہیں پر نہیں جو کنار لب جو ہوا

("یادگار صابر" ص 102)

تیرا سودا جو نہیں جس میں وہ سر کس کا ہے — درد تیرا جو نہیں جس میں جگر کس کا ہے
نالے آہیں جو گئیں عرش پہ تو ٹھہرا کیسے کہا — کھینچ کر لایا ادھر مجھ کو اثر کس کا ہے

(ص 106)

نظر فلک پہ کرو یا زمیں پر دیکھو — خدا کی ذات کا جلوہ ہے جس جدھر دیکھو
کہاں ہو میں نے کہا ہوں جدا خدائی میں — وہ ملتے سرخ سے ملتے ہیں ہم تو سر دیکھو

(ص 108)

ہم جیسے بندے کو سکھ کیا جسکو یاس ہو — وہ ساد تیرا خالص لطف و بہار ہو
غفار بخشتا ہے کہ اس کے ہو کے رہو — امیدوار رحمت پروردگار ہو (ص 110)

ہے انتظار مجھ کو کب حاصل ہو مشرب — بے چین کر رہی ہے اب آرزوئے مشرب
زاہد تمھے مبارک شرب شراب جنت — دل اپنا ہو رہا ہے مست سبوئے مشرب

1-(1) بحوالہ یادگار صابر مرتبہ محمد معیرالدین صغیر، مطبوعہ بہار پریس ملتان، اشاعت اول، نومبر 1935ء

ذات حق کی ہے جو صدا جا بجا — ہر زمیں ہے جلوہ گر ہم بو سما
ہے ظہور نور دلبر ہر مکاں — کعبہ و بت خانہ میں جلوہ کیا (ص 135)

(4) مولوی لطف علی

ملتان کی مضافاتی قصبے بہادر پور میں پیدا ہوئے۔ مولوی غلام محمد سے تعلیم حاصل کی۔[1] اور غلام حیدر ملتانی سے بھی فیض حاصل تھا۔[2] امیر بہاولپور کے دربار سے بھی وابستہ رہے۔ انھوں نے مثنوی سیف نامہ لکھی۔ ان کے دوہڑے بھی مشہور ہیں۔ ان کی شاعری کا موضوع عشق و محبت ہے۔ صوفی شعراء کی طرح مجاز کے پردے میں حقیقت کے اسرار کھولے ہیں۔

ہن سیاہ سوہنیں بھی ہن ترکش سمجھ مدام ڈھیندیں
دارا تے سکندر سکندر دو بھی خاص غلام ڈھیندیں
خط تعلی ان سنبل ڈھیں کہ نرگس تے بادام ڈھیندیں
یارب لطف علی کوں مل عباسی عشق حسن امام ڈھیندیں

(5) طالب ملتانی

خدا بخش طالب ملتانی 1284ھ/1864ء میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت ملتان ہی میں حاصل کی۔ شعر و شاعری میں اصلاح شوق عظیم آبادی سے بذریعہ ڈاک حاصل کی [illegible] جس پر ان کو ناز بھی تھا

صرف نازک خیال ان کا جو کہیں دھوم عالم میں
ہیں ہم شاگرد طالب حضرت شوق سخنداں کا

ان کے کلام کا مجموعہ "کلیات طالب ملتانی" کے نام سے 1889ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ان کی شاعری میں صوفیانہ رنگ موجود ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے

ہمیں کچھ خوف قیامت کا نہیں اے طالب
شافع روز محشر ہے پیمبر اپنا

1۔ "سرائیکی شاعری" ص 249
2۔ "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" ص 139

لٹاتا ہی میں کبھی شاہان توحید یزداں کا
مرا سینہ ہے گنجینہ در عدنِ ایقاں کا

مجنوں کی طرح ہم نہ فریاد کریں گے
ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

عشق میں کاوشِ جگر نہ گئی
یہ خلش اپنی عمر بھر نہ گئی

(6) مولوی عبیداللہ ملتانی

ملتان میں چشتیہ سلسلے کے صوفیاء میں سے ایک اہم نام مولوی عبیداللہ ملتانی کا ہے۔ آپ مولوی خدا بخش ٹامیوالی کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی زہد و تقویٰ، سادگی اور پرہیزگاری کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔ تدریس علم کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کی کتابوں کی تعداد تقریباً سو بتائی جاتی ہے۔ ان میں کچھ مطبوعہ ہیں اور اکثر غیرمطبوعہ ان کتابوں میں تحفۂ زناں، طیب النفس، سرّ ولی المعرفت، رفیقہ شرح تحفہ، المطایا و النظر، رسالہ طائفیہ، رسالہ عمرہ، وصیت نامہ، سراج عبدیہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ علم میراث میں ایک رسالہ علم جلد میراث کے نام سے لکھا جو کہ درس نظامی میں سند اول رکھتا ہے۔[1] آپ کی ایک تصنیف "سیر دلبراں" بہت مشہور ہے جو خواجہ خدا بخش کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ آپ ذوق لطیف کے حامل تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان سے لطائف کھینچنے کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا میں لطف کا طالب ہوں نہ کہ لطائف کا۔[2] آپ کی وفات 1305ھ میں ہوئی۔ آپ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ کا ایک قلمی دیوان مصنف کتاب اسد نظامی سے دستیاب ہوا ہے۔ اس میں ردیف وار فارسی غزلوں کے علاوہ متفرقات میں رباعیات، مثنویات اور ترجیع بند بھی شامل ہیں۔ اردو، فارسی مخلوط غزل کو ہندی غزل کے

1۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیے "اولیائے ملتان" از [illegible] ملتانی، ص 152

2۔ اصل عبارت یوں ہے "شخصی زاہد بخدمت مولوی عبیداللہ ملتانی رفت و گفت طریقہ لطائف ارشاد فرمائید مولوی صاحب گفت من طالب لطیف ام نہ طالب لطائف" مراۃ العاشقین ملفوظات شیخ شمس الحق سیالوی، ص 223، مطبوعہ مطبع مصطفائی، لاہور 1302ھ/1885ء

عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

الفا ہے شوق طبع کا میرا دلدار آپ آپ ہے — حجاب و شہر حق سارے جہاں وہ یار آپ آپ ہے

کمان و تیر کی حاجت نہیں رکھتا نگار حسن — نگاہوں سے کرے بسمل وہی ستار آپ آپ ہے

انہی کے نام سب کہتے قصے ہیں ان کے سوچے — ارادے ان کے سب ہوتے وہی سردار آپ آپ ہے

صنم بیدل سخن بیجان صنم در حق دل طلطان — صنم در درد بے دلان شفا بیمار آپ آپ ہے

صنم ہیں کہ سرگشتہ ہے کرم دم بکھرے اور — پر دم منتظر اس کا شہ اسرار آپ آپ ہے[1]

(7) تاج الدین ملتانی

میاں اللہ ڈتہ تاج الدین ملتانی 1844ء میں ملتان میں پیدا ہوئے لیکن ان کا کی عمر کا زیادہ حصہ امرتسر میں گزرا۔ پنجابی کے معروف شاعر سید فضل شاہ لاہوریؒ کے شاگرد تھے۔ سرائیکی اور پنجابی میں شاعری کرتے تھے لیکن ان کی شاعری اردو کے بہت قریب ہے۔ 1911ء میں وفات پائی۔[2]

نمونہ کلام یہ ہے

تن شمع مثل دم دمدار ہو گئی تے پروانے وی کسے دی آتش آ گئی

کیک وکھیا جیں دی جانش وں کتی جاہ دے جھٹ جدائی آ گئی

میں عشق دی فاش عاشق رکھے آمدی ہتا حاجی بے بلائی آ گئی

تہہ تاج بے کسے وے ویکھن منظور کس حک دی بےسائی آ گئی

(8) فقیر محمد عارف

فقیر محمد عارف کے والد کا نام قاضی عثمان تھا۔ وہ بہاولپور ڈویژن کی تحصیل حاصل پور ایک چھوٹی سی بستی بوکا محمد رمضان کے رہنے والے تھےؒ نالہ سنجارا کے قریب واقع ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات معلوم نہیں ہے۔ اور نہ تفصیلی حالات معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تذکرہ کسی کتاب میں نہیں ملتا تاہم ان کے خوشخط مخطوط منظومے (سرائیکی اور اردو) جناب حبیب فائق کی لائبریری میں قلمی نسخوں کی صورت میں موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فقیر محمد عارف حضرت

1۔ [illegible] 1۔ دیوان میاں اللہ ملتانی (قلمی) ص 24 (کل صفحات 32)

2۔ ایضاً "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" ص 266

سلیمان تونسوی کے مرید تھے۔ انھوں نے 20 ماہ شوال 1298ھ میں سفر کا آغاز کیا تھا۔ اور 13 ماہ ذی الحجہ 1301ھ میں واپس آئے اور دو سفرنامے لکھے۔ یہ دونوں سفرنامے میری نظر سے گزرے ہیں۔ سرائیکی سفرنامے کا عنوان "کوہ قم" ہے جس کا آغاز حمد، نعت، مناجات اور پیر تونسہ پاک کی تعریف سے ہوتا ہے اور پھر سفر کا حال لکھا ہے۔ اس قلمی کتاب کے 73 اوراق اور 146 صفحات ہیں۔ دوسرا نسخہ اردو زبان میں ہے اس کا نام گلزار عرب در بیان مکہ معظمہ و مدینہ ہے۔ اس کا آغاز بھی حمد سے کیا گیا ہے۔ پھر سفر کا حال منظوم ہے۔ اس کے 32 اوراق اور 64 صفحات ہیں۔ اشعار کی تعداد 698 ہے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

سوئے مکہ ہوئی راہی محمد نور — میاں دل میں ہوا آخر اپنو شوق
لکھی بیت اللہ کا احوال سارا — سفرنامہ اندر کر کے سکارا
پھر اس میں تا مدینہ تک لکھی حال — جگر کے خون سے اے نیک افعال
یہ گلزار عرب کر اس کو موسوم — کسی مکہ سفر کا حال مرقوم 1

کلیجا تھا اس جہاز کا تمام — ہوا تیر روانہ بعد از شام
بحر اندر چلا آخر بحر پھر — تباہت زور سے کرتا ہوا شور
ہمیشہ اس سے جرعہ موج آئی — بحر کو دیکھ کر دل تھرتھر آئی
ہوا دریا مخالف تھا سراسر — گزارے روز جو تین اس میں صبر کر
آخر جب ساتواں روز آپہنچا — سبھی اس دن عدن کا نظر پایا 2

آئی وقت اندر جمعت الیں — بدل بھیا بہت کسی من پاسی
گیا سب بھیک جامہ بدن کا — رہا ہرگز نہ کسی کو ہوش کا
ہوا جاری طرف سے سرد آئی — ز بارش ملک مکہ تھر تھرانی 3

(9) شاہ یحییٰ عاصی ملتانی

مولانا محمد شاہ یحییٰ ملتانی المتخلص عاصی، مولوی محمد موسیٰ پاک کے خاندان کے چشم و

1- " گلزار عرب " اردو منظوم سفرنامہ از فقیر محمد عارف (قلمی مخطوطہ)، ص 2
2- ایضاً ــــ ، ص 3
3- ایضاً ــــ ، ص 31

چراغ ہیں۔ ان کا شجرہ نسب عراقی سے جا ملتا ہے[1]۔ آپ 1200ھ میں اندرون حسین آگاہی، محلہ کمنگراں میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے دادا خواجہ غلام بخش اور اپنے والد خواجہ محمد حسین بخش سے حاصل کی۔ حصول علم کے بعد آپ نے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے لئے سخت ریاضت کی۔ اور چلہ کشی بھی کی۔ آپ بغداد بھی تشریف لے گئے اور وہاں حضرت عبدالقادر جیلانی کی درگاہ میں معتکف رہے۔ والد کی زندگی میں ہی والد سے سجادہ نشینی کا منصب پایا۔ اپنے والد کے ساتھ مل کر درس و تدریس بھی کرتے رہے۔ 1870ء میں وفات پائی[2]۔ ان کی قلمی بیاض ہمیں دستیاب ہوئی ہے جس میں زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ اس میں مناجات، نعتیں اور غزلیات شامل ہیں۔ ایک فارسی نظم اپنے بزرگ حضرت موسیٰ پاک کی شان میں کہی ہے۔ ایک نظم اپنے ایک بزرگ شاہ حسین بخش کی تعریف میں ہے۔ کچھ سرائیکی کلام ہے اور چند غزلیات اردو زبان میں ہیں، اردو کا نمونہ کلام یہ ہے

خدا نگہبان ہو تمہارا یہ جان میری ہو جب لبوں پر
نبی معین ہو سہارا یہ جان میری ہو جب لبوں پر

ہو موت آساں یہ ہو یقیناں میں حامئ شافعاں خدا نگہباں
دعا ہو ذکر مہر تمہارا یہ جان میری ہو جب لبوں پر

سنبھل یہ نفس دم ہو آساں صلوٰۃ جاری ہو ذکر باری
یہی دعا دو سمجھے غدارا یہ جان میری ہو جب لبوں پر

کر رہی آپ بیچین قرار و الم عاشق زار جل جب کے مر جائے گا
دے شراب وصال اور لطف و کرم عاشق زار جل جل کے مر جائے گا

ہجر میں ہجر و زنداں بیت الحزن کاش ہو جائے میرا مدینہ وطن
رات دن کی ہیں ستاتاں سوز و غم عاشق زار جل جل کے مر جائے گا

میرا مسکن ہے خار خلجان ہے کر نگاہ کرم ہو گلستاں ہے
دل کباب اور ہے جسم سارا زخم عاشق زار جل جل کے مر جائے گا

1۔ مضمون بعنوان "حضرت عراقی کی اولاد" از علامہ طالوت، مطبوعہ رسالہ تنویر، ملتان (سالنامہ) اگست ستمبر 1937ء، ص 57

2۔ شاہ بخش کے حالات ان کے پوتے جناب پروفیسر عبدالباقی سے حاصل ہوئے۔

آہ و زاری میری بے قراری میری اشک باری میری انتظاری میری
آپ کو ہی ہے معلوم شاہ اسم عاشق زار جل جل کے مرجاؤں گا ۔1

اس کے بعد بھی منظومانہ مضامین اس سرزمین کے شعراء کے کلام کا حصہ رہے ہیں اور دور جدید تک یہ روایت شاعری کا حصہ بنی ہوئی ہے۔

روحانی اور اخلاقی شاعری کے سلسلے میں مرثیے کی صنف کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ ملتان میں بھی مرثیے کی ایک عظیم الشان روایت زمانہ قدیم سے نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ ملتان کو پنجاب کا لکھنؤ سمجھا جاتا تھا۔ برصغیر میں سب سے پہلا مرثیہ سرائیکی زبان میں کہا گیا۔2 ساتویں صدی ہجری میں سرائیکی میں مرثیے لکھنے والوں میں بابا فرید گنج شکر بھی شامل ہیں۔ تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ایران اور عراق کے جو لوگ نقل مکانی کر کے ملتان اور آس پاس کے علاقوں میں پہنچے وہ اکثریت شیعہ تھے۔ ان کی بدولت ملتان میں عزاداری اور مرثیہ خوانی کا رواج عام ہوا۔ عین الحق فریدکوٹی کی تحقیق کے مطابق

> " ملتان کا علاقہ جو کہ اس خطہ میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے محمود غزنوی کی فتوحات (1004ء تا 1030ء) سے پہلے سے ہی محبان اہل بیت کا مرکز رہا ہے۔ کربلا کے سانحہ (61ھ/680ء) کے بعد شیعوں کی ایک بڑی تعداد پناہ کی غرض سے دور دراز علاقوں کی طرف ہجرت کر گئی ... ... اس کا کچھ اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب چوتھی صدی ہجری کے اوائل (اندازاً 320ھ/932ء) میں ابوالحسن مسعودی (وفات 348ھ/907ء) ملتان پہنچا تو یہاں قریش خاندان کے ایک فرد کی حکومت قائم تھی کہ جو بنو سامہ بن لوی بن غالب کی اولاد سے تھا ـــ جب 1005ء میں محمود غزنوی نے ملتان پر حملہ کیا تو اس وقت بھی یہاں ایک مسلمان سردار ابوالفتح داؤد کی حکومت قائم تھی۔ اس طرح ملتان میں محبت اہل بیت کی روایت کوئی ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی قرار دی جا سکتی ہے۔" 3

1۔ قلمی "بیاض شاہ بخش" (عبدالباقی صاحب سے حاصل ہوئی)
2۔ "سرائیکی شاعری میں امام حسین" از ڈاکٹر طاہر تونسوی مطبوعہ ماہنامہ مسعود سالگرہ جشن ولادت حضرت امام حسین نمبر، جون 1984ء ص 83

ملتان کے میاں مسکین اور ان کے دو بھائی میاں مشتاق اور میاں شفیع اٹھارویں صدی کے شروع میں نقل مکانی کر کے لکھنؤ چلے گئے۔ یہ تینوں بھائی مرثیہ نگار تھے اور اس وقت مرثیے کہتے تھے۔ جب شمالی ہند میں مرثیے کی کوئی مبسوط یا قابل ذکر روایت موجود نہیں تھی۔ چونکہ صوبہ ملتان کا مسلک صلح کل رہا اس لئے شیعہ سنی میں تفرید نہیں تھی اور دونوں مسلک والے مرثیہ کہتے تھے۔ گیارھویں صدی ہجری میں بہت سے جنگ نامے تصنیف کئے گئے جن کا موضوع واقعہ کربلا تھا، مثلاً جنگ نامہ حسین، جنگ نامہ کربلا جنگ نامہ علی اکبر وغیرہ سید علی حیدر ملتانی، مولوی عبدالحکیم اوچی اور لطف علی نے سی حرفی اور دوھڑوں کی شکل میں واقعہ کربلا کو منظوم کیا ہے[1] تیرھویں صدی ہجری میں مولوی فیروز، غلام حسن شہید، سکندر خان غلام، فقیر شہیدی اور صابر ملتانی نے مرثیے کی صنف پر طبع آزمائی کی۔ غلام حسن شہید کے دو اردو مرثیے کا ذکر ان کے احوال میں کیا جا چکا ہے۔ صابر ملتانی کے دیوان میں بہت سے فارسی، سرائیکی اور اردو مرثیے موجود ہیں[2] بعد کے شعراء میں مولوی غلام حیدر، فدا، عاشق، گل محمد مخطور، آسی، خادم، مولوی صدیق، جلال خان، صادق، مولوی فیروز، کمال خان، شوق، تسکین، نذر حسین، نثار شاہ، بہار ملتانی، نور اور غلام حسن مجبور کے نام قابل ذکر ہیں[3]

1۔ "سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال" از غلش پیر اصحابی، ص 6، مطبوعہ غلش منزل پیر اصحاب بھکر، مارچ 1980ء
2۔ ملاحظہ فرمائیے "یادگار صابر" ص 156 تا 206
3۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "سرائیکی شاعری" از کیفی جامپوری

مرثیوں کے کچھ مجموعے حسب ذیل ہیں (جناب طاہر عتیق شکیل کی لائبریری سے دستیاب ہوئے۔)
1) احوال الذاکرین (حصہ اول) مولوی محمد صدیق، مطبع مشتاق لاہور بار اول حافظ شمس الدین و معزالدین تاجران کتب ملتان، بوہڑ دروازہ
2) مطلوب الذاکرین (حصہ دوم) ---- ایضاً ----
3) ناصر الذاکرین ---- ایضاً ----
4) جمع المصائب مجموعہ مرثیہ محمد جلال خان، مولوی عمرالدین صابر و محمد معزالدین تاجران کتب ملتان 1321ھ
5) مرثیہ کمال خان — مطبع النبی آگرہ ---- ایضاً ---- 1318ھ
6) مجموعہ مرثیہ از شاہ، گلشن اور فدا ---- ایضاً ----
7) تحفۃ الذاکرین حصہ شکیب، مطبوعہ کتب خانہ حیدری لاہور
8) بہار نور، مہتاب نورانی، دہار نورانی از عاشق ملتانی، مطبوعہ کتب خانہ حیدری لاہور
9) اسرار محشر از نذر حسین، مطبوعہ کتب خانہ قریشیہ ملتان
10) روضۃ الابرار از صادق حسین نثار، مطبوعہ شہباز الیکٹرک پریس

(7) صوفیانہ مسلک اور ملتانی مزاج

"کہا جاتا ہے کہ کسی قوم کی تمام تخلیقی سرگرمیوں کا مجموعہ اس کی ثقافت ہوتی ہے" 1

چونکہ ملتان کی ابتدائی تخلیقی سرگرمیوں کا محور صوفیائے کرام رہے۔ اس لئے یہ کہنا بےجا نہ ہوگا کہ ان صوفیائے کرام کی شخصی اور تخلیقی سرگرمیوں نے ملتان میں ایک ایسی ثقافت کو جنم دیا جس کو صوفیانہ ثقافت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ صوفیانہ ثقافت صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھی۔ جس نے ملتان کے تمام تر تہذیبی و ثقافتی مظاہر اور لوگوں کے مزاج پر دیرپا اور مستقل اثرات مرتب کئے۔ ملتان کی تہذیبی ثقافتی اور علمی و ادبی زندگی پر صوفیائے کرام کے اثرات کا تفصیلی جائزہ گذشتہ صفحات میں لیا جا چکا ہے۔ اخلاقی سطح پر ان اثرات کا نتیجہ ملتانیوں کے مخصوص مزاج کی صورت میں نکلا۔ صوفیاء کے فیض اثر سے اہل ملتان ہمیشہ سادگی، شرافت، مروّت، انکساری اور خلوص کے مختلف جذبوں میں سرشار اور ہمکنار رہے۔ یہ ہر دور میں تصوف اور مذہبی علوم کے دلدادہ اور ادب و فن کی طرف مائل رہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں کہ

> "... منصورہ کے بعد ملتان دوسرا مرکز تھا جہاں اسلامی علم و فنون اور مسلم تہذیب و ثقافت کی بہاریں صدیوں تک قائم رہیں اور یہاں کے رجال بڑے بڑے کام کئے .... تفسیرات قرآن و حدیث اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس میں آگے آگے رہے" 2

ملتانیوں کا عام لباس نہایت سادہ یعنی تہبند اور چادر تھا ان کی عادات و خصائل نہایت پسندیدہ تھیں۔ وہ مسافروں اور پردیسیوں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ ان کی آمد، میل جول اور بود و باش کے بعد ملتانیوں کے مزاج میں مہمان نوازی اور فیاضی کے جذبات اور زیادہ گہرے ہوئے اور پھر صوفیاء کی تعلیم نے ان کو مزید جلا بخشی۔ مجاہد بخاری ملتانی لکھتا ہے

1۔ بحوالہ "ثقافتی تشخص" از شمیم آغا دیوی، ص 5، مطبوعہ (یونیسکو) نومبر 1982ء، جلد ششم

2۔ "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" از قاضی اطہر مبارکپوری، ص 248، مطبوعہ مکتبہ عارفین کراچی، جولائی 1967ء

ترجمہ " (ملتان کے لوگ) مسافروں سے محبت رکھتے ہیں، جو اکثر و بیشتر اہل عرب ہوتے ہیں۔" 1

آگے چل کر لکھا ہے

"لوگ خوش حال، صاحب مروّت اور عالی ظرف ہیں۔" 2

ان میں رواداری، اور برداشت کا مادّہ بھی یقیناً صوفیاء کی انسان دوستی، بے ریائی اور وسیع المشربی کے خصائص کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ محرم کے دنوں میں ملتان کے شیعہ سنی مل جل کر محرم مناتے تھے۔ اور اب بھی مناتے ہیں۔ سیّد اولاد علی گیلانی ملتانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں

"یہ بات باعث شکر ہے کہ مذہبی اختلافات کی وجہ سے دونوں فریقوں (شیعہ سنّی) میں کسی قسم کی مخالفت یا عداوت نہیں ہے۔ محرم کے موقع پر تعزیہ داری میں سنّی مسلمان بھی کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔" 3

ملتان کے زمیندار تو بالخصوص اپنی سادگی، مہمان نوازی اور کشادہ دلی کی وجہ سے بہت مشہور ہیں حقیقت یہ ہے کہ دیہاتیوں اور زمینداروں پر صوفیائے کرام کی تعلیم، تبلیغ کے اثرات زیادہ عمدہ طور پر ثابت ہوئے۔ اولاد علی گیلانی لکھتے ہیں

"ملتانی زمیندار بہت سی خوبیوں کا مالک ہے .... مرنجاں مرنج، سادہ طبیعت، اخلاقی مہمان نواز، گفتگو میں صاف اور مذہبی معاملات میں کشادہ دل، بلاتعصب، غرضیکہ ہر لحاظ سے ملتانی زمیندار بنی نوع انسان کی عمدہ خاصیتوں کا بہترین نمونہ ہے۔" 4

(5) موجودہ دور میں تصوّف کی صورت حال

تصوّف پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ اس نے خانقاہی زندگی کو رواج دیا۔ اور بے عملی کو عام کیا۔ اس نے بدعتیں پیدا کیں۔ کسی نے تصوف کو ویدانت اور اپنشد سے ماخوذ قرار دیا اور کسی نے مسیحیت، نو افلاطونیت کو اس کا سرچشمہ بتایا۔ کسی نے اسے ایران پر عربوں کے تسلط کا رد عمل

1،2- "احسن التقاسیم" اردو ترجمہ از مولانا مسعود علی ندوی بعنوان "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ص 359، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ، 1960ء

3- "سراج ملتان" ص 102

قرار دیا تو کسی نے غیر ملکی اور مشرکانہ نظریات کا حامل بتایا۔ ہمیں تصوف کے مآخذ و منابع سے سروکار نہیں۔ وہ کوئی بھی ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس مکتب فکر نے لوگوں کے دلوں سے بغض، عناد، کینہ دور کیا، باہمی اخوت، ہمدردی اور پیار محبت کی فضا کو قائم کیا۔ دنیا کے لالچ کے خلاف جہاد کر کے باہمی [illegible] رقابتوں سے مکدر فضاؤں کو پاک کیا۔ محنت اور دیانتداری کا درس دیا اور رزق حلال اور روحانی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔ جن لوگوں نے تصوف کے خلاف علمی بحث کی حد تک بات کی ہے ان میں غیر مسلم مفکرین اور مؤرخین میں پروفیسر نکلسن، ڈاکٹر گریمر، ہولٹ مگ، جرمن مستشرق گولڈ تسیہر اور پروفیسر براؤن کے علاوہ قاضی عبدالصمد، خلیفہ عبدالحکیم، پروفیسر محمد حبیب ڈاکٹر غنی قاسم زادہ جیسے طبقہ سلطان علماء بھی شامل ہیں۔ تاہم تصوّف کی علمی افادیت اور اس کے مثبت اثرات مرتب کرنے کی طرف سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔

ہمیں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئیے کہ اسلام میں تصوف کی ابتداء دراصل ان سیاسی عوامل اور محرکات کی بدولت ہوئی جو اموی اور عباسی دور کی سیاسی کشمکش، انتقامی جذبے، انسانی خون کی ارزانی، خلق قرآن کے عقیدہ، دین دار اور سچے علماء و مشائخ کی تباہ حالی، زر و مال کے حصول کے لئے ناجائز استعمال ہوئیں، صبر و قناعت کے فقدان، ہوس اقتدار، ظلم و ستم اور مذہبی موشگافیوں جیسے مسائل نے پیدا کئے۔ انتشار، بدنظمی، بے چینی اور آشوب کے اس دور میں مسلک تصوّف کی مقبولیت ایک فطری امر تھی کیونکہ اس مسلک میں انسان دوستی، فلاح، امن، محبت اور احترام کے جذبات عام کئے جاتے ہیں۔ "ابعاد عرفانیہ" میں ہے کہ

> "ایسے پر آشوب دور میں ان تنگ نظروں نے دین و دنیاوی فلاح اسی میں سمجھی کہ اس مسلک کے نظریات کو اور محبت دین اور حیات تک رکھی ہو سکے عامۃ الناس کو اس سیاسی تصادم سے بچا کر ایسے گوشہ میں لے آئیں جہاں ہوس ملک گیری کی بجائے تہذیب نفس موجود تھی، جہاں تعصب دم کے عوض حیات انسانی کا احترام تھا، جہاں شاعرانہ جاہلی کے بدلے فضائل اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ زر و مال کے حصول کے لئے ہر طرح حربوں کے استعمال کے بجائے توکل، صبر و قناعت کا سبق دیا جاتا تھا۔ یہ مسلک تصوف کے نام

۱۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے "ابعاد عرفانیہ" ص 49 تا 54

> سے موسوم ہوا اسی طرح یہ مخلوط و عامی گوشے خانقاہ یا صومعہ کے نام سے مشہور ہوئے اور دینداری ، خدا ترسی ، صبر و رضا ، توکل و قناعت کا جو عہد لیا جاتا وہ بیعت کہلاتا یہ بیعت کوئی نئی چیز نہ تھی خلافت راشدہ کے بعد ، خلافت اموی اور عباسی میں جو خلیفہ تخت نشین ہوتا وہ صاحبین سلطنت سے اپنی اطاعت ، جان نثاری اور وفاداری کا عہد لیتے اس کو بھی بیعت کہا جاتا ہے فرق صرف یہ تھا کہ ایک بیعت صرف دنیا کے لئے اور ایک بیعت صرف دین کے لئے۔" 1

صوفیائے کرام کے استغنا ، قناعت اور درویش مسلک کے سبب علمائے ظاہر[2] ہمیشہ صف آرا رہے۔ کیونکہ انہیں اپنے دعویٰ اقتدار کا حصول اسی مسلک کی موجودگی میں ناممکن دکھائی دیتا۔ اس لئے انہوں نے تصوف پر نہ صرف کڑی تنقید کی بلکہ اس پر [illegible] الزامات بھی عائد کرنے شروع کئے تاکہ لوگوں کو اس سے دور کر کے مذہب کے حلقے میں اپنا دست نگر بنائیں ۔ ماضی میں یہی وجہ ہے کہ جب بڑے بڑے اماموں اور بزرگانِ دین کو (جن میں امام ابوحنیفہ اور امام حنبل کی مثالیں نمایاں ہیں۔) خدا پرستی اور حق گوئی پر سزائیں دی جا رہی تھیں تو درباروں سے وابستہ علمائے سو ان کے خلاف فتوے دے رہے تھے۔ لیکن ان ناسازگار حالات اور مخالفانہ پراپیگنڈے کے باوجود یہ مسلک اپنی امن پسندی ، انسان دوستی اور محبت کی آموزش کی بدولت زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ نہ صرف عملی سطح پر بلکہ علمی اور تصنیفی سطح پر بھی تصوف نے تبلیغ اسلام اور اشاعت اسلام کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ برصغیر پاک و ہند میں حضرت داتا گنج بخش ، حضرت معین الدین اجمیری ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی ، حضرت نظام الدین

1- لمعات خواجہ ، ص 45-46

2- خواجہ فرید نے علمائے ظواہر کے بارے میں کیا خوب کہا ہے

ملا بانی سمجھ نہ جانے　　گجھڑی راز دا بھیت نہ پاوے
بے پیر شوخی دی حضور
ملواں دی وعظ نہ بھاوے　　بے شک سادا دین ایہا ہے
ابن العربی دین دا مشہور
عاشق مست مدام سدامیں　　جا سجانیں بیٹھ سبحانی
گنجِ اناالحق تھی مسرور

ترجمہ - ملاں (علمائے ظاہر ہیں) بانی اور سنائی ہیں یہ پوشیدہ اسرار و رموز کی تہہ میں نہیں پہنچ سکتے کیونکہ بیچارے بے پیر اور مغرور ہیں ان ملاؤں کے وعظ ہمیں نہیں بھاتے ۔ ہمارا تو دین ایمان بلاشبہ ابن العربی کا نظریہ (یعنی نظریہ وحدت الوجود) ہے عاشق تو ہمیشہ طاعت کا [illegible] جاتا ہے [illegible]

اولیاء، حضرت بابا فرید گنج شکر، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، شاہ ولی اللہ، حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی، حضرت بندہ نواز گیسو دراز، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت رکن الدین عالم، حضرت سلیمان تونسوی، حضرت جمال اللہ ملتانی، حضرت خواجہ فرید اور دیگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے علم اور عمل کے ذریعے مسلک تصوف کو پھیلایا اور لوگوں میں تزکیۂ باطن، راست گوئی، پاکبازی، نیکی، شرافت اور صبر و قناعت کے جذبات عام کئے۔ دنیاوی جاہ و جلال، سیاسی قلا بازیں، مکر و فریب، حصول زر اور حب دنیا جیسی مہلک بیماریوں کو ان صوفیاء نے کم سے کم کرنے کی بھرپور سعی کی۔ صوفیائے کرام کی زندگی کا مقصد حب الٰہی، ترک ذات، ظاہر داری اور نفس پرستی کا استرداد، احیائے دین، رضائے الٰہی، تطہیر نفس، تزکیۂ باطن اور محبت جوش رہا۔ ہم نے سابقہ صفحات میں ملتان کے صوفیاء کے احوال میں تفصیل کے ساتھ ایسے واقعات اور شواہد جمع کئے ہیں جن سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دور جدید میں دنیاداری، نفس پرستی، بے عملی، حب زر، حب جاہ اور ظواہر پرستی کے رجحانات نے مسلک تصوف کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لئے کہ ان صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے بے عمل اور جاہ پرست سجادہ نشینوں نے اپنے بزرگوں کے نیک اعمال اور عظیم ورثے کو دنیاوی غرض اور اقتدار تک پہنچنے کے لئے سیڑھیوں کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے نام کو کمائی کا ذریعہ بنایا۔ مذہب میں تعصب و فریب بدعتوں، کفر و شرک اور توہم پرستی کو رواج دیا تاکہ ان کے تسلط کا دھندہ چلتا رہے۔

اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مذہبی اور علمی مراکز کے اصل وارث تو نہ تھے لیکن اپنے عملی حوالوں اور سیاسی اقتدار کی بدولت ان گدیوں پر قابض ہو گئے اور وراثت کے دعوے کر کے اپنے گرد مریدوں اور زر و جواہر کے ڈھیر لگانے لگے۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی 1176ھ/1762ء) نے اپنی صدی کے علماء کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ

"اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی، علمائے سو کہ طالب دنیا باشند و خو گرفتہ بہ تقلید سلف و معرض از نصوص کتاب و سنت" 1

1- "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ص 10، مطبوعہ دہلی 1927ء

اور شیوخ کے متعلق یہ فرمایا کہ

"اگر خواہی کہ نمونہ ازیں فریق (صوفی) ملاحظہ کنی امروز اولاد مشائخ و اولیاء را تماشا کن کہ در حفظ آباء خود چہ علمی دارند ہمہ تا کجا گشتہ بودہ اند" 1

لیکن یہ بات اس دور کے علماء اور مشائخ پر بھی صادق آتی ہے۔ ان حقائق کو علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں بیان کیا ہے اور جسے موجودہ علماء اور مؤرخین بھی جانتے ہیں لیکن

؎ افسوس صد ہزار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

"لمعات خواجہ" میں بالکل درست لکھا ہے کہ "عصر حاضر کی خانقاہوں میں ان کو وہ کہیں گفتار و کردار نظر نہیں آئی جو ہمارے اسلاف کا شیوہ تھی۔ پہلے پیر صحبت کی ایک نگاہ گرم ہی متاع صبر و قرار چھین لیتی تھی۔ دلوں میں وہ سوز و گداز گھر کرتا تھا اور وہ اضطرار پیدا ہوتا تھا کہ سر پر غرور اپنے آپ کو مرشد کامل کے قدموں میں ڈال دیتا تھا لیکن اب سب کچھ اس کے برعکس تھا۔ بقول علامہ اقبال

؎ میرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

ان حقائق نے اس طبقہ کو دینی درسگاہوں کے ساتھ ساتھ ان خانقاہوں [illegible] سے بھی متنفر کر دیا اور اب جو دھوکوں طرح کی دلدل میں پھنسے تھے وہ علوم دینیہ میں ان کے لیے کشش تھی اور نہ مرکز علم و عرفان ان کے لیے جاذبیت رکھتا تھا۔ اس طرح اہل بے زاری کی یہ خلیج رفتہ رفتہ اس قدر وسیع ہوتی چلی گئی کہ ان کے جانشینوں ہی سے اہل مغرب نے ان کے علوم پر جھپٹ پھیلا دی، تعلیم و مذاہب کے اعتبار ان کے دروازے کھول دئیے اور اس سیلاب میں بہہ و داخل اس طرح بڑھتے چلے گئے کہ ان کو یہ ہوش ہی نہیں رہا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، کیا کہنا ہے اور کیا کہنا درست ہے۔ چنانچہ تصوف پر ان کے تشکیکی عقائد کے یہی اسباب ہیں"۔2 لیکن اس ساری صورت حال کا التزام تصوف یا صوفیائے کرام

1- "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" از شاہ ولی اللہ دہلوی، ص 15
2- "لمعات خواجہ" ص 82

کو نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صوفیاء اور صوفیانہ تعلیم کا مقصد مثبت ذہن کی ترویج کرنا ہے نہ کہ اقتدار یا دولت کا حصول۔ جوگیوں کی درویشانہ زندگی سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے راہبانہ زندگی اختیار کی۔ اور جوگیوں کی عملی تعلیمات کے برعکس وہ ترک دنیا کر کے پہاڑوں کی کھوہ میں جا بسے۔ جوگیوں والا لباس پہنا اور جنتر منتر کے ذریعے روزی کمانا شروع کی۔ یہاں تک کہ عبادات اور شریعت کی پابندی بھی ترک کر دی۔ اگرچہ ان کی یہ روش صوفیانہ روح کے منافی تھی تاہم اس میں ایک لحاظ سے صوفیانہ رنگ موجود بھی تھا۔ یعنی کھردرا لباس، روکھی سوکھی پر گزارا، لوگوں کی حاجت روائی کے لئے چارہ جوئی، مردم آزاری سے گریز، سب السنت مال مست..... ایسی خوبیاں ہیں جو بیک صوفیاء اور جوگیوں میں مشترک رہی ہیں۔ البتہ صوفیاء جوگیوں کی طرح لوگوں سے گریزاں اور تارک الدنیا نہ رہے۔ بلکہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان کی خدمت، تعلیم و تدریس اور تبلیغ کا حق ادا کرتے رہے جبکہ جوگی دنیا چھوڑ بیٹھے۔ ملتان میں جوگیوں کا سلسلہ اب بھی ہے۔

(9) دور حاضر اور تصوف کے احیاء کی ضرورت

آج دنیا مادی ترقی کے لحاظ سے اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ انسان ستاروں اور سیاروں کی خبریں لا رہا ہے۔ خلاء میں سفر کر رہا ہے۔ ایٹم کی ہیبت کا چرچا عام ہے، یہاں تک کہ دل و دماغ تبدیل کئے جا رہے ہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی تیار کئے جا رہے ہیں۔ مصنوعی بارش کے ذریعے سال میں کئی کئی فصلیں حاصل کی جا رہی ہیں۔ روبوٹ کی ایجاد نے انسانی دماغ کی جگہ لے لی ہے۔ لیکن انسان اس تمام تر مادی ترقی کے باوجود اندر سے ٹوٹ چکا ہے وہ غیر مطمئن ہے، بے سکون ہے، مہلک ہتھیاروں کی ایجاد نے اور حاکم اقوام کے ہاتھوں محکوم اقوام کے استحصال نے انہیں ذہنی طور پر بے سکون اور مجروح/ بنا کر رکھ دیا ہے۔ مروت، شرافت اور بلند کردار کے اوصاف قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ فریب کاری، عیاری، ہوشیاری اور چالاکی کو آج کی دنیا میں کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ فکری انتشار، ذہنی پریشانی، عدم تحفظ کا احساس ہر دل میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ انسان اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ انہیں اقدار بلکہ خود زندگی اور اس کی مقصدیت پر سے ایمان اٹھتا جا رہا ہے۔

خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے اور اس کا سبب مادیت کا بڑھتا ہوا رجحان اور اخلاق اور انسانیت کا زوال ہے۔ ایسے دور میں صوفیاء کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ آج انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی شخصیت کی تعمیر اور کردار کی تشکیل ضروری ہے کیونکہ انفرادی زندگی کے شر ہوں یا اجتماعی زندگی کے، شخصیت یا شخصیتوں کی تعمیر اور تربیت کے بغیر ختم نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انسانوں کی تربیت خواہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر ضروری ہی نہیں ناگزیر بھی ہے کیونکہ اسی تربیت ہی کی بدولت مشت خاک آدمی سے انسان بنتا ہے اور کائنات کا محور بننے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ خالق کائنات نے اس "مرکز کائنات" کی تخلیق کے بعد اس کی تربیت کا اہتمام بھی کیا۔ تاکہ یہ [illegible] "اسفل" انسان تخلیق کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو جہاں اسے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" اور "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کے منصب کا حق دار تصور کیا جائے۔ شخصیت کی تعمیر کے اس کام کو ڈاکٹر ذاکر حسین کے بیان کے مطابق

> "...... حسن اہتمام، حسن انہماک، جس خلوص اور جس شفقت سے اکابر صوفیہ نے انجام دیا اور جس وسیع پیمانے پر اس کام کو انجام دیا ہے اس میں لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کی اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ ان کے کارناموں سے، ان کے مشاہدوں، ان کی خدمتوں، ان کی تعلیمی تربیتی کوششوں سے واقفیت، آج بھی تعمیر شخصیت کے دشوار کام میں موثر معاونت کر سکتی ہے۔ دور انحطاط میں قوم اپنے اکابر کے کارناموں اور ان کی شخصیتوں کو بھی اپنی ہی پست سطح پر لے آتی ہے۔
>
> چنانچہ ان مردان خدا کو یاد کرنے والے بھی ان کی طرف طرح طرح کے من گھڑت افسانے منسوب کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا رتبہ بڑھا رہے ہیں۔ اور افکار و کردار کے اس انمول خزانے کی طرف نظر کر کے بھی نہیں دیکھتے جس سے انہوں نے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے۔ کاغذی ہیروں میں کنکر کی صورتیں خالی ہیں مگر زمانے کا رخ بدل رہا ہے طبیعتیں پھر حقیقت کی متلاشی نظر آتی ہیں۔" 1

ان ابواب میں کوشش کی گئی ہے کہ ان اکابر صوفیاء کے حالات اور کارنامے اس طرح سے پیش کئے جائیں کہ

1- [illegible]

ہیں جیسے بقول ڈاکٹر ذاکر حسین

"ان کی زندگی اور ان کے کام کی صحیح روح آشکارا ہو جائے اور ہم ان بزرگوں کے ارادے کی قوت، افکار کی صحت، جذباتی حس کی ذکاوت اور طبیعت کی ہمواری، ہمدردی کی وسعت، گیرائی اور پائداری یعنی سیرت کی تربیت کے ان لوازم کی جھلک دیکھ لیں۔ ایک نقشہ دھندلا سا ہی سہی، ان کے ثبات قدم کا، ان کی خود اعتمادی، ان کے ضبط نفس ان کی بے لوث خدمت، ان کی اخلاقی جرأت یعنی شخصیت کی تعمیر کے اہم کام کا نقشہ سامنے آ جائے گا۔" 1

"یہ کام ہمیشہ ہی ضروری تھا، آج اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ صوفیہ کے حالات زندگی کو کشف و کرامات کے گھیرے سے نکال کر صحیح تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت اتنی کبھی نہ تھی جتنی آج ہے۔" 2

نفس انسانی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے "و الھمہا فجورہا و تقوٰہا" یعنی ذات انسانی کے اندر یہ صلاحیت بھی رکھ دی گئی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے آپ کو مستحکم، توانا اور مضبوط بنا لے اور اگر چاہے تو اسے توڑ پھوڑ کر ضائع کر دے۔ صوفیائے کرام اسی اندرونی شکست و ریخت کو روکنے کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور ذات انسانی کو نیک اعمال پر قائم رکھ کر مستحکم اور مضبوط بناتے ہیں۔

(10) حرف آخر

میں نے اس مقالے میں انہیں مقاصد کو سامنے رکھا ہے جن کی طرف ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے اشارہ کیا ہے تاکہ صوفیاء کے سلسلے میں میری تحقیق کے مثبت نتائج مرتب ہو سکیں کیونکہ آج جبکہ انسانی شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر جاری ہے۔ ان اکابر صوفیاء کی تعلیمات کو نمایاں کرنے اور ان کو نئی نسل کے سامنے لانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ ایک بار پھر اس انتشار، عدم تحفظ، بے چینی، اضطراب اور خود غرضی کے دور میں ضبط نفس، ایمان و ایقان، شرافت و دیانت، اصابت

1- [illegible]

2- پیش لفظ "مشائخ چشت" از خلیق احمد نظامی، ص 17، اسلام آباد 1953ء

مروّت ، اخلاص و اخلاق، کے جذبات کو عام کیا جا سکے۔ ہمارے لئے لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ آج کے اس دور میں دوسری اقوام اور دوسرے ممالک، مادّی ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ میرے خیال میں اس حقیقت کے اعتراف میں بھی بخل سے کام نہیں لینا چاہئیے کہ اخلاقی لحاظ سے بھی یہ قومیں ہم سے بہت آگے ہیں ہم جو خدا اور رسولؐ کے پیروکار ہیں نہ صرف مادّی ترقی کے لحاظ سے بلکہ اخلاق اور روحانی اقدار کے لحاظ سے بھی نہایت پسماندہ اور انحطاط پذیر ہیں۔

ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ من حیث القوم بلکہ اس سے بڑھ کر من حیث الملّت ہم میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئیے کہ ہمارے بزرگوں نے مشرق و مغرب کی تربیت کی۔ نہ صرف اخلاقی اور روحانی لحاظ سے انسانیت، کی رہنمائی اور رہبری کا حق ادا کیا بلکہ مادّی اور دنیاوی ترقی میں بھی پیچھے نہ رہے۔ فنون لطیفہ ہوں یا میدانِ سائنس ہو یا فلسفہ، جدید مسائل تصوف ہوں یا مسائل حیات ----- ہر میدان میں ہمارے اکابرین اور صوفیائے کرام کی خدمات بے مثال اور بے نظیر ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہمارے صوفیائے عظام اور اکابرین فلسفہ و فکر نے دنیا کی ظلمتوں اور جہالتوں میں نور و عرفان ، رشد و ہدایت اور مادّی و دنیاوی ترقیوں کی قندیلیں روشن کیں۔ اگر اس دور میں ایسا ہو سکتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس دور میں ایسا نہ ہو سکے۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں ان صوفیاء جیسا جذبہ، استقامت، صبر، استقلال ، ہمت ، جرأت، دردمندی، ضبط نفس اور خدا خوفی کے جذبے بیدار ہو جائیں ۔ اسی نیک مقصد کے حصول کے لئے میں نے یہ سعی کی ہے اگر میری اس سعی سے اس احساس کی ایک ننھی سی قندیل بھی روشن ہو جائے تو میں سمجھوں گی کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

کتابیات (پانچواں باب)

۱	آروی، عبدالمالک	مضامین مالک	سلسلہ مطبوعات ادارہ طاق بستان آرہ بار اول ۱۹۲۳ء
۲	ارشد حسین ارشد (مرتب)	ملتان قدیم و جدید	بزم ترقی ادب ملتان بار اول ستمبر ۱۹۶۸ء
۳	اسد علی، سید	ہندی ادب کے بھگتی کال پر مسلم ثقافت کے اثرات	ترقی اردو بورڈ دہلی، پہلا ایڈیشن ۱۹۶۹ء
۴	اکرام الحق، شیخ	ارض ملتان	شعبہ نشر و اشاعت الاکرام ملتان
۵	جمالی، فضل اللہ مترجم محمد ایوب قادری	سیر العارفین	مرکزی اردو بورڈ لاہور، بار اول اپریل ۱۹۷۶ء
۶	جمیل جالبی، ڈاکٹر	تاریخ ادب اردو (جلد اول)	مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول
۷	حکم چند، لالہ	تواریخ ملتان	اس کا ٹائیٹل کا صفحہ غائب ہے
۸	خالص پیر اصحابی	سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال	خلس منزل بھکر مارچ ۱۹۸۰ء
۹	درانی، معین الدین	سونیا کے ہار اور اردو	آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۶ء
۱۰	زوار حسین	شاخ ویرانہ دل	مکتبہ نجم ملتان طبع اول ۱۹۸۵ء
۱۱	سالک، عبدالمجید	مسلم ثقافت ہندوستان میں	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم
۱۲	سیالوی، شمس الحق	مرآۃ العاشقین	مطبع مصطفائی لاہور ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء
۱۳	شہاب، مسعود حسن	خطۂ پاک اوچ	اردو اکیڈمی بہاولپور، طبع اول ۱۹۶۷ء
۱۴	شاہ ولی اللہ دہلوی	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	مطبوعہ دہلی ۱۹۲۷ء
۱۵	شیرانی، مظہر محمود (مرتب)	مقالات حافظ محمود شیرانی	مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۶۶ء

۱۶	صباح الدین عبدالرحمان (سید)	بزم صوفیہ	معارف اعظم گڑھ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء
۱۷	طاہر تونسوی ڈاکٹر	ملتان میں اردو شاعری	سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۸۵ء
۱۸	عبدالحق، مہر، ڈاکٹر	پیام فرید	غیر مطبوعہ
۱۹	عتیق فکری،	ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر	ایضاً
۲۰	عاشق ملتانی	مہر ذوق	مطبوعہ کتاب خانہ چوہدری، لاہور۔
۲۱	عبدالحق مولوی (ڈاکٹر)	"اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام"	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۷۷ء
۲۲	عبدالحق مہر (ڈاکٹر)	ملتان (سرائیکی)	پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، اگست ۱۹۸۰ء
۲۳	عتیق فکری، خامہ	نقش ملتان (جلد اوّل)	فکری اکیڈمی ملتان طبع اوّل جنوری ۱۹۸۲ء
۲۴	فرحت ملتانی	اولیاء دے ملتان	
۲۵	فرشتہ، محمد قاسم	تاریخ فرشتہ (جلد دوم)	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔
۲۶	ایضاً	تذکرہ مشائخ کرام	احسن برادرز لاہور، جون ۱۹۶۵ء
۲۷	فریدی، نوراحمد	تاریخ ملتان	قصرالادب، جگووالہ، ملتان
۲۸	قاضی اطہر، مبارکپوری	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	مکتبہ عارفین کراچی جولائی ۱۹۶۷ء
۲۹	قاضی جاوید	برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء	ادارہ ثقافت پاکستان، طبع اوّل ۱۹۷۷ء
۳۰	قمر رئیس، ڈاکٹر	پریم چند — تنقیدی مطالعے	سرسید بک ڈپو علی گڑھ طبع چہارم ۱۹۷۷ء
۳۱	کشتہ مولا بخش	پنجابی شاعراں دا تذکرہ	مولا بخش اینڈ سنز لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۶۰ء
۳۲	کیفی جام پوری	سرائیکی شاعری	
۳۳	قدوسی، اعجاز الحق	تاریخ سندھ (حصہ اوّل)	مرکزی اردو بورڈ، لاہور

۳۴	گلشن ، شاہ اور تسدا	مجموعہ مرثیہ	مولوی خیرالدین صابر و محمد فخرالدین تاجران کتب ملتان ۱۳۲۹ھ
۳۵	گیلانی ، اولاد علی (سید)	مرقع ملتان	سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ، نے ملتان سے ۱۹۳۸ء میں شائع کی
۳۶	محدث دہلوی ، عبدالحق	اخبار الاخیار فی اسرار الابرار	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء
۳۷	مدنی ، ظہیرالدین	اردو غزل ولی تک	سلسلہ مطبوعات بزم اشاعت ممبئی بار اول
۳۸	محمد عبدالرزاق ، مولوی (مترجم)	سفرنامہ حکیم ناصر خسرو	انجمن ترقی اردو ہند (دہلی) ۱۹۴۱ء
۳۹	محمد صدیق ملتانی	لمعان الذاکرین	مطبع مجتبائی لاہور بار اول
		مطلوب الذاکرین (حصہ دوم)	ایضاً
		ناصر الذاکرین	ایضاً
۴۰	محمد جہان خان	شمع المجالس	مولوی خیرالدین صابر و محمد فخرالدین تاجران کتب ملتان ۱۳۲۹ھ
۴۱	معین الدین احمد چشتی	لمعات خواجہ	محسن الادب کراچی ۱۹۶۸ء
۴۲	ندوی ، سلیمان (سید)	نقوش سلیمانی	اردو اکیڈمی سندھ ، کراچی ، بار دوم ۱۹۶۷
۴۳	ندوی ، مسعود علی ، مولانا	ہندوستان عربوں کی نظر میں	دارالمصنفین ، اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء
۴۴	نظامی ، خلیق	مشائخ چشت	دارالمؤلفین ، اسلام آباد
۴۵	ہجویری ، داتا گنج بخش	بیان المطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب	فیروز سنز لمیٹڈ ، لاہور انیسویں بار ۱۹۶۶ء

رسائل

۴۶	آفتاب عزیز ، شیخ	ثقافتی تشخص	"پیامی" (یونیسکو) نومبر ۱۹۸۲ء جلد تیرہ
۴۷	اشفاق سلیم (مرزا)	پاکستانی موسیقی میں قوالی کی روایت	سرسید ین پاکستانی ادب (جلد ۲) لٹریری گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء

۴۸	سجاد حیدر (ملک)	فن تعمیر	سہ ماہی پاکستانی ادب (جلد ۲) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء
۴۹	طاہر تونسوی	سرائیکی شاعری میں مقام حسین	ماہ نو (چودہ سو سالہ جشن ولادت حضرت امام حسین) امام حسین نمبر جون ۱۹۸۲ء
۵۰	معین الحق فرید کوٹی	ذکر حسین پنجابی میں	ایضاً
۵۱	منصوری، شبیر احمد	اسلامی ہند کی درسگاہوں میں علوم عقلیہ کا رواج (دوسری قسط)	"معارف" اعظم گڑھ فروری ۱۹۶۳ء جلد ۹۱
۵۲	قریشی، اشتیاق حسین ڈاکٹر	برصغیر کے مسلمانوں کا فن تعمیر	سہ ماہی پاکستانی ادب (جلد ۲) فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج، راولپنڈی فروری ۱۹۸۲ء
۵۳	محمد امین، پروفیسر	علم فلسفہ میں ملتان کی خدمات	"ماہ نو" جولائی ۱۹۸۳ء
۵۴	ندوی، ابوالحسنات، مولوی۔	ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں	"معارف" اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء
۵۵	نسیم طالوت، علامہ	حضرت صوابی کی اولاد	رسالہ "نوید" ملتان سالنامہ اگست ستمبر ۱۹۵۷ء

اخبارات

۵۶	قریشی شمیم حیدر	ملتان کی دینی درسگاہیں	امروز ملتان نمبر ۲۸ جون ۱۹۶۸ء
۵۷	ریاض احمد (ملک)	"ملتان کا مخصوص فن تعمیر اور اس کے چند شاہکار"	ایضاً
۵۸	عتیق فکری، علامہ	برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات۔	ایضاً
۵۹	قادری، محمد صدیق خان	"عظیم روحانی پیشوا، حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی"	ایضاً
۶۰	شیرانی، م ح۔	فن تعمیر	امروز (ہفتہ روزہ اشاعت) ۱۲ ستمبر ۱۹۷۹ء
۶۱	اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۵ (ت—الفیوم)		دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اوّل ۱۹۸۰ء

62. Extracts from the Distt & States Gazetteers of the Punjab (Pakistan) vol.III, Research Society of Pakistan, University of Punjab Lhr. Impression 1977.

63. Percy Brown. Indian Architecture—House of Books Bombay (Third Edition).

قلمی نسخوں کی فہرست

۱	امام الدین، مولانا (مرتب)	تاج السالکین (فارسی) ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی	
۲	امام بخش (خواجہ)	گلشن ابرار (فارسی)	
۳	احمد یار حافظ (خوشنویس) یار محمد بن تاج چشتی (مرتب)	منتخب ملفوظ شریف حضرت خواجہ سلیمان تونسوی (فارسی)	یہ تینوں ایک ہی کتاب کی الگ الگ نسخے ہیں۔ ان کی کاتب الگ الگ ہیں۔
۴	ایضاً احمد الدین	المنتخب ملفوظ (فارسی) کتابت ۱۲ محرم ۱۳۱۲ھ	
۵	یار محمد بن تاج محمد (مرتب) میاں غلام محمد ولد حافظ محمد بخشہار (کاتب)	انوار سلیمانیہ (فارسی)	
۶	دریزی تونسوی، میاں	مناقب سلیمانی (فارسی) یہ کتاب منتخب ملفوظ شریف کے حاشیے پر لکھی گئی ہے۔	
۷	رکن الدین، مولوی	اشارات فریدی (حصہ پنجم) فارسی، ملفوظات خواجہ غلام فرید۔	
۸	راجد شاہ شیخی، مخدوم (سید)	اسرار الکمالیہ (فارسی) ملفوظات حافظ محمد جمال ملتانی	
۹	زکریا، بہاء الدین (ملتانی)	دیوان فارسی	
۱۰	سعد اللہ رضوی (سید) خلیفہ محمد امین (کاتب)	بحر السرائر (فارسی)	
۱۱	شرف الدین شریفی، شیخ	منبع البرکات (تذکرہ حقانیہ، فارسی)	
۱۲	ضیاء الدین بن حافظ مولوی عبد اللہ قادری	خلاصۃ العارفین (فارسی) ملفوظات حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی ۲۴ شعبان ۱۲۹۰ھ	
۱۳	عبد الشکور انصاری، مولوی المتخلص عبد اللہ	در تعریف خواجہ خدا بخش (سرائیکی منظوم)	
۱۴	غلام حسن شہید، چشتی	انوار جمالیہ (فارسی) سوانح عمری حافظ محمد جمال ملتانی۔	
۱۵	ایضاً	دیوان حسن (فارسی)	
۱۶	ایضاً	نور الہدایہ (مثنوی فارسی)	
۱۷	ایضاً	رسالہ نور الہدیٰ (فارسی)	
۱۸	ایضاً	دیوان متفرقات (اردو، سرائیکی، ہندی اور پنجابی زبان میں مختلف شعری اصناف)	

۱۹	نظام فخرالدین تونسوی مولانا حکیم محمد عمر چشتی (مرتب)	خلاصة الفوائد مشتمل بر حالات خواجه نور محمد مہاروی ۱ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ
۲۰	فرید مسعود اجودھنی	گنج الاسرار (ملفوظات بابا فرید گنج شکر) ، ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ
۲۱	فقیر محمد عارف	کوه غم ، در بیان سفر بیت الله و مدینه (سوانحی) ، ۱۳۰۱ھ
۲۲	قادری ، دارا شکوه کاتب یار محمد مرید غلام حسن شہید	سفینة الاولیاء (فارسی) ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ
۲۳	گل محمد ، چشتی ، مولوی	گلزار فریدی (فارسی) ملفوظات بابا فرید گنج شکر
۲۴	محمد افضل قریشی	خلاصة الاحباب (فارسی) ۱۱۶۲ھ
۲۵	منور حسین ، حیدر گورگانی	عقائد و مذاہب
۲۶	نظام الملک	مناقب فخریه مشتمل بر حالات شاه فخرالدین دہلوی ۱۲۹۳ھ

[illegible] اسداللهی شماره ۱۱۴ [illegible]
[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

[illegible]

منتخب ملفوظ شریف فارسی

مرتبه

حضرت خواجه تاج محمود چشتی علیه الرحمت [illegible] شریف

یادگار

در حالات حضرت خواجه [illegible] علیه الرحمت

برای [illegible] کتب مناقب [illegible] فارسی [illegible]

[illegible] ۱۱۹

[illegible]

[illegible]

ولا تعسر

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

ثنائی بی انتهائی مر احدی را که از ذرات عالم کون و فساد
برای جمال جلوه نمائی جمال احدیت مطلق و کمال بر حق مرات بی‌همتا
آراست و پرستش نا انتهائی مر واحدی را که عقول ... را
از کثرت موجودات بواحدیت خود مطلع ساخت و قلوب
عارفان آگاه را ... در حدیقه گنجهای انوار تجلیات احدیت
بخشید و صدور محققان بی اشتباه را بدرجه از شرح توحید
که علت علم الاولین والاخرین عبارت از آن است
رسانید و ذات خود را که بسبب بی رنگی مستور بود
در پرده کائنات بر منصه ظهور جلوه گر نمود چنانچه مضمون
این معنی در کلام موزون کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان
اعرف فخلقت الخلق ظاهر ... بجا رقم فرموده

بیت ز روی خنده که ... عکس خوبان جهان ... بی پرده
نهان باشم ... پرده عیان ... تحفه و درود نامعدود

نثار حضرت سید که باعث
ذی جود ... بلکه به مقتضای
ذات عنصر صفات ختم
سمات ... بلکه بفحوای
همه تعینات ... راز
دقائق همه اوست ...
لا اله الا الله و بر آل و
و مقربان احمد مختار اند ...
... و نصیر ... او ...
وابسته ... ذات
ذات مقدس ... جان
ایشان ... بگوید
یار محمد بن تاج محمد جعفر
که یکی از پسر برادران ...
پاکپتن ... الله

خواجه سلیمان پادشاه ؛ فدو
مغلوب نفس اماره ام ؛
چاره بکن ای چاره گر ؛
درد الست دارم مستقر ؛

خواجه

تمت بعونه تعالی بتاریخ

وصلی الله تعالی علی خیر خلقه
ولا تحصی الی یوم الدین آ
احمد الدین

هم بحال زار بین ؛ خواجه سلیمان دستگیر ؛ تو شاه شاهان من گدا ؛
بنگاه بر قدم سائم فدا گویم که از بهر خدا ؛ از آستان نکنم جدا ؛
خواجه سلیمان دستگیر ؛ دارم امید بیکران ؛ از حضرت سلطان جهان ؛
هم ای سلیمان زمان ؛ الله مرا از در مران ؛ خواجه سلیمان دستگیر
دل در غمت بیمار شد ؛ از دیدگان خون بار شد ؛ سوزم که هجرت
نار شد ؛ خواجه سلیمان ای ؛ از بس خطاها و جفا ؛ جز تو وعطا و وفا ؛
این عادت اهل صفا ؛ بل کار خاص مصطفی ؛ خواجه سلیمان دستگیر
این خسته دل را شاد کن ؛ از درد و غم آزاد کن ؛ با لطف خود آباد کن ؛
راه خودش ارشاد کن ؛ خواجه سلیمان دستگیر ؛ دارو ی صلاح های کرم
بیرون ند مردم بهره اسم ؛ هر کس به قسمت خویش کم ؛ من هم گدای تو شدم
خواجه سلیمان دستگیر ؛ خاص تویی بیکار را ؛ در زلف تو بیمار را ؛
درمان تویی بیمار را ؛ مطلب ساز بیکار را ؛ خواجه سلیمان دستگیر
عزمم بگیر ور اب گناه ؛ فریادم از نفس تباه ؛ دستم بگیر ای پادشاه
تا دارم زینها همه ؛ خواجه سلیمان دستگیر ؛ دل ور کند ت بند شد
زین بند خود رسته شد ؛ بند ور شد ؛ شکر خدا این بند شد

انوارِ سلیمانیہ

مناقب شریفہ قطب الاقطاب فخر الاولیاء

حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ خان تونسوی

مرتب

یار محمد ابن تاج محمد
ساکن بلدہ پاکپتن

بسم الله الرحمن الرحیم و تمم بالخیر

ستایش بلیغ از منتهای هر حمدی را که از ذات عالم کون و فساد برای جلوه نمائی
جمال مطلق و کمال بر حق مرآة سیمایش آراسته و بر [illegible] ثنای بی‌حد مر واحد را
که عقول [illegible] از کثرت [illegible] جود ذات او وحدت [illegible] در مطلع حسنت و قلوب عارفان
افکار را وسعت [illegible] که تجلی انوار تجلیات حضرت [illegible] و [illegible] در [illegible] متعالی است را
به هر چه انسان [illegible] واحدیت که غایت القول لین و الآخرین [illegible]
و ذات [illegible] که بسبب بیرنگی مستور [illegible] در پرده [illegible] ظهور جلوه گر نمود
چنانکه [illegible] کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف
فخلقت الخلق ظاهر فرمود و مولانا جامی [illegible]
زد خنده [illegible] عکس [illegible] [illegible]
با محمد و [illegible] حضرت [illegible]
[illegible]

ہر کہ بنقش بہ پاکی من ہم گدای تو شدم خواجہ سلیمان دستگیر ضامن تو ای ہر کار را

واقف تو ای اسرار را درمان تو ای بیمار را سلطان سلیمان یکبار را خواجہ سلیمان دستگیر

عزم تو باز دار گستہ ... یادم از نفس بستہ دستم بگیر ای باد شہ تا دام زین وابستہ

خواجہ سلیمان دستگیر ... رمیکن بیت بند شد زین بند خود بستہ کز بند دانش بستہ

شکر خدا کین بستہ خواجہ سلیمان دستگیر ذوق گدا بیچارہ ام ابر بہار خود آوارہ ام

خبر تو کرد انہ چارہ ام مغلوب نفس مکارہ ام خواجہ سلیمان دستگیر چارہ بکن ای چارہ گر

باشفقت پیر ور رہ در دامنت دارم نظر دنیا و عقبیٰ و در حشر خواجہ سلیمان دستگیر

تمت تمام ۔ اللہ تعالیٰ شانہ من بہ فقیر بر تقصیر میاں ... ۔ از حضرت

مولانا حافظ میاں محمد بختیار عفی عنہ خادم در ... سلطان التارکین

الموسوم بپیر کند ورن ... حسین صاحب رحمت اللہ علیہ ثانی ولد شیخ الاسلام شمس

عبدالاولیاء ... ملام حضرت سلطان لعل حسین محمد کرورؒ ۔

جناب فخر ... قدس سرہ العزیز شیخ الاسلام حضرت سلطان

جود ... مبارک سنہ ۱۰۳۱ھ شب برات گیرات جمعہ کے دن اس دنیا میں جلوہ

افروز ہوئے ہر سال اس تاریخ کو آپ کا گرہ منائی جاتی ہے

جناب حضرت فخر الاولیاء غوث الزمان ... الاسلام سلطان شمس الدین ...

... لعل حسین صاحب قدس سرہ العزیز نے دار الفنا سے دار البقاء ...

کے روز ظہر کی نماز کے بعد عصر کے آغاز کے وقت ۱۴ صفر المظفر سنہ ۱۰۹۸ھ

کو ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی ۔

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین ... والسلام علی رسوله محمد وآله واصحابه اجمعین اما بعد میگوید
المفتقر الی الله الواحد ... سیادت نقابت پناه حضرت نجابت [illegible]
[illegible] شاه صاحب سید محمد زاهد شاه ... سیادت نقابت منزلت حضرت نجابت
[illegible] سلاله ... حضرت شاه صاحب سید محمد دین شاه قدس الله [illegible]
[illegible]
عبد العزیز [illegible] رساله ... در بیان ... حضرت
شیخ [illegible] زبدة العارفین ... محبوب الله [illegible]
[illegible] حضرت مولانا ... حضرت
[illegible] در رساله ... المحققین
[illegible] غلام حسن [illegible]
[illegible] حسن عبارت [illegible] بمضمون [illegible]
[illegible] حضرت قبله خود رضی الله تعالی عنه متابعت پیر مرادان [illegible]
[illegible] والتوفیق وسمیت بالاسرار الکاملیة باب اول
در اعمال [illegible] اقوال مرشد [illegible] اول وقت نماز میشد آنحضرت وضو
بطریق احسن که شامل بر ادا جمیع فرایض وسنن ومستحبات [illegible] میکردند
[illegible] فرمودند که [illegible] وقت [illegible]
[illegible] سنت [illegible] زیرا که اول [illegible]
[illegible] فرض [illegible]
[illegible] جایز نباشد زیرا که سنت قایم [illegible] فرض [illegible]
امام شمس الائمة الحلوانی [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] فرمودند حسب الشرع احسن و بعد از ان برفرموده حضرت [illegible]
[illegible] بعد فراغت [illegible]
[illegible] حضرت [illegible]
[illegible] جایز است که حضرت رسول اکرم [illegible]

بعد صحبت بسیار کرد و بیرون حضرت شیخ المشایخ [illegible] ... [illegible]
حضرت شیخ محمود [illegible] ... در آنجا اقامت فرمودند مقبره حضرت ...
[illegible] خیال اختیار کردن از شهر بیرون آمدند حضرت بابا ...
نسبت [illegible] کرد ... کرامات ...
[illegible] کرامت شنیدم که ... گفت که ...
[illegible] حضرت [illegible] ...
... حضرت [illegible] ...
حضرت [illegible] ... گرفته ...
و حکم حضرت بابا [illegible] ... شده [illegible] ...

و در میان معرفت و حقیقت اتحاد فی المعنی و تغایر لیس الا بالاعتبارات است
یعنی معرفت فنا را گویند و حقیقت فنا الفنا را گویند و این
دو معنی دارد یکی آنکه فنا عدم دانستن ما سوا را گویند و فنا الفنا
رفع این ملاحظه را گویند یعنی اینجا هم ماند که من فانیم دوم آنکه اعتبار
[illegible] را گویند و فنا الفنا بقا بعد الفنا را گویند یعنی چون سالک
را فنا شد [illegible] ملاحظه ادراک امور بشریه از وی مرتفع شد و چون
[illegible] یعنی فنا مرتفع شد باز امور بشریه باز مستحکم گشت پس اینجا
را بقا حاصل گشت پس این هر دو یعنی اول متحد بالذات و متغایر
بالاعتبار گشتند و یعنی ثانیه متغایر بالذات و بالاعتبار شدند
تمت تمام شد بعون الله تعالی تحریر بتاریخ غره ماه ذالحج

از کلمات نفیسه حضرت شیخ بهاءالدین ملتانی رحمة الله علیه

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام

علی رسوله محمد وآله اجمعین ۱۲

شریعت از راست و طریقت [illegible]   حقیقت علم [illegible]

رو معرفت ترک باشد گناه   برین پنج جامه شوی پاک شاه

ترا باید شناسی [illegible]   چو بنیاد دو [illegible] محکم بود

بجز [illegible] شاهی ندیدم کهی   بجز راه جانان ندیدم رهی

۱۷۲

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لمالک حاذ [illegible]

[illegible] [illegible] فهرست بنا از تصنیف شیخ شرف الدین ابو توامه

و [illegible] لقی [illegible] جهت کل مخلوق حبیبت تبدیل در میانه دولت رعیا [illegible]

[illegible] زیب الکی یافت الرکنین بهر است سلفیح در خبر یث من جید

[illegible] [illegible] این رسایل فاضه انام پنهان و مجمع تمام که تقریر [illegible]

[illegible] [illegible] بنوراز پناه رضوان دستگاه حضرت مخدوم عبد الرزاق [illegible]

[illegible] سره [illegible] اندران [illegible] سلطنت لاهور متصل موجی دوازده مجلس شیخ [illegible]

[illegible] یک روز صحبت [illegible] پناه شیخ عبد الغفور مرحوم مغفور بخدمت شیخ

[illegible] [illegible] درس [illegible] مقابله گرفته بودم و شیخ مغفور در عالم [illegible]

[illegible] حسنات [illegible] الانا با بود چند نسخه ملفوظات اهل سلف [illegible]

[illegible] [illegible] ذکر [illegible] احوال خود بار حضرت مخدوم عبد الرشید

[illegible] [illegible] احوال [illegible] خروج الکرب و خروج [illegible]

[illegible] خوارزم [illegible] ملتان از ملفوظات [illegible] تا منتهای

[illegible] [illegible] شیخ الاسلام [illegible] الطالبین

ثانی علم الیقین شیخ شمس الدین مشتمل بر دو ذکر در خروج العرب

و در خروج [illegible] خوارزم در کورانه فتح دیار هند و ولایت راجه [illegible]

[illegible] دستوره احوال مشایخ منقول از ملفوظ قطب الاقطاب [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] کنج شکر قدس سره از ملفوظ سید الابرار [illegible] اسرار

[illegible] [illegible] الدین بخاری از احوال خصال [illegible] و صحبات و اجلاس [illegible]

مرآة العارفين

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والـ
على رسوله محمد وآله اجمعين بدان اسعدك الله
که این چند کلمه حکایت آن سلطان الملک
برهان دین محجت نبوی وان برهان به
ثبوت وآن خواجه دلیل فتوت وان مسند
متوکل ولایت وان پیشوای راستی وآن فخر
دین وآن حنفی پرورده وحدت وآن آفتاب
وآن دریای موج والمکان وکنج عالم عزا

مرحوم مغفور اللهم اغفر لکاتبه ولقاریه
ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین
والمسلمات الاحیاء منهم
والاموات برحمتک
یا ارحم
الراحمین
الهی بیامرز این سه تن را مصنف نویسنده خواننده را
الهی هر کس که این خط نوشت عفو کن گناهان عطا کن بهشت
۱۲۴۴

[illegible]

مولفہ

مرزا عبدالغفور الانصاری (متوفی ۱۳۱۷ھ) [illegible]
المتخلص عبداللہ

مرقومہ (۱۳۰۵ھ)

[illegible]

اول [illegible] خدا پاک — جو آدم کو ان پیدا کیا [illegible]

پیدا کر کے [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — عقل انسان [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ثنا [illegible] یا مر [illegible] را سزاوار [illegible]
از مطلع نور [illegible] پیدا [illegible] جمال کمال [illegible] کسوت احمد [illegible] و درود نامحدود
[illegible] قلبین [illegible] ام موجود
و [illegible] بعد [illegible] علیہ [illegible]
و [illegible] است کہ [illegible] اما بعد [illegible]
مختصر مسمی بہ انوار جمالیہ [illegible]
غلام حسن ملتانی [illegible] مقامات [illegible]
جامع کمالات شیخ [illegible] مکمل بواسطہ سلسلہ [illegible]
[illegible] مطلع نور [illegible] جمال [illegible] شیخ [illegible]
خواجہ جمال الحق والدین [illegible]
از [illegible] تصنیف [illegible] سلسلہ [illegible] ات [illegible]
[illegible]
[illegible] آدم [illegible]
[illegible] بر لیسم [illegible] را
[illegible] باشد و مسافران عدم را یادگاری - ارباب ارادت [illegible]
[illegible] راسعی [illegible] ذوق [illegible]
[illegible] نہایت الحق [illegible] جمال [illegible]
[illegible] الوان [illegible]
[illegible] کرد و
[illegible]

[illegible] رضی الله عنه - فصل سیوم در ذکر خلفائی که [illegible] جناب حضرت [illegible] دختر خوارق و [illegible] اجازت [illegible] محمد عبدالله - فصل چهارم در ذکر [illegible] که [illegible] خلافت از جناب [illegible] اجازت از حضرت [illegible] سجاده [illegible] استفاده داشت - فصل [illegible] بر [illegible] [illegible] حقائق و [illegible] [illegible] الله [illegible] اجمعین

[illegible] والصلوٰة والتحیات علی محبوب المعظم واکرم علی الله علیه

بقلم احقر العباد [illegible] الله [illegible] که
نقش عقیدت و ارادت بدرب فیض آیات
حضرت شہید [illegible] علیه الرحمه یعنی [illegible]
[illegible] بر جبین [illegible] میدارد
[illegible] [illegible] یافته است
۱۱

[illegible] نسخه [illegible] فیض الحسن صاحب سجاده نشین خانقاه حضرت شہید
[illegible] سے نقل کی گئی

[illegible]

15-9-74.

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible] / بیاور خوش آتش [illegible]

[illegible] / [illegible] مستی

بیاور [illegible] گرگان / [illegible]

گرگان [illegible] / بگردان دور جام [illegible]

[illegible] / [illegible] ساقی [illegible]

چه ساقی قبله مقصود مستان / شراب جاودانی [illegible]

[illegible]

با خوی نگارین همه در یا [illegible] | ای بخت [illegible] بشد [illegible]

بشکست [illegible] ولی [illegible] | [illegible] وزمن [illegible]

از لب [illegible] شکست [illegible] | ای جمال آفتاب خاور

با لب [illegible] | با رخ تابنده مهر انور

ای حسن در سلک سخن پروران

نام تو [illegible] گوهری

[illegible] کنید | لعل [illegible] دلداری کنید

[illegible] | [illegible] خریداری کنید

هم [illegible] | کاین زمان ترک دل آزاری کنید

تا [illegible] | [illegible] کنید

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم

مثنوی "نور هدایت" از حضرت منشی غلام حسن [illegible]

مناجات بدرگاه بی‌نیاز [illegible] مناجات [illegible] و

در [illegible] ارباب [illegible] در [illegible]

[illegible]

زنادی زبان [illegible] [illegible] دو [illegible] [illegible]

[illegible] دارد [illegible]

[illegible] غم

ماه

حق [illegible]

[illegible] هزار

بسپردم

[illegible]

[illegible] عشق

[illegible]

[illegible]

[illegible] الحکمان

[illegible] شهدا [illegible] والغفران

[illegible] کتاب مستطاب [illegible] بتوفیق [illegible] بتاریخ ۲۹ ماه

محرم الحرام سنه ۱۳۰۴ هجری [illegible] باتمام [illegible] اختتام پذیرفت.

— بسم الله الرحمٰن الرحيم —

الحمد لله الهادی إلی الصراط المستقیم والصلوٰة علی رسوله الکریم و[illegible] آله واصحابه المهدیین بالادب والتسلیم - اما بعد این رساله [illegible] مختصر مسمّیٰ به تحفة الهدایت برائے فرزند [illegible] [illegible] [illegible] منظر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] از عربیة تقریر شتافت - [illegible] [illegible] [illegible] ملتمس ست که [illegible] مندان اهل باک [illegible] خوردند رجا که اهل ارادت [illegible] [illegible] [illegible] الله تعالی این دو [illegible] نیاز کیش و جمیع مسلمین [illegible] [illegible] را [illegible] علم و عمل کرامت کناد و از علم و عمل بمقصود رساناد و [illegible] [illegible]

ای جان بابا - اگر ترا وصول به حقیقت حق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] باید که اوّل به تحصیل علوم کوشی علی الخصوص علم تفسیر و [illegible] [illegible] و نیز کتب تواریخ و تذکره که [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کرده اند در مطالعه [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کند به [illegible] مقصود — و هم [illegible] آداب و [illegible] و معاشرت و [illegible] [illegible] حاصل شود - [illegible] [illegible] [illegible] باشد در طریق [illegible] [illegible] [illegible] پسندیدهٔ اهل سنت و جماعت اختیار کنی - [illegible] به بیعت انسان [illegible] که ظاهرش به لباس شریعت آراسته و باطنش به نور حقیقت پیراسته - آن که فریفته [illegible] [illegible] [illegible] را [illegible] پسند شوی -

ای جان بابا - [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] و ارادت و [illegible] [illegible] خود گردانی و [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جمیع اقوال و افعال بر خود لازم گیری و بران استقامت کنی - و چون

...International
...Azam
..., Islamabad

سیدی [illegible] لائی نورچشمی حضرت مولانا مولوی صاحب المرقب [illegible]
[illegible] تعالی مظہر نام تعال اللہ المنتسب بہ محبوب اللہ [illegible] اللہ ظلالہم
افضالہ [illegible] الطالبین بالسالید الدین شیخ [illegible] آفتاب عالمگیر
کاتب الحروف [illegible] [illegible] الشیخ
لہ مستفید از فیض صحبت او [illegible] و از [illegible] [illegible]

بیت: این راست بخاطر درون گنج معانی ز نہایت برون
نے بخود این ملک ایدیافتم گز بہ نظر محرم خود یافتم —

اللہ [illegible] ترتیب [illegible] علیہ الآرام بر [illegible] و ممدود دارد
آے جان بابا اگر در [illegible] بہ نورالہدیٰ بہ ترتیب [illegible]
[illegible] اوقات [illegible] بردائتم [illegible]
[illegible] مجموعہ [illegible] برور [illegible]
[illegible] مناسبت رفیق
[illegible]

کاتب الحروف بندہ [illegible]
المرقوم ۲۷ ماہ صفر [illegible]

[illegible] ۱۹۲[illegible]

[illegible]
۱۱
۱۴۰[illegible]

(۱)

(۱) حضرت ... دیکرو ... پریشان ہیں روتے
سارے جگت کا روپ ... ہم بیٹھے در جاپ ہیں

(۲) حسن کو لیتے ہیں ذات الٰہی وہ انسان تمام کے
میں اس بات پہ دیکھو لاہی احد ہو کر کیا ہے

(۳) احد ہو معراج سدھایا جبرائیل براق لیا
دیکھو دیکھا آپ کو پایا آپ ہی آپ حجاب ...

(۴) کدی گرد کری شاہ ... کدی احمد سیاہ ...
کدی جمال اللہ کہاوے ... کا حد ہیت پیا

منتخبات از دیوان حضرت
خشی علام حسن شہید

غزلیات حضور خاتم مرسلاں پہ سلطان
و ... [illegible]

یہ حصہ
قلمی دیوان ... کے آخر میں ۱۴ ۱. ان پر مسلسل ...
معلوم ہوتا ہے کہ آخر کے چند اوراق گم ہو گئے ہیں کیونکہ
اختتامی الفاظ و تاریخ کتابت وغیرہ درج
نہیں ہیں

بسم الله الرحمن الرحیم و به نستعین

سپاس [illegible] الله اکبر [illegible]

[illegible] و السلام علی سید المرسلین و امام المتقین

و خاتم النبیین محمد و آله و اصحابه و اتباعه اجمعین اما بعد میگوید

اضعف عباد الله القوی الکریم [illegible] محمد حکیم که این چند

ملفوظات انفاس که هر یک از آن دوای [illegible] جهان [illegible] حضرت

شیخ المشایخ غوث العاشقین سید الواصلین [illegible] انوار [illegible]

[illegible] الله [illegible] الدین [illegible]

[illegible] شیخ [illegible]

[illegible] ملفوظات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

روز و شب ای مرد درویش کن این بار　　تا رهد جانت از همه آزار

لیک باید که بکار فرمایی　　ورنه خون خوردنت همه بیکار

این قدر بس بود نصایح و پند　　در سلوک از فریدالدین عطار

اتمام یافت [illegible]
[illegible]

فهیم محمود [illegible]

۱۵/۶
1368

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی رسوله محمد
وآله واصحابه اجمعین　میگوید درویش فقیر مسعود [illegible] غفر الله له
ولوالدیه که [illegible] شرح ماهیت دل و معرفت آن در قلم آمد.

دانی که در خوردن [illegible] گندم [illegible] بیت جرا قال آدم علیه السلام

گوشت [illegible] گشت و [illegible] شده و [illegible] گندم [illegible] که در آدم علیه السلام

بود [illegible] شد آدم [illegible] قوت [illegible] قوت حاصل شد و [illegible]

بگلی [illegible] شد [illegible] بالات [illegible] دم [illegible]

من [illegible] گندم [illegible] گندم [illegible]

[illegible] گندم [illegible] اسرار [illegible] قرار [illegible]

[illegible] گندم [illegible] آدم علیه السلام [illegible] آدم

علیه السلام [illegible] این رساله [illegible] الاسرار نام نهاده شد

بعون الله الملک المنان [illegible] تمام [illegible] الحمد لله رب العالمین علی الاتمام

[illegible]

[illegible]

یا الله بخش

[illegible]

کلمات [illegible] کرده ختم در بیاض سفر

بیست [illegible] وهدیه [illegible]

[illegible] شده [illegible] عارف ولد قاضی

محمد عثمان [illegible] رمضان خان

[illegible] دعاگو

بار رشد دیا جس تے راز الٰہ دا میں پیا پیند سجایا
دتا مکہ مدینہ منورہ مشرف زیارت پایا

بیت

نال ارمان مدینے حاضر کر رہ تین اپنے دیش سوہنجایا
کر و ایاد وطن دا اوہلی دتی حلیمہ ای یار رشد دا یا

بیت

درد اندر دے فراق فکر دا اتھے حجرہ بنایا
کرکے ویچ احوال سفر دا کوہ حجم تمام رکھایا

جیہڑا کیتا سفر بیت اللہ اندر رقت سیر کرایا
اوہ سبھے اسے ویچ کیتا جو نظر حساب آیا

بیت

مقصد کیتا تفسیر سوہنی مقصد اس مرکا یا
حارث یقینا کئی شعر بنوسٹن لازم ہر اک احیایا

مخمد نعیم مرحلہ سلام دعا گو مسکین لوکاں

۱
۲۷۶ یا اللہ بخش

کتاب گلزار عرب دربیان
مکہ معظمہ و مدینہ منورہ الصف
فقیر محمد عارف ولد قاضی محمد عثمان
ذات ...... سکنہ ...... خصاف خان
علاقہ تحصیل و ضلع ڈیرہ ...... میانوالی

دعاگو (مہر)

تا ہزار و دو صد دو

بیا ریکو زشر کو ہ

تا ہوا بر من کشادہ

وطن را ترک کرد

توکل بر خدا اگر

اسی بمبئی شہر

[illegible]

[illegible]

خدا کی فضل سے اگر

خزانہ جباری [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کروں اول ثنا توحید باری کو جس پیدا کی خلق ساری

تا کریا بہ سنگون کمند سمائی [illegible] بہ اوسکی خود [illegible]

کیا آیک کن سے پیدا دو عالم [illegible] باطن [illegible] معلم

[illegible] شادمین [illegible]

[illegible] عالم [illegible] مرتبہ اوس کا [illegible]

[illegible] یار [illegible] علی [illegible]

بس عارف [illegible] وحید جہان [illegible]

کہ تا محشر [illegible] تمام [illegible] سیاہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۱۱۸

دیکھا روضہ نبی خیر البشر کا

مدینہ میں حضرت کا جب دیکھا

سیر اسماعیل قاضی کا دیکھا مقصود

شکر حق قاضی اور رفیق کر

ہفتم سیر ... انکی

کیا حق نے سر فراز عاجز کو

شکر رب ... عارف قلم اتمام

[illegible]

تمام ہوا حصہ سوم ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

سفیر ... الاولیاء
از ...

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible] ... سیرالاکابر
... احوال ...
... [illegible]
... [illegible]
... و ... دستا ...
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible] ... حضرت
... [illegible] ... علیه و آله و سلم
... [illegible] ... قوم ...

[illegible]

... مستقیم اندود
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... [illegible]
... وصل ...

اللهم رب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کلمات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۱۰۲

ز غم فنا تا [illegible] ... تو ذوالجود و عطائی باش [illegible]

اگر کار [illegible] ... بر [illegible] ده سرای باش [illegible]

... [illegible] ... رسان [illegible] جفائی باش [illegible]

... [illegible] ... تو [illegible] باش [illegible]

[illegible] ... ز حق [illegible] خطائی باش [illegible]

[illegible] ... رسان آن [illegible] آشنائی باش [illegible]

[illegible] ... ز رب [illegible] آدائی باش [illegible]

[illegible] ... ز حق [illegible] باش [illegible]

[illegible]

[illegible] ... مرا از در گدائی باش [illegible]

از [illegible] عطائی ... چه دیر از هر صدائی باش [illegible]

[illegible] محمد ... رسان [illegible] باش [illegible]

تو [illegible] کتاب [illegible]

[illegible] والا قدر ... [illegible]

[illegible] ... [illegible] سال [illegible]

١١٩٢ [illegible] تصنیف [illegible]

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

الحمد لله الملک العلی الذی [illegible]

[illegible] تفصیل والصلوة والسلام علی

[illegible] محمد المصطفی صلی الله تعالی علیه وسلم وعلی آله واصحابه [illegible]

الاسلام رضوان الله تعالی علیهم اجمعین اما بعد [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بندگی حضرت مخدوم شیخ بهاء الدین زکریا قدس الله سره العزیز [illegible]

[illegible]

[illegible] کار دنیا و نجات آخرت [illegible]

[illegible]

[illegible] مبارک حضرت مخدوم شیخ بهاء الدین [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت نبی آخر الزمان محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وتتمناه ... [illegible] ... حرر ... [illegible]

... ما اخذه الراشي ... [illegible] ... رشوة والرشوة حرام فالاولى ... [illegible]

... ما اخذه اولياء المخطوبة ... [illegible] ... رشوة والرشوة حرام والاسلم ... [illegible]

... على رسم النكاح ... [illegible] ... [illegible] ... والاولى ... المراة

... التزويج لان يسترد ما اخذه ... [illegible] ... والزوج يرجع ... [illegible] ... رشوة ... [illegible]

... ما اخذه ... [illegible] ... النكاح ... [illegible] ... فللزوج ... [illegible] ... الشكل ...

... التزويج لان يسترد ما اخذه ... [illegible] ... الزوج ... [illegible]

... رشوة حرام والاصل ... [illegible] ... العلان ... [illegible]

... وقت التزويج ... [illegible] ... حرام ... [illegible] ... معلق ... [illegible]

... [illegible] ... قائما ... [illegible] ... الزوجات ... [illegible]

... [illegible] ... تركة الزوج ... [illegible]

... [illegible] ... المراة ... [illegible] ... الزوج ... [illegible]

... ان المراة على الزوج ... [illegible] ... سائر الاولياء ... [illegible]

... على الوارث والوصية ... [illegible] ... في ... [illegible] ... الزوج ... [illegible]

... [illegible] ... المراة ... [illegible] ... الزوج ... [illegible] ... الرشوة ... [illegible]

... على الزوج والكافة ... [illegible] ... الزوج ... [illegible]

... سائر الاولياء والزوج ... [illegible] ... سائر الاولياء المراة ... [illegible] ... والله اعلم ...

[illegible]

ز رونق ملک جهان شد تا هست جهان فخر جهان خواهد بود

در جمع مناقب و صفات نبیه

حق داد مرا نسخه مرضیه

جستم چو تمام سال از مجمع از دل ؛ گفتا جمع مناقب فخریه

بیا در فخر از هر نقطه عالم

دو ده چند من ساز و افزون کن کم

به ده ضرب بشمار تمامی هشت کن صحیح ؛ بزن آن دو در هشت و هشتاد سی کم

نقل شد

الحمد لله و المنة که نسخه متبرکه [illegible] حرره المقدس

مناقب فخریه تاریخ [illegible] ۲۳ شهر شعبان المعظم سنه [illegible]

اصل [illegible] نسخه [illegible]

اگر تا تمام اصل نسخه ناقصه

۱۲۹۳

:103